دارالافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور
سے جاری شدہ فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ عثمانیہ

مفتی غلام الرحمٰن
رئیس دارالافتاء

زیرنگرانی
مفتی نجم الرحمٰن
نائب رئیس دارالافتاء

جلد اول

العقائد، البدعات والرسوم،
مایتعلق بالقرآن والحدیث، التقلید، الطہارۃ

العصر اکیڈمی پشاور

فتاوی عثمانیہ

جلد اول

علمی افادات: شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن مدظلہ
مہتمم ورئیس دار الافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور

زیر نگرانی: حضرت مولانا مفتی نجم الرحمٰن مدظلہ
استاذ الحدیث ونائب رئیس دار الافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور

تحقیق وتبویب: شرکائے شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء

باہتمام: احسان الرحمٰن عثمانی

سنِ طباعت اشاعت ہفتم:
ذی الحجہ 1442ھ / جولائی 2021ء

سنِ طباعت اشاعت اوّل:
جمادی الثانیہ 1437ھ / مارچ 2016ء
سنِ طباعت اشاعت دوم:
جمادی الاولیٰ 1438ھ / فروری 2017ء
سنِ طباعت اشاعت سوم:
رجب المرجب 1439ھ / اپریل 2018ء
سنِ طباعت اشاعت چہارم:
ربیع الثانی 1440ھ / دسمبر 2018ء
سنِ طباعت اشاعت پنجم:
ربیع الاول 1441ھ / نومبر 2019ء
سنِ طباعت اشاعت ششم:
رجب المرجب 1442ھ / دسمبر 2020ء

Ihsan.usmani@gmail.com
+92 333-9273561 / +92 321-9273561
+92 312-0203561 / +92 315-4499203

ملنے کا پتہ
مکتبہ العصر
احاطہ جامعہ عثمانیہ پشاور
عثمانیہ کالونی نوتھیہ روڈ پشاور کینٹ
صوبہ خیبر پختونخوا، پاکستان
رابطہ: 0314 9061952 / 0348 0191692

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست جلد ۱

❁❁❁

مسائل البدعات و الرّسوم

باب مایتعلق بالقرآن والحدیث والسنة

(قرآن اور حدیث سے متعلقہ مباحث کا بیان)

❁❁❁

مسائل قرآن و حدیث

❁❁❁

فصل في الأنجاس

(نجاستوں کا بیان)

2

فصل في المياه والبئر والحوض

(پانی کی مختلف قسموں، کنویں اور حوض کے احکام کا بیان)

❁❁❁❁❁

باب الاستنجاء

(استنجا کا بیان)

2

❁❁❁❁❁

باب الوضوء

(وضو کے احکام کا بیان)

فصل في نواقض الوضوء

(وضو کے نواقض یعنی توڑنے والی چیزوں کا بیان)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	فصل في متفرقات الوضوء	
	(وضو کے متفرق مسائل کا بیان)	
342	آیتِ کریمہ کا بغیر وضو کے چھونا	348
343	کاتب کا بغیر وضو کے قرآن یا کوئی آیت لکھنا	349
344	حفظ کے طلبہ کا بار بار وضو کرنا	349
	باب الغسل والجنابة	
	(غسل اور جنابت کے احکام کا بیان)	
345	تعارف اور حکمتِ مشروعیت	351
346	غسل کا لغوی اور اصطلاحی معنی	351
347	غسل کی مشروعیت	351
348	غسل کا حکم (فرض، واجب، سنت، مستحب)	352
349	غسل کے فرائض اور احکام	352
350	موجباتِ غسل	353
351	جن چیزوں سے غسل واجب نہیں ہوتا	354
352	ٹیسٹ ٹیوب سے غسل کے وجوب میں اختلاف	354
353	غسل کی سنتیں اور مسنون طریقہ	355
354	غسل کے آداب	355
355	جنابت کی تعریف اور احکام	356
356	جنابت سے متعلق احکام	356
357	جنابت کی حالت میں مباح افعال	356

فصل في متفرقات الغسل

(غسل کے متفرق مسائل کا بیان)

باب التيمم

(تیمم کا بیان)

❁❁❁❁❁

باب المسح علی الخفین

(موزوں پر مسح کرنے کا بیان)

۞۞۞۞۞

باب المسح علی الجبیرة

(پٹی وغیرہ پر مسح کرنے کا بیان)

باب الحیض

❁❁❁❁❁

فصل في أحكام الحيض

(حیض کے احکام کا بیان)

❁❁❁❁❁

فصل في أحكام النفاس

(نفاس کے احکام کا بیان)

فصل في أحكام الاستحاضة

(استحاضہ کے احکام کا بیان)

❁❁❁❁❁

فصل في متفرقات الحيض والنفاس والاستحاضة

(حیض، نفاس اور استحاضہ کے متفرق احکام کا بیان)

❁❁❁❁❁

تقریظ حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب مدظلہ العالی

مہتمم دارالعلوم دیوبند (یوپی) ہندوستان

PIN-247554 (U.P.) INDIA Tel: 01336-222429 Fax: 01336-222768 Email: infor@darululoom-deoband.com

ایک بیش قیمت مجموعۂ فتاویٰ

جامعہ عثمانیہ پشاور پاکستان کے دارالافتاء سے صادر ہونے والے بیس سالہ مجموعۂ فتاویٰ کو "فتاویٰ عثمانیہ" کے نام سے شائع کیا جارہا ہے۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب کے ذریعہ فتاویٰ عثمانیہ کی مکمل فہرست اور ایک جلد کا مکمل مسودہ حاصل ہوا، اوران کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ فتاویٰ کی ترتیب میں کافی محنت کی گئی ہے، حوالہ جات کا پورا اہتمام کیا گیا ہے اور ہر باب کے آغاز میں باب سے متعلق اصولی مباحث کا اضافہ کیا گیا ہے۔

عقائد، رسم ورواج اور سنت وبدعت سے متعلق فتاویٰ کو دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ اکابر علمائے دیوبند کے مشرب اور منہج کی پوری رعایت کی گئی ہے۔ فتاویٰ کی مکمل کمپوزنگ ہوچکی ہے اور تصحیح کا کام آخری مراحل میں ہے، اُمید ہے کہ یہ مجموعہ ان شاء اللہ نہ صرف مطلوبہ احکام کی دریافت میں معاون ہوگا؛ بلکہ طلبہ اور علماء کے لیے بھی رہنما ثابت ہوگا، اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرمائے اور امت کو استفادہ کی توفیق بخشے۔

ابوالقاسم نعمانی

(مولانا مفتی) ابوالقاسم نعمانی غفرلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

تقریظ شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی

مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی، صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، صدر اتحاد مدارس دینیہ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ وبعد جامعہ عثمانیہ پشاور پاکستان کا ممتاز علمی جامعہ ہے۔ یہ ادارہ اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر علمی حلقوں میں معروف و مشہور ہے۔ اکثر و بیشتر وفاق المدارس کے امتحان میں جامعہ عثمانیہ کے طلبہ صوبائی اور ملکی سطح پر کئی پوزیشن حاصل کرتے ہیں۔

جامعہ عثمانیہ کے بانی، مہتمم، شیخ الحدیث، رئیس دارالافتاء حضرت مولانا غلام الرحمن مدظلہ العالی ہیں۔ اللہ تعالی ان کی علمی عملی اصلاحی خدمت میں خوب خوب برکت شامل فرمائے۔ آمین۔

مولانا غلام الرحمن جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے فاضل ہیں۔ مولانا نے ۱۹۹۳ء میں پشاور میں جامعہ عثمانیہ کی بنیاد رکھی ہے اس سے پہلے وہ کئی سال جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں نائب مفتی اور شعبۂ تخصص فی الفقہ کے نگران رہے ہیں۔ فتاوی حقانیہ کی ترتیب و تبویب میں آپ کا کلیدی کردار رہا ہے۔ جامعہ عثمانیہ سے اب تک ۱۵ ہزار سے زائد فتاوی جاری ہو چکے ہیں۔ افادۂ عام کے لیے ان فتاوی کو شائع کرنے کا فیصلہ ہوا ہے ان فتاوی کا مجموعہ ۱۰ جلدوں میں مکمل ہوا ہے۔ ہر باب کے شروع میں باب کے اہم مسائل کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

فقیر اس عظیم الشان خدمت پر مبارکباد پیش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی اس خدمت کو حسن قبول سے نوازیں اور مخلوق کو اس سے خوب خوب استفادے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

اس موقعہ پر فقیر اس حقیقت کا ذکر ضروری سمجھتا ہے کہ میرا اولین تعارف جامعہ عثمانیہ کے ساتھ مولانا حسین احمد کے ذریعہ ہوا جو جامعہ کے ناظم بھی ہیں اور محدث بھی۔ جامعہ عثمانیہ کی خوش نصیبی ہے کہ مولانا حسین احمد مولانا غلام الرحمن کی سرپرستی میں ان کا دست و بازو بن کر خدمت کر رہے ہیں۔ مولانا حسین احمد جامعہ فاروقیہ کراچی کے فاضل ہیں ان کی مکمل تعلیم جامعہ فاروقیہ میں ہوئی فراغت کے بعد کئی سال تک جامعہ فاروقیہ کراچی میں تدریس کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔

Tel: +9221- 4571132, 4573865, 4599168, Fax: +9221- 4571525 e-mail: info@farooqia.com URL: www.farooqia.com
Phase II, Mufti Mahmood Road, (Formerly) Hub River Road, Karachi. Pakistan Tel: 7094200 فیز II، شاہراہ مفتی محمود (سابقہ حب ریور روڈ) کراچی

یہ ٹھنڈے مزاج اور صحیح طریقے سے سوچ بچار کرنے والے سادہ طبیعت انسان ہیں۔ مہمات و مشکلات کے حل کی

کی اچھی صلاحیت اللہ عزوجل نے ان کو عطا کی ہے۔

مولانا حسین احمد وفاق المدارس کی مجلس عاملہ کے رکن ہیں اور وفاق کی کئی کمیٹیوں کے بھی رکن ہیں وفاق کی

جانب سے جب بھی کام اور ذمہ داری ان کو دی گئی ہے اسکو باحسن وجوہ انہوں نے پورا کیا ہے۔

یہ وفاق کی طرف سے اپنے صوبے کے ناظم بھی ہیں۔

صدر وفاق المدارس

سلیم اللہ خان

جامعہ فاروقیہ

کراچی

Tel: +9221- 4571132, 4573865, 4599168, Fax: +9221- 4571525 e-mail: info@farooqia.com URL: www.farooqia.com
Phase II, Mufti Mahmood Road, (Formerly) Hub River Road, Karachi, Pakistan Tel: 7094208 فیز II، شارع مفتی محمود (سابقہ حب ریور روڈ)، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیو بعد!

جامعہ عثمانیہ پشاور پاکستان کا ممتاز علمی جامعہ ہے۔ یہ ادارہ اپنی گونا گوں خصوصیات کی بنا پر علمی حلقوں میں معروف ومشہور ہے، اکثر و بیشتر وفاق المدارس کے امتحان میں جامعہ عثمانیہ کے طلبہ صوبائی اور ملکی سطح پر کئی کئی پوزیشن حاصل کرتے ہیں۔

جامعہ عثمانیہ کے بانی، مہتمم، شیخ الحدیث، رئیس دارالافتاء حضرت مولانا غلام الرحمٰن مدظلہ العالی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی علمی، عملی، اصلاحی خدمت میں خوب خوب برکت شامل فرمائے۔ آمین۔ مولانا غلام الرحمٰن جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے فاضل ہیں، مولانا نے ۱۹۹۲ء میں پشاور میں جامعہ عثمانیہ کی بنیاد رکھی ہے اس سے پہلے وہ کئی سال جامعہ دارالعلوم اکوڑہ خٹک میں نائب مفتی اور شعبۂ تخصص فی الفقہ کے نگران رہے ہیں۔ فتاویٰ حقانیہ کی ترتیب وتبویب میں آپ کا کلیدی کردار رہا ہے، جامعہ عثمانیہ پشاور سے ۱۵ ہزار سے زائد فتاویٰ جاری ہو چکے ہیں، افادۂ عام کے لیے ان فتاویٰ کو شائع کرنے کا فیصلہ ہوا ہے، ان فتاویٰ کا مجموعہ ۱۰ جلدوں میں مکمل ہوا ہے۔

ہر باب کے شروع میں باب کے اہم مسائل کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ فقیر اس عظیم الشان خدمت پر مبارک باد پیش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس خدمت کو حسن قبول سے نوازیں اور مخلوق کو اس سے خوب خوب استفادے کی توفیق نصیب فرمائیں، آمین ثم آمین

اس موقعہ پر فقیر اس حقیقت کا ذکر ضروری سمجھتا ہے کہ میرا اولین تعارف جامعہ عثمانیہ کے ساتھ مولانا حسین احمد کے ذریعہ ہوا۔ وہ جامعہ کے ناظم بھی ہیں اور محدث بھی۔ جامعہ عثمانیہ کی خوش نصیبی ہے کہ مولانا حسین احمد، مولانا غلام الرحمٰن کی سرپرستی میں ان کا دست وبازو بن کر خدمت کر رہے ہیں۔ مولانا حسین احمد جامعہ فاروقیہ کراچی کے فاضل ہیں ان کی پوری تعلیم جامعہ فاروقیہ میں ہوئی، فراغت کے بعد کئی سال یہ جامعہ فاروقیہ کراچی میں تدریس کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں، یہ ٹھنڈے مزاج اور صحیح طریقے سے سوچ بچار کرنے والے سادہ طبیعت انسان ہیں، مبہمات ومشکلات کے حل کی اچھی صلاحیت اللہ عزوجل نے ان کو عطا کی ہے۔

مولانا حسین احمد وفاق المدارس کی مجلس عاملہ کے رکن ہیں اور وفاق کی کئی کمیٹیوں کے بھی رکن ہیں، وفاق کی جانب سے جب بھی کوئی کام اور ذمہ داری ان کو دی گئی ہے اس کو باحسن وجوہ انہوں نے پوری کیا ہے، یہ وفاق کی طرف سے اپنے صوبے کے ناظم بھی ہیں۔

سلیم اللہ خان

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

بانی ومہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی

۱۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ /۵/ اپریل ۲۰۱۵ء

تقریظ شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر صاحب مدظلہ العالی
مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، بنوری ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
کراتشی ۷۴۸۰۰ - باکستان

Jamia-Uloom-Islamiyyah
(University of Islamic Sciences)
Allama Muhammad Yousuf Banuri Town
Karachi - Pakistan.

Ref. No. ____________　　Date. ____________

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔

أما بعد!

فتویٰ والافتاء کا کام انتہائی عظمت، اہمیت اور خطورت والا کام ہے، صحابہ کرامؓ، جو مجموعی طور پر علمی گہرائی کا نمایاں وصف رکھتے تھے ان میں سے منصب افتاء پر فائزین چند ہستیاں تھیں، پھر حرمین شریفین کے علاوہ دیگر علمی شہروں کوفہ، بصرہ، بغداد، دمشق، مصر وغیرہ میں اہل علم کی کثرت کے باوجود منصب افتاء کیلئے محدود متعین شخصیات کے نام گنوائے جاتے ہیں۔ یہی سنت طیبہ ہمارے اکابر تک جاری رہی اس تحدید کا بنیادی سبب فتویٰ وافتاء کی وہ خطورت ہے جس کو حدیث شریف میں متعدی ضلالت قرار دیا ہے اور مفتی کے ذمہ اس کے فتویٰ کے نتیجے میں گمراہی کا شکار رہنے والے کا وبال بھی مقدر بنایا گیا یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین میں یہ رواج عام تھا کہ وہ کسی مستفتی کو خود جواب دینے کی بجائے کسی اور کی طرف متوجہ فرماتے تاکہ وہ کہیں اس خطرے کا شکار نہ ہوجائیں جس کے بارے میں حدیث میں اشارہ ہے یہ نوبت درحقیقت خداترسی کا نتیجہ ہے، جو صاحب علم فتویٰ کی اہمیت وخطورت سے آگاہی رکھتا ہے اسے معلوم ہے کہ فتویٰ صادر کرتے ہوئے وہ خالق کا منشأ مخلوق کے سامنے خالق کی نیابت کرتے ہوئے پیش کررہا ہوتا ہے ظاہر ہے کہ یہ اتنی بڑی ذمہ داری ہے کہ ہر کس وناکس اس کی ہمت نہیں کرسکتا، صرف دو ہی شخص اس منصب کی طرف بڑھ سکتے ہیں:

۱...... حد درجہ جری انسان جو دہکتی آگ میں کودنے سے بھی نہ گھبرائے، یہ شخص ہر طرح کی خیر سے محروم رہتا ہے۔

۲...... وہ صاحب علم جسے خلق خدا افتاء کیلئے مجبور کرے اور وہ علمی منصب کی وجہ سے ضیاع علم کے خوف سے اس منصب کی ذمہ داریاں نبھانے کیلئے تیار ہوجائے، یہ شخص اللہ تعالیٰ کی تائید وتصویب کا مستحق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی نفع رسانی کو قبولیت ووسعت سے نوازتے ہیں اور اس سے اگر افتاء میں غلطی بھی ہوجائے تو اس کیلئے عفو ودرگزر کی خوش خبری ہے۔

لہٰذا...... موجودہ دور کے اہل فتویٰ صاحبان علم کو لازم ہے کہ وہ اپنے فقہی تلامذہ کو افتاء کی مشق کرانے سے قبل فتویٰ کی اہمیت اور نزاکت کا بخوبی ادراک کروائیں۔

P.O. Box: 3465 Karachi Code No. 74800, Phone: (0092-21) - 34913570 - 34912683 - 34915966 - 34123366 - 34121152
Fax: (0092-21) - 34919531, Karachi Pakistan URL: www.banuri.edu.pk , E-mail: info@banuri.edu.pk

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Jamia-Uloom-Islamiyyah
(University of Islamic Sciences)
Allama Muhammad Yousuf Banuri Town
Karachi - Pakistan.

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
کراچی ۷۴۸۰۰ - پاکستان

Ref. No. ____________ Date. ____________

۲......استنباط واستخراج کی غلطی سے حفاظت کیلئے افتاء میں ظواہر وعمومات سے استنباط واستخراج کی روش کی بجائے فقہاء کرام کی فقہی تفاریع کے تقید پر انحصار کریں کیونکہ نئے اجتہادات کی بجائے امت کے معتمد علیہ مجتہدین کے اجتہاد پر اعتماد میں دینی واخروی سلامتی کی ضمانت ہے۔

۳......فقہی تفاریع سے فتویٰ نویسی کے دوران اصول تخریج وتصحیح کا بھرپور التزام ملحوظ رہے۔

۴......نو پیش آمدہ مسائل میں جدیدیت وایاحیت کی چمک دمک کا شکار ہونے سے بچانے کیلئے ماخذ فقہیہ کی وسیع وعمیق مراجعت کا اہتمام کیا جائے۔

۵......تفردات وشذوذات کے فریب کا نشان بننے کی بجائے اجتماعی وحدت کو سعادت سمجھا جائے۔

۶......اگر واقعۃً کسی نو پیش آمدہ مسئلے میں فقہ اسلامی کی فرع کی تطبیق جدید کی حاجت محسوس ہو رہی ہو تو ایسے موقع پر شخصی اجتہادی لغزش سے تحفظ کیلئے ''فقہاء عابدین'' کی اجتماعی مشاورت کا سہارا لیا جائے ہمارے حضرت بنوری اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہم اللہ نے ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کے نام سے یہ عملی نمونہ اہل افتاء کیلئے چھوڑا تھا۔

الغرض اس وقت دیگر شعبہ جات کی طرح افتاء کے شعبے میں بھی اصلاح طلب امور کافی حد تک دیکھنے میں آرہے ہیں، اہل علم کو چاہئے کہ وہ ان امور کی تشخیص کر کے اصلاح وانسداد کی کوشش فرمائیں اور جہاں جہاں افتاء کے کورس اور تمارین کا سلسلہ قائم ہے وہ اس سلسلے میں جس قدر قیود وشروط کا اہتمام فرمائیں تو میرے خیال میں شرعی منشأ واقتضاء کے عین مطابق ہوگا۔

میرے پیش نظر اس وقت جامعہ عثمانیہ پشاور کے دارالافتاء سے صادر شدہ فتاویٰ کا ایک مجموعہ ہے جو ان منتشر باتوں کے یکجا ہونے کا باعث بنا، جامعہ عثمانیہ پشاور، صوبہ سرحد کے ان نو عمر مدارس میں سے ایک ہے جس نے اپنی تعلیمی، انتظامی اور ترقی کارکردگی کا سفر بڑی تیزی سے طے کیا اور انتہائی مختصر عرصہ میں صوبے کے بڑے اور نمایاں مدارس میں شامل ہونے میں کامیاب ہوا ہے، بلکہ ملکی سطح کے معیاری مدارس میں اپنی جگہ بھی بنالی ہے۔

جامعہ عثمانیہ پشاور نے جہاں تعلیمی وانتظامی حوالے سے مقامی روایات ایک طرف رکھ کر آگے بڑھنے کی طرح ڈالی ہے اسی طرح افتاء کے میدان میں بھی ایک عمدہ کوشش اور باسلیقہ طرز افتاء کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔

P.O. Box: 3465 Karachi Code No. 74800, Phone: (0092-21) - 34913570 - 34912683 - 34915966 - 34123366 - 34121152
Fax: (0092-21) - 34919531, Karachi Pakistan. URL: www.banuri.edu.pk . E-mail: info@banuri.edu.pk

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Jamia-Uloom-Islamiyyah
(University of Islamic Sciences)
Allama Muhammad Yousuf Banuri Town
Karachi - Pakistan.

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
کراچی - ۷۴۸۰۰ - پاکستان

Ref. No. ____________　　Date. ____________

"فتاوی عثمانیہ" کی فہرست کے مطابق منفرد اسلوب کے ساتھ دس جلدوں پر مشتمل یہ گراں قدر علمی ذخیرہ منظر عام پر آ رہا ہے فہرست کے آئینے اور جلد اول کے کچھ مسائل کے نمونے دیکھ کر یہ اطمینان ہوا کہ الحمد للہ فتاوی عثمانیہ میں دیگر کئی خصائص کے علاوہ سطور بالا میں ذکر کردہ فتوی کی خصوصیات بھی موجود ہیں اور اس پر مزید اعتماد کا پہلو یہ بھی ہے کہ یہ فتاوی جامعہ عثمانیہ پشاور کے بانی و مہتمم حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب سلمہ الرحمن کے تحریر یا تصدیق شدہ ہیں اور مفتی غلام الرحمن مشہور و معروف فقیہ و تقوی و تدین کی حفظ و حامل قدامت و روایت کے علمبردار حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب سابق صدر مفتی جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے شاگرد رشید ہیں اور مفتی غلام الرحمن صاحب نے افتاء کی خصوصی تربیت و مشق حضرت مفتی محمد فرید صاحب رحمہ اللہ سے حاصل کی ہے۔

ہم امید اور حسن ظن رکھتے ہیں کہ اہل افتاء "فتاوی عثمانیہ" میں حضرت مولانا مفتی محمد فرید رحمہ اللہ کے تفقہ و تدین کی جھلک محسوس کریں گے ان شاء اللہ۔ اور ہم یہ بھی توقع رکھتے ہیں جامعہ عثمانیہ پشاور کے ارباب افتاء اپنے میدان میں اصول افتاء، طرز اسلاف بالخصوص حضرت مفتی محمد فرید صاحب رحمہ اللہ کے احتیاط و ورع کو یوں ہی اپنا شعار بنائے رکھیں گے۔

دعا ہے کہ حق تعالی شانہ جامعہ عثمانیہ پشاور کے مؤسس و مدیر حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب حفظہ اللہ کی جملہ مساعی خیر بالخصوص فتاوی عثمانیہ کی ترتیب و تدوین اور طباعت و اشاعت کو شرف قبولیت سے نوازے اور اسے قبولیت تامہ مقبولیت عامہ نصیب فرمائے اور مفتی صاحب موصوف کے جملہ علمی و قلمی معاونین کی مساعی و حسنات کو بھی شرف قبولیت عطا فرمائے اور ان سب کو اس نوعیت کے علمی کاموں کی توفیق مزید و مدید سے مالا مال فرمائے آمین۔

وصلی اللہ وسلم علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔

فقط والسلام
[signature]
(مولانا ڈاکٹر) عبدالرزاق اسکندر
مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

P.O. Box: 3465 Karachi Code No. 74800, Phone: (0092-21) - 34913570 - 34912683 - 34915966 - 34123366 - 34121152
Fax: (0092-21) - 34919531, Karachi Pakistan. URL: www.banuri.edu.pk , E-mail: info@banuri.edu.pk

تقریظ حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی صاحب مدظلہ العالی

مکرم محترم جناب مفتی غلام الرحمٰن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بندہ بعافیت ہے امید ہے کہ آپ بعافیت ہوں گے۔ آپ کا خط اور آپ کے فتوی کی فہرست ملی۔ مسلسل سفر کی وجہ سے نہ فہرست مکمل دیکھنے کا موقع ملا اور اپنی علالت کی وجہ سے نہ مکمل پڑھ سکا لیکن جن بزرگان دین کا آپ نے خط میں تذکرہ کیا ہے، مولانا عبدالحق صاحب ؒ مولانا مفتی فرید صاحب ؒ، ان بزرگان کا نام دیکھنے کے بعد مجھے بھی یقین ہے کہ اس میں سبھی مضامین قابل اعتماد ہوں گے۔

اللہ تعالی بہت مبارک فرمائے امت کو اس سے نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اللہ تعالی آپ کے ان مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔ اس کا نسخہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور اور دار العلوم دیوبند میں بھیجنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہندوستان والے فائدہ اٹھا سکیں اور مفتی حضرات وہاں کے لوگوں کو فائدہ پہنچا سکیں۔

محمد طلحہ کاندھلوی

جامعہ مظہر علوم

سہارنپور

تقریظ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مولانا سمیع الحق
امیر مرکزیہ، جمعیت علماء اسلام پاکستان
مہتمم، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
چیئرمین، دفاع پاکستان کونسل
مدیر اعلیٰ، ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک
ممبر سینیٹ آف پاکستان (سابق)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

Moulana Samí ul Haq
President: Jamia Ulma-e-Islam Pakistan
Chancellor: Jamia Haqqania Akora Khattak
Chairman: Pakistan Defence Council
Editor-in-Chief: Monthly Al-Haq
Ex Member: Senate of Pakistan

الحمد لحضرة الجلالة و الصلوٰة و السلام علیٰ خاتم الرسالة، أما بعد!

بحمد اللہ دارالعلوم حقانیہ کے وقیع علمی مقام اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبولیت کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ یہاں کے خوشہ چین اور اس گلشن حقانی میں تعلیم وتربیت کرنے والے فضلاء میدانِ عمل میں جہاں بھی ہیں اپنا علمی مقام اور لوہا منوا چکے ہیں اور مملکت خداداد پاکستان اور بیرون دنیا میں بھی اس ادارے کے فضلاء کے علمی اور تحقیقی کاموں کو اعتماد کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، جامعہ حقانیہ کے ان ہونہار اور قابل فخر فضلاء میں حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن کا نام نامی اور اسم گرامی سرفہرست ہے۔ آپ نہ صرف جامعہ کے فاضل ہیں بلکہ عرصہ دراز تک یہاں ممتاز مدرس اور مفتی رہ چکے ہیں، ہمیں فخر ہے کہ حضرت مولانا غلام الرحمٰن صاحب کی فتویٰ نویسی کی ابتداء جامعہ حقانیہ سے ہوئی وہ تدریس کے ساتھ افتاء کے فرائض سالہا سال انجام دیتے رہے، حقانیہ کے بلند پایہ مفتیان کرام کی نگرانی، تعاون اور رہنمائی کا اوران کے نشوونما میں بنیادی کردار ہے، فتاویٰ حقانیہ کے مختلف جلدوں پر جامعہ حقانیہ کے شعبہ تخصص کے جید فضلاء نے اپنے اپنے مقالوں پر کام کیا اس کی نگرانی اور رہنمائی بھی مولانا غلام الرحمٰن صاحب فرماتے رہے، فقہ وافتاء کے میدان میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نمایاں مقام عطاء فرمایا ہے، اس کے علاوہ تصنیف وتالیف، تعلیم وتربیت، اور اہتمام وانصرام کے میدان میں اچھا ملکہ دیا ہے، آج سے تقریباً ۱۵، ۲۰ سال قبل جب آپ نے اپنے ادارے جامعہ عثمانیہ کی بنیاد رکھی، تو تھوڑے ہی عرصہ میں اس کو بلندیوں تک پہنچادیا، آپ کی انتھک کوششوں سے اس جامعہ کا دارالافتاء بھی ملک بھر کے بڑے بڑے اور بااعتماد دارالافتاؤں میں شمار ہونے لگا، جہاں کے جاری شدہ فتاویٰ نہ صرف عوام الناس، علماء اور علمی حلقوں میں داد تحسین حاصل کر چکے ہیں، بلکہ عدالتی حلقوں میں بھی اس کو سند اعتماد اور قبولیت حاصل ہو چکی ہے۔ اور یہ اسکی واضح دلیل ہے کہ ۲۰ سال کے عرصے میں جامعہ عثمانیہ کے دارالافتاء سے جو فتاویٰ جاری ہوئے ہیں، وہ دس جلدوں میں ان شاء اللہ

Website:http://www.jamiahaqqania.edu.pk/
Email:jamia.haqqania786@gmail.com ; editor_alhaq@yahoo.com
Facebook:https://www.facebook.com/Molanasamiulhaq
Twitter:https://twitter.com/MolanaSamiUlHaq
AL-Haq:https://www.facebook.com/alhaq.akorakhattak

Mobile: 0333-5196486 / 0333-9045588
Tel: (0923) 630340 Fax: 0923-630922
E-mail: editor_alhaq@yahoo.com

Moulana Sami ul Haq
President: Jamia Ulma-e-Islam Pakistan
Chancellor: Jamia Haqqania Akora Khattak
Chairman: Pakistan Defence Council
Editor-in-Chief: Monthly Al-Haq
Ex Member: Senate of Pakistan

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

مولانا سمیع الحق
امیر مرکزیہ، جمعیت علماء اسلام پاکستان
مہتمم، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
چیئرمین، دفاع پاکستان کونسل
مدیر اعلیٰ، ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک
ممبر سینیٹ آف پاکستان (سابق)

شائع ہو رہی ہے، حالانکہ فتویٰ ایک نازک ذمہ داری ہے جس کے شرائط وصفات اتنی ہی نازک، حساس اور عمیق ہیں کہ اس میں صرف ذکاوت، ذہانت اور وسعت مطالعہ نہیں بلکہ علمائے راسخین کا رسوخ، تبحر علمی، کتاب وسنت کے متنوع وسیع قدیم وجدید ذخیروں پر عبور، تغیرات وتبدلات زمانہ سے باخبری اور ہر لحہ پیدا ہونے والے تہذیبی، معاشرتی، سماجی، اور عرفی حالات اور عہد جدید کے پیدا کردہ مسائل اور چیلنجوں سے واقفیت پھر سائل اور مستفتی کے سوال اور ماٰخذ شریعت کے نصوص کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت بھی لازمی ہے، جسے فقہ کی تعریف میں فہم غرض المتکلم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

الحمدللہ مفتی غلام الرحمٰن صاحب ان تمام تر صفات سے متصف ہیں، اور انہی اوصاف کی بنیاد پر آپ نے خود یا آپ کے زیر نگرانی جتنے بھی فتاویٰ جاری ہو چکے ہیں وہ یقیناً قابل اعتماد ہیں، فتاویٰ عثمانیہ کے اس ترتیب میں دیگر شائع شدہ فتاویٰ سے الگ اسلوب اختیار کیا گیا ہے، کہ ہر کتاب کی ابتداء میں مباحث ابتدائیہ کے عنوان سے اس کتاب کی اہمیت، اسکے متعلق بعض مصطلحات اور ان کی تعریفات اور دیگر ضروری باتوں کی وضاحت کی گئی ہے اور اس کے بعد اسی کتاب کے متعلق لوگوں کے استفسارات کے باحوالہ جوابات ذکر کیے گئے ہیں، جس کی وجہ سے فتاویٰ کی افادیت میں اور بھی اضافہ ہوگیا ہے فی الوقت تو میری نظروں سے فتاویٰ عثمانیہ کے دس جلدوں کی فہرست اور کتاب العقائد اور کتاب الطہارت کے مباحث ابتدائیہ اور چند استفسارات کے جوابات گزرے ہیں مگر ان کو اور حضرت مفتی صاحب کی جلالت علمی کو دیکھ کر میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ فتاویٰ عثمانیہ کی تمام جلدیں ہر خاص وعام کے لئے ایک اعلیٰ اور بیش قیمت علمی سوغات ثابت ہونگی، مفتی صاحب کی گوناگوں صلاحیتوں، عزم وجزم اور جوش عمل نے مفتی صاحب مدظلہ سے ان دس جلدوں کی تدوین وترتیب واشاعت کی شکل میں ایک اکیڈمی کا کام لیا۔ والسلام

(دستخط)
(مولانا) سمیع الحق
مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

Website:http://www.jamiahaqqania.edu.pk/
Email:jamia.haqqania786@gmail.com ; editor_alhaq@yahoo.com
Facebook:https://www.facebook.com/Molanasamiulhaq
Twitter:https://twitter.com/MolanaSamiUlHaq
AL-Haq:https://www.facebook.com/alhaq.akorakhattak

Mobile: 0333-5196486 / 0333-9045588
Tel: (0923) 630340 Fax: 0923-630922
E-mail: editor_alhaq@yahoo.com

تقریظ حضرت مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری مدظلہ

امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

الحمد لله وحده و الصلاة و السلام على من لا نبيّ بعده:

برصغیر کے علماء حقانی مختلف جہات سے اپنی دینی خدمات اور شریعت اسلامیہ کی ترجمانی میں ہمیشہ سے مشہور وممتاز رہے ہیں ان علماء حق کی ایک خصوصیت یہ رہی ہے کہ دین اور شریعت کے جس شعبہ پر بھی انہوں نے اپنی عمر عزیز اور دل و دماغ کی توانائیاں صرف کر دیں اسی شعبہ میں نکھار اور حسن و خوبصورتی پیدا کرتے ہوئے اس کا حق ادا کیا۔ چنانچہ تعلیم وتربیت کا شعبہ ہو یا تزکیہ وارشاد کا، دعوت وتبلیغ کا شعبہ ہو یا فقہ وفتاوی کا ان میں کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں ان حضرات نے اپنی صلاحیتیں خرچ کر کے افادہ اور استفادہ کی راہیں کشادہ نہ کر دی ہوں اور پھر یہ بھی مشاہدہ ہے کہ ان حضرات کی مختلف علمی دینی تہذیبی اور ثقافتی خدمات کا اثر اور دائرہ محدود نہ رہ کر غیر محدود اور زمان ومکان کی قید مقید نہ رہ کر اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ افق عالم پر پھیلا اور مخلوق خدا نے اس نفع اٹھایا اور چہار دانگ عالم میں اس تشہیر وشہرت ہوئی۔

ایسے ہی دینی وعلمی میدان کی ایک عظیم الشان خدمت مسائل شرعیہ اور فتاوی دینیہ کے ذریعہ قوم وملت کی جائز اور شرعی راہنمائی بھی ہے اور جس کو فقہاء امت قضاۃ شریعت اور مفتیان کرام نے ہمیشہ کمال احتیاط اور حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا جب کہ ملت اسلامیہ کی تاریخ میں ایسے موڑ بھی آئے کہ ان حضرات کو جان ہتھیلی پر لے کر اور کفن سر سے باندھ کر اس فریضہ حق کو انجام دینا پڑا اور قرآن وسنت کے حکم کو چمکتی ہوئی تلواروں کے سائے میں علی الاعلان منبر ومحراب پر بیان کرنا بھی پڑا۔ کم از کم عہد مغلیہ سے لیکر ہمارے آج کے دور تک اس طرح کے واقعات ہزاروں کی تعداد میں پڑھنے اور عبرت ونصیحت حاصل کرنے کے لیے مل جائیں گے۔

سنت اللہ اور عادت اللہ یہ جاری ہے کہ زمانہ کبھی خیر سے خالی نہیں رہتا اور حق تعالی شانہ اپنی حکمت بالغہ کے تحت خیر کے ساتھ ساتھ رجال خیر بھی پیدا کرتا ہے جو دین وشریعت کی سرسبزی وشادابی کے لئے مسلسل جد وجہد اور مجاہدات وقربانیوں کی عظیم تاریخیں رقم کرتے رہتے ہیں۔ اور آیت قرآنی اور حدیث نبوی ﷺ کے مطابق ’’من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین‘‘ کی عملی تفسیر بنتے ہوئے امت کو جائز وناجائز اور حلال وحرام سے آگاہ کرتے رہتے ہیں یہ آگاہی

تحریر وتقریر بھی ہوتی ہے اور انفرادی واجتماعی بھی ہوتی ہے چنانچہ حضرات مفتیان کرام کے فتاوی کے مجموعے اور احکامات شرعیہ پر مشتمل ذخیرے ہر زمانہ میں اپنے حال وماحول کے مطابق منظر عام پر آتے رہتے ہیں اور جہاں جس وقت جس ملک اور جس معاشرہ میں جیسی ضرورت سامنے آتی ہے من جانب اللہ اس کا نظم وانتظام ہو جاتا ہے کم از کم حضرت اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی فتاویٰ عالمگیری سے لیکر آج تک فقہ وفتاوی کے ہزاروں مجموعے اس کی شہادت کے لئے بہت کافی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند مظاہر العلوم سہارنپور اور ہندوپاکستان کے نامور اداروں سے جاری ہونے والے فتاویٰ کے دسیوں مجموعے خود ہمارے اس دور میں اس کے ثبوت کیلئے کافی ہیں۔

بڑی خوشی اور مسرت کا مقام ہے کہ ان مجموعہائے فتاویٰ میں جامعہ عثمانیہ پشاور کے دارالافتاء سے شائع ہونے والا مجموعہ بنام فتاویٰ عثمانیہ اپنے تمام تر احتیاط اور اہتمام کے ساتھ منظر عام پر آرہا ہے۔ یہ مجموعہ جو تخصص فی الفقہ و الفتاویٰ کے عزیز طلباء کی کاوشوں کا نتیجہ ہے حضرت مولانا غلام الرحمٰن زید مجدہ کی تصحیح نظر ثانی اور پھر آپ کی تصدیق و تصویب کے ساتھ شائع ہو رہا ہے ان شاء اللہ الرحمٰن فقہ وفتاویٰ کی دنیا میں خود اپنا مقام اور حیثیت کا تعین کرائے ہوئے اپنے قارئین کی علمی پیاس بجھانے میں مفید ومعاون ثابت ہوگا بندہ دعا کرتا ہے کہ اللہ جل شانہ ملت کے عظیم اداروں اور جامعات سے شائع ہونیوالے دیگر فقہی موسوعات کی طرح یہ موسوعہ بھی اعتماد اور اعتبار کی نگاہوں سے دیکھا جائے۔ اور قبول عام حاصل کرے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

سید محمد شاہد غفرلہ سہارنپوری

امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

نزیل مدرسہ احسان القرآن والعلوم النبویہ لاہور

۵ صفر المظفر ۱۴۳۷ھ بدھ

مراسلہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی
نائب صدر جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمدلله ربّ العالمين والصلاة والسلام على رسوله الكريم محمدخاتم النبيّين
وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى كل من تبعهم باحسان إلى يوم الدين، أمابعد

جناب مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا گرامی نامہ اور اس کے ساتھ فتاویٰ عثمانیہ کے مسودات موصول ہوئے۔ یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ آپ کے زیرِ نگرانی جو دارالافتاء کام کر رہا ہے اس کے فتاویٰ کا مجموعہ مرتب کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ اللہ وتبارک وتعالیٰ نے آپ سے دین کے بہت سے کام لیے ہیں اور لے رہے ہیں، دعاء ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اُن میں برکت اور پیہم ترقی عطاء فرمائیں۔ آمین۔ بندے کو اپنی نااہلی اور مصروفیات کے سبب مسودے سے استفادے کا تو موقع نہیں مل سکا اور فتاویٰ کے بارے میں کوئی اظہارِ رائے اُن سے استفادے کے بغیر نامناسب ہے، لیکن جو کام آپ کے زیرِ نگرانی ہوا ہے اس کو مجھ جیسے آدمی کی تصدیق کی ضرورت نہیں۔ اُمید ہے کہ ان شاء اللہ یہ اہلِ علم کے لیے ایک مفید کتاب ہوگی۔ دل سے دعاء ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو نافع اور مقبول بنائیں۔ آمین۔　　والسلام

بندہ محمد تقی عثمانی
۲۲ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
جنرل سیکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا
ممبر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ
مدیر المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد، انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

فتویٰ کا مادہ ''ف، ت، ی'' ہے۔ فتویٰ اور فُتیا افتاء سے ماخوذ ہے، افتاء کے معنی کسی امر کو واضح کرنے کے ہیں: ''أفتاه في الأمر، أبانه له'' (۱) فتیا تو ''ف'' کے پیش کے ساتھ ہی استعمال ہوتا ہے؛ لیکن فتویٰ ''ف'' کے ''پیش'' اور ''زبر'' دونوں طریقہ پر استعمال کیا جاتا ہے، (۲) البتہ ''ف'' پر ''زبر'' زیادہ مشہور اور مروج ہے اور اہل مدینہ کی لغت بھی یہی ہے: ''الفتح في الفتوی لأهل المدينة'' (۳) بلکہ علامہ زبیدیؒ کا رجحان تو اس طرف ہے کہ فتیا ''ف'' کے پیش کے ساتھ ہونا چاہیے اور فتویٰ ''ف'' کے زبر کے ساتھ ہی ہونا چاہئے، (۴) افتاء کے معنی فتویٰ دینے کے ہیں اور استفتاء کے معنی فتویٰ طلب کرنے کے ہیں۔

فتویٰ کی اصطلاحی تعریف کے سلسلہ میں اہل علم نے مختلف تعبیرات اختیار کی ہیں، بعض لوگوں نے فتویٰ کی وہی تعرف کی ہے جو اجتہاد کی ہے؛ کیونکہ کہ متقدمین کے نزدیک افتاء سے اجتہاد اور مفتی سے مجتہد مراد ہوا کرتا تھا؛ اسی لئے بہت سے علماء اصول نے اجتہاد وتقلید کی بحث میں افتاء اور استفتاء کے احکام ذکر کئے ہیں، بعد کے فقہاء نے افتاء کی ایسی تعریف کی ہے، جس میں بمقابلہ اجتہاد کے عموم پایا جاتا ہے، اور اس میں خود اجتہاد کرنا اور دوسرے کے اجتہاد پر اعتماد کرتے ہوئے اس کو نقل کرنا دونوں صورتیں شامل ہیں؛ چنانچہ علامہ قرافیؒ فرماتے ہیں:

''الفتوىٰ إخبار عن الله تبارك وتعالى في إلزام أو إباحة.'' (۵)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی امر کے لازم ہونے یا مباح ہونے کی خبر دینا فتویٰ ہے۔

---

(۱) القاموس المحیط: ۲: ۱۷۰ (۲) حوالۂ سابق

(۳) لسان العرب: ۸: ۳۳۴ (۴) دیکھئے: تاج العروس: ۲۰/ ۳۸

(۵) کتاب الفروق: ۴/ ۵۳

علامہ بنانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

"الإخبار بالحكم من غير إلزام." (۱)

لازم قرار دیے بغیر کسی حکم کی بابت خبر دینے کو فتویٰ کہتے ہیں۔

البتہ موجودہ دور میں فتویٰ کی اصطلاح جس مفہوم میں استعمال ہوتی ہے اس کے لحاظ سے شیخ دکتور حسین محمد ملاح کی یہ تعریف نسبتاً جامع اور واضح نظر آتی ہے:

"الإخبار بحكم الله تعالى عن الوقائع بدليل شرعي لمن سأل عنه." (۲)

....

افتاء کی ذمہ داری بہت ہی نازک ہے، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالی نے فتویٰ کی نسبت اپنے آپ کی طرف کی ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾ (۳) ایک اور موقع پر ارشاد ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ﴾ (۴) گویا اللہ تعالی کی ذات خود مفتی ہے، پھر اللہ تعالی نے اپنے منشاء کی تشریح وتوضیح اپنے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کو حوالہ کی: ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (۵) یہ بیان ووضاحت کی ذمہ داری آپ ﷺ کے بعد ہر عہد کے علماء وارباب افتاء کے حصہ میں آئی؛ کیونکہ حدیث نبوی کے مطابق علماء انبیاء کے وارث ہیں، (۶) اس سے ظاہر ہے کہ مفتی گویا خود شارع کا نائب ہے اور اس کی طرف سے احکام شرعیہ میں لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے اسی لئے علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ مفتی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ فتویٰ دینے میں وہ کس کا قائم مقام ہے؟

وليعلم المفتي عمّن ينوب في فتواه. (۷)

اور امام نووی نے لکھا ہے کہ مفتی اللہ کی جانب سے رائے کا اظہار کرتا ہے:

المفتي موقع عن الله تعالىٰ. (۸)

اسی لیے فتویٰ دینے میں بہت احتیاط کرنی چاہئے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

---

(۱) حاشية جمع الجوامع: ۲/ ۳۹۷
(۲) الفتوىٰ نشأتها و تطورها: ۱/ ۳۹۸
(۳) النساء: ۱۲۷
(۴) النساء: ۱۷۶
(۵) النحل: ٤٤
(٦) سنن أبي داؤد، باب الحث على طلب العلم، حديث نمبر: ۳٦٤١
(۷) إعلام الموقعين: ۱/ ۱۱
(۸) شرح مهذب: ۱/ ٤٠ مقدمه

أجرأكم على الفتيا أجرأكم على النار. (۱)

کہ تم میں جو شخص فتویٰ دینے میں جری ہو وہ دراصل دوزخ پر جری ہے۔

ابن ابی لیلیٰ سے منقول ہے:

میں نے ایک سو بیس انصاری صحابہؓ کو دیکھا کہ ان میں سے ایک سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ دوسرے کا، دوسرا تیسرے کا حوالہ دیتا اور اسی طرح ایک دوسرے سے رجوع کرنے کی تلقین کرتا، یہاں تک کہ یہ سوال پھر پہلے شخص کی طرف لوٹ آتا۔(۲)

....

فتویٰ کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے، جتنی خود شریعت اسلامی کی؛ کیوں کہ امت میں سب سے پہلے مفتی رسول اللہ ﷺ تھے، علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

وأول من قام بهذا المنصب الشريف سيد المرسلين الخ. (۳)

آپ ﷺ کی شان یہ تھی کہ آپ ﷺ کی ہر بات وحی پر مبنی اور منشاء ربانی کی ترجمان ہوتی تھی: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى﴾(۴) نیز ارشاد ہے: ﴿إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحٰى إِلَيَّ﴾(۵) اس لئے یہ بات تو ظاہر ہے کہ بنیادی طور پر آپ ﷺ کے فتاویٰ وحی کی بنیاد پر ہوا کرتے تھے؛ لیکن کیا آپ ﷺ اجتہاد سے بھی فتویٰ دیتے تھے؟ اس سلسلہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور اکثر اصولیین اس کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ احکام شرعیہ میں بھی اجتہاد پر مامور تھے،(۶) یہی رائے امام رازی اور قاضی بیضاوی کی بھی ہے،(۷) امام غزالی کے نزدیک بھی یہی راجح ہے،(۸) امام سرخسی نے امام ابو حنیفہ کے نقطۂ نظر کی اس طرح صراحت کی ہے کہ حضور ﷺ اس بات پر مامور تھے کہ کسی بھی واقعہ میں وحی کا انتظار کریں، اگر انتظار کے باوجود وحی کا نزول نہیں ہوتا تو

---

(۱) سنن دارمي، باب كراهة الفتياء حديث نمبر: ۱۵۷ (۲) شرح مهذب: ۱/ ٤٠

(۳) إعلام الموقعين: ۱/ ۱۱ (٤) النجم: ٣-٤ (٥) يونس: ١٥

(٦) دیکھیے: تيسير التحرير: ٤/ ١٨٥، كشف الأسرار للبخاري: ٣/ ٣٨٦

(٧) دیکھیے: المحصول للرازي، ج: ٢، قسم: ٣، ص: ٩، ونهاية السول شرح منهاج الوصول للأسنوي: ٣/ ٢٦٤، منهاج الأصول للبيضاوى: ١٧٦

(٨) المستصفى: ٢/ ٣٥٥

یہ آپ ﷺ کے لئے رائے اور اجتہاد پر عمل کرنے کی منجانب اللہ اجازت ہوتی؛ البتہ اگر آپ ﷺ سے اجتہاد میں چوک ہوتی تو من جانب اللہ متوجہ فرما دیا جاتا؛ لہٰذا اگر آپ ﷺ نے کسی امر کی بابت اجتہاد فرمایا ہو اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر کوئی تنبیہ نازل نہ ہوئی ہو تو یہ اس اجتہاد کے وحی الٰہی ہونے کی علامت ہے۔(۱)

....

صحابہ اگر چہ تمام کے تمام عادل ہیں اور انہوں نے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے دین کو سمجھا ہے؛ اس لئے انہیں نہ صرف فضل وتقویٰ کے اعتبار سے امت پر تفوق حاصل تھا؛ بلکہ شریعت کے علم اور دین کے فہم کے اعتبار سے بھی ان کا درجہ بڑھا ہوا ہے، اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے جہاں ان کے دل کی پاکیزگی کا ذکر فرمایا ہے اور ان کو "أبرّهم قلوباً" کہا، اور جہاں زہد وقناعت کے اعتبار سے ان کے مقام و مرتبہ کو واضح کرتے ہوئے "أقلّهم تكلّفاً" کہا، وہیں علم وفہم کے اعتبار سے ان کی گہرائی اور عمق کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ وہ امت میں سب سے زیادہ عمیق العلم تھے: "وأعمقهم علماً" (۲)؛ لیکن صحابہ کے ورع واحتیاط کا عالم یہ ہے کہ کم ہی صحابہ تھے جو فتاویٰ دیا کرتے تھے، علامہ ابن قیمؒ نے مجموعی طور پر ۱۳۰ صحابہ کا ذکر کیا ہے اور ان میں بھی بہت کم صحابہ ہیں جن کا شمار "مکثرین" یعنی بکثرت فتویٰ دینے والوں میں ہے۔(۳)

صحابہ کے دور میں فتویٰ کی بنیاد اجتہاد پر ہوا کرتی تھی، صحابہ کے بعد تابعین وتبع تابعین کا عہد فقہ وفتاویٰ کی خدمت کے اوج کمال پر پہنچ جانے کا دور ہے، جو چوتھی صدی ہجری تک قائم رہا، اسی دور میں ائمہ متبوعین اور ان کے معاصر فقہاء مجتہدین پیدا ہوئے، ان کے فتاویٰ سے دو بڑے فائدے حاصل ہوئے، ایک تو انہوں نے کتاب وسنت میں انسانی زندگی سے متعلق بکھری ہوئی ہدایات وتعلیمات کا عطر کشید کر کے اس کو ایک مستقل نظام زندگی کی حیثیت سے مرتب کر دیا؛ تاکہ امت کے لئے اس پر عمل کرنے میں سہولت ہو، مثلاً: اسلام کے رکن اعظم نماز ہی کے بارے میں دیکھئے کہ نیت سے لے کر سلام تک کتنے مسائل ہیں جو اس عبادت سے متعلق ہیں، ظاہر ہے کہ نماز کا یہ پورا طریقہ قرآن کی کسی ایک سورت میں یا کسی ایک حدیث میں مرتب شکل میں موجود نہیں ہے، فقہاء نے مختلف آیتوں سے استنباط کیا ہے، مختلف مواقع پر آپ کی زبان مبارک سے صادر ہونے والے ارشادات اور آپ کے معمولات کو اس طرح جمع کیا

(۱) دیکھئے: اصول سرخسی: ۲/ ۱۹۶، کشف الأسرار: ۳/ ۳۸۶

(۲) اعلام الموقعین: ۱/ ۶۶

(۳) حوالہ سابق

ہے کہ اس کی ایک مرتب شکل سامنے آجائے اور ہزاروں صفحات کا نچوڑ "بـاب صـفـة الـصلاة" کے عنوان سے دو تین صفحات میں جمع کر دیا ہے، جسے عربی زبان سے واقف شخص پانچ دس منٹ میں پڑھ سکتا ہے، غرض کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فقہ کی مثال دریا بکوزہ کی اور اس شہد کی ہے، جو سینکڑوں پھولوں سے نچوڑے گئے رس کا خلاصہ ہوتا ہے، اس طرح امت کے لئے قرآن وحدیث اوران سے متعلق صحابہ کرام کی تشریحات پر عمل کرنا آسان ہوگیا، دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ اس سے تحریف معنوی کا راستہ بند ہوگیا، قرآن کریم کے الفاظ تو یقیناً بے کم وکاست محفوظ ہیں؛ لیکن ہر دور میں ان لوگوں نے جو دین میں انحراف پیدا کرنا چاہتے تھے، الفاظ قرآنی کی غلط تشریح کے ذریعہ اپنے مقاصد حاصل کرنے چاہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ محدثین نے اپنی بہترین کاوشوں کے ذریعہ وضع حدیث کے فتنہ کا مقابلہ کیا اور حدیث میں جو غلط نسبت قائم کرنے کی کوشش کی گئی، ان کو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی بنا کر الگ کر دیا؛ لیکن حدیث میں غلط معنیٰ آفرینی کی گنجائش پھر بھی باقی رہی، اس کا سد باب فقہاء نے کیا، پس جہاں قراء وحفاظ اور محدثین نے کتاب وسنت کے الفاظ کی حفاظت فرمائی، وہیں فقہاء نے افتاء واجتہاد کے ذریعہ تحریف معنوی کے راستہ کو بند کیا اور بددین وانحراف پسند لوگوں کے لئے اس کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ وہ قرآن وحدیث کی ایسی تشریح کریں، جو من مانی ہو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے منشاء کے خلاف ہو۔

....

جیسا کہ عرض کیا گیا: متقدمین کے اس دور میں فتاویٰ کے معنی فقہی اجتہادات کے ہوا کرتے تھے؛ لیکن بعد میں فتاویٰ کا لفظ دو اور معنوں میں استعمال ہونے لگا، ایک اصطلاح تو حنفیہ کی ہے، جس کے مطابق صاحب مذہب اور ان کے اصحاب کے بعد آنے والے مشائخ کے اقوال کو ''فتاویٰ'' یا ''واقعات'' یا ''نوازل'' وغیرہ سے تعبیر کیا گیا، عہد وسطیٰ اور متاخرین کے دور کی بیشتر کتابیں جو فتاویٰ کے نام سے موسوم ہیں، وہ اسی بنیاد پر فتاویٰ سے موسوم ہیں، جیسے فتاویٰ قاضی خان، فتاویٰ تاتارخانیہ، فتاویٰ ہندیہ وغیرہ، یعنی ان کتابوں میں صرف امام صاحب اور ان کے اصحاب ہی کے اقوال نقل نہیں کئے گئے ہیں، بلکہ بعد کے مشائخ کے اقوال بھی ذکر کئے گئے ہیں، دوسری اصطلاح یہ رائج ہوئی کہ کسی شخص نے سوال کیا اور ائمہ متبوعین ان کے تلامذہ یا ان کے بعد کے اہل علم اصحاب ترجیح، اصحاب تخریج کے اقوال کو غیر مجتہد نے جواب میں نقل کر دیا، اس جواب کو بھی فتویٰ کہا گیا جیسے فتاویٰ زینیہ وغیرہ، اس دوسری اصطلاح کے اعتبار سے فتویٰ اصل میں نقل فتویٰ یا نقل اجتہاد کو کہا جاتا ہے، اجتہاد کے پایۂ تکمیل تک پہنچ جانے، دین کو ہویٰ وہوس سے بچانے اور علم وفضل اور ورع وتقویٰ میں عمومی طور پر زوال وانحطاط کی وجہ سے جب چوتھی صدی ہجری کے بعد تقلید کے واجب

ہونے کا فتویٰ دیا گیا تو فقہی استفسارات کا جواب دینے میں یہی طریقہ کار اختیار کیا گیا اور موجودہ دور میں بھی اسی کو فتویٰ کہتے ہیں، گویا اس عہد کی متداول اصطلاح کے اعتبار سے فقہاء سلف کی معتبر آراء کو نقل کر دینے کا نام ہی فتویٰ ہے۔

اس جہت سے فتویٰ کی جو خدمات پورے عالم میں انجام دی جارہی ہیں، وہ بھی بڑی اہمیت کی حامل ہیں اور اس سلسلہ میں برصغیر کے علماء اور دینی اداروں کی خدمات آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔

برصغیر میں فتاویٰ کی جو خدمات انجام دی جارہی ہیں، اس سلسلہ میں دو امتیازی پہلو خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

اول یہ کہ یہاں فتویٰ حکومتوں کے اثر سے آزاد ہو کر دیئے جاتے ہیں اور یہی منہج سلف صالحین کا تھا، خلافت راشدہ علی منہاج النبوۃ کے بعد مسلم معاشرہ کی صورت حال یہ رہی کہ جو عالم حکومت کا قرب اختیار کرتا، یا اس کے عہدے قبول کرتا، علماء رجال اس کی روایت کو ناقابلِ قبول سمجھتے اور عام مسلمان اس کے فتاویٰ کو نامعتبر خیال کرتے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ عام طور پر علماء سلف اور حکومت وقت کے درمیان موافقت کی صورت کم ہی پائی جاتی تھی، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی شہادت ہی قضا کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے واقع ہوئی تھی، امام مالک رحمہ اللہ کو ان کے ایک فتویٰ کی وجہ سے سر مونڈ کر مدینہ کی گلیوں میں گھمایا گیا؛ لیکن وہ یہی اعلان کرتے رہے کہ جو جانتا ہے، وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا، وہ بھی جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ طلاق مکرہ کا اعتبار نہیں ہوگا، امام شافعیؒ دربار شاہی میں قتل ہوتے ہوتے بچے اور امام محمدؒ نے ان کی جان بچائی، امام احمد بن حنبلؒ پر ایسے کوڑے برسائے گئے کہ خود جلاد کے بقول اگر اس قوت کے ساتھ میں ہاتھی کو کوڑے لگاتا تو وہ بھی چنگھاڑنے لگتا یہی صورت حال امام بخاریؒ، امام سرخسیؒ، علامہ ابن تیمیہؒ اور بہت سے فقہاء و محدثین کو پیش آئی۔

اس طرز عمل کا یہ فائدہ ہوا کہ حدیث و فقہ کا ذخیرہ پوری طرح حکومتوں کے اثر سے آزاد رہا، اسی لئے ہمیں احادیث کے ذخیرہ میں ایسی روایتیں بھی ملتی ہیں، جو امراء اور ارباب اقتدار کے خلاف جاتی ہیں، اور فقہ کے ذخیرہ میں کتنے ہی ایسے مسائل ذکر کئے جاتے ہیں، کو امراء جور سے متعلق ہیں اور جن میں تغلب سلاطین کے خلاف خروج تک کی اجازت دی گئی ہے، برصغیر کے علماء نے بھی ہمیشہ سلف صالحین کے اس طرز عمل کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنایا ہے، انھوں نے برطانوی اقتدار کے عہد عروج میں بھی انگریزوں کے خلاف جہاد اور ترک موالات کا فتویٰ دیا تھا، اور اپنے نظام افتاء میں کبھی حکومتوں کے چشم وابرو کی طرف دیکھنے کے روادار نہیں ہوئے، اسی لئے مسلم دور حکومت کے ختم ہونے کے بعد فتاویٰ کی ذمہ داری ان دینی جامعات نے سنبھال لیں، جو حکومتوں سے کبھی ایک پیسہ قبول کرنے کے روادار نہیں رہے۔

....

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ فتویٰ کے نظام کو پوری طرح اعزازی رکھا گیا، جس پر کوئی فیس نہیں لی جاتی ہے؛ تاکہ ہر امیر و غریب احکامِ شریعت سے آگاہی حاصل کر سکے اور اپنی زندگی میں اس کو روبہ عمل لائے؛ حالانکہ فقہاء نے فتویٰ کی اجرت لینے کی اجازت دی ہے؛ لیکن اس پر اجرت مقرر نہ کرنے کی وجہ سے جہاں یہ فائدہ ہوا کہ امت کا ہر فرد دارالافتاء سے نفع اٹھا سکتا ہے، وہیں فتاویٰ پر اہل ثروت کے اثر انداز ہونے کا بھی سد باب ہو گیا، اگر فتاویٰ پر اجرت لی جاتی تو اس دورِ ہوی و ہوس میں یہ بات بعید نہ تھی کہ بعض لوگ اہل ثروت کے آلۂ کار بن جاتے اور ان کے منشاء کے مطابق فتویٰ دینے کی کوشش کرتے۔

اللہ کا شکر ہے کہ برصغیر کا پورا خطہ جو افغانستان کی سرحدوں سے لیکر برما کی سرحدوں تک ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کا احاطہ کرتا ہے، اس کے چپہ چپہ پر دینی جامعات قائم ہیں، اور ان میں بہت سے ادارے وہ ہیں جہاں افتاء کا مستحکم نظام قائم ہے، ان ہی میں ایک ''جامعہ عثمانیہ پشاور'' ہے، جو ۱۴۱۳ھ، مطابق ۱۹۹۲ء میں قائم ہوا، شیخ الحدیث حضرت مولانا غلام الرحمٰن صاحب مدت فیوضہ نے اس کی بنیاد رکھی، اس وقت یہ طلبہ اور طالبات کے لئے درس نظامی کی تعلیم، شعبۂ تخصص فی الفقہ اور بہ روایت حفص تجوید کے تعلیمی شعبوں کے علاوہ عصری تعلیم کے میدان میں بھی اہم خدمات انجام دے رہا ہے، یہاں تصنیف و تالیف کا شعبہ بھی سرگرم عمل ہے اور متعدد اہم تالیفات منظرِ عام پر آچکی ہیں، تعلیمی خدمت کے ساتھ ساتھ خدمتِ خلق کو بھی اس نے اپنی کوششوں میں شامل رکھا ہے۔

فقہ و فتاویٰ پر یہاں خصوصی توجہ دی گئی ہے، ۱۹۹۶ء میں دارالافتاء کا باضابطہ آغاز ہوا، جس سے ہزاروں فتاویٰ جاری ہو چکے ہیں، ۲۰۰۷ء میں مجلس فقہی کا بھی آغاز کیا گیا ہے، جس کے تحت متعدد ارباب افتاء مل کر جدید اہم اور پیچیدہ مسائل پر غور کرتے ہیں، اجراء فتاویٰ میں بھی احتیاط کا پہلو ملحوظ رکھا جاتا ہے، طلبہ تخصص سے از راہ ترتیب جو جوابات لکھائے جاتے ہیں، وہ جامعہ کے معاون مفتی کی تصحیح، نائب رئیس دارالافتاء کی نظر ثانی اور پھر خود حضرت مولانا غلام الرحمٰن صاحب رئیس دارالافتاء کی تصدیق و تصویب کے بعد جاری کئے جاتے ہیں، فتاویٰ عثمانیہ اسی منہج پر لکھے گئے سولہ ہزار آٹھ سو فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو دس جلدوں پر مشتمل ہے۔

اس حقیر کو پورے مسودہ کا مطالعہ کرنے کی سعادت تو حاصل نہیں ہو سکی؛ کیوں کہ اتنی ضخیم جلدوں کا ای میل سے پرنٹ نکالنا ایک کارِ دشوار ہے؛ لیکن مجھے فہرست مضامین کے مطالعہ اور جستہ جستہ بعض حصوں کو پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، میرا احساس ہے کہ فتاویٰ کا یہ مجموعہ اردو کے فتاویٰ میں ایک اہم اور قیمتی اضافہ ہے، اس مجموعہ فتاویٰ کی جو چند خصوصیات سمجھ میں آئیں، وہ یہ ہیں:

(۱) عام کتب فتاویٰ سے ہٹ کر ہر فقہی باب کے تحت آنے والے سوال وجواب سے پہلے تمہید کے طور پر اس موضوع سے متعلق اصولی اور بنیادی باتوں پر ایک جامع نوٹ لکھ دیا گیا ہے، جس سے موضوع سے متعلق ضروری معلومات فراہم ہو جاتی ہیں، جیسے عقائد سے متعلق مسائل کے شروع میں توحید، رسالت اور تکفیر کے سلسلہ میں ضروری وضاحت، یا زکوٰۃ سے متعلق فتاویٰ سے پہلے زکوٰۃ کے لغوی واصطلاح معنیٰ، اسکی حکمت اس کی بنیادی شرائط، اموال زکوٰۃ، مصارف زکوٰۃ، اس طرح فتاویٰ کا یہ مجموعہ بیک وقت سوالات وجوابات کا مجموعہ بھی ہے اور فقہاء کی معروف ترتیب کے مطابق احکام شریعت پر ایک مستقل کتاب بھی۔

(۲) اس کتاب میں نئے مسائل بالخصوص معاملات سے متعلق احکام کی بڑی مقدار آ گئی ہے، اور جدید مسائل کو خصوصی اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) اس بات کا پورا اہتمام کیا گیا ہے کہ جو بات لکھی جائے، اس کا ماخذ ذکر کیا جائے اور معتبر حوالہ جات کے ساتھ لکھا جائے، اس خصوصیت نے اسے عوام کے ساتھ ساتھ اہل علم کیلئے بھی استفادہ کی چیز بنا دیا ہے۔

(۴) مسائل میں خاصا تنوع ہے، فہرست پر سرسری نگاہ ڈالنے سے ہی اندازہ ہو جائے گا کہ اس میں بہت سے ایسے مسائل آ گئے ہیں، جو معاصر کتب فتاویٰ میں موجود نہیں ہیں۔

(۵) عام طور پر فتاویٰ کی زبان آسان اور عام فہم ہے، اس سے عوام کو استفادہ کرنے میں سہولت ہوگی۔

غرض کہ فتاویٰ کا یہ مجموعہ اعتبار واستناد، زبان وبیان، نئے مسائل کے استیعاب کی کوشش فقہی تمہیدات کے ذریعہ ہر فقہی باب کے نئے مسائل کے تذکرے اور مختلف دوسری جہتوں سے ایک اہم اور منفرد کتاب ہے، دعا ہیکہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جن کے فتاویٰ جمع کئے گئے ہیں، نیز ان دوستوں کو جنھوں نے فتاویٰ کی جمع وترتیب کی خدمت انجام دی ہے، نیز جامعہ ہذا کے ذمہ داران، بالخصوص حضرت مولانا غلام الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم جن کی کوششوں سے یہ علمی ذخیرہ دفینہ سے سفینہ تک پہنچا ہے، بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے اور اس جامعہ کا علمی سفر پوری تیزگامی کے ساتھ رواں دواں رہے۔ ربنا تقبل منا انك أنت السميع العليم.

۷/ ذوالقعدہ ۱۴۳۶ھ
۲۳/ اگست ۲۰۱۵ء

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم المعہد العالی اسلامی حیدر آباد)

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن مدظلہ العالی
مہتمم شیخ الحدیث ورئیس دارالافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور

فقہ اور فتویٰ

فقہ کے بارے میں دو متضاد آراء پائی جاتی ہیں۔ کچھ لوگ موجودہ فقہی ذخیرے کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک فقہ سے اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ جس سے ابھی مسلمان کے لیے ترقی یافتہ معاشرہ کے مسائل کا حل ممکن نہیں، کیونکہ فقہ کی تدوین کا دور آج کے دور سے مختلف تھا، صحرائی ماحول میں تشکیل پانے والے معاشرہ کی آب یاری آج کے سائنسی دور میں پیش آمدہ حالات سے کیسے ممکن ہے؟ جس معاشرہ کا وجود اس وقت کے مدوّنین کے ذہن میں نہیں تھا، ان کے مقرر کردہ اصول یا بیان کردہ مسائل آج کے مسائل کا ادراک کیسے کر سکتے ہیں؟ اس کا یہی علاج ہے کہ اجتہاد کر کے جدید معاشرہ کو سمجھا جائے اور پھر امت کی حالت پر رحم کر کے ان کو زندگی گزارنے کا حل بتلایا جائے۔ یہ معاشرہ کا وہ طبقہ ہے جو یا تو بے دینی کی وجہ سے اسلام کا دشمن ہے اور یا جدید معاشرہ سے مرعوب ہو کر احساس کمتری کا شکار ہے۔ یہ طبقہ فقہ کو ایک پسماندہ ذہن کی پیداوار سمجھتا ہے، اس جمود کو توڑنے کا واحد ذریعہ جدید دور کا اجتہاد ہے، فقہ سے دشمنی رکھنے میں ایک اور طبقہ بھی شریک ہے جسے طبقہ لا مذہبیہ کہا جاتا ہے، یہ طبقہ بھی فقہ کا مخالف ہو کر کسی امام کی تقلید کو شرک سمجھتا ہے، ان کے نزدیک تقلید کا شکار لوگ قرآن وحدیث کی جگہ ائمہ کے مدون کردہ فقہ کو مرجع سمجھتے ہیں، حالانکہ مسلمان قرآن وحدیث کی تابعداری کا مکلف ہے، لیکن فقہ لوگوں کو ائمہ مجتہدین کے بتلائے ہوئے اصول پر چلنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کا واحد علاج موجودہ فقہ سے امت کو نجات دلانا ہے، جب کہ دوسری رائے یہ ہے کہ فقہ سے قرآن وحدیث کی قابلِ عمل تشریح ہوتی ہے اور فقہ کی وجہ سے اسلام کی عملی تشریح ممکن ہو جاتی ہے، یہ فقہ ہی ہے جو انسانی معاشرہ کی ترقی کا ضامن ہے اور اس کی وجہ سے اسلام کی عالمگیریت قائم ہے، فقہ نہ ہو تو عملی میدان میں قدم رکھنا مشکل ہے۔

جہاں تک منکرین فقہ کے عزائم ہیں ان میں معقولیت نظر نہیں آتی، طبقہ لا مذہبیہ تو ظاہر بینی کا شکار ہو کر فقہ سے انکار کر گیا۔ ان پر تقلید شرکی اور تقلید شرعی کا فرق مخفی رہا۔ تقلید تو زندگی کا لازمی حصہ ہے، آج سائنسی دنیا کی ایجادات کے استعمال میں تقلید کے سوا اور کوئی چارہ نہیں، خود یہ منکرین بھی تقلید میں مبتلا ہیں، لیکن فرق یہ ہے کہ ہم لوگ خیر القرون کے

دور کے اکابرین کے مقلد ہیں اور یہ لوگ شر القرون کے دور کے مقلد ہیں۔ایسے ہی اول الذکر لوگ جو اجتہاد کی راہ میں فقہ کو رکاوٹ سمجھتے ہیں، یہ ان کی غلط فہمی اور لاعلمی کا نتیجہ ہے، فقہ تو نت نئے مسائل کا حل پیش کرتا ہے، انسانی معاشرہ میں جو نت نئے مسائل پیدا ہوئے، فقہ ہی نے ان کا قابل عمل حل پیش کیا، فقہ ہی سے تو یہ ضرورت پوری ہوتی ہے۔فقہ سے عداوت رکھنے والا یہ طبقہ درحقیقت یورپی معاشرہ سے متاثر طبقہ ہے جو احساس کمتری کا شکار ہے، غلامانہ ذہن کی وجہ سے اس متاثرہ طبقہ کو مادر پدر آزاد معاشرہ میں ترقی نظر آتی ہے اور فقہ کی روشنی میں تشکیل پانے والا اسلامی معاشرہ ان کی نظر میں قدامت پسندی اور پسماندگی کے سوا کچھ نہیں۔ان کے نزدیک مغربی اقدار کو سندِ جواز فراہم کرنا اسلام کی بڑی خدمت ہے، چونکہ موجودہ فقہ میں یہ صلاحیت نہیں پائی جاتی کہ جس میں سود کو جواز فراہم ہو، جس میں ہم جنس پرستی یعنی ''مرد کا مرد سے اور عورت کا عورت سے معاہدۂ انتفاع'' کو جواز ملے، جس میں برہنہ ثقافت کو ترقی کا زینہ سمجھا جائے، ان کے ذہن میں اس آزاد معاشرہ کو اختیار کیے بغیر ترقی ناممکن ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان اسلامی معاشرہ کی نئے سرے سے تعمیر کریں، جس میں اس ترقی یافتہ معاشرہ کے خدوخال ہوں اور باہمی رواداری کو اتنا فروغ ملے کہ مذہب انسان کا ذاتی معاملہ بن کر رہ جائے اور یہ صرف اندرونِ خانہ تک محدود ہو اور معاشرتی طور پر ہم آہنگی ایسی شکل میں پیش ہو کہ یہ موجودہ امتیازات نہ رہیں۔ظاہر ہے کہ یہ کام موجودہ فقہ کی موجودگی میں ناممکن ہے، اس کے لیے نئے امام، نئی سوچ اور نئے اصولوں کی ضرورت ہے، جس کے لیے اجتہاد ناگزیر ہے۔اگر اجتہاد کی ضرورت ان مذکورہ واقعات کی روشنی میں ہو تو یہ الحاد اور بے دینی کے سوا کچھ نہیں، نہ اسلام کی حقانیت کے لیے ایسی تحقیق کی ضرورت ہے اور نہ ایسے امام کے آنے سے اسلام کی حقانیت ثابت ہوسکتی ہے، جو مادر پدر آزاد معاشرہ کی پیداوار ہو کر اس کو سندِ جواز فراہم کرے۔ہاں اگر اجتہاد کا مقصد یہ ہو کہ مادر پدر آزاد معاشرہ میں ایک مسلمان اپنے مذہبی تشخص کی حفاظت کر کے کیسے زندگی گزارے؟ سودی معاشرہ میں وہ اسلامی اقتصادیات کی روشنی میں اپنے آپ کو کیسے بچا سکتا ہے؟ گلوبل ولیج جہاں اسلام کی عالمگیریت کو دکھاتا ہے، وہاں آپ کو بیک وقت اسکرین پر اقلیت میں رہنے والے مسلمانوں کے گوناگوں مسائل ملتے ہیں، جس میں مسلمان مرد و زن کے مسائل آپ کے سامنے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ایک جزیرہ میں ایسی جگہ رہ رہے ہیں جہاں اسلام کا دعویٰ کر کے اپنے تشخص کی حفاظت ان کے لیے بڑا مسئلہ ہے، اور مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہوئے بھی ان کے مسائل ان سے الگ ہیں۔گویا پوری دنیا میں آپ کے لیے اقتصادی، طبی، سیاسی اور معاشرتی مسائل ہیں اب سوال یہ ہے کہ ان حالات میں مسلمان کے لیے قابلِ عمل راہ کیا ہے؟ اگر اس کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہو تو یہ صرف ضروری نہیں بلکہ علماء کا فرض ہے کہ وہ عصری تقاضوں کی روشنی میں

مسلمانوں کی ایسی رہبری کریں کہ وہ ترقی کی اس دوڑ میں کسی سے پیچھے نہ رہیں اور پسماندگی کا شکار نہ ہوں لیکن ترقی کی اس دوڑ میں اپنا تشخص نہ کھو بیٹھیں۔ یہ مفروضہ غلط ہے کہ موجودہ وقت میں رونما ہونے والے مسائل کا حل اسلام میں نہیں اور یا فقہ میں اس کی صلاحیت نہیں پائی جاتی۔

جب ہمارا یہ ایمان ہے کہ اسلام قیامت تک آنے والی نسلوں کی رہنمائی کا مکمل دین ہے اور دنیا کے جس کونے میں انسان رہائش پذیر ہو اس کے جملہ مسائل کی رہبری کا اسلام ضامن ہے، پھر آپ کے ہر مسئلہ کا حل ڈھونڈنا علماء کا فرض ہے اور یہ حل فقہ اسلامی کے ذریعہ ملے گا۔ فقہ اسلامی میں اتنی وسعت اور ہمہ گیریت پائی جاتی ہے کہ دنیا کا کوئی مسئلہ اس کی دسترس سے باہر نہیں۔ میرے خیال میں آج کے دور کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں، جس کا حل فقہ میں نہ ہو۔ ائمہ اربعہ کی اتنی بڑی محنت کس مقصد کے لیے تھی۔ صرف امام ابوحنیفہ کے حوالہ سے علماء کرام لکھتے ہیں کہ اُن کی ذاتی محنت اور چالیس ارکان پر مشتمل فقہی کونسل نے بارہ لاکھ سترہ ہزار مسائل امت کو دیے۔ خلفائے راشدین کے دور میں اجتماعی اجتہاد کی روشنی میں دیے گئے کئی فیصلے ایسے ہیں جن میں امت کے لیے رہبری کا سامان پایا جاتا ہے۔ اتنے وسیع ذخیرہ کی موجودگی میں آخر کون سے امام کا انتظار ہے اور کس کے اجتہاد کی تشنگی محسوس کی جارہی ہے؟ علماء جہاں اجتہاد کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور اس پر پابندی لگاتے ہیں، اس سے ایسا اجتہاد مراد ہے جس میں نئے اصول وضع ہو کر نیا مذہب معرضِ وجود میں آئے، چونکہ ائمہ مجتہدین کی علمی عظمت، مخلصانہ جدوجہد اور خیر القرون میں ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کے خلوص وللّٰہیت کی وجہ سے شر القرون کے دور میں ایسی شخصیت کا پیدا ہونا ناممکن ہے، اس لیے ایسا مجتہد پیدا نہیں ہوسکتا۔ خیر القرون کے دور کا لوٹنا ممکن ہی نہیں کہ جس میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ جیسے اکابر ہمیں ملیں۔ یہ ایک تکوینی حقیقت ہے کہ ائمہ مجتہدین جیسے لوگ اب پیدا نہیں ہوسکتے، جیسا کہ خلافت راشدہ کا قیام دوبارہ ناممکن ہے ایسا ہی ائمہ مجتہدین کے اجتہاد کی طرح نیا اجتہاد بھی ناممکن ہے، کہ نئے اصول وضع ہوں اور حالات کی روشنی میں نئی تحقیق ہو۔ نئی نماز، نیا روزہ اور نئے حج کا تصور اُجاگر ہو، اگر جدت پسندی کے شوق میں واقعی کوئی ایسی صورت پیدا ہو تو وہ اجتہاد شرعی نہیں بلکہ بے دینی اور الحاد ہوگا۔ آخر وہ کون سا مسئلہ ہے کہ فقہی اصول کی روشنی میں اس کا حل ممکن نہیں۔ استنباطِ مسائل کے وہ کون سے اصول ہیں جو مرورِ زمانہ کی وجہ سے قابل استنباط نہ رہیں اور آج کے دور میں قدامت کی وجہ سے موجودہ دور کے لیے قابل عمل نہیں۔ آج کے دور میں ائمہ کے ان اصولوں میں وہی رعنائی اور تروتازگی پائی جاتی ہے جو اُس دور میں تھی۔ واقعات رونما ہونے پر ان فقہی اصولوں میں جس طرح اُس وقت استنباط کی صلاحیت تھی آج بھی وہی ہے، بلکہ یہ اسلام کا معجزہ ہے کہ بارہ سو سال پہلے صحرائی ماحول میں تشکیل پانے والے

اصولوں کو آج تک کوئی دانشور غلط ثابت نہ کر سکا۔ ان اصولوں میں جامعیت ہے، ان سے ہر دور کے مسائل کا حل معلوم کیا جاسکتا ہے۔ ہاں یہ ضروری نہیں کہ فقہاء کی جزئیات کا حکم جوں کا توں رہے، بلکہ جزئیات کی حیثیت الگ ہے اور اصول الگ۔ جزئیات بیان کرنے میں غلطی واقع ہوسکتی ہے، ممکن ہے ہمارے فتاویٰ یا فقہ کی کتابوں میں کئی ایسے جزئیے پائے جاتے ہوں جن کا وقت ختم ہو چکا ہے، شاید وہ جزئیات ابھی کام کے نہ ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ فقہ قابلِ عمل نہیں۔ آپ فقہی اصول میں نئے مسائل کا حل تلاش کر کے نئے جزئیات پیش کر سکتے ہیں۔

علماء کا کہنا ہے کہ شریعت کے ادلہ چار ہیں: قرآن، حدیث، اجماعِ امت اور قیاس۔ کوئی مسئلہ پیش ہو تو سب سے پہلے قرآن کی روشنی میں اس کا حل تلاش کیا جائے گا، دوسرے درجہ میں سنتِ رسول سے آپ کو رہبری مل سکتی ہے اور جہاں کہیں دونوں جگہوں میں حکم نہ ملے تو پھر اجماعِ امت اور قیاس کی طرف جانا ہوگا۔ جدید دور کے مسائل کے حل کے لیے ان میں سب سے زیادہ کار آمد قیاس ہے، قیاس کے ذریعہ آپ نئے مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔ یہ دونوں درحقیقت قرآن وحدیث کی تشریح کرتے ہیں اور ان اصول کی روشنی میں قرآن وحدیث سے رہبری ملتی ہے۔ قیاس اور اجماع کوئی مستقل شریعت نہیں کہ جس سے ایک نئی شریعت معرضِ وجود میں آئے بلکہ قیاس اور اجماع درحقیقت قرآن وحدیث کے شارح ہیں۔ اس لیے مؤخر الذکر دونوں کا دائرہ کار محدود ہے، جہاں کہیں نص ملے یا کوئی صریح حدیث ہو تو اس کے خلاف اجماعِ امت کی کوئی حیثیت ہے اور نہ قیاس کی گنجائش ہے، بلکہ قیاس کا دائرہ کار وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں بظاہر نص نہ ہو تو علماء منصوص مسائل میں علت کی تعین کر کے جہاں کہیں علت ملے تو حکم وہاں لے جاتے ہیں، جس سے نص کے مفہوم میں وسعت پیدا ہو کر جامعیت کا مظاہرہ ہوتا ہے، یہ قیاس ہی ہے جس کی وجہ سے نت نئے مسائل کا حل ڈھونڈا جاسکتا ہے۔ فقہاء کرام کا کہنا ہے قیاس شارع نہیں بلکہ مظہر ہے، یعنی: اس سے ایک مسئلہ کا نیا حکم معرضِ وجود میں نہیں آتا بلکہ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے۔ پھر ائمہ مجتہدین بھی اس میدان میں کوئی شارع نہیں بلکہ شارح ہیں۔ یہ غلط فہمی کئی لوگوں کو ہوتی ہے کہ ائمہ کے اقوال ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم تو شریعت کے پابند ہیں ائمہ کے اقوال کے نہیں، درست ہے، لیکن یہ کس نے کہا ہے کہ ائمہ مجتہدین کے اقوال قرآن وحدیث سے ہٹ کر کوئی شریعت ہے بلکہ یہ قرآن وحدیث کی تشریح ہے جس سے عمل ممکن بنایا جاتا ہے۔ بسا اوقات قرآن کی آیات میں تعارض سامنے آتا ہے یا قرآن اور حدیث کے مصداق کے ادراک سے عام ذہن قاصر رہتا ہے اور یا احادیث آپس میں متعارض ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں متعارض احادیث پر بیک وقت ایک شخص کے لیے عمل کرنا ممکن نہیں، ایسی صورت میں ائمہ کی عظمت سامنے آتی ہے کہ وہ اصول مقرر کر کے ہر نص کو اپنی

حیثیت دے کر قابل عمل بنانے کی کوشش کرتے ہیں، کہ کیا ایسی صورت تطبیق مناسب ہے یا ترجیح۔ اگر ترجیح ہو تو اس کے ذرائع کیا ہیں؟ یہ وہ تمام باریک مباحث ہیں جن پر مذاہب کی حسین عمارت قائم ہے، جس میں قرآن وحدیث پر عمل کی راہ متعین ہوتی ہے۔ یہی تو ائمہ کے اختلاف کی برکت ہے کہ جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل کو معاشرہ میں ترویج کا موقع ملتا ہے۔ مثال کے طور پر نماز میں حالت قیام میں ہاتھوں کے بارے میں ارسال اور وضع دونوں کے بارے میں روایات موجود ہیں پھر وضع میں فوق الصدر اور تحت السرۃ دونوں کے بارے میں دلائل پائے جاتے ہیں لیکن تینوں کی رعایت ایک نمازی کے لیے ممکن نہیں، اس لیے ائمہ کے اختلاف سے یہ گنجائش پیدا ہوگئی کہ ایک صف میں کھڑے ہو کر نمازیوں نے اپنے اپنے مذہب کی پیروی کر کے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو باقی رکھا، چونکہ آپ کا عمل باقی رہنا رحمت خداوندی ہے اس لیے "اختلاف أمتي رحمة" کا عملی مظاہرہ ہوتا ہے۔

ہاں ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ ہم بسا اوقات تنگ نظری کا شکار ہو کر معمولی مسائل پر جھگڑتے ہیں، محض ایک جزئیہ کو نص کا درجہ دے کر کسی لچک کا مظاہرہ نہیں کرتے، بلکہ بسا اوقات اسلام کا دائرہ بہت محدود کر دیتے ہیں، ہمیں یہ رویہ بدلنا ہوگا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جدید دور کے حالات کے تقاضے کچھ اور ہیں، زمانے نے اپنا رویہ بدلا ہے، آج کا زمانہ وہ نہیں جس دور میں فتاویٰ ہندی المعروف بہ عالمگیریہ کی تدوین ہوئی اور یا جس دور میں قاضی خان، ابن ہمام، ابن نجیم اور یا ابن عابدین گزرے ہیں۔ اُس وقت مسلمانوں کے مسائل میں علاقائی ثقافت کارفرما تھی، محدود جگہ تک بات پہنچتی تھی۔ آج گلوبل ویلج کے حوالہ سے زمانہ مختلف ہے، ایک عالم کے سامنے بیک وقت دنیا کے مختلف علاقوں کے مسائل سامنے رہتے ہیں اور پھر کمپیوٹر کا ایک بٹن دبانے سے پوری دنیا کا نقشہ آپ کے سامنے آسکتا ہے، اس وقت فتویٰ دینے کا میدان بہت محتاط ہے، آپ کے کسی فتویٰ کو بیک وقت دنیا کے مختلف کونوں میں بسنے والے مسلمان دیکھ سکتے ہیں، اس لیے آج کے دور میں مسائل کے ادراک کے لیے جس تیقظ اور عقابی نظر کی ضرورت ہے وہ اس کے علاوہ ہے جو قدیم دور میں فتویٰ دینے لیے ضروری قرار دیے جا رہے تھے۔ آج کے دور میں یہ تمام مسائل اس تیقظ اور عقابی نظر سے حل ہو سکتے ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ کوئی اہم مسئلہ پیش آنے پر صرف ایک جزئیہ معیار نہ ٹھہرے، بے شک آپ قدیم اور جدید دور کا فقہی سرمایہ دیکھیں، مجتہدین فی المذہب، مجتہدین فی المسائل اور اصحاب التخریج کی کتابیں دیکھیں، ممکن ہے آپ کی رہبری ہو سکے۔ اصحاب التخریج کے اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے اقوال فقہاء کو پرکھیں، فقہ حنفی میں بہت جامعیت پائی جاتی ہے۔ شاید کوئی مسئلہ ایسا ہو جس کا جواب آپ کو فقہ حنفی کے ذخیرہ میں نہ مل سکے، یہ وہ فقہ ہے جس کی بنو عباس اور خلافت عثمانیہ میں حکمرانی صرف نجی معاملات تک محدود نہیں رہی اور نہ اس نے صرف محاکمہ کا فریضہ

سرانجام دیا بلکہ حکمرانی کے نشیب وفراز کے دور سے یہ فقہ گزری۔ اس کی ترتیب وتدوین میں وہ ذہن کارفرما ہے جن میں معاملات کو پرکھنے کی صلاحیت تھی بلکہ اس کی تدوین میں صرف وہ ذہن نہیں تھا جس میں صرف خوفِ خداوندی، تیقظ اور بیدار مغزی تھی، بلکہ اس کے ساتھ اس کی پشت پر قوت تنقیدی بھی کارفرما تھی اور جہاں قوت تنقیدی یا حکمرانی کی قوت پشت پہ کھڑی ہوتو وہاں ترتیب دیے ہوئے ضابطہ میں زیادہ استحکام ہوتا ہے۔ پھر فقہ حنفی میں جامعیت بھی پائی جاتی ہے کہ اس میں بیک وقت کئی براعظموں کی ثقافت کا ادراک پایا جاتا ہے۔ بنوعباس کے دور میں عربی ثقافت کے دور میں اس کو فروغ ملا اور پھر خلافت عثمانیہ میں عجمی، یورپی اور افریقی ثقافت میں اس نے پیش قدمی کی۔ اس لیے دوسری فقہ کی نسبت سے فقہ حنفی کی جامعیت بہت زیادہ ہے اور اگر کہیں فقہ حنفی میں آپ کا مسئلہ حل نہ ہو، یا ایسی دشواری رہی جو مقاصدِ شریعت سے متصادم ہے تو پھر "اختلاف أمتي رحمة" کی روشنی میں دوسرے فقہی ماٰخذ ومراجع کی طرف قدم بڑھائیں، معاملہ صرف مذاہب اربعہ تک محدود نہ رہے، بلکہ مذاہب اربعہ کی تدوین کے وقت دوسرے مذاہب جن کی طرف امام ترمذیؒ اشارہ کرتے ہیں، ان کا گہری نظر سے مطالعہ کریں، بلکہ امام بخاریؒ کی عظمت بھی اس کی متقاضی ہے کہ ان کو بھی نہ بھولیں۔ ان فقہاء کے اقوال اور افکار میں آپ کی رہبری ہوسکتی ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ اس میں بے احتیاطی نہ ہو، تقلید کی زنجیر نہ توڑیں ورنہ پھر آپ کا ٹھہرنا مشکل ہے۔ ذاتی منفعت یا خواہش پرستی کارفرمانہ ہو اور نہ کسی دنیوی منفعت کا حصول منظورِ نظر ہو بلکہ امت مسلمہ کے اجتماعی مسائل پیشِ نظر ہوں، خیر خواہی کا جذبہ کارفرما ہو تو پھر فقہاء اربعہ کے مذاہب سے استفادہ آپ کے لیے کوئی شجرہ ممنوعہ نہیں، قدیم اور جدید دور میں ہماری فقہ کی کتابیں ایسے کئی نظائر سے بھری پڑی ہیں، جہاں علماء نے حالات کی نزاکت کی وجہ سے متقدمین کی رائے چھوڑ کر متاخرین کے قول پر فتویٰ دیا بلکہ زوجہ مفقود الخبر اور تعنت زوج میں دوسرے مسالک اور مذاہب کو اہمیت دی۔ موجودہ دور میں اسلامی بینکنگ کے نظام میں کئی دوسرے مذاہب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ جہاں جدید معیشت کے ساتھ اسلامی معیشت کا پہیہ بڑی کامیابی سے رواں دواں ہے۔ ہاں اس میدان میں احتیاط کا دامن مضبوطی سے تھامنا ہوگا، انفرادی رائے کی بجائے اس میں اجتماعی سوچ ہو، ایسے باریک مسائل میں اجتماعی پلیٹ فارم میسر ہو تو موجودہ دور کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کا حل نہ مل سکے، ایسی صورت میں نہ کسی اجتہاد مطلق کی ضرورت ہے اور نہ مجتہدین فی الشرع کی فہرست میں اضافہ کی ضرورت ہے، اس عقابی نظر یا تدبر وتفکر کو آپ جو نام دیں کوئی حرج نہیں۔ اگر عوام کی اصطلاح میں اس کو اجتہاد کہیں تو کیا حرج ہے آخر یہ بھی ایک درجہ کا اجتہاد ہے، لیکن خواص کے حلقہ میں اس کو اجتہاد کا نام نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ وہ آئے دن مجتہدین کی فیکٹری کھولنے سے احتراز کرتے ہیں۔ اگر ایک دفعہ مجتہدین کی فیکٹری کھل گئی تو پھر ان کا سنبھالنا امت کے بس کی بات

نہیں۔ یہ غلط فہمی ہے کہ فقہ میں جمود ہے اور اجتہاد پر پابندی ہے، اس انداز سے آپ اجتہاد کریں، آپ کے لیے میدان کھلا ہے، میرا یقین ہے کہ اس محنت سے امت کی رہبری بہتر انداز میں ہوسکتی ہے لیکن مادر پدر آزاد معاشرہ کو سندِ جواز ملنا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اس انداز سے محنت کے لیے فقہ کی تدریس میں موجودہ طریقہ کار پر نظرِ ثانی کرنی ہوگی، کیونکہ ہمارے درسِ نظامی کے موجودہ طریقہ کار میں مناظرانہ اندازِ بیان غالب ہے۔ جس سے طلبہ کے ذہن میں مفاہمت کی بجائے اپنے موقف پر ڈٹ جانے کا رجحان فروغ پا رہا ہے اور اس میں دوسرے مذہب کے بارے میں غلط فہمی کا رویہ پروان چڑھتا ہے، جس سے استفادہ مشکل رہتا ہے۔ اس لیے اگر درسِ نظامی کی کتابیں تبدیل نہ کرسکیں تو کم از کم طریقہ تدریس پر نظرِ ثانی ہو۔ مورخہ 16، 17 / مارچ 2005ء کو اساتذہ کے ایک ورک شاپ میں فقہ کی تدریس پر میں نے کچھ معروضات پیش کی تھیں، ماہنامہ العصر کے حوالہ سے پیش خدمت ہیں:

عصری تقاضے اور علم فقہ کی تدریس

علم فقہ وہ بنیادی علم ہے جو انسان کی نجی زندگی سے لے کر معاشرتی مسائل اور عائلی حالات میں رہبری و رہنمائی کرتا ہے۔ انسانی فضیلت کا راز اس میں ہے کہ وہ کارخانہ عالم کی تعمیر و ترقی میں اپنا فعال کردار ادا کرے، حوادثات زمانہ اور حالات کی تبدیلی کے باوجود انسانی عظمت کا امین علم فقہ ہے کیونکہ معاشرت اور ثقافت کے حوالہ سے کرہ ارض پر جو تبدیلی رونما ہوتی ہے اس کے باوجود اسلامی تشخص کا تحفظ علم فقہ کے ذریعہ ممکن ہے۔ یہی وہ ادراک ہے جس کے ذریعہ نت نئے مسائل کا حل ڈھونڈا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث کی عظمت کا اقرار ایمان کا جزء ہے، ان دونوں کے بعد علم فقہ کو چھوڑ کر دوسرے علوم کو سینہ سے لگانا یقیناً ناشکری اور علم کی بے قدری ہوگی۔ کسی صاحب ذوق نے فقہاء اور محدثین کے درمیان کتنا حسین موازنہ قائم کیا ہے کہ محدثین کرام حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریرات چن چن کر ترتیب سے رکھتے ہیں جیسا کہ پنساری بڑی محنت اور عرق ریزی سے جڑی بوٹیاں چن چن کر الماری میں سجاتا ہے، مانتے ہیں کہ پنساری ان جڑی بوٹیوں کے بارے میں وافر معلومات رکھتا ہے، وہ ان کی خوبیوں سے آگاہ بھی ہے، ان کی کیت، کیفیت اور اثرات سے آگاہی بھی پنساری کا مبلغ علم ہے لیکن بے چارہ کسی بیماری پر آزمانے کے ادارک سے نابلد ہے، اس کے لیے کسی حاذق حکیم صاحب کے ذوق اور تجربہ کی ضرورت ہے بلکہ پنساری کی دکان کی رعنائیاں حضرت حکیم صاحب کے مطب سے وابستہ ہیں، جب حکیم کی توجہ ہٹ جائے تو پنساری کی زرق وبرق روشنیاں اور قمقمے ماند پڑ جائیں گے۔ گویا محدثین پنساری اور فقہاء اطباء کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ کیا خوب

ہوتا کہ حکیم اور پنساری کی معلومات ایک شخص کے پاس جمع ہوں، چنانچہ سیدنا امام بخاری رحمہ اللہ علیہ پر کسی بدبخت کا ہی اعتماد نہیں ہوسکتا حالانکہ وہ فقیہ بھی تھے اور محدث بھی۔

سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فقہ کی عظمت سے آگاہ تھے، اس لیے آپ نے علم فقہ کو جس نظر سے دیکھا اور جو تعریف کی، وہ علم فقہ کی جامعیت کا بین ثبوت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ علم فقہ "معرفة النفس مالها وما عليها" سے عبارت ہے، یعنی: انسان کی دنیا وآخرت میں منافع اور مضرات سے آگاہی کا نام علم فقہ ہے اور یہی حقیقت ہے کہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لیے زبان رسالت سے نکلی ہوئی دعا "اللّٰهم فقهه في الدين" میں دکھائی دے رہی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی تعریف کی روشنی میں آپ کو علم فقہ میں ایک طرف شرعیات کے مسائل ملیں گے اور دوسری طرف عقائد کے مسائل سے بھی ان کی کتابیں معمور نظر آئیں گی۔ ایسا ہی تصوف کے مسائل بھی آپ فقیہ کی زبان سے سنیں گے۔ چنانچہ اس حقیقت کا عملی مشاہدہ "الفقه الأكبر" میں کرسکتے ہیں۔ جہاں فقہ کی وسعت عیاں ہے۔ جب سے علم فلسفہ وحکمت کی کتابیں مسلمانوں میں مترجم ہوکر آئیں تو یہ ضروری ٹھہرا کہ علم عقائد پر مستقل توجہ دی جائے تاکہ فلاسفہ کے بے بنیاد عقائد کا جواب دیا جاسکے۔ اس لیے علم فقہ مستقل فن کی حیثیت اختیار کرکے دوسرے علوم سے جدا ہوا۔ ایسا ہی تصوف بھی خاص لوگوں کی توجہات کا مرکز بن کر مستقل طور پر معاشرے میں مروج ہوا، اس سے علم فقہ کی حقیقت میں اختصار پیدا ہوکر متاخرین کے دور میں صرف شرعیات تک محدود رہا۔ چنانچہ متاخرین کے نزدیک علم فقہ کی حقیقت بہت محدود ہوکر رہ گئی۔ چنانچہ اس کی تعریف میں کہا جاتا ہے "هو العلم بالأحكام الشرعيّة العمليّة عن أدلتها التفصيليّة" آج ہماری فقہ کی سرگرمیاں اور کارکردگی اسی تعریف کی روشنی میں جاری ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ علم فقہ کی کتابوں میں تصوف کے مسائل کا تذکرہ ملتا ہے اور نہ عقائد کے مسائل بیان ہوتے ہیں الا یہ کہ ضمنی طور پر کوئی تذکرہ ہو۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم فقہ حنفی کے ساتھ فقہ اسلامی پر توجہ مرکوز رکھیں، تاکہ دوسرے مذاہب سے آگاہی حاصل ہو، لیکن یہ ہماری کمزوری ہے کہ ہم تعلیمی دورانیہ میں آٹھ سال تک فقہ پڑھنے پڑھانے کے باوجود صرف اپنی فقہ تک محدود رہتے ہیں، بلکہ تخصص کے شعبہ میں بھی دوسرے مذاہب کی فقہ سے دور رہتے ہیں، ہاں یہ بھی ضروری ہے کہ پہلے اپنی فقہ حنفی میں رسوخ حاصل ہو، اور طلبہ کی تربیت ایسے نہج پر ہو کہ اس سے فقہی مزاج کے رجال کار پیدا ہوں، اس کے لیے فقہ حنفی کی تدریس پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔

درسِ نظامی کے حوالہ سے فقہ کی تجزیاتی رپورٹ:

درس نظامی کے طلبہ وفاق المدارس کے مقررہ نصاب کے حوالہ سے مندرجہ ذیل کتابیں پڑھتے ہیں:

بہشتی گوہر	متوسطہ
شروط الصلوۃ،نورالایضاح	درجہ اولیٰ
مختصرالقدوری	درجہ ثانیہ
کنزالدقائق	درجہ ثالثہ
شرح الوقایۃ	درجہ رابعہ
ہدایہ جلداول	درجہ خامسہ
ہدایہ جلددوم	درجہ سادسہ
ہدایہ جلدسوم وچہارم	درجہ سابعہ

اس کے علاوہ درجہ سابعہ میں مشکوۃ المصابیح اوردورہ حدیث میں صحاح ستہ کے حوالہ سے درسِ حدیث میں ہمارے ہاں فقہی ذوق غالب ہے،یعنی:ہم احادیث پڑھاتے وقت سند یامتن پرتوجہ دینے کی بجائے فقہ پرزیادہ توجہ دیتے ہیں۔دوران سبق اگرکوئی طالب علم شریک ہوجائے توشایدوہ یہ فرق کرنے سے قاصررہے گاکہ یہ احادیث کادرس ہے یافقہ کی کوئی کتاب پڑھائی جارہی ہے،تاہم ان کتابوں کوسامنے رکھتے ہوئے درس نظامی کے نصاب کامجموعی جائزہ لیاجائے توپھربھی فقہ ہمارے درس کالازمی حصہ ہے سات سال تک باقاعدگی سے ہفتہ میں چھ گھنٹے علم فقہ کے لیے مختص ہیں،آٹھویں سال میں یومیہ دوگھنٹوں کاحساب کرکے ہفتہ میں بارہ گھنٹے علم فقہ کے لیے ہیں پھرآخری سال تویہی مباحث دہرائے جاتے ہیں۔اگریہ کہاجائے توشایدغلط نہ ہوگاکہ ہمارے نظام تدریس میں سب سے زیادہ توجہ علم فقہ پر دی جاتی ہے دوسرے علوم کادورانیہ بہت مختصرہے۔پھرعلم فقہ کے ساتھ اگرعلم اصول فقہ کولیاجائے تودرجہ ثالثہ سے شروع ہوکردرجہ سادسہ تک مستقل چارسال علم اصول فقہ پڑھایاجاتاہےاوراگرآپ حضرات اصول فقہ کی مروجہ کتب یعنی

اصول الشاشی	درجہ ثالثہ
نورالانوار	درجہ رابعہ
حسامی	درجہ خامسہ
توضیح وتلویح	درجہ سادسہ

کاجائزہ لیں تومؤخرالذکرکتاب کے علاوہ پہلی تین کتابوں کی تدوین فقہی انداز پرہے یعنی ان کتابوں میں اصول پرفقہی مسائل کی تفریع ہوئی ہے،البتہ مؤخرالذکرکتاب توضیح تلویح پرمتکلمانہ رنگ غالب ہے گویااصول فقہ میں بھی نصف سے

زیادہ توجہ فقہ پر دی جاتی ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اگر انداز تدریس پر توجہ دیں تو تعلیمی دورانیہ میں ہمارے پاس سب سے زیادہ وقت علم فقہ کے لیے ہے۔

فقہی مباحث کا اجمالی جائزہ

مضامین کے حوالہ سے ہماری فقہ کی کتابیں تین قسم کے مسائل پر مشتمل ہیں، گویا سات سالوں میں ہم صرف تین قسم کے مسائل دہراتے رہتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

(1)......عبادات

(2)......عائلی مسائل

(3)......معاشرتی مسائل

(1)......عبادات

اس حصہ میں بنیادی طور پر تہذیب النفس کے مسائل منظور نظر ہوتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) صلوۃ: اس کے لیے طہارۃ کے مسائل بھی مقدمہ کے طور پر پڑھائے جاتے ہیں

(۲) زکوۃ

(۳) صوم

(۴) حج

(2)......عائلی مسائل

انفرادی اصلاح کے بعد فقہ کے دوسرے حصہ میں وہ مسائل شروع ہوتے ہیں جن کا تعلق خاندان سے ہوتا ہے چونکہ میاں بیوی خاندانی نظام کی اکائیاں ہیں اور دونوں کے باہمی معاہدہ یعنی نکاح سے خاندان معرض وجود میں آتا ہے، یہی اسلام کی خوبی اور اسلامی تہذیب وثقافت کا شعار ہے۔ اس لیے خاندانی نظام میں پائیداری اور استحکام کے لیے ایک مستقل نظام کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ گھریلو زندگی میں ہر ایک اپنے فرائض کا احساس اور حقوق کا ادراک ہو، ظاہر ہے جب ہر فرد اپنے حقوق اور فرائض کا خیال رکھے گا تو خاندانی نظام درست رہے گا۔ ایک چھت کے نیچے رہنے والے میاں بیوی اور اولاد سکون واطمینان کی زندگی بسر کریں گے، عائلی خاندان کے چند اہم مسائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) نکاح اور اس کے متعلقہ مسائل محرمات کی فہرست، نکاح کے تقاضے اور شرائط، حق مہر اور نظام رضاعت

(۲) طلاق یعنی بوقت ضرورت معاہدہ (نکاح) کے خاتمے کا طریقہ کار، طلاق اور اس کی قسمیں، ایسا ہی خلع، ظہار، ایلاء، لعان کے مسائل اور جدائی کے وقت عدت کے مسائل

(۳) اولاد کے بارے میں والدین کی ذمہ داریاں، نفقہ، حضانت، اور ثبوت نسب وغیرہ

(۴) عتاق: ازمنۂ ماضیہ کے حوالہ سے پوری زندگی میں لونڈیوں کا بھی خاص کردار تھا، اس لیے فقہاء اعتاق، استیلاد، مکاتبت اور تدبیر کے مسائل بھی خاندانی نظام کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں۔

(۵) الأیمان: خاندانی نظام میں ایک دوسرے پر اعتماد لانے کے لیے فقہاء کرام یمین یعنی قسم کی جملہ قسمیں اور کفارات کا تذکرہ اس عنوان کے ذیل میں کرتے ہیں۔

عائلی زندگی اور حدود کا تذکرہ:

فقہ کے اس حصہ میں حدود یعنی: حدِ زنا، حد سرقہ، حد شرب خمر اور حد قذف کا تذکرہ کرتے ہیں۔ بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ حدود کا تذکرہ نظام قضاء کے حوالہ سے مناسب تھا، لیکن اس کے باوجود عائلی نظام کے ضمن میں اس کے تذکرہ کی کیا وجہ ہے؟

میرے خیال میں اسلامی ثقافت کے حوالے سے حمیت اور غیرت کا اثر ہے کہ خاندانی نظام کو متاثر کرنے والے عوامل کا تدارک اور سدباب کے لیے حدود کا تذکرہ اس کے ضمن میں ضروری ہے۔ مزید برآں اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ خاندانی نظام میں نسب، مال، عزت، عقل اور نظریہ کا تحفظ ضروری امر ہے۔ عائلی زندگی میں سکون واطمینان تب پیدا ہوتا ہے جب یہ پانچ چیزیں محفوظ ہوں اس لیے اسلام نے نسب کے تحفظ کے لیے حد زنا، مال کے تحفظ کے لیے حد سرقہ، عزت کے تحفظ کے لیے حد قذف، عقل کے تحفظ کے لیے حد شرب خمر، اور نظریہ کے تحفظ کے لیے حدِ ارتداد مقرر کر کے عائلی زندگی کو قابل اطمینان بنانے کی کوشش کی۔ اس لیے فقہاء کرام نے ان امور کا ذکر عائلی زندگی کے ضمن میں ضروری سمجھا۔ ایسا ہی اس نظام کے تحفظ کے لیے پھر "کتاب السیر" کا تذکرہ بھی اس کے ساتھ ہوتا ہے تاکہ امن کی زندگی کے قیام کے لیے جہاد کا جذبہ پیدا ہو اور جو بھی امن کی زندگی کو بے اطمینانی کی فضا میں تبدیل کرنے کی کوشش کرے اس کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے۔

چاہیے تھا کہ تحفظ نفس کے لیے قصاص ودیت کے مباحث کا تذکرہ بھی یہاں ہوتا، لیکن ہماری فقہ کی کتابوں میں عموماً قصاص ودیت اور اس سے ملحقہ مسائل وصیت کا تذکرہ سب سے آخر میں کتاب الجنایات کے عنوان سے ہوتا ہے، شاید زندگی کا آخری پیغام ہونے کی وجہ سے فقہاء نے مباحث کا خاتمہ اس کے ساتھ موزون سمجھا اور نہ مناسب جگہ یہی تھی۔

معاشرتی مسائل

علم فقہ کا تیسرا اہم حصہ معاشرتی مسائل ہیں، یعنی: زندگی کا وہ حصہ جس میں انسان گھریلو زندگی میں فعالیت پیدا کرنے کے لیے معاشرہ سے راہ ورسم بڑھاتا ہے۔ بیرون خانہ قدم رکھتے ہی سوسائٹی اور معاشرہ کے کچھ تقاضے سامنے آتے ہیں۔ انسان معاشرہ میں رہ کر کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے دوسری مخلوق کی ضروریات پوری کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ یوں آپس کے رہن سہن اور باہمی میل جول سے ''معاشرہ'' وجود میں آتا ہے جو درحقیقت عائلی زندگی کا اثر ہے، اس موقع پر فقہاء کے چند مسائل پر توجہ دیتے ہیں۔

(۱) اقتصادیات: یہ نظام حیات کا وہ حصہ ہے جس میں انسان خرید وفروخت اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے تگ ودو کرتا ہے۔ فقہاء کرام اس حصہ میں مندرجہ معاملات کا تذکرہ کرتے ہیں:

الف: شرکت: طرفین سے مال یا محنت ہو۔

ب بیوع: یعنی خرید وفروخت کے مشروع اور غیر مشروع طریقے، معاملات میں باہمی اعتماد کے لیے حوالہ اور کفالہ کے مباحث اور اگر کہیں مسائل میں جھگڑا پیدا ہو تو فیصلہ کن قوت پیدا کرنے کے لیے نظام قضاء، شہادت، دعویٰ کا طریقہ کار اور مصالحت کے طریقے

(۳) مضاربت: ایک فریق کی محنت اور دوسرے فریق کے مال سے ذرائع آمدنی پیدا ہوں۔

(۴) اجارہ: جہاں محنت کے ذریعہ کمائی ہو۔

(۵) مزارعت: زمین اور محنت سے پیداوار ہو۔

(۶) مساقاۃ: باغبانی سے ضروریات زندگی میسر ہوں۔

(۷) چند دوسرے ذرائع آمدنی ہبہ، وراثت اور عاریت وغیرہ

(۸) ناجائز ذرائع آمدنی ربا اور غصب کا تعین

(۹) شفعہ: جس کے ذریعہ ذاتی مفادات کا تحفظ ہو، کسی غیر کو دخل اندازی کا موقع نہ ملے۔

(۱۰) القسمۃ: اس کے ذریعہ اپنا حصہ الگ کر کے استفادہ کو یقینی بنائے۔

(۱۱) احیاء موات: غیر آباد زمین کس طرح آباد ہو؟

(۱۲) رہن: کاروباری معاملات میں اعتماد پیدا کرنے کے لیے شہادت کے علاوہ زر کا استعمال

(۱۳) چند دوسرے معاشرتی مسائل جن کا تعلق اقتصادیات کی بجائے رہن سہن اور معاشرت سے زیادہ ہے، ان میں

ذبائح، اضحیہ، اشربہ، صید وغیرہ کے مسائل بھی شامل ہیں۔ ایسا ہی معاشرتی ضروریات کے حوالہ سے ولاء، کتابۃ، وقف وغیرہ کے مسائل بھی فقہ میں بیان کیے جاتے ہیں۔

درس نظامی کی فقہ کی کتابوں میں نظام حکومت، انتظامی معاملات، خارجہ پالیسی اور عالمی تعلقات کے مسائل یکجا نہیں ملتے ہیں اس کے لیے ہمیں دوسری کتابوں کی طرف مراجعت کی ضرورت پڑتی ہے جن میں ہر ایک مسئلہ پر مستقل کتابیں ملتی ہیں۔

فقہ اور عصری چیلنج

یہ اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ ہماری فقہ کی تدوین جس دور میں ہوئی اس وقت نہ یہ دنیا تھی اور نہ ان مسائل سے معاشرہ کی وابستگی تھی۔ اس لیے جدید دور کے مسائل کا صراحتاً ملنا فقہ کی کتابوں میں مشکل تھا ہاں وہ اصول یقیناً تھے جن کی بدولت اس وقت مسائل کا حل ڈھونڈا گیا اور آج بھی ان مسائل کا حل ان اصول کی روشنی میں نکالا جاسکتا ہے۔ اس لیے دنیا بدلنے سے جب اِدھر اُدھر سے صدائیں بلند ہوئیں تو لوگ تین طبقوں میں تقسیم ہو گئے:

(1)......سطح پرست، یعنی جدت پسندی کا اعلیٰ مظاہرہ

یہ وہ طبقہ ہے جو عالمی حالات سے متاثر ہوا اور حالات حاضرہ کو اصل قرار دے کر قرآن وحدیث کی تشریح ان کی روشنی میں کی، یہ جدت پسند ہیں جنہوں نے نام نہاد اجتہاد کے ذریعہ بنیادی اصولوں میں ترمیم کی تجویز پیش کی۔ ان لوگوں نے کہا کہ حالات بدل گئے ہیں، ابھی خواتین تعلیم یافتہ ہیں اور انسانی معاشرے کے قیام میں ان کا بنیادی کردار ہے اس لیے میراث اور گواہی میں ان کی تنصیف پر نظر ثانی کی ضرورت ہے، خواتین کو آدھا حصہ ملنا اُن عورتوں کے حوالے سے تھا، جو اَن پڑھ اور معاشرتی اصولوں سے نابلد تھیں، گھریلو خاتون کو نصف حصہ دینا چاہیے تھا لیکن ملکوں کی قسمت سے کھیلنے والی خاتون کو نصف حصہ دینا کہاں کا انصاف ہے۔ ایسا ہی سود معاشرہ کی ضرورت ہے آج کا سود تجارتی سود ہے، جس میں کاروبار ہی بنیادی مقصد ہے اس میں کیا قباحت ہے؟ ایک شخص سے تم نے پانچ لاکھ روپے لے کر ایک سال میں اس پر دو لاکھ مزید کمائے، پھر ایک لاکھ آمدنی اپنے پاس رکھے اور ایک لاکھ تمہیں اضافی دیدے۔ ہاں جہاں ایک مجبور شخص کے استحصال کے لیے سودی معاملات مناسب نہیں۔ رہا مجبور شخص کا سود جو مناسب نہیں لیکن تجارتی سود ربا کی قسم نہیں۔ ایسا ہی کئی ایسے مسائل ہیں جن میں یہ لوگ پھسل گئے۔ گمراہی اور بے دینی کے سوا ان لوگوں کے ہاتھ کچھ نہیں آیا۔ آج عورتوں کی امامت کی رائے پیش کرنا یا نئی روشن خیالی کا نظریہ ان کی یادگار ہے۔

(2)......قدامت پسند

یہ وہ طبقہ ہے جو درحقیقت اول الذکر طبقہ کی آزاد خیالی کا ردعمل ہے۔ان لوگوں نے جب اباحت پسند لوگوں کی گمراہی دیکھی تو انہوں نے دنیا کے حالات سے آنکھیں بند کر کے گوشہ نشینی میں اپنی عافیت سمجھی، انہوں نے تلوار کی حقیقت سے چٹ کر میزائل اور ایٹم بم کے مقابلہ کے لیے تلوار کو ہاتھ میں لینے کو ترجیح دی، کیونکہ قرآن وحدیث کے ذخیرہ میں اس کا تذکرہ تھا۔انہوں نے ہر جدت کو شک کی نظر سے دیکھا، چنانچہ کئی سنجیدہ قسم کے علمی حضرات بسا اوقات کسی کتاب گمنام حاشیہ یا ایک آدھ توجیہ کا سہارا لے کر پیش قدمی یا حالات سے مفاہمت جرم سمجھتے ہیں۔ظاہر ہے کہ ان آراء کی روشنی میں عصری مسائل کو قرآن کی روشنی میں حل کرنا ایک مشکل مسئلہ ٹھہرا۔

(3)......تدوین نو کی صدائیں

ان دونوں آراء کو مدنظر رکھتے ہوئے عالمی حالات سے گہری شناسائی اور درد دین رکھنے والے حضرات نے خیرخواہی کے جذبہ سے یہ صدائیں بلند کیں کہ عالمی حالات کو دیکھتے ہوئے فقہ کے مطالعہ میں گہری نظر کی ضرورت ہے۔میرے خیال میں اس تیسرے طبقہ کے خیالات تعمیری ہیں۔یہ ایک طرف نت نئے مسائل کا حل ڈھونڈتے ہیں لیکن دوسری طرف اپنے اسلامی تشخص کا تحفظ ضروری سمجھتے ہیں۔ان کی مثال یوں سمجھیں کہ اول الذکر طبقہ نے زندگی کے برق رفتار قافلہ کے کندھوں سے کندھا ملا کر اپنا سفر جاری رکھا، جدت پسندی میں ایسی انتہا پسندی کے شکار ہوئے کہ اپنا تشخص کھو بیٹھے اور دوسرے طبقہ نے ہمت ہارتے ہوئے عزلت نشینی میں اپنی عافیت سمجھی، لیکن تیسرا طبقہ اپنے تشخص اور امتیاز سے سفر جاری رکھنے کا عزم رکھتا ہے۔ایسے موقع پر زندگی کے برق رفتار قافلہ کے ساتھ سفر جاری رکھنے کے لیے ہوشیار اور باہمت رجال کار کی ضرورت ہے۔

فقہ کا کون سا حصہ قابل توجہ ہے؟

ظاہر ہے کہ عصری حالات سے فقہ کا صرف وہ حصہ متاثر ہے جس کا تعلق معاشرتی مسائل سے ہے، اس لیے فقہ پر نظرثانی کی ضرورت پڑے یا تدوین نو کا شکار ہو تو وہ عبادات کا حصہ کبھی نہیں ہوسکتا۔عبادات میں حالات اور زمانہ کی ترقی سے تبدیلی ممکن نہیں۔ایسا ہی گھریلو زندگی بھی شاید زیادہ متاثر نہ ہو اس لیے کہ ہمارا عائلی نظام وہی رہے گا جو قدیم دور میں تھا۔لاکھ مرتبہ ترقی ہو لیکن میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی گزارنے کے لیے نکاح ضروری ہے۔حالات جو بھی ہوں طلاق کا نظام اپنی جگہ قابل عمل ہے۔البتہ فقہ کا تیسرا حصہ یعنی معاشرتی مسائل پر نظرثانی کی

ضرورت ہے اس میں سب سے زیادہ توجہ اقتصادیات پر دینا ہوگی۔آج کے دور میں اقتصادیات ہی زمانہ کا وہ واحد ہتھیار ہے جس سے قوموں کے عروج وزوال کی داستانیں رقم ہوتی ہیں اور تاریخ بھی دنیا کا مطالعہ اقتصادیات کے حوالہ سے کرتی ہے۔شاید تاریخ زمانہ کے ساتھ چلتے ہوئے اقوام عالم کی تقویم مرتب کرتے وقت اقتصادیات کے پیمانہ سے کام لے اس لیے ہمیں عصری چیلنجوں کے مقابلہ میں فقہ کی تدریس میں انقلابی طرز اپنانا چاہیے۔ یہ تب ممکن ہے کہ ہم علم فقہ کی تدریس سے اہداف اعلیٰ مقاصد کو رکھیں۔فقہ کی تدریس سے یقیناً اعمال درست ہوں گے لیکن اس کے ساتھ معاملات کی درستگی بھی بنیادی مقصد ہے۔ہمیں یہ بھی یقین کرنا ہوگا کہ معاشرہ میں حالات سے آگاہی کے بعد ان پر حرام اور ناجائز کا حکم لگانے کے ساتھ متبادل قابل عمل صورت کی نشاندہی بھی ہوگی یہ تب ممکن ہے جب فقہ پڑھاتے وقت حالات حاضرہ پر گہری نظر رہے اور معاملات کو اسلام کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں حل کرنے کا حسین جذبہ موجود ہو۔

علم فقہ کی تدریس میں قابل توجہ امور

اس سلسلے میں قابل توجہ امور درجہ ذیل ہیں:

(۱) بالغ نظری کی ضرورت

فقہ لغت میں ''الشق والفتح'' کا نام ہے یعنی اس کے ذریعہ ہم مسئلہ کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔چنانچہ قرافی شرح ''تنقیح الاصول'' میں لکھتے ہیں: "الفقه إدراك الأشياء الخفية" کہ فقہ خفیہ رازوں سے آگاہی کا نام ہے۔

اس لیے فقہ کی تدریس بھی اس انداز سے کرنی چاہیے، گویا آپ معاشرہ کے ان مخفی بھیدوں سے آگاہی کے لیے ایسا جذبہ رکھتے ہیں کہ ان کو جانے بغیر آپ چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔فقیہ بھی حقیقت میں ایسا شخص ہونا چاہیے جو فکر وتدبر سے قوانین کی حقیقت کا پتہ لگائے اور مشکل و مغلق صورتوں کو واضح کرے۔اس لیے فقہ کی تدریس جس استاذ کے حوالے ہو اس کے مزاج میں جستجو اور حالات جاننے کا جذبہ موجود ہو، تا کہ استاذ خود مسائل جاننے کا خواہاں ہو اور اپنے تلامذہ کو بھی ایسی صلاحیتوں سے بہرہ ور کرنے کا جذبہ رکھتا ہو۔ظاہر ہے اس میں استاذ کے لیے عصری مسائل سے آگاہی ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ مروجہ حالات سے آگاہ ہو۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس مقصد کے لیے بازار جا کر لوگوں کے حالات جاننے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

نفسیات کے حوالہ سے فقہی مواد کی تقسیم

عصری تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے فقہ کی تدریس میں یہ بھی ضروری ہے کہ طلبہ کی عمر، جذبات اور علمی استعداد کو دیکھتے ہوئے مواد کی تقسیم ہو، ہمارے موجودہ انداز تدریس میں یہی وہ بنیادی کمزوری ہے کہ ہمارے تدریسی مراحل میں تکرار ہے، چھ سال تک ہم فقہ کے اس حصہ پر ساری توجہ مرکوز رکھتے ہیں جس میں عبادات ہیں یا عائلی نظام کا تذکرہ ہے۔صرف آخری سال میں جا کر ہدایہ آخرین (بیوع اور شفعہ) میں کہیں معاشرتی مسائل پڑھنے کا موقع ملتا ہے۔جو مباحث کنز اور قدوری میں پڑھتے ہیں انہی مسائل کا اعادہ شرح وقایہ اور ہدایہ میں ہوتا ہے۔پھر یہ بھی ایک کمزوری ہے کہ ان میں نفسیات کی رعایت نہیں ہوتی۔معاني موجبة للغسل بچوں کو اس وقت پڑھاتے ہیں جب وہ لڑکپن کے زمانہ میں ہونے کی وجہ سے بلوغ کے مسائل سے نابلد ہوتے ہیں۔نکاح کے مسائل طالب علمی کے اس دور میں چھیڑے جاتے ہیں جب اس پر ہیجان کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔اس لیے عمر کی رعایت ضروری امر ہے۔ میرے خیال میں ثانویہ عامہ کا دورانیہ صرف عبادات کے لیے زیادہ مناسب ہے، جب کہ ثانویہ خاصہ کے دونوں سالوں میں عبادات کا طائرانہ مطالعہ اور عائلی نظام کی تدریس ضروری ہے۔پھر عالیہ اور عالمیہ کے مراحل میں عائلی نظام پر توجہ ضمنی ہو اور معاشرتی مسائل کی تدریس عمیق نظر سے ہو، چونکہ جدت کے اثرات زیادہ تر اس تیسرے حصے پر پڑتے ہیں اس لیے عالیہ کے پہلے سال ان مسائل پر توجہ ضروری ہے، اس کے ساتھ ساتھ عصری مسائل اقتصادیات سے بھی طلبہ کی آگاہی ضروری ہے تاکہ یہی طلبہ آگے جا کر فقہ پر تقابلی نظر رکھ کر اس کا مطالعہ کریں۔

فقہ اور اصول فقہ کے باہمی رشتہ کی لاج

معاشرتی مسائل کے حصہ میں اگر ہمیں طلبہ میں استخراجی قوت پیدا کرنے کی ضرورت ہو تو پھر اس مرحلہ سے فقہ کی تدریس میں اصول فقہ کو سامنے رکھنا ہوگا۔اس کے لیے ضروری ہے کہ درجہ عالیہ کی فقہ ایسے تجربہ کار اساتذہ کے حوالہ ہو جو فقہ کے ساتھ ساتھ اصول فقہ پر گہری نظر رکھتے ہوں، چنانچہ ابن نجیم جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"إن معرفة القواعد الفقهيّة تعين العالم على معرفة الأحكام النوازل والوقائع التي لم يرد لها حكم فالقواعد ثابتة والوقائع متجددة"

بے شک قواعد فقہیہ کی معرفت عالم کے لیے نئے مسائل جاننے میں مدد و معاون رہتی ہے، واقعات نئے ہیں

لیکن قواعد کی روشنی میں ان کا حل ڈھونڈا جا سکتا ہے۔

بلکہ ابن نجیمؒ سبکی کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''اگر فقہ کی تدریس میں قواعد کی رعایت نہ ہو تو بسا اوقات یہ جزئیات حکم میں تناقض پیدا ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ قواعد سیکھنے کے لیے رسالہ کرخی لابی الحسن عبداللہ الحسین الکرخی (م ۳۴۰ھ)، تاسیس النظر لابی عبیداللہ بن عمر بن عیسی الدبوسیؒ (م ۴۳۰ھ) الاشباہ والنظائر لابن نجیم المصری (م ۹۷۰ھ) اور مجلۃ الاحکام العدلیہ کے مقدمہ کا مطالعہ ضروری ہے۔ ان کے علاوہ فقہ کے مسائل کے لیے اصول الشاشی، نورالانوار کے مسائل اور خاص کر قیاس کے مسائل پر گہری نظر ضروری امر ہے۔

دوسرے مذاہب کی تدریس

ہماری کمزوری ہے کہ ہم فقہ کی تدریس میں دوسرے مذاہب کے فقہ کو ہاتھ نہیں لگاتے، بلکہ شجرہ ممنوعہ قرار دے کر خود اس کے قریب جاتے ہیں نہ طلبہ کو ہاتھ لگانے کی ضرورت کا احساس رکھتے ہیں۔ دوسرے مذاہب کے بارے میں ہماری معلومات کا واحد ذریعہ خود ہی ہماری فقہ کی کتابوں کا مناظرانہ انداز بیان ہے۔ اس کا بڑا نقصان یہ ہے کہ بسا اوقات ایک مذہب کے بارے میں منفی سوچ ہمارے ذہنوں میں راسخ ہو جاتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ طلبہ دوسرے مذاہب کی فقہ سے آگاہ ہوں۔ صاحب ہدایہ کی خدمات کی عظمت سے ہمیں انکار نہیں وہ ہماری فقہ کا گراں قدر سرمایہ ہے، آپ کی کتاب فقہ حنفی کے بنیادی مسائل کا حصہ ہے لیکن اس کے باوجود کعبہ میں امام شافعیؒ کی طرف نماز کے عدم جواز کی نسبت یا کتاب النکاح میں امام مالک رحمہ اللہ علیہ کی طرف متعہ کے جواز کی نسبت تہمت کے سوا کچھ نہیں لیکن اس سے کتاب کی عظمت متاثر نہیں ہوتی۔ آخر انسان کی کتاب ہونے کے ناطے غلطی کا موجود ہونا یقینی امر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب وہ واحد کتاب ہے جس میں غلطی کا احتمال نہیں، ایسی غلطیوں کا تدارک اس وقت ہو سکتا ہے جب دوسرے مذاہب کی کتابوں پر نظر ہو۔ اس کا ایک دوسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ اگر معاشرتی مسائل میں کسی ایک مذہب کو لے کر آسانی کی صورت پیدا ہو تو وہاں گنجائش پائی جاتی ہے۔ یوں طلبہ کے لیے عصری مسائل حل کرنے میں وسائل کی فراوانی ہوگی۔

مناظرانہ انداز بیان سے اجتناب

اختلافی مسائل کے تذکرہ میں ہم پر مناظرانہ انداز بیان غالب ہے، ہم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک، یا امام احمد بن حنبلؒ سے اختلاف کی صورت میں مسائل پر جو بحث کرتے ہیں، اس میں ایسا انداز بیان ہم پر غالب

رہتا ہے گویا کہیں دو جانی دشمنوں کا مکالمہ ہے، حالانکہ علمی مسائل میں وسعت ظرفی کا مظاہرہ کر کے دوسروں کو سننا پڑتا ہے۔ بحیثیت حنفی یہ ہمارا حق ہے کہ اپنے مذہب سے ترجیحی سلوک ہو، لیکن ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ دوسرے اکابرین کی تحقیر پر منتج ہو۔ ہدایہ کے اندازِ بیان کو اپنانے کے لیے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے، البتہ مشکوۃ المصابیح اور صحاح ستہ میں فقہی اختلاف کے حوالہ سے پہلے ماوردفی الباب روایات کا تذکرہ ہو، تاکہ طلبہ کے اذہان میں یہ بات بیٹھے کہ مذہب کا اصل سرمایہ احادیث ہیں پھر ان روایات پر ائمہ مجتہدین کے اپنے اپنے اصول میں صوابدیدی سلوک کا تذکرہ ہو کہ احناف یا شوافع نے فلاں فلاں روایت کو عمل کے لیے کیوں متعین کی۔ ترجیحی وجوہات کیا ہیں؟ اور دوسری روایات سے جان چھڑانے کے لیے کون سا راستہ اختیار کر سکتے ہیں۔ یہ کام مشکل ضرور ہے لیکن اس سے تعمیری سوچ کی آبیاری ہوگی، اور مزاج پر تعصب کا اثر غالب نہیں رہے گا۔ اس کے لیے اختلافی مسائل میں جملہ روایات کو مدنظر رکھیں اور پھر ہر مذہب کے اصول کو سمجھیں۔ ابن رشد نے ''بدایۃ المجتہد'' کے حوالہ سے اس میدان میں کافی کام کیا ہے۔ بدائع الصنائع اور علامہ شاہ انور شاہ کشمیریؒ کی فیض الباری کے مطالعہ سے اس میدان میں کافی رہبری مل سکتی ہے۔

....

فقہی سوچ میں مثبت تبدیلی کے ساتھ فتویٰ دیتے وقت یہ بھی ضروری ہے کہ ارباب فتویٰ عصر حاضر کے عرف یا رائے عامہ کو سمجھنے کی کوشش کریں اور پھر اس کو سامنے رکھتے ہوئے پیش قدمی جاری رکھیں، ورنہ نام نہاد دانشور دین کا حلیہ بگاڑ کر خلقِ خدا کو دھوکہ دے کر گمراہ کر سکتے ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ "والعاقبة للمتقين" نام نہاد خیر خواہوں کا حربہ تلبیس کامیاب نہیں ہوگا، لیکن میدان ان کے لیے کھلا چھوڑنا دانشمندی نہیں، بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو الحاد و بے دینی کے حوالہ کرنے کے مترادف ہے۔ اس لیے فقہ کی تدریس نو کے ساتھ ارباب فتویٰ عصری تقاضوں کے ادراک سے غافل نہ رہیں، کسی وقت عصری تقاضوں سے دور رہنا تدین یا دینداری سمجھی جاتی تھی لیکن آج ایک فقیہ کے لیے ان حالات سے بے خبر رہنا کمزوری کے سوا کچھ نہیں۔ فتویٰ سے وابستہ افراد کے لیے معاشرتی حالات سے آگاہی ضروری ہے، تاکہ اس سے عصری تقاضوں کا ادراک ہو اور وہ معاشرہ کی نبض پر ہاتھ رکھ کر کسی سوال کا جواب دے سکیں۔ آج کل کے حالات میں بڑی تیزی سے تبدیلی رونما ہوتی ہے، ایک وقت تھا کہ حالات کی تبدیلی یا عرف کے تغیر کے لیے صدیاں درکار ہوتی تھیں، آج کے حالات کی تبدیلی مہینوں کی بات ہوتی ہے، ایسا ہی ایک وقت تھا کہ دارالافتاء کی کارکردگی ایک علاقہ تک محدود تھی، آج نیٹ کے دور میں دارالافتاء کی کارکردگی کئی براعظموں تک ممتد ہے۔ اس لیے حالات کا ادراک ضروری ہے، جب تک حالات اور عرف سے آگاہی نہ ہو تو مسئلہ کی تہہ تک پہنچنا مشکل ہے اور مسئلہ کا گہری نظر سے

مطالعہ کیے بغیر جواب مشکل ہے۔ عرف کی اہمیت، ضرورت اور حیثیت پر ایک دفعہ بنوں فقہی کانفرنس میں میں نے ایک مقالہ پڑھا تھا جو العصر میں شائع ہوا تھا اس مضمون کی مناسبت سے اس کی نقل فائدہ سے خالی نہیں ہوگی:

معاشرتی ارتقاء اور فقہی مسائل پر اس کے اثرات:

انسانی معاشرہ کا تفاوت اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حالات کی تبدیلی نا قابل انکار حقیقت ہے، یہ ضروری نہیں کہ کسی معاشرے یا سوسائٹی کا وجود صدیوں تک محفوظ رہے۔ آج کل سائنسی دور میں معاشرہ کی تبدیلی تو سالوں کی بات ہے، چند سال گزرنے سے حالات ایسی تبدیلی کے شکار ہوتے ہیں کہ قریبی وقت کے واقعات ایام ماضیہ کی تاریخی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔

معاشرتی حالات کی تبدیلی سے مسائل پیدا ہونا لازمی امر ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ جدید دور کے نت نئے مسائل کا گزشتہ زمانوں میں تصور بھی نہیں تھا، بلکہ آئندہ "ویخلق مالا تعلمون" کی ایجادات ابھی تصورات کے دائرہ سے خارج ہیں۔ حالات کی تبدیلی سے تعبیر اگر "عرف" اور "عادت" سے ہو تو شاید مسائل سے آگاہی کے لیے زیادہ ممد اور معاون ثابت ہو۔

عقلاء اور دانشوروں کی رائے یہ ہے کہ رہن سہن، خورد و نوش اور باہمی تعلقات کی شکلیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ حالات کی یہ تبدیلی فطری عمل ہے، کیونکہ ضروریات ہمیشہ ایک نہیں رہتیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ تبدیلی کا یہ عمل درحقیقت ان مسائل کی پیداوار ہے جو کنبے، گھرانے یا خاص علاقے میں ترویج پاتے ہیں۔ اس تبدیلی سے انسانی معاشرہ ایسا مانوس ہو جاتا ہے کہ تبدیلی کا قدم ہچکچاہٹ کے بغیر آسانی سے قبول کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرف اور رواج سے پانے والے واقعات سے انسان کا کٹ جانا بڑا شاق ہوتا ہے۔ مشکل ذمہ داریوں کا نبھانا انسان کے لیے محض عرف اور عادت کی وجہ سے روزمرہ کا معمول بن جاتا ہے۔ عقلِ سلیم خود اس کے قبول کرنے پر آمادہ ہوتی ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ عرف کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "العرف والعادة ما استقر في النفوس من جهة العقول وتلقته الطباع السليمة بالقبول" (شرح عقود رسم المفتي: ٩٤)

عرف کی شرعی حیثیت:

عرف کے مانوس ہونے اور انسانی فطرت کا آسانی سے قبول کرنے کی وجہ سے شریعت نے اس کو ایک اہم مقام دیا ہے، اس کی حیثیت کو تسلیم کر کے بعض اوقات مسائل کے جواز اور عدم جواز میں اس کو بنیادی کردار ادا کرنے

دیا ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ حالات کی تبدیلی کا اگر یہی معیار رہا اور غالب گمان ہے کہ اس سے بڑھ کر بھی حالات بدل سکتے ہیں تو پھر اس کو اعتبار نہ دینے سے ایسی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں کہ شریعت پر عمل کرنا وقت کا سنگین مسئلہ بن سکتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ خیر القرون کا دور تھا، دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مرحلہ کچھ اتنا دور نہیں تھا۔ پھر بھی جب حالات کی تبدیلی آئی تو صحابہ کرام نے عرف کو اعتبار دینا مسائل کا حل سمجھا۔خلفائے راشدین کے دور میں منکرین زکوۃ سے جہاد کرنے کے لیے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مؤقف کو عرف اور حالات کی تبدیلی سے تائید ملی۔ایسا ہی جنگ یمامہ میں نامور قراء اور حفاظ کی شہادت کے واقعات نے مسلمانوں کو جمع قرآن کی طرف متوجہ کیا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حالات کی تبدیلی کو منشا اور بنیاد بنا کر جمع قرآن کی رائے دی۔امام ترمذیؒ کی روایت ہے:

إن القتل قد استحرّ بقراء القرآن يوم اليمامة وإني لأخشى أن يستحرّ القتل القراء في المواطن كلها فيذهب قرآن كثير إني أرىٰ أن تأمر بجمع القرآن "

(سنن الترمذي، أبواب التفسير)

حالات کی تبدیلی ایسے وقت رونما ہوئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل ومجلس سے فیض یافتہ شخصیات ابھی بقید حیات تھیں، ان کی نظر میں دور نبوی ﷺ کا سنہری زمانہ محفوظ تھا۔حالات کی تبدیلی سے مسائل سے متاثر ہونا ان کو قطعاً گوارا نہ تھا۔چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جب جمع قرآن کی ذمہ داری سونپی گئی تو آپؓ نے دوٹوک اعلان کیا: "كيف تفعلون شيئا لم يفعله رسول الله ﷺ " ۔لیکن عرف اور حالات کی تبدیلی سے مجبور ہو کر آخر کار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن جمع کرنے پر آمادہ ہوئے۔اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا ایسا وجود نہیں تھا۔

اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کا دور ایسے نظائر سے بھرا پڑا ہے، بلکہ آپ کے دور خلافت میں جب اسلام کی سلطنت میں وسعت پیدا ہوئی، اسلامی ثقافت عربوں کے علاوہ عجمیوں پر چھا گئی تو اس وقت بے شمار مسائل نے جنم لیا جن کو عرف کی روشنی میں حل کیا گیا۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب مسائل کی کثرت ہوئی تو فقہاء کرام نے اپنے اپنے زاویہ خیال یا مکتبہ فکر کے مقررہ اصول کی روشنی میں طریقہ کار متعین کیا، چنانچہ ظواہر کا نقطہ نظر اگرچہ کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع کے ظاہری نصوص تک محدود رہا لیکن اصحاب رائے یعنی مجتہدین نے حالات کا گہری نظر سے مطالعہ کر کے الگ الگ نظریے پیش کیے۔شوافع نے ان تین کے علاوہ قیاس اور استصحاب حال کی ضرورت بھی محسوس کی، حنابلہ نے المصالح المرسلہ اور سد الذرائع کے نام سے الگ اصطلاحات وضع کیں۔ جب کہ احناف نے مسئلہ کی

نزاکت کا احساس کرتے ہوئے استحسان اور عرف میں ان نئے مسائل کا حل ڈھونڈا۔

عرف سے مسائل کی تبدیلی کے اثرات

عرف کی وجہ سے کئی نا قابل حل مسائل کو قابل عمل بنایا گیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات عرف کی تبدیلی حکم کی تغییر کا ذریعہ بنتی ہے، چنانچہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

فالعرف في الشرع له اعتبار   لذا علیه الحکم قد یدار

معاشرہ اور عرف کی وجہ سے جیسا کہ الفاظ کے حقیقی معانی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے ایسا ہی مسائل کی تبدیلی بھی ناگزیر ہوتی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی مسئلہ میں دوٹوک مؤقف اختیار کرنے کے باوجود عرف ہی کی وجہ سے تلامذہ کو اختلاف کرنے کی جرأت ہوتی ہے اور یہ اختلاف بسا اوقات سنگین صورت اختیار کر لیتا ہے کہ شیخ پر اعتماد اور حسن ظن کے باوجود محض عرف کی وجہ سے تلامذہ کے قول سے ترجیحی سلوک کرنا پڑتا ہے۔ مزارعت، اجرت علی الامامۃ وتعلیم القرآن، گواہ کی ظاہری حالت پر قناعت نہ کرنے کی صورت میں خفیہ معلومات، بادشاہ کے علاوہ کسی دوسرے سے اکراہ کا تحقق، اجیر مشترک کو اشیاء کی ہلاکت کا ضامن ٹھہرانا اور عقار میں غصب کو اعتبار دینے میں آخر وہ کون سا عامل تھا، جس کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بجائے صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ دینا پڑا۔ میرے خیال میں متقدمین کے فتاویٰ اور فرمودات میں کوئی ابہام نہیں تھا لیکن اس کے باوجود تلامذہ کے قول کو ترجیح دینے میں بنیادی کردار عرف کا رہا۔

عرف کا دائرہ کار:

عرف کو اعتبار دینے سے یہ غلط فہمی نہ رہے کہ معاشرہ کا کونسا نا قابل حل مسئلہ ہے جو عرف کے دائرہ کار سے خارج ہو تو پھر سود، جوا اور دیگر مروجہ غیر شرعی احکامات کو بھی سہارا مل سکتا ہے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں بلکہ اس سے شریعت کی پوری شکل بگڑ سکتی ہے۔ آج ہمارے معاشرہ کے بعض سادہ لوح یا مذہب وعقیدہ سے ناواقف لوگ مجتہدین کی فیکٹریاں لگانا چاہتے ہیں، جن سے ایسے سکالروں اور محققین کی توقع رکھتے ہیں جو شریعت کو وقت کا تابع بنا کر رکھیں۔ عرف کو اعتبار دینے میں یہ بنیادی شرط ہے کہ عرف ایسا نہ ہو کہ جو کسی منصوص حکم کے متصادم ہو ورنہ جہاں ایسا عرف ہو جس سے حکم شرعی معطل ہوتا ہو یا کسی ظاہری نص کو چھوڑنے پر منتج ہو تو ایسے عرف کو اعتبار نہیں دیا جائے گا۔ اس لیے شریعت مطہرہ کے ظاہری اور محکم نصوص پر کاربند رہنا ہوگا تاکہ عرف کی وجہ سے کسی حکم میں تخصیص کا ہونا قابل فہم اور ممکن العمل ہے۔

موجودہ حالات کے بعض قابل عمل مسائل

تجارتی میدان پر یہودیوں کے قبضہ اور غیر مسلم لوگوں کے بعض امور میں سبقت سے ہمارا اسلامی معاشرہ چند مشکلات سے دوچار ہے۔ کمپیوٹر کی دنیا میں حیرت انگیز تبدیلی سے مسئلہ مزید پیچیدگی کا شکار ہوئے بغیر نہ رہ سکا، ایک نہیں دونہیں بلکہ بے شمار مسائل آج مسلمان علماء اور زعماء سے حل کے خواہاں ہیں۔ یوں تو ہماری سوسائٹی المناک واقعات سے بھری پڑی ہے لیکن پھر بھی چند میدانوں میں مسائل کا احساس زیادہ ہے، جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

(1)......معاشی میدان

یہ موجودہ دور کا معرکۃ الآراء مسئلہ ہے، یہودیوں کے اقتصادی میدان پر قابض ہونے کی وجہ سے یہ میدان کئی مشکلات سے دوچار ہے۔ معاشرہ میں رہتے ہوئے معمولی غفلت سودخوری، اور حرام کی آمدنی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ سود خوری سے لوگوں کی قوت تمیز اس درجہ متاثر ہوئی کہ حلال وحرام کی تمیز لوگ اضافی بوجھ سمجھتے ہیں۔ پھر بینکاری نظام کی کامیابی کے دعوؤں سے علماء کے کندھوں پر مزید بوجھ پڑتا ہے اور یہ وقت کا ایک چیلنج درحقیقت اولاً ہمارے علماء بینکاری نظام سے ناواقف ہوتے ہیں، وہ اس کو صرف سودی کاروبار کے نام سے جانتے ہیں، جس کے لیے حرام یا ناجائز کی اصطلاح وضع ہے، لیکن اس کے مقابلہ کے لیے ہمارے پاس متبادل نظام کیا ہے؟ شاید مضاربت اور مشارکت کے عقود کو ہم متبادل سمجھیں، لیکن اس پر بھی محنت کرکے معاشرہ میں قابل عمل ہونے کی گارنٹی دینا کسی عالم کے دائرہ اختیار میں نہیں۔ علاوہ ازیں خرید وفروخت کی جدید شکلیں بین الاقوامی تجارت اور مختلف ناموں سے جاری کئی اسکیمیں قابل توجہ ہیں۔

(2)......طبی میدان

دوسرا اہم میدان فن طب کے محیر العقول کارنامے ہیں کچھ مدت قبل تک انسانی اعضاء کی پیوندکاری یا تبدیلی خون علماء کے لیے چیلنج بنا ہوا تھا، ابھی شکم مادر میں بچے کی بیماریوں کا پتہ لگا کر اس کا علاج کرنا اور علم ومعرفت کے لیے دل ودماغ کی تبدیلی کے لیے ماہرین پر تول رہے ہیں ممکن ہے وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ تحصیل علم کے لیے اتنی محنت کی ضرورت کیا ہے؟ کسی نامور ماہر کے دماغ سے قوت خزانہ نکال کر دوسرے کے سر میں فٹ کرکے بلامحنت سکالر بن سکتا ہے۔ ایسے کئی مسائل ہیں جو اس میدان میں درپیش ہیں۔ شرعی احکام سے اس کی وابستگی اس سے شرعی حکم کا تقاضا کرتے ہیں۔

(3)......نئی دنیا کی تلاش

سائنس دان چاند کی تسخیر کی کامیابی کے بعد دوسرے سیاروں کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ خلائی اسفار

اور اسٹیشن کے قیام سے پھر مدتوں تک خلاء میں رہنے سے اس کی شرعی ذمہ داریوں کی نوعیت کے بارے میں بڑے غور وخوص کی ضرورت ہے۔ صرف اس سے جان نہیں چھوٹتی کہ سجدہ کی تعریف "وضع الجبهة على الارض" کرکے خلائی سفر میں اس کو جائز وناجائز قرار دیں۔ اس کے علاوہ بھی تقاضوں کی تبدیلی سے احکام کا متاثر ہونا لازمی امر ہے۔

علماء کی ذمہ داریاں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید مسائل علماء کے لیے بڑا چیلنج ہے، ہمارے علماء کے لیے بڑے سے بڑا مسئلہ ضروریات سے ناواقفیت ہے، یعنی: اولاً تو ہم ان مسائل سے نابلد ہیں جو تحقیق چاہتے ہیں، پھر اگر مسئلہ سمجھیں تو اس کو حل کرنا امتحان سے کم نہیں، ایسی حالت میں کسی مسئلہ کے بارے میں ناجائز اور حرام کا فتویٰ لگانا کافی نہیں اور نہ ہی اس سے ذمہ فارغ ہوجاتا ہے، بلکہ معاشرہ کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے متبادل نظام متعارف کرانا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ متبادل نظام سے صرف جزئیہ کا حوالہ نہیں بلکہ قابل عمل حل پیش کرنا مراد ہے۔ آج دین کی وجہ سے علماء کی عزت ہے یہ ہم سے تقاضا کرتی ہے کہ اس میدان کو خالی نہ چھوڑیں خدانخواستہ اگر غفلت آمیز رویہ اختیار کرلیا گیا تو تاریخ معاف نہیں کرے گی بلکہ مسائل کا حل تلاش نہ کرنا اور اس سے لاپرواہی برتنا دینی اقدار کو پامال کرنے اور خود اپنی زبان سے اسلام کے تہذیب کی تکذیب کے مترادف ہے۔

اس لیے آج کے دور میں دارالافتاء سے وابستہ افراد کے لیے دنیا میں موجود نظام ہائے حیات سے آگاہی ضروری ہے۔ اقتصادی نظام تو موجودہ دور میں ایٹمی ہتھیار سے زیادہ طاقتور ہے اس سے حکومتوں کے نصب وعزل کے فیصلے ہوتے ہیں، حرام وحلال کا وسیع میدان اس سے وابستہ ہے، نیٹ پر خرید وفروخت کے نظام نے کئی مسائل جنم دیئے ہیں۔ جب تک جدید معاشی نظام سے آگاہی نہیں ہوگی تو اس وقت تک آپ کسی مسئلہ کے بارے میں لب کشائی نہیں کرسکتے۔ پھر یہ بھی ذہن میں رکھنا ہوگا کہ کسی سوال کے بارے میں حرام کہہ کر آپ کی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی جب تک آپ حرام کے مقابلہ میں حلال قابل عمل راستہ تجویز نہ کریں، یہ تب ہوسکتا ہے کہ آپ اسلامی اقتصادیات کی طرح جدید معیشت سے آگاہ ہوں۔ ایسا ہی طبی میدان میں نئی تحقیقات سے ایسی صورتیں پیدا ہوئی ہیں جو ثبوتِ نسب، میراث اور علاج کے کئی مسائل پر بالذات اثر انداز ہورہی ہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ دارالافتاء کے نصاب میں سیاسیات، جدید معیشت کے علاوہ علم الطب کے کچھ ضروری موضوعات بھی شامل ہوں تاکہ فتویٰ میں دقت نہ رہے۔

ان ضروری امور کی رعایت رکھتے ہوئے ''فتاویٰ عثمانیہ'' جامعہ عثمانیہ پشاور کے دارالافتاء کے ربع صدی کی

محنت کا ایک گوشوارہ آپ کے سامنے ہے، جس کی تحقیق اور مراجع میں ''درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء'' کے درجنوں زیرک اور قابل فضلاء نے حصہ لیا۔ پھر جامعہ کے بااعتماد، تجربہ کار شیوخ اور اساتذہ کرام نے اس کے مسودہ اور مبیضہ کے تیار ہونے اور بعد ازاں نظر ثانی میں اپنی توانائیاں صرف کیں۔ اس سے یقیناً فتاویٰ کی عظمت میں اضافہ ہوگا۔ یہ صرف ایک شخص کی رائے نہیں بلکہ جامعہ سے وابستہ فکر کی ترجمانی ہے اور درجنوں علماء کی مشترکہ کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ فتاویٰ عثمانیہ میں روایتی انداز سے ہٹ کر انداز بیاں اپنایا گیا ہے جس میں قاری کو ساتھ چلنے کے لیے سوال وجواب سے پہلے ہر بحث کی ابتداء میں ایک تفصیلی تذکرہ شامل ہے، جس سے پڑھنے والے کے ذہن میں متعلقہ بحث کے بارے میں ایک تفصیلی خاکہ بیٹھ جاتا ہے، جو آگے جاکر مسائل کے مطالعہ میں ممد اور معاون رہے گا۔ علاوہ ازیں یہ ابتدائی مباحث بذات خود کئی مسائل کا مجموعہ ہیں، اس کے علاوہ عنوانات کے قیام میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ اس میں سوال وجواب کی عکاسی ہو پھر قاری کی سہولت کے لیے عربی عبارات کے ترجمہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ماٗخذ ومراجع کے حوالہ کا اہتمام کرکے قاری کے لیے یہ ممکن بنایا گیا ہے کہ وہ اصل ماٗخذ کی طرف رجوع کرکے جواب کے علاوہ دوسری معلومات سے دامن بھرے گو کہ اصل ریکارڈ میں سوالات کے ساتھ سائل کا نام وپتہ درج تھا لیکن فتاویٰ کی تبویب میں شخصی معلومات چھوڑ دیے گئے ہیں کیونکہ بعض سوالات ایسے ہوتے ہیں جو انسان کی نجی زندگی سے متعلق ہوتے ہیں اور انسان نہیں چاہتا کہ اس کی اشاعت ہو۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں قیام کے دوران یہ خواہش ضرور تھی کہ فتاویٰ حقانیہ کی اشاعت ہو، اس وقت حتی المقدور کوشش بھی کی، جو میرے پشاور آنے کے بعد زیور طبع سے آراستہ ہوکر شائع ہوا، لیکن یہ وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ جامعہ عثمانیہ کی طرف سے کسی ایسے ضخیم مجموعہ کی اشاعت کا موقع مجھے میری زندگی میں میسر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا کرم تھا کہ جامعہ عثمانیہ پشاور کے قیام کے بعد دارالافتا پر لوگوں کا اعتماد اتنا بڑھ گیا کہ درجن بھر علماء رات دن دارالافتاء میں مشغول رہے، آج بحمداللہ بیس سال کی محنت یکجا ہوکر ''فتاویٰ عثمانیہ'' کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ مجھ جیسا سیہ کار اور بے علم آج اس عظیم خدمت کی اشاعت کا ذریعہ بن رہا ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ کے فیصلے اہلیت ونااہلیت پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ اس کے کرم اور مہربانی کے مظاہر ہوتے ہیں۔ مجھے قدم بقدم یہ احساس دامن گیر ہے کہ یہ عظیم دینی محنت وخدمت سیدی ومرشدی فرید العصر حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب نوراللہ مرقدہ کی نظر شفقت کا نتیجہ ہے، جنہوں نے عرصہ اٹھارہ سال تک دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے دارالافتاء میں بندہ کی سرپرستی فرمائی اور ایسا ہی شیخ الاسلام والمسلمین، امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نوراللہ مرقدہ کی مجلس کی برکات ہیں، جن کی صحبت اور مجلس نے بندہ کو اس عظیم محنت کی عظمت کا احساس دلایا اور علمی دنیا سے آگاہی

کا ذریعہ بنا۔ صرف فتاویٰ عثمانیہ نہیں بلکہ جامعہ عثمانیہ پشاور اور اس کی ہر دینی جدوجہد دوسرے اساتذہ کے علاوہ مذکورہ دونوں اکابرین سے نسبت کی برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے والدین، قافلہ معاد کے شریک اساتذہ کرام اور حلقہ احباب کی ارواح پر کروڑہا رحمتیں نازل فرمائے اور یہ عظیم خدمت جامعہ کے اساتذہ، درجہ تخصص کے ہونہار فضلاء اور دوسرے معاونین کی جانب سے قبول فرمائے۔ آمین

مجھے اس حقیقت کے اظہار پر روحانی مسرت محسوس ہورہی ہے کہ میدان افتاء سے کوسوں دور ایک نو وارد جامعہ کی طرف سے اس محنت کی عظمت میں اضافہ کا ذریعہ مادر علمی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ، جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے علاوہ عالم اسلام کی عظیم یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند ہندوستان، دعوت وتبلیغ کے کام کو اُوجِ ثریا تک پہنچانے والے اکابر علماء کے مرکز مظاہر العلوم سہارنپور ہندوستان اور عصری مسائل پر تحقیق کے مرکز المعہد العالی اسلامی حیدرآباد اور اسلامک فقہ اکیڈمی ہندوستان کے اکابر کا فیاضانہ تبصرہ، حوصلہ آفزائی کے پیغامات اور تائیدی بیانات ہیں جو یقیناً ''فتاویٰ عثمانیہ'' پر اعتماد اور اس کی قدرومنزلت میں گرانقدر اضافہ کا ذریعہ ہیں۔ بایں ہمہ پھر بھی انسان خطا کا پتلا ہے، ممکن ہے کہ بندہ سے اس میں کوئی غلطی واقع ہو، جو اکابر کے مشرب سے منافی ہو اور یا شریعت کے مسلمہ اصول سے متصادم ہو تو اس کو اس سیہ کار کی کم مائیگی پر حمل کریں۔ میری زندگی میں اطلاع پر دلی خوشی ہوگی۔ خدا کرے کہ ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ سے سرشار میدانِ فتویٰ سے وابستہ حضرات کی مخلصانہ توجہ اصلاح کا ذریعہ بنے۔ اللہ تعالیٰ یہ محنت امت مسلمہ کی اصلاح کا ذریعہ بنا کر اس کی وجہ سے جملہ رفقائے کار، میرے والدین اور میری بخشش کے فیصلے فرمائے۔ آمین

کتبہ غلام الرحمٰن

بجوار قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مسجدِ نبوی، مدینہ منورہ

۲۸ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ
استاذ حدیث و ناظم تعلیمات جامعہ عثمانیہ پشاور
رئیس العصر اکیڈمی جامعہ عثمانیہ پشاور

فتاویٰ عثمانیہ اور جامعہ عثمانیہ

جامعہ عثمانیہ اپنے تاسیس کے چوبیسویں سال علمی دنیا کے سامنے تقریباً ساڑھے چار ہزار صفحات پر 3453 فتاوی کا مجموعہ دس ضخیم جلدوں میں پیش کر رہا ہے۔ فللہ الحمد فی الاولیٰ والأخرۃ

تئیس (۲۳) برس قبل جب جامعہ عثمانیہ ایک چھوٹی سی مسجد اور اس کے صحن کے اطراف میں بنے چند کمروں پر مشتمل عمارت میں شروع ہوا، جہاں تک مجھے یاد ہے اس عمارت کا ابھی نہ پلستر ہوا تھا نہ ہی دروازے اور کھڑکیاں تھیں۔ یہ درس گاہیں بھی تھیں اور اقامت گاہیں بھی۔ انہی میں سے ایک کمرہ دفتر کے طور پر جب کہ دوسرا سٹاف روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ یہی اس نوخیز ادارے کی کل کائنات تھی۔ جامعہ کے بانی و مہتمم حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ بتاتے ہیں کہ پہلے سال ابتدائی تین درجات میں جن چالیس طلبہ کو داخلہ دیا گیا ان میں سے بھی ایک چوتھائی سے زیادہ طلبہ یکے بعد دیگرے چند ماہ میں ادارے کو داغِ مفارقت دے گئے، یہ ایک حوصلہ شکن مرحلہ تھا اور ان ناگفتہ بہ حالات اور غیر یقینی صورتحال میں آج کے جامعہ عثمانیہ کا خواب بھی شاید نہ دیکھا جا سکتا تھا۔ مگر اللہ پاک "فعال لما یرید" ہے اس نے جو چاہا سو کر دیا۔

مفتی صاحب دامت برکاتہم کے اخلاص، انتھک محنت، بے مثال جدوجہد، دعائے سحرگاہی کے ساتھ تعلیمی امور میں مہارت کی بدولت جامعہ نے مختصر مدت میں حیرت انگیز اور قابل رشک ترقی کی اور چند برس میں جامعہ کا شمار ملک کے صف اول کے ممتاز مدارس میں ہونے لگا۔

آج کا جامعہ عثمانیہ اسلامی علوم کی ایک مکمل یونیورسٹی ہے اور ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ﴾ کے مصداق درج ذیل شعبے کام کر رہے ہیں:

(۱) شعبہ تحفیظ القرآن الکریم

(۲) شعبہ تجوید

(۳) شعبہ درس نظامی بنین (آٹھ سال)

(۴) شعبہ درس نظامی بنات (چھ سال)

(۵) شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء (دو سال)

(۶) عثمانیہ چلڈرن اکیڈمی (انٹرمیڈیٹ تک)

(۷) دارالافتاء (جہاں سے نکلنے والے فتاوی جات کا مجموعہ آپ کے ہاتھ میں ہے)

(۸) العصر اکیڈمی (اشاعت کتب کا ادارہ)

(۹) ماہنامہ العصر (جامعہ کا ترجمان)

(۱۰) مکتبہ عثمانیہ (ہزاروں کتب پر مشتمل لائبریری)

(۱۱) عثمانیہ ویلفیئر ٹرسٹ (طلبہ کا رفاہی ادارہ)

برصغیر کے عظیم المرتبت محدث استاذ العلماء والمحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے جامعہ کی تاسیس کے تیرہویں سال ختم بخاری شریف کی عظیم الشان تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ جامعہ عثمانیہ پشاور آپ کے پورے صوبہ سرحد کا ایسا ممتاز ادارہ ہے کہ جس کی نظیر اس صوبے میں موجود نہیں ہے۔ یہ بات بر بنائے حسنِ ظن یا ادارے کے ذمہ داروں کی روایات کی بنیاد پر عرض نہیں کیا جارہی۔ اس میں کسی حسنِ ظن کا دخل نہیں اور اس میں کسی ادارے کے مہتمم، ناظم، مدرس، طالب علم کی روایت کا دخل نہیں۔ یہ بات اس لیے عرض کی جارہی ہے کہ وفاق المدارس کے جو امتحانات کے نتائج ہمارے سامنے رہتے ہیں، اُن نتائج کے حوالے سے یہ بات بلا تکلف کہی جاسکتی ہے کہ اس ادارے کے نتائج انتہائی قابلِ رشک ہوتے ہیں اور ایسے قابلِ رشک نتائج صوبہ سرحد میں کسی ادارے کے نہیں...... دوسری بات یہ ہے کہ مجھے معلوم بھی ہے لیکن یہ کہ یہ تعیین پہلے سے معلوم نہیں تھی۔ مفتی صاحب نے ابھی یہ فرمایا کہ ادارے کی عمر تیرہ سال ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ لڑکا بارہ سال میں بالغ ہوسکتا ہے اور لڑکی نو سال میں بالغ ہوسکتی ہے تو اس لیے یہ ادارہ قبل البلوغ ہی

بالغ ہوگیا۔''

جامعہ کے چوبیسویں تعلیمی سال میں مختلف شعبوں میں 1318 طلبہ جب کہ شعبہ بنات میں 253 طالبات کا داخلہ ہوا۔ جب کہ سینکڑوں طلبہ وطالبات سے امتحانِ داخلہ میں کامیابی کے باوجود معذرت کرنی پڑی۔ 46 اساتذہ اور شعبہ بنات میں 10 معلمات تعلیمی خدمات انجام دہی میں مصروف عمل ہیں۔ اس تعلیمی ومعنوی ترقی کے ساتھ جامعہ نے ظاہری اعتبار سے بھی شاندار ترقی کی ہے۔ جامعہ کے پشاور شہر اور گلشن عمر چراٹ روڈ پبی کے دونوں کیمپس میں شاندار دارالاقامے، دارالتدریس، دفاتر، رہائشی مکانات، عظیم الشان مسجد اور دوسری عمارات کھڑی ہیں۔ جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔

جامعہ نے مدارس کے مروجہ نظام کے برعکس داخلے، اوقاتِ تعلیم کی تقسیم، طرقہائے تدریس، نظامِ امتحانات و نتائج اور نظم مدرسہ میں انقلابی قدم اٹھائے، جو ابتدا میں تعجب اور اجنبیت کی نظر سے دیکھے گئے۔ مگر الحمدللہ ان کی افادیت کی بنا پر اب قبول کیے جا رہے ہیں۔

جامعہ کے مذکورہ بالا تمام شعبوں کی کارکردگی بحمداللہ قابل ذکر ہے مگر تفصیل کے خوف سے ان کا ذکر ترک کیا جا رہا ہے۔ ان میں سے ایک شعبے ''دارالافتاء'' کی کارکردگی آپ کے سامنے ہے۔ دس ضخیم جلدوں میں شاندار ''فتاوی عثمانیہ'' اس شعبے کی یقیناً ''فخریہ پیشکش'' ہے۔

''دارالافتاء'' کا قیام تو جامعہ کے تاسیس کے ساتھ ہی عمل میں لایا گیا تھا مگر یہ صحیح معنوں میں فعال تب ہوا جب حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ پشاور منتقل ہوگئے۔ چونکہ دارالعلوم حقانیہ میں تدریس کے آغاز سے ہی آپ دارالافتاء کے ساتھ منسلک تھے اور جب حقانیہ چھوڑ رہے تھے تب آپ وہاں کے نائب مفتی اور شعبہ تخصص فی الفقہ والافتاء کے مشرف تھے۔ اس لیے علمی و دینی حلقوں میں آپ اس حوالے سے معروف بھی تھے اور عوام وخواص کا اعتبار واعتماد بھی حاصل تھا اس لیے جامعہ عثمانیہ کا دارالافتا مرجع عوام وخواص بن گیا اور کثرت سے اس کی طرف رجوع ہونے لگا۔ اس بات کا اہتمام پہلے سے تھا کہ ہر باب میں جاری ہونے والے فتاوی کا اندراج الگ الگ رجسٹروں میں ہو، اس طرح گویا فتاوی خود بخود مرتب ہو رہا تھا اور جب ایک معتد بہ تعداد میں فتاوی جمع ہوگئے تب اس پر تحقیق وتخریج کا کام جامعہ کے نائب مفتی واستاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی نجم الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی نگرانی میں ہوا۔

فتاوی عثمانیہ میں اکابر کے مسلک ومشرب اور مذاق ومزاج کی پوری رعایت رکھی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ اس پر

برصغیر پاک وہند کے ممتاز علمی اداروں اور اس دور کی عظیم المرتبت علمی شخصیات نے اعتماد واعتبار کا اظہار کیا ہے، ان کی تقریظات کا ایک ایک جملہ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، یہی اس فتاوی کا امتیاز اور قابل فخر سرمایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر دے اور ان کا سایہ عاطفت تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔

فقہ العصر کی اشاعت کے بعد العصر اکیڈمی پشاور آپ کی خدمت میں "فتاوی عثمانیہ" پیش کر رہا ہے۔ مجھے اللہ پاک کی ذات سے اُمید ہے کہ اس کے فضل وکرم سے اسے بھی قبولیتِ تامہ نصیب ہوگی، ہر دارالافتاء کی زینت بنے گا اور عوام وخواص کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

حسین احمد

استاذ حدیث وناظم تعلیمات جامعہ عثمانیہ پشاور

رئیس العصر اکیڈمی جامعہ عثمانیہ پشاور

حضرت مولانا مفتی ذاکر حسن نعمانی مدظلہ العالی
استاد حدیث و تخصص جامعہ عثمانیہ پشاور

ملکی فتاویٰ اور فتاویٰ عثمانیہ

الحمد للّٰہ الذی فضل العلم واھله ورفع منار العلم فی الآفاق کله .و نور قلوب العلماء والفقھاء بالعلم والفقه والحکمة.والصلوة والسلام علی من لانبی بعده اما بعد ! فقد قال اللّٰه تعالیٰ:﴿ومن یؤت الحکمة فقد أوتی خیراً کثیراً﴾الآیة.

معاشرہ کی علمی، فقہی اور عملی میدان میں نقد رہنمائی اور دینی ضرورت کے لیے سب سے اہم اور ضروری فتویٰ کا میدان ہے۔زبانی یا تحریری جواب لوگوں کی نقد اور فوری خدمت ہوتی ہے۔لوگ اس وقت زبانی یا تحریری سوال کرتے ہیں جب ان کو دینی، فقہی اور پیش آمدہ مسئلہ معلوم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔صحابہ کرام اپنے پیش آمدہ مسائل آپ ﷺ سے پوچھا کرتے تھے، بخاری شریف میں حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے ابواہاب کی لڑکی سے نکاح کیا،ایک عورت ان کے پاس آئی اور کہا کہ میں نے تم دونوں 'میاں بیوی' کو دودھ پلایا ہے،حضرت عقبہ حضور ﷺ کے پاس مسئلہ دریافت کرنے کے لیے مدینہ گئے،آپ ﷺ نے فرمایا:اس کو کیسے نکاح میں رکھو گے جبکہ وہ عورت یہ بات کہہ رہی ہے، عقبہ نے اس عورت سے علیحدگی اختیار کر لی اور دوسری عورت سے نکاح کیا۔ ہر قسم کے مختلف مسئلے مسائل ہر دور میں ہر جگہ پیش آسکتے ہیں، جن کو اپنے اپنے دور کے فقہاء کرام اور علماء کرام قرآن وحدیث اور گزشتہ مسلّم فقہاء کرام ومجتہدین کے اقوال کی روشنی میں حل کرتے ہیں۔اسی لحاظ سے ہر فتاویٰ اپنے اپنے دور کا مجددانہ کارنامہ ہوتا ہے۔جس سے بعد کے لوگ مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ان فتاؤوں میں زیادہ تر درپیش عملی مسائل کا حل ہوتا ہے۔

انہی فتاویٰ میں بعض اُن اہم مسائل کا حل بھی ملتا ہے جن کی فی الحال ضرورت نہیں ہوتی بلکہ آئندہ کسی وقت ضرورت پیش آسکتی ہے۔ مسلم شریف میں ہے،ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ جنگ میں اگر میری مڈبھیڑ کفار کے ایک ایسے شخص سے ہو جائے جو میرے ساتھ لڑے اور تلوار سے میرا ایک ہاتھ کاٹ ڈالے اور پھر کسی درخت کی آڑ میں پناہ لے کر کہے کہ میں ایمان لے آیا تو کیا کلمہ پڑھ لینے کے بعد اس کو قتل کر سکتا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا اس کو قتل

نہ کرو، یہ ایک فرضی ممکن الوقوع صورت کے بارے میں سوال تھا، اس لیے کہ یہ جنگوں کا زمانہ تھا۔ فتح الملہم میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

استدل به على جواز السوال عن النوازل قبل وقوعها۔

اسی طرح ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا ہر میدان میں ترقی کا مسلسل سفر طے کر رہی ہے، نئے نئے حوادث اور مسائل سامنے آتے رہتے ہیں، جن کا حل قدیم اور گزشتہ فقہاء کی کتابوں اور فتاوؤں میں نکل آتا ہے یا پھر اپنے وقت کے بڑے بڑے مسلم فقہاء انفرادی یا اجتماعی اجتہاد سے اس کا صحیح فقہی حل پیش کر دیتے ہیں۔

تاریخ افتاء و فتاویٰ:

مسائل اور حوادث تو کسی وقت بھی انسان کو پیش آسکتے ہیں جن کو اپنے وقت کے فقہاء حل کرتے رہتے ہیں، یہ سلسلہ حضور ﷺ کے زمانے میں بھی تھا، اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو مجتہد اور فقیہ تھے، بلکہ ان کی پوری زندگی مجددانہ اور مجتہدانہ تھی، آپ کی زندگی کے چھوٹے سے مسئلہ سے لے کر حکومت کی انتظامیہ تک کے تمام مسائل میں بہترین فقہ موجود ہے۔ فیلسوف اسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذہب پر ازالۃ الخفاء میں رسالہ لکھا ہے، فرماتے ہیں:

"نسبت مجتهدين بافاروق اعظم مانند نسبت مجتهد منتسب مطلق است بامجتهد مستقل ومذهب فاروق اعظم بمنزله متن است ومذاهب اربعه بمنزله شروح" (صفحه ۱۴۰ جلددوم)

ترجمہ: تمام مجتہدین کی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ نسبت ہے جو مجتہد منتسب کی مجتہد مطلق اور مجتہد مستقل کے ساتھ ہوتی ہے اور آپ کا مذہب تمام مذاہب اربعہ کے لیے بمنزلہ متن ہے اور مجتہدین کے مذاہب اربعہ آپ کے مذہب کے لیے بمنزلہ شروح کے ہیں۔

محکمہ افتاء:

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس طریقہ (دارالافتاء) کا آغاز اسلام میں خود بخود پیدا ہوا اور اب تک قائم ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جس پابندی کے ساتھ اس پر عمل رہا، زمانہ مابعد بلکہ ان سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہر شخص فتویٰ دینے کا مجاز نہ

تھا۔الفاروق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے الفاظ ملاحظہ فرماویں:

"من أراد القرآن فليأت أبياً و من أرد أن يسأل الفرائض فليأت زيداً و من أراد أن يسأل عن الفقه فليأت معاذاً."

ترجمہ: جو شخص قرآن سیکھنا چاہے تو ابی بن کعب کے پاس، فرائض کے متعلق پوچھنا چاہے تو زید کے پاس اور فقہ کے متعلق پوچھنا چاہے تو معاذ کے پاس جائے۔(صفحہ:207)

قدیم حنفی عربی فتاوٰوں میں فتاویٰ ابی القاسم ہے یہ علامہ احمد بن عبداللہ بلخی حنفی متوفی 219ھ نے لکھا ہے، دوسرا فتاویٰ ابی اللیث فقیہ نصر بن محمد احمد امام الہدیٰ سمرقندی حنفی متوفی 373ھ کا ہے۔فرماتے ہیں:

"إخواني سألوني أن أصوغ لهم في الفقه كتابا نافعالمايحتاج إليه في الحوادث جامعا والأحكام كافياً."

یعنی بعض دوستوں کی درخواست پر کہ فقہ میں ایسی کتاب لکھوں جو پیش آمدہ حوادث اور اس کے احکام میں جامع اور کافی ہو۔

ابو اللیث امام الہدیٰ کے لقب کے ساتھ مشہور ہیں۔فتاویٰ کی کتب میں آپ کی رائے اور اقوال بڑے اعتماد کے ساتھ نقل کیے جاتے ہیں۔ان کے بعد کئی ادوار گزرے یہاں تک کے علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ آیا، آپ کا فتاویٰ تو خاتم الفتاویٰ معلوم ہوتا ہے، یہ دراصل تنویر الابصار کی شرح الدر المختار کا رد المحتار کے نام سے حاشیہ ہے۔اس لیے اس کا دوسرا نام حاشیہ ابن عابدین ہے۔اس کے علاوہ شامیہ اور شامی کے نام سے بھی مشہور ہے۔اس میں مشہور، معتمد اور مفتی بہ جزئیات بہت زیادہ ہیں۔بہت کم سوالات ایسے ہوں گے جن کے جوابات اس فتاویٰ میں نہ ملیں۔افتاء میں اس فتاویٰ کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ماضی قریب کے اکابر مفتیان کرام کا اس پر بڑا اعتماد رہا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ گزشتہ تمام مستند و معتمد فقہاء کی کتب سے بات نقل کرتے ہیں۔وسیع المطالعہ، متقی اور محتاط بزرگ ہیں بات باحوالہ کرتے ہیں تاکہ اپنا ذمہ فارغ ہو جائے۔تعارض اقوال کی صورت میں کسی ایک کو ترجیح دینے میں بھی حتی الامکان کسی دوسرے فقیہ کا سہارا لیتے ہیں، کبھی کبھار اپنی رائے بھی ظاہر کر دیتے ہیں۔حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاویٰ میں شامی سے بہت استفادہ کیا ہے۔

فتاویٰ میں معاشرہ کی عکاسی:

ہر فتاویٰ اپنے زمانے کے حالات، واقعات، مسائل اور حوادث کا عکاس ہوتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ ہر دور ترقی

کے مدارج طے کرتا ہے اور ہر دور کے اپنے اپنے رسم رواج اور عرف ہوتا ہے۔ ترقی پذیر دنیا کی وجہ سے حالات اور رسم ورواج میں تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ نئی نئی ایجادات بھی سامنے آتی رہتی ہیں جس کی وجہ سے نئے نئے مسائل سامنے آتے ہیں، ہر معاشرہ کے الگ الگ حالات اور رسم ورواج ہوتے ہیں، جن کو مدنظر رکھ کر شرعی اصولوں کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اور مختلف ادوار کے فتوؤں میں تبدیلیاں بھی آتی رہتی ہیں مثلاً: احناف کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ عاقل، بالغ لڑکی اپنی رضامندی سے غیر کفو میں نکاح کرلے تو صحیح ہے البتہ ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہے۔ عدالت کے ذریعہ یہ نکاح فسخ کرسکتا ہے لیکن امام صاحب سے حسن بن زیادؒ کی روایت ہے کہ یہ نکاح منعقد ہی نہیں۔ مشائخ نے فسادِ زمانہ کی وجہ سے حسن بن زیاد کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ عالمگیری میں ہے:

"أما حل رواية الحسن المختار الفتوىٰ من أنه لايصح" (ج١:٢٩٢)

دوسری مثال: بعض اشارے ملکوں اور قوموں کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں، بعض قوموں کے نزدیک انگوٹھا دکھانا گالی ہے، ایسے علاقوں میں جب کوئی کسی مفتی سے انگوٹھے کے اشارے کے بارے میں پوچھے تو جواب ملے گا کہ ناجائز ہے، مگر یورپ، امریکہ اور بعض دیگر علاقوں میں شکریہ اور شاباش کے طور پر اس کا رواج ہے۔ ایسی جگہوں میں انگوٹھے کے اشارہ کے جواز کا فتویٰ ہوگا۔ ایک ہی اشارہ جائز بھی ہوا اور ناجائز بھی، وجہ علاقائی اور قومی عرف ورواج ہے۔

فتویٰ میں عرف کا لحاظ:

عرف کی دو قسمیں ہیں: عرف عام اور عرف خاص

العرف الصحيح ينقسم إلى عرف عام وعرف خاص.

عرف عام:

والعرف العام الذي اتفق عليه الناس في كل الأمصار كدخول الحمام.

عرف عام وہ ہے کہ جس پر ہر شہر کے لوگوں کا اتفاق ہو مثلاً حمام میں غسل۔ حمام میں عرف عام کی وجہ سے غسل جائز ہے حالانکہ اس میں پانی، وقت اور استعمال ہونے والا صابن اور دیگر اشیاء سب مجہول ہوتی ہیں۔ عقد استصناع بھی اس کی مثال ہے۔ آرڈر پر کوئی ایسی چیز بنوانا جو فی الحال موجود نہ ہو، جائز ہے، حالانکہ مبیع کا فی الحال موجود ہونا بیع کے لیے ضروری ہے۔

عرف خاص:

العرف الخاص وهو العرف الذي يسود في كل بلد من البلدان او إقليم من الأقاليم

أو طائفة من الناس كعرف التجار أو عرف الزراع.

ہر شہر یا علاقہ کا رائج عرف یا کسی خاص طبقہ کا عرف مثلاً تجار یا زمینداروں کا عرف۔

معلوم ہوا کہ کسی خاص قوم اور علاقہ کا عرف معتبر ہوتا ہے لیکن عرف خاص کا حکم صرف اس شہر والوں کے لیے ہوگا جن کا عرف ہو، علامہ شامی فرماتے ہیں:

والخاص في بلدة واحدة يثبت حكمه على تلك البلدة فقط.

چونکہ عرف کی تبدیلی کے ساتھ احکامات پر اثر پڑتا ہے۔اس لیے علامہ ابن القیم فرماتے ہیں:

تغير الفتوىٰ واختلافها بحسب تغير الأزمنة والأمكنة و الأحوال والنيّات والعوائد.

زمان ومکان، حالات، نیتوں اور عادتوں کے اختلاف کی وجہ سے فتویٰ میں تبدیلی آتی ہے۔

اس لیے ہر مفتی اور قاضی پر لازم ہے کہ اپنے زمانہ کے لوگوں کے حالات، عادات، عرف، رسم ورواج سے واقف ہو۔علامہ شامی فرماتے ہیں: فلابد للمفتي والقاضي بل والمجتهد من معرفة أحوال الناس وقد قالوا ومن جهل بأهل زمانه فهو جاهل، یعنی جو شخص اپنے زمانہ کے عرف وعادات سے ناواقف ہو وہ جاہل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مختلف علاقوں کے مختلف عرف کی وجہ سے فتووں میں اختلاف نظر آتا ہے اور عرف کی وجہ سے فتووں میں تبدیلی بھی آتی ہے علامہ شامی فرماتے ہیں: إن المفتي ليس له الجمود في كتب ظاهر الرواية من غير مراعاة الزمان وأهله وألا يضيع حقوقا كثيرة، يكون ضرره أعظم من نفعه. مفتی کے لیے جائز نہیں کہ اہل زمانہ کے حالات کی رعایت کیے بغیر فتویٰ دینے میں ظاہر الروایۃ کی کتابوں پر جمود سے کام لے اس طرح لوگوں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے اور نقصان نفع سے زیادہ ہوگا۔

مذکورہ تشریح کے مطابق بڑے بڑے ملکوں میں لوگوں کے ہر زمانہ میں مختلف عرف ہو سکتے ہیں۔جس کی وجہ سے بظاہر فتووں میں تضاد نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں تضاد نہیں ہوتا۔اس لیے کہ وہ فتویٰ عرف کے مطابق ہوتا ہے اسی عرف کی وجہ سے پنجاب، سندھ، خیبر پختونخوا، بلوچستان اور ہندوستان وغیرہ میں بعض سوالات کے جوابات مختلف ہو سکتے ہیں۔اس لیے ہندوستان اور پاکستان میں اب تک جتنے اردو فتاویٰ چھپ چکے ہیں ان کے بعض عرفی مسائل کو ایک دوسرے پر قیاس کرنا یا ان کی تردید صحیح نہیں، سب جوابات اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔

ملکی سطح پر فتاویٰ کی اہمیت:

اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ تقسیم ہند کے بعد دیگر نامور علماء کی طرح از ہر الہند کے عظیم مفتی، مفتی اعظم

پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی پاکستان ہجرت کی اور دارالعلوم دیوبند کے طرز پر بے سروسامانی کی حالت میں دارالعلوم کراچی کے نام سے ایک دینی ادارہ کی بنیاد رکھی، جو اس وقت عالمی شہرت اختیار کرگیا ہے۔ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر فقہی خدمات کے علاوہ ملک و بیرون ملک سے کیے گئے سوالات کے مستند اور معتمد فقہی جوابات لکھے ہیں، جن کا دارالعلوم کراچی میں ریکارڈ موجود ہے۔ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ پاکستان وہندوستان میں ایک فقیہ النفس مفتی کی حیثیت سے مشہور تھے، مفتی آپ کے نام کا جزء لاینفک ہے۔ پاکستان بھر کے مفتیان کرام کا مرجع و ماویٰ تھے۔ تمام مفتیان کرام کو آپ کے فتویٰ سے تسلی ہوتی تھی۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے فتویٰ پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتے تھے۔ آپ خاتم المفتیین معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کی فقہی خدمات میں فقہی رسائل و مقالات کا 105 رسائل پر مشتمل مجموعہ سات جلدوں میں شائع ہوگیا ہے، یہ مجموعہ اگر ایک طرف ضروری مسائل کا اسلامی اور فقہی حل ہے تو دوسری طرف محققین اور مقالہ نگاروں کے لیے بہترین فقہی ماخذ بھی ہے۔ آپ کے دارالعلوم دیوبند میں لکھے گئے فتاویٰ کا مجموعہ ''فتاویٰ دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے چھپا ہے، پاکستان میں آپ نے جو علمی اور فقہی قیمتی فتوے لکھے ہیں وہ متعلقہ حضرات تک تو پہنچ چکے ہیں لیکن یکجا شکل میں ابھی تک شائع نہیں ہوئے ہیں، سنا ہے کہ ان پر کام ہو رہا ہے عنقریب ان شاء اللہ شائع ہو جائیں گے جو ایک مستند، علمی فقہی ذخیرہ ہوگا۔

احسن الفتاویٰ:

یہ رشید الملت حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا شاہکار فقہی کارنامہ ہے۔ جو آٹھ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، یہ ایک مستند فتاویٰ ہے۔ ملک بھر کے مفتیان کرام اس کی طرف مراجعت کرتے ہیں، یہ فتاویٰ زیادہ تر سندھ اور پنجاب کے تناظر میں لکھا گیا ہے۔ پنجاب اور سندھ کے اکثر دیہات ہندوانہ رسم و رواج اور بدعات سے متاثر ہیں اس لیے آپ کے بعض جوابات میں بظاہر شدت معلوم ہوتی ہے لیکن وہ دراصل سد اللذرائع کے طور پر ہیں۔ کیونکہ یہ جوابات رسم و رواج اور بدعات سے متاثرہ علاقوں کے تناظر میں دیے گئے اور ان کا جواب ایسا ہی ہونا چاہیے۔

پہلی مثال: حضرت مفتی صاحب کسی افتتاحی تقریب یا میت کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کے جواب میں لکھتے ہیں: ''فی نفسہ قرآن کریم کی تلاوت ایصال ثواب کے لیے یا خیر و برکت کے لیے بلاشبہ بہت اہمیت رکھتی ہے، مگر آج کل لوگوں نے اسے رسم بنالیا ہے، قرآن کریم کی تلاوت کے لیے اجتماع کا اہتمام اور اسے ضروری سمجھنا، اسی طرح دعوت وغیرہ کا التزام یہ سب امور بدعت اور ناجائز ہیں۔ (احسن الفتاویٰ 1 / 362)

دوسری مثال: آپ سے پوچھا گیا کہ بیمار کی طرف سے بکرا ذبح کر کے گوشت فقیروں کو تقسیم کیا جائے تو جائز

ہے یا ناجائز۔آپ نے جواب میں فرمایا: آفات اور بیماری سے حفاظت کے لیے صدقہ وخیرات کی ترغیب آئی ہے مگر عوام کا اعتقاد اس بارے میں یہ ہوگیا ہے کہ کسی جانور کا ذبح کرنا ضروری ہے، جان کو جان کا بدلہ سمجھتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ کوئی یہ عقیدہ نہ رکھتا ہوتو بھی اس میں چونکہ اسی عقیدہ اور بدعت کی تائید ہوتی ہے لہذا ناجائز ہے۔(1/367)

ان دو مثالوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بعض باتیں فی نفسہ جائز ہوتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ناسمجھ عوام کی طرف سے بعض قیود اور رسوم کی پابندی شروع ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے فی نفسہ جائز چیز بھی ناجائز ہوجاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ فی نفسہ جائز چیز کے عدم جواز کا فتوئ دینے میں علاقائی ماحول، معاشرہ، افراد اور ذہنیت کا لحاظ ضروری ہے، اس لیے فی نفسہ جائز چیز کے بارے میں کبھی جواز کا فتوئ دیا جاتا ہے اور کبھی عدم جواز کا۔

پشتون معاشرہ اور فتاویٰ حقانیہ:

ہر فتاویٰ اپنے دور، معاشرہ اور علاقہ کا مظہر اور عکاس ہوتا ہے، ان عوامل کی وجہ سے جوابات جائز اور ناجائز ہونے کے حوالے سے مختلف ہوسکتے ہیں۔دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک صوبہ خیبر پختونخوا بالخصوص اور پاکستان کا بالعموم دیوبند ثانی ہے۔ پورا پشتون معاشرہ اپنے دینی سوالات، اشکالات، نجی نزاعات اور مقدمات حل کرنے کے لیے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی طرف شروع سے آج تک متوجہ ہے۔یہ تمام جوابات اور فیصلہ جات فتاویٰ حقانیہ کے نام سے چھپ چکے ہیں۔اس فتاویٰ میں بعض جوابات علاقہ، زبان اور معاشرتی ماحول کے حوالہ سے موجود ہیں۔

مثلاً سوال کیا گیا ہے کہ حضورعلیہ السلام کو کسی نے پشتو میں کمینہ کہا اس کا کیا حکم ہے، اس کا جواب دیا گیا کہ حضورعلیہ السلام کو کمینہ کہنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔وجہ یہ لکھی ہے کہ پشتو زبان اور محاورہ کے لحاظ سے کمینہ لفظ خاکسار اور متواضع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔(حالانکہ اردو زبان اور معاشرہ کے لحاظ سے کمینہ کا معنی ہے اوچھا، سفلہ، کم ظرف، کم اصل اور نیچ ذات، اس لحاظ سے یہ حضورعلیہ السلام کی گستاخی ہے)

دوسری مثال: ایک عورت نے اپنے ناظرہ پڑھنے والے بچے کو پشتو میں کہا تیرے سبق پر آسمانی بجلی گرے، جواب دیا گیا کہ یہ جاہلانہ غصہ ہے کفریہ یا قسمیہ کلمات نہیں (جلد۱/۲۵۱) (یہ جملہ پشتو محاورہ کے مطابق ایسے موقع پر کہا جاتا ہے جب کوئی شخص کوئی کام صحیح نہ کرے یا صحیح نہ کر سکے)

تیسری مثال: ایک شخص مسجد میں عبادت کر کے گھر آیا کسی بات پر بیوی کے ساتھ جھگڑا ہوا اور غصہ میں پشتو زبان میں کہا: عبادت دہ راتہ اوخولو، یعنی تو نے میری عبادت کو چودھ دیا۔اس کا جواب دیا گیا کہ اس جملہ سے عبادت وغیرہ کی تحقیر مراد نہیں بلکہ کسی چیز کی بربادی اور ضائع ہونے کا واویلہ ہوتا ہے۔(پشتو زبان اور محاورہ کے مطابق اس گالی

کا حاصل یہ ہے کہ تم لوگ ایسی ویسی باتیں کر کے میری عبادت ضائع کر دیتے ہو یعنی میری عبادت کا فائدہ ختم ہو جاتا ہے) پشتو معاشرہ کے عوام میں اس گالی کا رواج عام اور موجود ہے۔

چوتھی مثال: جو کہ فتاویٰ عثمانیہ میں ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ کہ بلا تشبیہ ماں یا بہن کہنے سے ظہار یا طلاق نہیں ہوتی لیکن اب کہنا مکروہ ہے۔ جبکہ پشتو زبان میں ''مور، خور، ترور'' (ماں، بہن اور پھوپھی) کہنا طلاق ہی کی نیت سے کہا جاتا ہے، اس لیے یہاں یہ کنائی طلاق ہی سمجھا جائے گا، کیونکہ پشتو عرف یہی ہے۔

فتاویٰ عثمانیہ:

جناب حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک میں بیس سال مدرس اور مفتی رہ چکے ہیں، وہاں آپ نے ایک مستعد اور مستند مفتی کی حیثیت سے منصب افتاء کو خوب رونق بخشی۔ فتاویٰ حقانیہ آپ ہی کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ فتاویٰ عثمانیہ دراصل چشمہ حقانیہ کا ہی جاری فیض ہے۔ آپ جب حقانیہ سے عثمانیہ منتقل ہوئے تو حقانیہ میں جاری علمی و فقہی سرگرمیاں بھی آپ کے ساتھ عثمانیہ منتقل ہوئیں۔ حقانیہ کی طرح یہاں بھی افتاء اور تخصص فی الفقہ الاسلامی کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ پشاور میں آپ کی دیگر علمی سرگرمیوں کے ساتھ فتاویٰ عثمانیہ آپ کا ایک عظیم الشان اور فقہی کارنامہ ہے۔ جو الحمد للہ پوری آب و تاب اور علمی و فقہی شان کے ساتھ آپ کے سامنے موجود ہے۔ یہ فتاویٰ علمی، فقہی ذوق رکھنے والوں کے لیے ایک بہترین علمی و روحانی سوغات اور علمی دنیا میں ایک مفید اضافہ ہے۔ اصل فقہی خدمت تو گزشتہ قدیم فقہاء نے کی ہے لیکن مرور زمانہ کے ساتھ نئے نئے سوالات کے فقہی ذوق کے مطابق صحیح جوابات قدیم ذخیرہ سے تلاش کرنا ایک ماہر اور تجربہ کار مفتی کا کام ہے، اس فتاویٰ میں اگرچہ تخصص فی الفقہ الاسلامی کے طلبہ نے بہت کام کیا ہے لیکن ان کی نگرانی، نظر ثانی، تصحیح اور اصلاح جامعہ کے مستند اور ذمہ دار مفتی حضرات نے کی ہے۔

رفقاء کار:

فتاویٰ عثمانیہ کے مبارک علمی اور فقہی کام کی تکمیل میں حضرت مفتی صاحب اور تخصص کے طلبہ کے علاوہ جن حضرات نے حصہ لیا وہ درج ذیل ہیں:

حضرت مولانا حسین احمد صاحب:

آپ جامعہ فاروقیہ کراچی کے فاضل اور سابق مدرس ہیں۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی صاحب کے شاگرد اور تربیت یافتہ ہیں، آپ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

کے معتمد خاص اور منظور نظر ہیں۔اس وقت وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کے رکن بھی ہیں۔آپ ایک باذوق، باصلاحیت، تجربہ کار مدرس اور ماہر تعلیم اور ادیب ہیں۔تدریس کے علاوہ شعبہ تعلیم کے امین ہیں۔آپ کا حسن انتظام اور حسن تربیت مثالی ہے۔مدارس اور جامعات چلانے والے نظم ونسق میں استفادہ کی خاطر آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔علمی صلاحیت کے علاوہ اردو ادب پر آپ کی گہری نظر ہے۔تخصص کے مقالات کی نگرانی، تصحیح اور جانچ پڑتال کے علاوہ فتاویٰ عثمانیہ کی بعض جلدوں پر آپ نے پوری گہرائی اور گیرائی کے ساتھ نظر ڈالی ہے چونکہ آپ کے تعلیمی، انتظامی اور وفاقی سرگرمیاں بہت زیادہ ہیں، اس لیے فتاویٰ کی تمام جلدوں پر نظرِ ثانی نہ کر سکے۔

حضرت مولانا مفتی نجم الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی:

آپ کا تعلق مردان کے ایک نیک طینت علمی خاندان سے ہے۔آپ جامعہ عثمانیہ کے سرپرست اعلیٰ اول حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحب مرحوم (دارالعلوم دیوبند اور سہارنپور کے فیض یافتہ اور دارالعلوم حقانیہ کے ابتدائی فاضل) کے فرزند ہیں۔جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کے فاضل ومتخصص ہیں۔آپ شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث مولانا مغفور اللہ صاحب دامت مدظلہ اور حضرت مفتی غلام الرحمٰن صاحب کے شاگرد اور تربیت یافتہ ہیں۔1996ء سے جامعہ عثمانیہ میں مدرس اور نائب مفتی کے منصب پر فائز ہیں۔مختلف علوم وفنون کی تدریس کے ساتھ تخصص کی جماعت کے ساتھ بھی گھنٹہ لیتے ہیں۔اچھی استعداد اور تعلیمی ذوق کے باصلاحیت مدرس ومفتی ہیں۔آپ کی نگرانی، اصلاح اور تصحیح کے ساتھ تخصص کے طلبہ فتویٰ لکھتے ہیں۔اپنے اطمینان کے بعد الجواب صحیح لکھ کر فتویٰ آگے رئیس دارالافتاء حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن مدظلہ کی طرف پاس کر دیتے ہیں۔مفتی صاحب آخری اور حتمی نظر ڈالنے کے بعد الجواب صحیح کے ساتھ فتویٰ شائع کرنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔پورا فتاویٰ عثمانیہ اسی ترتیب کے ساتھ جمع ہوا ہے۔علاوہ ازیں مفتی نجم الرحمٰن صاحب باقاعدہ دارالافتاء کو وقت دیتے ہیں۔مستفتی حضرات کو زبانی اور ٹیلیفونک جوابات بھی دیتے ہیں۔اسی طرح فریقین کے نجی نزاعات اور مقدمات بھی نمٹاتے ہیں۔اب ماشاء اللہ فتویٰ کے میدان میں حضرت مفتی غلام الرحمٰن صاحب کے معتمد خاص بن گئے ہیں۔

شعبہ تخصص فی الفقہ کا آغاز

1996ء میں جب حضرت مفتی صاحب مستقل طور پر جامعہ عثمانیہ پشاور منتقل ہوئے تو شعبہ تخصص فی الفقہ کا اجراء کیا۔چونکہ آپ شروع سے یہ شعبہ چلانے کے عادی اور ماہر تھے اس لیے یہ آپ کے لیے کوئی نیا تجربہ نہیں تھا،

چنانچہ تخصص کا یہ شعبہ شروع سے بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے البتہ آپ نے اس شعبہ میں دیگر چند باصلاحیت اور اہل رفقاء کو بھی ساتھ ملا لیا ہے۔ شعبہ تخصص کی اصل نگرانی، پڑھائی اور فقہی تربیت آپ ہی کرتے ہیں۔ آپ کی خوبی یہ ہے کہ شاگردسے کام زیادہ لیتے ہیں، آپ سفر میں ہوں یا حضر میں، کام صحیح چلتا ہے، کیونکہ آپ جامعہ کے ہر ہر شعبہ پر اپنی بھر پور توجہ ہروقت، ہر جگہ سے مرکوز رکھتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ طلبہ ہر وقت محسوس کرتے ہیں کہ مفتی صاحب گویا سامنے کھڑے ہیں اور صحیح کام مانگ رہے ہیں۔ آپ صرف مفتی نہیں بلکہ مفتی گر ہیں۔ صوبہ خیبر پختونخواہ، بلوچستان، افغانستان میں مفتیان کرام کی باصلاحیت جماعت تیار کردی ہے جو پورے صوبے میں پھیل کر باقاعدہ درس وتدریس اور افتاء کے مقدس شغل میں مشغول ہیں۔ شعبہ تخصص کے اجراء سے ملک وملت اور لوگوں کی خدمت کے مواقع بڑھ گئے ہیں کیونکہ شعبہ افتاء باقاعدہ ایک منظم جماعت اور ادارہ ہے۔ ظاہر بات ہے ایک آدمی وہ کام نہیں کرسکتا جو ایک جماعت کرسکتی ہے۔ تخصص کے طلبہ میں جب فتویٰ نویسی کی صلاحیت پیدا ہونا شروع ہوجاتی ہے تو حضرت مفتی صاحب اور نائب مفتی صاحب کی کڑی نگرانی، تربیت اور اصلاح کے ساتھ متخصص لوگوں کے سوالات باحوالہ صحیح جوابات کے ساتھ لکھتے ہیں۔ جو مفتی صاحب اور نائب مفتی صاحب کے دستخط اور الجواب صحیح کے ساتھ شائع ہوتے ہیں۔ جن کا جامعہ میں باقاعدہ ریکارڈ موجود ہے۔ گزشتہ دو عشروں میں لوگوں کا جامعہ پر اعتماد بڑھ گیا ہے، ہر طرف سے سوالات آتے ہیں۔ اپنے صوبے کے علاوہ ملک کے دوسرے صوبوں، بیرون ملک اور افغانستان سے بھی سوالات آتے ہیں۔ لوگ خود آکر زبانی پوچھتے ہیں یا فون پر جوابات طلب کرتے ہیں۔ نجی نزاعات اور مقدمات یہاں آکر حل کرواتے ہیں۔ بعض اہم مسائل میں دیگر مفتیان کرام اور دیگر جامعات کی طرف بھی مراجعت کی جاتی ہے۔ یہ سارا کام ٹیم ورک کی شکل میں ہوتا ہے۔ اصل نگرانی، آخری فیصلہ اور رائے حضرت مفتی صاحب کی ہوتی ہے۔

شعبہ تخصص کا سب سے بڑا فائدہ یہ سامنے آیا کہ فتاویٰ عثمانیہ مرتب ہوگیا ہے ان شاء اللہ رہتی دنیا تک جامعہ کا ایک عظیم الشان علمی مجددانہ کارنامہ ہے۔

شعبہ تخصص کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مختلف موضوعات پر تحقیقی فقہی مقالات متخصصین سے لکھوائے گئے ہیں۔ یہ بڑا قیمتی علمی سرمایہ بھی جامعہ میں مخطوطات کی شکل میں محفوظ ہے۔ ان تمام تحقیقی مقالوں کا خاکہ حضرت مفتی صاحب خود بناتے ہیں، پھر ایک تجربہ کار متخصص استاذ کی نگرانی میں تخصص سال دوم کا طالب علم مقالہ لکھتا ہے۔ مقالہ مکمل ہونے کے بعد کوئی دوسرا متخصص استاذ امتحانی نقطہٴ نگاہ سے اس مقالہ کی جانچ پڑتال کرکے نمبر لگاتا ہے۔ پھر اس مقالہ نگار کا اساتذہ اور طلبہ کی موجودگی میں مناقشہ ہوتا ہے، یہ مقالہ نگار کے لیے سخت مرحلہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد مقالہ نگار کو تخصص فی الفقہ کی

سند دی جاتی ہے۔اللہ کرے ان مقالات کی طباعت کی کوئی صورت نکل آئے۔

مجلس فقہی کا قیام:

بعض اہم اور پیچیدہ مسئلوں کے حل کے لیے ایک مجلس فقہی قائم کی گئی ہے، جس کے ارکان جامعہ کے متخصص اساتذہ کرام ہیں۔اس مجلس میں کھلی بحث کے ساتھ مسائل حل ہوتے ہیں، مفتی صاحب صدر مجلس ہوتے ہیں۔تخصص سال دوم کے طلبہ بطور مبصرین شریک ہوتے ہیں۔مفتی صاحب اپنی رائے اور دلائل کے ساتھ ساتھ سب کی مدلل رائے سنتے ہیں۔پھر آخر میں ایک اجماعی اور اتفاقی فیصلہ ہو جاتا ہے۔اس مجلس کا فائدہ یہ ہوا کہ الحمدللہ بعض مشکل اور اہم ضروری مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فریدؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان شہیدؒ کی سرپرستی:

جامعہ عثمانیہ باقاعدہ اور مسلسل کسی اللہ والے کی سرپرستی میں چلتا ہے۔ پہلے سرپرست ولی کامل حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن مردانوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔آپ بڑے مستجاب الدعوات عالم، حکیم اور بزرگ تھے۔آپ نے جامعہ کی سرپرستی اپنی مستجاب دعاؤں، اپنی جان ومال اور دیگر لوگوں کو تعاون کی ترغیب کے ساتھ دل کھول کر فرمائی۔آپ کی وفات کے بعد حضرت مفتی صاحب کی نظر کراچی میں مقیم ایک بزرگ عالم دین حضرت مولانا قاری عمر خطاب صاحب مدظلہ العالی (خلیفہ مجاز حضرت مولانا خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ خانیوال) پر پڑی۔اس وقت آپ بھی سرپرست اول کی طرح اپنے پورے اخلاص کے ساتھ مکمل سرپرستی فرما رہے ہیں۔علاوہ ازیں بے مثل فقیہ، مرشد العلماء، حضرت مولانا مفتی محمد فریدؒ اور محدث بے بدل حضرت مولانا حسن جان شہید رحمۃ اللہ علیہ کی توجہات کا بھی جامعہ مرکز رہا ہے، دونوں بزرگ حضرات مفتی غلام الرحمٰن صاحب کے اساتذہ تھے۔دونوں وقتاً فوقتاً مختلف تقریبات کے موقع پر جامعہ تشریف لاتے۔ان کی برکات، توجہات، سرپرستی اور دعاؤں سے جامعہ الحمدللہ منور ہے۔دعا اور توجہ میں اگرچہ مکان حائل نہیں ہوتا، دونوں کے اثرات دور سے بھی پہنچتے ہیں لیکن آپ دونوں حضرات کی تشریف آوری سے برکت والا معطر ماحول بن جاتا۔اللہ والے جہاں جاتے ہیں وہاں اس کے اثرات اور برکات محسوس ہوتے ہیں۔بخاری شریف میں ہے:"فلما جاء إسماعيل كأنه انس شيئا فقال هل جاء كم من أحد قالت نعم جاء نا شيخ كذا و كذا" پھر جب اسماعیل گھر تشریف لائے تو انہوں نے کچھ محسوس کیا (یعنی والد محترم کی خوشبو محسوس کی) اور اپنی زوجہ سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی صاحب آئے تھے انہوں نے کہا ہاں ایک بزرگ اس

صورت کے ہمارے ہاں تشریف لائے تھے۔

شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن مدظلہ العالی

بانی ومہتمم جامعہ عثمانیہ پشاور

ذہن وذہانت پر کسی کی اجارہ داری نہیں، دور دراز، پسماندہ اور پہاڑی علاقوں میں بھی قابل جوہروں کی کمی نہیں لیکن کیا کیا جائے کہ بعض قابل جوہر تعلیم وتربیت نہ ہونے کی وجہ سے صرف ایک عام انسان ہی رہ جاتا ہے۔ بعض ایسے قابل جوہر بھی ہیں جن کی رہبری قدرت خود ہی جنگل وبیابان کے خوبصورت درختوں اور پھولوں کی طرح فرماتے ہیں۔ کسی کو کیا معلوم تھا کہ ضلع مانسہرہ تحصیل اُوگی کے پہاڑی علاقہ 'بیلیاں' میں پیدا ہونے والا ایک قابل جوہر و بچہ مستقبل کا عظیم مفسر، محدث، فقیہ اور ماہر تعلیم بنے گا۔

۱۹۵۴ء میں پیدا ہونے والے اس بچے کا پورا خاندان علماء، صلحاء اور حفاظ پر مشتمل ہے۔ آپ کے پردادا حضرت مولانا عبداللہ ہزاروی استاذ الکل واستاذ اکابر، دارالعلوم دیوبند کے عظیم محدث اور معقولی عالم حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ کے سُسر تھے۔ حضرت مفتی صاحب کے والدؒ جناب حاجی شمس الرحمٰن صاحب عالم نہیں تھے لیکن علماء اور حفاظ کے باپ تھے۔ آپ کے خاندان کا ہر فرد مرد ہو یا عورت قرآن مجید کا حافظ ہے اور تقریباً سب تعلیمی وتدریسی میدان کے ساتھ وابستہ ہیں۔ حضرت مفتی صاحب کے والد ماجد ایک غریب خوددار انسان تھے۔ تمام بچوں کی انتہائی غربت کی حالت میں بہترین دینی وتعلیمی تربیت کی ہے، خاص کر مفتی صاحب کی تعلیم پر بہت توجہ دی۔ ناظرہ قرآن مجید خود پڑھایا، پھر حضرت مولانا قاری غلام حبیب صاحب مانسہرہ سے قرآن مجید حفظ کیا۔ اور اس کے بعد راولپنڈی کے دینی مدارس میں ابتدائی دینی تعلیم شروع کی۔ کچھ عرصہ جامعہ فرقانیہ میں پڑھا۔ اسی زمانہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کی راولپنڈی میں زیارت بھی کی اور آپ کی بعض تقاریر سننے کے بعض مواقع بھی راولپنڈی میں پیش آئے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا علم وفضل مسلم تھا۔ لوگوں سے آپ کے علم وفضل کے تذکرے بھی سنے تھے۔ جس کی وجہ سے ۱۹۷۱ء میں دارالعلوم حقانیہ میں شرح جامی کی کلاس میں داخلہ لیا۔ ۱۹۷۷ء تک یہاں فنون کی اعلیٰ کتابیں بمع دورۂ حدیث کے پڑھیں اور وفاق المدارس کے دورۂ حدیث کے امتحان میں ملک بھر میں سوم پوزیشن حاصل کی۔ فطری استعداد وذہانت کی وجہ سے دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کی طرف بھی توجہ دی۔ بی۔اے کے بعد ایم۔اے اسلامیات اور ایم۔اے عربی کیا۔ علامہ اقبال یونیورسٹی سے ایم فل کی ڈگری لی۔ کچھ عرصہ کے لیے حقانیہ کی

تدریس کے زمانہ میں ۱۹۸۶ء میں جامعہ ازہر تشریف لے گئے، وہاں مصری علماء سے استفادہ کیا۔

اس کے علاوہ آپ نے شام، مصر اور اردن کا ایک سفر کیا۔ جس میں ان تاریخی مقامات کی سیر کی جس کا تعلق سیرت انبیاء کے ساتھ ہے، بڑے بڑے علماء سے ملاقات اور علمی مذاکرے ہوئے جس کی پوری روئیداد ماہنامہ العصر میں 'ارضِ قرآن' کے نام سے نمبر شائع ہوا ہے۔ انگلینڈ کے بھی دو تعلیمی سفر ہو چکے ہیں، وہاں نظام تعلیم کے حوالے سے مختلف تعلیمی اداروں کا مطالعہ کیا اور وہاں کے مختلف سکولوں، کالجوں کے اساتذہ سے ملاقاتیں کیں اور تبادلہ خیالات کیے، جس کی پوری تفصیل ماہنامہ العصر کے مختلف شماروں میں شائع ہو چکی ہے۔ اسی طرح حرمین کی زیارت کی سعادت ہر سال عمرہ و حج کی شکل میں حاصل کرتے ہیں۔

آپ کے اساتذہ:

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ (۲) شیخ الحدیث امام المتکلمین فیلسوف اسلام حضرت مولانا عبدالحلیم زروبویؒ (۳) شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فریدؒ (۴) شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان شہیدؒ (۵) شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا سید شیر علی شاہ المدنیؒ (۶) شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا فضل مولیٰ ہزارویؒ (۷) حضرت مولانا محمد ہاروت سواتیؒ (۸) حضرت العلامہ مولانا محمد علی سواتیؒ (۹) حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ (۱۰) شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالحلیم دیروی مدظلہ العالی (۱۱) حضرت مولانا انوار الحق مدظلہ العالی نائب مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔

حقانیہ میں تعلیم و تدریس:

قدرت کو آپ سے کام لینا تھا۔ حضرت مفتی صاحب کے علم وفضل میں اصل نکھار کا مرہون منت دارالعلوم حقانیہ کا تعلیمی و تدریسی ماحول اور اپنے عظیم اور بے مثال اساتذہ کی تعلیم و تربیت ہے۔ ۱۹۷۸ء سے آپ نے حقانیہ میں تدریس کا آغاز کیا اور ۱۹۸۴ء میں دارالحدیث کے مسند پر پہنچ گئے۔ یہ اپنے اساتذہ اور ارباب اہتمام کا اعتماد تھا۔ آپ نے حقانیہ میں تقریباً ہر فن کی ہر کتاب پڑھائی ہے۔ نحو میر سے لے کر ابوداؤد تک کا علمی و تدریسی سفر حقانیہ میں ہی ہوا۔

دیگر مصروفیات:

تعلیمی و تدریسی خدمات اور ذمہ داریوں کے علاوہ آپ نے جامعہ حقانیہ میں افتاء وقضاء پر بڑا کام کیا ہے۔ علاقائی جھگڑوں اور مقدمات کے فیصلوں میں آپ کو بڑی مہارت حاصل ہے اور فتویٰ تو ویسے ہی آپ کا

میدان ہے۔ جامعہ حقانیہ جیسے دیوبند ثانی میں افتاء کے عظیم مسند کو سنبھالنا آپ کی علمی وفقہی شان کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ فتاوی حقانیہ کی اشاعت اصل میں آپ ہی کا کارنامہ ہے غالباً صوبہ K.P.K میں آپ پہلے مفتی ہیں، جنہوں نے تخصص فی الفقہ الاسلامی کی داغ بیل ڈالی۔ اس سے پہلے تخصص فی الفقہ الاسلامی کا رواج اس صوبہ کے کسی علاقہ میں نہ تھا۔ بندہ کی بعض ٹوٹی پھوٹی اور حقیر فقہی خدمات آپ ہی کے طفیل ہیں۔ حقانیہ میں جب تخصص فی الفقہ الاسلامی کی کلاسیں شروع ہوئیں تو تخصص کے نصاب کی تکمیل کے بعد جامعہ سے نکلتے ہوئے تمام فتاویٰ کا ریکارڈ آپ نے تخصص کے مقالوں کی شکل میں متخصصین سے از سرِ نو مرتب کروایا، جو بالآخر فتاویٰ حقانیہ کی شکل میں منظر عام پر آگیا۔

جامعہ عثمانیہ پشاور صدر:

۱۹۹۲ء میں قدرت نے آپ کو ایک اور دینی وعلمی کام کے لیے موقع دیا۔ پشاور صدر میں جامعہ عثمانیہ کے نام سے ایک چھوٹے اور ابتدائی مدرسے سے ابتداء ہوئی۔ جو آج ملک کے عظیم جامعات کی فہرست میں شامل ہے۔ جامعہ میں اس وقت شعبہ بنات کا بھی دینی تعلیم کا سلسلہ دورۂ حدیث تک جاری ہے۔ عصری تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے العصر ایجوکیشن سسٹم کے نام سے ایک سکول کی ابتداء بھی کی ہے۔ ان شاء اللہ مستقبل میں عصری علوم کی یہ ایک عظیم یونیورسٹی ہوگی جس پر اسلامی تہذیب کی چھاپ نمایاں ہوگی۔ اس وقت آپ اس عظیم ادارہ کے مہتمم شیخ التفسیر، شیخ الحدیث اور رئیس دارالافتاء ہیں۔

بحیثیت محدث:

تدریس کے آٹھویں سال آپ کو جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مسند حدیث پر حدیث پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ابتداء آپ کی نسائی شریف سے ہوئی۔ اسی طرح ترمذی جلد ثانی، ترمذی ابواب التفسیر اور ابوداؤد شریف پڑھانے کا موقع ملا۔ چونکہ فقہی مہارت آپ کی مسلم ہے اس لیے حدیث پڑھانا آپ کے لیے بہت آسان ہے۔ جامعہ عثمانیہ پشاور کی ذمہ داریاں بڑھنے کی وجہ سے مجبوراً آپ نے نمناک آنکھوں اور پرازغم کیفیات کے ساتھ حقانیہ کو خیرباد کہا۔ پشاور آنے کے بعد جامعہ امدادالعلوم پشاور کے ارباب اختیار نے آپ کو مسلم شریف پڑھانے کے لیے دعوت دی۔ آپ نے بڑے شوق سے وہاں امام مسلمؒ کی حدیث کی یہ عظیم کتاب پڑھائی۔ جامعہ امدادالعلوم میں اس وقت آپ کے عظیم استاذ اور عظیم محدث حضرت مولانا حسن جان شہیدؒ شیخ الحدیث تھے۔ جب جامعہ عثمانیہ کی ذمہ داریوں میں مزید اضافہ ہوا تو آپ نے پورا وقت جامعہ عثمانیہ کے لیے وقف کردیا۔ جب موقوف علیہ کے اسباق شروع ہوئے تو آپ نے

مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ کتاب البیوع وکتاب الشفعہ پڑھائی شروع کی۔ جب ۲۰۰۰ء میں دورۂ حدیث شروع ہوا تو آپ حدیث کی خدمت کی طرف پوری طرح متوجہ ہوئے۔ یہاں آپ نے بخاری شریف ج ۱، ۲، ابوداؤد شریف جلد اول ودوم، مسلم شریف جلد اول ودوم، ترمذی شریف جلد اول ودوم پڑھانا شروع کی۔ فی الحال آپ بخاری شریف ج ۱، ۲ اور ابوداؤد شریف مکمل پڑھا رہے ہیں۔ چونکہ شعبہ بنات میں بھی آپ بخاری شریف پڑھاتے ہیں، اس لحاظ سے تقریباً ۲۴ مرتبہ آپ نے شعبہ بنین وشعبہ بنات میں بخاری شریف پڑھائی۔ آپ کی ابوداؤد کے ساتھ طبعی مناسبت ہے۔ کافی عرصہ پڑھائی ہے۔ آج کل دورۂ حدیث کے طلبہ کو ابوداؤد شریف املاءً پڑھا رہے ہیں۔ اللہ کرے یہ املائی شکل کتابی صورت میں منظر عام پر آجائے۔

آپ کا درس فقہی اور استنباطی ہوتا ہے۔ درس میں دل کو لگنے والے نئے نئے انداز وطور طریقے اختیار فرماتے ہیں۔ جس کی وجہ سے فن حدیث کے نئے نئے گوشے سامنے آتے ہیں اور خود بخود نئے نئے مسائل کا استنباط ہوتا رہتا ہے۔ آپ کے درس میں اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ زیادہ دیر پڑھانے کی وجہ سے کبھی ترنم میں پڑھانا شروع کردیتے ہیں جس سے درس کا حسن دوبالا ہوجاتا ہے۔ آپ کی آواز بھاری اور رعب دار ہے۔ عبارت پڑھتے وقت سب کو لطف محسوس ہوتا ہے۔ اللہ کرے آپ کا یہ درس حدیث سدا بہار رہے۔

بحیثیت مفسر:

مدارس میں مروجہ تفاسیر پڑھنے کے علاوہ آپ نے تفسیر میں کسب فیض شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ سے کیا ہے۔ اسی طرح شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سید شیر علی شاہ المدنی صاحب رحمہ اللہ سے بھی تفسیر میں خوب استفادہ کیا ہے۔ لیکن آپ کے درس تفسیر کا انداز اور طرز شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب کا ہے۔ دارالعلوم حقانیہ میں آپ نے کئی مرتبہ دورۂ تفسیر پڑھایا۔ بندہ نے بھی حقانیہ میں آپ سے دورۂ تفسیر پڑھا ہے۔ آپ ہر سال جامعہ عثمانیہ کے دورۂ حدیث سے فارغ ہونے والے فضلاء وفاضلات کو چھٹیوں میں دورۂ تفسیر پڑھاتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ ہفتہ میں دو دن جامعہ عثمانیہ میں ایک مخصوص کلاس کو تفسیر پڑھاتے ہیں۔ یہ درس بڑے اہتمام کے ساتھ ریکارڈ ہوتا ہے اور پھر جامعہ کے رسالہ ''العصر'' میں ہر ماہ محاسن القرآن کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ محاسن القرآن کے نام سے اس تفسیری سلسلہ کی اشاعت کو کافی عرصہ ہوچکا ہے، آج کل پانچویں پارے کی تفسیر اور اس کی اشاعت جاری ہے۔ اللہ کرے یہ عظیم تفسیری کام مکمل ہو کہ زیور طباعت سے آراستہ ہوجائے۔

بحیثیت مفتی

آپ کا شمار اس وقت ملک کے بڑے بڑے مفتیوں کی فہرست میں ہوتا ہے۔آپ ایک منجھے ہوئے ماہر،سنجیدہ،عقل مند،مزاج شناس،مردم شناس اور معاشرہ کے حالات پر گہری نظر رکھنے والے مفتی اور فقیہ ہیں۔آپ کے فتوؤں کو بڑی وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔آپ نے جامعہ عثمانیہ میں 1996ء سے تخصص فی الفقہ الاسلامی کی کلاسیں شروع کیں۔دوسالہ کورس ہے۔ایک سال میں تخصص کا نصاب پڑھاتے ہیں اور ایک سال تخصص کے ان فضلاء سے مقالہ لکھواتے ہیں،اب تک تقریباً 100 مختلف موضوعات پر آپ کی زیر نگرانی مقالے لکھے گئے ہیں۔اسی طرح علاقائی مقدمات کے فیصلے بھی کرتے ہیں اور فتویٰ کی اشاعت تو باقاعدہ جاری ہے،جس کو فتاویٰ عثمانیہ کے نام سے مرتب کیا جارہا ہے۔عنقریب اس عظیم فتاویٰ کی چند جلدیں منظر عام پر آرہی ہیں۔

دیگر مصروفیات

ایم ایم اے حکومت میں جب صوبہ کے۔پی۔کے میں اسلامائزیشن کے لیے نفاذ شریعت کونسل کے نام سے جو کمیٹی بنائی گئی آپ اس کے چیئر مین تھے۔آپ نے اپنے دیگر رفقاء،وکلاء،ججز،علماء وغیرہ پر مشتمل کمیٹی کے ساتھ مل کر بڑی خوبی،مہارت اور حکمت عملی کے ساتھ حسبہ بل مرتب کیا۔یہ تاریخی کارنامہ ''نفاذ شریعت نمبر'' کے نام سے ''العصر اکیڈمی'' سے شائع کیا گیا ہے۔اسی طرح اسی دور میں جب تعلیمی اصلاحات کی طرف توجہ دی گئی تو تعلیمی کمیشن کا آپ کو چیئر مین بنایا گیا۔چنانچہ آپ نے عصری نظام تعلیم کی بہتری کے لیے خوب کام کیا۔آج کل تدریس کے علاوہ جامعہ عثمانیہ پشاور کے اہتمام کی طرف بھرپور طریقے سے متوجہ ہیں اور ساتھ ساتھ دیگر دینی مدارس کی سرپرستی بھی فرماتے ہیں۔

تخصص فی الفقہ کی کلاس کا باقاعدہ روزانہ پیریڈ لیتے ہیں۔ان کی پڑھائی اور نگرانی خود ہی فرماتے ہیں۔آپ کی نگرانی میں بڑی قیمتی فقہی مقالے لکھے گئے۔اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔آمین

مفتی ذاکر حسن نعمانی

استاد حدیث و تخصص جامعہ عثمانیہ پشاور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا مفتی نجم الرحمٰن صاحب
استاذِ حدیث ونائب رئیس دارالافتا، جامعہ عثمانیہ پشاور

فتاویٰ عثمانیہ کی ترتیب وتبویب

دارالافتا کا تاریخی پس منظر:

دارالعلوم حقانیہ سے حضرت مفتی صاحب کی مستقل تشریف آوری کے بعد 1996ء میں منظم طریقے سے جامعہ عثمانیہ میں دارالافتا اور تخصص فی الفقہ الاسلامی کا باقاعدہ آغاز ہوا اور 20 سال گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آج ملک کے ممتاز، معتمد اور معیاری تحقیقی دینی اداروں کے صف اول میں شامل ہے۔ الحمدللہ کافی تعداد میں اندرون اور بیرون ملک سے لوگ مسائل میں راہنمائی حاصل کرنے کے لیے رجوع کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں موجودہ دور میں سائنسی ترقی اور صنعتی انقلابات کے باعث شعبہ ہائے زندگی میں انقلابی تبدیلی کی وجہ سے عالمی سطح پر حالات میں تغیر کے باعث مسائل میں رونما ہونے والی پیچیدگیوں کو شرعی اصول کے تحت اطمینان بخش حل تلاش کرنے کے لیے اہل علم اور دانشور لوگوں کی نظریں بھی جامعہ کے دارالافتا پر جمی رہتی ہیں۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی آبیاری اور سرپرستی دارالافتا کے رئیس، جامعہ کے بانی ومہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ہاتھوں فرمارہے ہیں جو بذات خود اعلیٰ علمی وفقہی ذوق، فہم وفراست، زہد وتقویٰ، فتویٰ کے میدان میں خداداد صلاحیت اور وسیع تجربہ کے مالک ہیں۔ ملک کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم حقانیہ میں دارالافتا کی ذمہ داری، تخصص فی الفقہ کے اجراء اور فتاویٰ حقانیہ کو مرتب کرنے کے حوالے سے ان کی خدمات کسی سے مخفی نہیں۔ یہاں آکر انہوں نے جامعہ میں عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ایک ایسا علمی وتحقیقی ماحول فراہم کردیا کہ جس کے پروردہ افراد میں حالات کے تقاضوں کا ادراک اور اس کے مطابق کسی بھی مسئلہ میں امت کی راہنمائی کی صلاحیت پائی جاتی ہے، چنانچہ اس مقصد کے تحت متخصصین (تخصص فی الفقہ کے طلباء) کی تربیت کی جاتی ہے اور اساتذہ کی نگرانی میں ان سے فتوے حل کرائے جاتے ہیں۔ فتویٰ حل کرنے میں زیادہ بوجھ ان پر ڈالا جاتا ہے، تاکہ ان میں فتویٰ دینے کی صلاحیت پیدا

ہوسکے۔فتویٰ کے اجراء میں جامعہ کی طرف سے انتہائی احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔فتویٰ تصحیح کے مراحل سے گزر کر حضرت مفتی صاحب کی تصدیق کے بعد جاری کیا جاتا ہے، چنانچہ معیار کو برقرار رکھنے، امت مسلمہ کی صحیح اور بروقت راہنمائی اور دارالافتاء سے استفادہ کے پیش نظر اصول اور طریقہ کار متعین کر کے اس کو آئینی حیثیت دے کر جامعہ کے دستور کا حصہ بنایا گیا۔دستورِ جامعہ کے دفعہ 20 کے حوالہ سے دارالافتا کے نظم وضبط اور اہم اصول کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

دارالافتا کا نظم وضبط:

(1) جامعہ کا ایک اہم شعبہ دارالافتاء ہوگا، جہاں عامۃ المسلمین کو صحیح احکامِ اسلام سے واقفیت حاصل کرنے کی سہولت فراہم کی جائے گی اور ان کے دینی استفسارات کے جوابات دیے جائیں گے۔

(2) اس دارالافتاء کا ایک نگرانِ اعلیٰ ہوگا اور اس کا ایک معاون نگران ہوگا۔نگران اعلیٰ کو ''رئیس دارالافتا'' جب کہ معاون نگران کو ''نائب رئیس دارالافتا'' کہا جائے گا۔ان دونوں کے علاوہ اس دارالافتاء میں معاون مفتی بھی ہوگا جو دارالافتاء کے انتظامات سنبھالنے کا ذمہ دار ہوگا اور حسبِ ضرورت اِس کے ساتھ دوسرے معاونین بھی مقرر کیے جائیں گے۔

(3) دارالافتاء میں موصولہ تمام استفتاءات واستفسارات کے جوابات قرآن وحدیث اور فقہائے حنفیہ کی تحقیقات کی روشنی میں دیے جائیں گے، تاہم اگر بہ تقاضائے ضرورت فقہائے متاخرین نے کسی مسئلے میں مسالک اربعہ حقہ میں سے کسی اور مسلک کو مختار، پسندیدہ اور مُفتیٰ بہ قرار دیا ہو تو اسے اختیار کرنے کی وسعت کا پہلو اُجاگر کیا جائے گا۔

(4) اگر باہمی تنازعات واختلافات میں فریقین اس بات پر متفق ہوں کہ ان کے باہمی اختلافات کا جامعہ کے مفتیان کرام اور اساتذہ عظام ''حَکَم'' بن کر فیصلہ کرلیں اور فریقین ان کے فیصلے کو قبول کرنے پر دستخط ثبت کر کے تحریری یقین دہانی کرادیں تو ان کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا۔

(5) ہر فتویٰ اور فیصلہ پر دارالافتاء کی مہر کے ساتھ ''رئیس دارالافتاء'' اور ''نائب رئیس دارالافتاء'' کے دستخط ثبت کیے جائے گی اور ان کی مہر لگائی جائے گی۔

(6) ہر فتوی اور فیصلہ کا مکمل اندراج مستفتی یا فریقین کے ناموں، پتوں اور تاریخ اجرا کے ساتھ کیا جاتا رہے گا، تا کہ ریکارڈ محفوظ رہے۔

(7) دارالافتاء کے تمام ریکارڈ کی حفاظت ''معاون مفتی'' کی ذمہ داری ہوگی۔

اہم اُصول

(۱)......دارالافتا میں مفتیان کرام اساتذہ کے لیے گھنٹے مقرر ہوں گے۔زبانی یا بذریعہ فون سوالات کے جوابات کی اجازت صرف اُن حضرات کو ہوگی۔

(۲)......دارالافتا میں موجود مفتی صاحب، مستفتی سے استفتا وصول کر کے اُنہیں رسید حوالہ کریں گے۔ رسید کی پشت پر ہدایات درج ہیں، مستفتی اُن کا پابند رہے گا۔

(۳)......آسان اور عامۃ الوقوع مسائل میں دو سے چار دِن، جب کہ زیادہ غور طلب مسائل میں ہفتہ سے دس دِن کا وقت دیا جائے گا۔احتیاطاً مستفتی کو مسئول دارالافتاء کا نمبر بھی دیا جائے گا، تا کہ وہ آنے سے قبل معلومات کر سکے۔

(۴)......طلاق کے مسائل میں خود طلاق دینے والے شخص کی حاضری ضروری ہوگی، تا کہ اُس سے صحیح الفاظ وکیفیات معلوم ہوسکیں۔

(۵)......میراث کے مسائل میں وارث، یا کسی قریبی رشتہ دار کا آنا ضروری ہے، تا کہ صحیح ورثاء معلوم کیے جاسکیں۔

(۶)......تنسیخ نکاح کے مسائل میں عدالتی فیصلہ کے بعد استفتا وصول کرتے وقت اس کے ساتھ پوری عدالتی کارروائی کی فوٹو کاپی لف ہونا ضروری ہے۔

(۷)......متنازع مسائل میں کوئی استفتا وصول نہ ہوگا اور نہ ہی صرف تحریری بیانات پر کوئی تحریر لکھی جائے گی۔

(۸)......عقائد کے مسائل میں اگر کسی فرد کے متعلق استفتا ہو کہ مثلاً: فلاں یہ یہ عقیدہ رکھتا ہے...تو اُسے وصول نہ کیا جائے گا۔جب تک خود وہ شخص اپنے عقیدہ کا برملا اظہار نہ کرے۔

(۹)......اگر کوئی غیر مسلم شخص اسلام قبول کرنا چاہے تو اُسے مشرف بہ اسلام کیا جائے گا، تاہم دارالافتا اِس سلسلے میں کسی قسم کی سند جاری نہیں کرے گا۔

(۱۰)......فتویٰ یا فیصلہ پر کسی قسم کی وصولی نہیں کی جائے گی۔

دارالافتاء میں فتویٰ حل کرنے کا طریقہ کار

(۱)...... جو استفتاءات دستی دارالافتا میں وصول ہوں، یا بذریعہ ڈاک آئیں، یا ای میل کے ذریعے موصول ہوں؛ اگر وہ واضح اور قابل حل ہوں تو سب سے پہلے مہر لگا کر رجسٹر میں ان کا اندراج کر کے متخصصین پر علی الترتیب تقسیم کیے جائیں گے۔

متخصص قرآن وسنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں اُس کا جواب لکھ کر معاوِن مفتی سے تصحیح کروائے گا۔ تصحیح کے بعد نائب رئیس دارالافتا اُس پر نظرِ ثانی فرمائیں گے۔ اگر درست قرار پائے تو سوال کے کاغذ پر جواب لکھ دیا جائے گا۔ پہلے نائب رئیس دارالافتا اور پھر رئیس دارالافتا اُس کی تصویب کر کے دستخط ثبت فرمائیں گے۔

دستخط ہونے کے بعد معاوِن مفتی وذمہ دارِ دارالافتا، فتویٰ پر مہریں لگا کر متعلقہ فائلوں میں اندراج کر کے اُس کی فوٹو کاپی ریکارڈ میں محفوظ رکھیں گے۔

(۲)...... فتاویٰ کے ریکارڈ کے لیے چھ مختلف فائل ہوں گے۔ عبادات، معاملات، میراث، خاندانی، متفرقات اور جدید مسائل۔ ہر فتویٰ متعلقہ رجسٹر میں درج کیا جائے گا۔

(۳)...... کوشش رہے گی کہ جلد از جلد فتویٰ حل ہو کر مقرر تاریخ تک مستفتی کے حوالہ کر دیا جائے، تاہم اگر فتویٰ تحقیق طلب ہو، یا کوئی اور عارض درپیش ہو تو مقرر تاریخ سے تاخیر ہو سکتی ہے۔ تاخیر کی صورت میں مستفتی کو اطلاع دی جائے گی، تاکہ اُسے آنے کی دقت نہ اُٹھانی پڑے۔

(۴)...... زیادہ اہم، یا جدید نوعیت کے استفتا مجلسِ فقہی میں حل کیے جائیں گے۔ دارالافتا کے ذمہ دار مسئول مجلسِ فقہی کو وہ سوالات حوالہ کریں گے، تاکہ اُن پر جلد از جلد فقہی مجلس منعقد کی جا سکے۔

تحکیم اور اس کے اُصول:

ہمارے پختون معاشرے میں باہمی تنازعات یا تو علاقائی رسم ورواج کے مطابق جرگوں کے ذریعے حل کیے جاتے ہیں اور یا اتفاق رائے سے تنازعہ حل کرنے کے لیے شریعت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں اس کے لیے مجلس کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں فریقین اور ذمہ دار کو بٹھا کر آزادانہ ماحول میں ان کے بیانات سنے جاتے ہیں۔ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر فریقین کی خیر خواہی کے جذبے سے فیصلہ کیا جاتا ہے۔ کوئی ذاتی

منفعت یا فیس وصول نہیں کی جاتی اور نہ تحکیم کے درمیان فریقین سے مدرسہ کے لیے چندہ قبول کیا جاتا۔

مذکورہ اصول کی رعایت رکھتے ہوئے ان کے بیانات قلم بند کیے جاتے ہیں، پھران بیانات کی تنقیحات کی جاتی ہیں اور پھران تنقیحات کو مدنظر رکھ کرفقہی نظائر کا تعین کیا جاتا ہے۔آخر میں ان فقہی نظائر کی روشنی میں فیصلہ کیا جاتا ہے۔فیصلہ کے دوران متخصصین کو بھی بٹھایا جاتا اوران کو گروپوں میں تقسیم کر کے فیصلے کی عملی مشق کرائی جاتی ہے،تاہم حتمی فیصلہ صرف حَکَم کرتا ہے جب تک فریقین کو فیصلہ نہ سنایا گیا ہواس وقت تک فیصلہ صیغہ راز میں رکھا جاتا ہے۔

تحکیم کا طریقہ کار:

متنازع مسائل میں فریقین کی حاضری کے بغیر محض یک طرفہ بیان پر جامعہ سے فتویٰ جاری نہیں ہوگا، تاہم اگر فریقین اپنی رضامندی سے اپنے مابین تنازعہ کے حل کے لیے جامعہ کے دارالافتاء کا انتخاب کریں تو ایسی صورت میں فریقین کے مابین درج ذیل طریقہ کار کے مطابق تحکیم کی جائے گی:

(۱)......دونوں فریق جامعہ کے رئیس دارالافتاء، یا نائب رئیس دارالافتاء کو برضائے خویش 'حَکَم' بنانے پر متفق ہوں۔

(۲)...... ہر فریق کم از کم ایک معتبر شخص کو بطور ذمہ دار پیش کرے گا کہ وہ بلاچوں وچرا تحکیم کے مطابق فیصلہ ماننے کو تیار ہو۔

(۳)......مقررہ وقت پر فریقین جامعہ حاضر ہوں گے اور جامعہ میں ہی تحکیم ہوگی۔

(۴)......فریقین کو سب سے پہلے صلح کی دعوت دی جائے گی۔اگر صلح پر رضامند ہوں تو فبہا، ورنہ تحکیم کی جائے گی۔

(۵)......تحکیم سے قبل حق تحکیم لیا جائے گا جس پر فریقین اور جرگہ ممبران دستخط کریں گے۔

(۶)...... ہر فریق کو اپنا مدعیٰ بیان کرنے کا الگ الگ موقع دیا جائے گا۔ایک فریق کے بیان کے وقت دوسرے فریق، یا جرگہ ممبران کو بات کرنے کی اجازت نہ ہوگی، تاہم اگر حَکَم ثالث سے کسی بات کی وضاحت طلب کریں تو وہ جواب دے سکتا ہے۔نیز ایک فریق کا بیان مکمل ہونے کے بعد اگر اُس کے بعض نکات کے متعلق دوسرا فریق اظہارِ خیال کرنا چاہے تو اُسے اجازت دی جائے گی۔

(۷)......فریقین کے سب بیانات قلمبند کیے جائیں گے۔

(۸)...... بیانات مکمل ہو جانے کے بعد تحکیم کا فیصلہ تحریری صورت میں تیار کیا جائے گا، جسے وصول کرنے کے لیے جرگہ ممبران (فریقین نہیں) متعین تاریخ کو جامعہ حاضر ہوں گے۔ دارالافتاء سے اُنہیں سربہ مہر فیصلہ حوالہ کیا جائے گا جسے وصول کرنے کے بعد اُن کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ فریقین کو کسی جگہ اکٹھا کر کے اُن کی موجودگی میں فیصلہ اُن کے سامنے پڑھ کر سنائیں اور اُس کے مندرجات کے مطابق کارروائی کروائیں۔

(۹)...... واضح رہے کہ جس تنازعہ میں پہلے کسی مدرسہ، یا دارالافتا سے شرعی فیصلہ ہو چکا ہو، اُس معاملہ میں جامعہ از سر نو تحکیم سے معذرت ظاہر کرے گا۔

(۱۰)...... جن تنازعات کے مقدمے عدالت میں دائر ہوں اُن میں بھی جامعہ تحکیم سے معذرت خواہ ہوگا۔

ماہنامہ العصر کی خدمات:

ہر مہینے جامعہ سے ''العصر'' کے نام پر ایک دینی رسالہ حضرت مفتی صاحب کی زیرادارت شائع ہوتا ہے جو کہ جامعہ کی ترجمانی کا حق ادا کرتا ہے۔ ماہنامہ العصر میں دیگر تحقیقی مضامین شائع ہونے کے ساتھ ساتھ دارالافتا کے زیرِ عنوان سوالات کے جوابات بھی دیے جاتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب کے قلم سے ماہنامہ العصر میں جو جوابات جاری ہو چکے ہیں، جامعہ کے استاذ محترم مولانا مفتی محمود رشید صاحب نے بڑی عرق ریزی سے 483 صفحات پر مشتمل مجموعہ مرتب کیا ہے جو''فقہ العصر'' کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے۔ علاوہ ازیں بعض دفعہ تحقیقی نوعیت کا کوئی مسئلہ بھی افادہ عام کی خاطر شائع کیا جاتا ہے۔ مجلس فقہی میں جس مسئلہ پر اتفاق رائے پایا جائے وہ بھی باقاعدہ شائع کیا جاتا ہے۔ الغرض مسائل کا حل قارئین تک رسائی اور عوام وخواص کی تشنگی دور کرنے میں ماہنامہ العصر کی خدمات قابل تحسین ہیں۔

مجلس فقہی:

جامعہ میں مجلس فقہی قائم کی گئی ہے جس میں تحقیق طلب جدید مسائل زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ دارالافتا میں بعض اوقات ایسے مسائل موصول ہوتے ہیں جن کے حقائق تک رسائی اور ان کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے تو ان مسائل کے لیے مجلس فقہی کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ مجلس فقہی کے انعقاد اور دیگر جملہ کاروائی کی ذمہ داری مسئول پر عائد ہوتی ہے۔ مجلس فقہی کا اجلاس حضرت مفتی صاحب کی

سربراہی میں ہوتا ہے جس میں مجلس کے اراکین شریک ہوتے ہیں۔اراکین میں جامعہ کے اساتذہ حدیث اور وہ اساتذہ شامل ہیں جو فقہی وتحقیقی ذوق رکھتے ہیں۔اکثریت ان اراکین کی ہوتی ہے جنہوں نے جامعہ سے تخصص فی الفقہ کیا ہے۔اجلاس میں تربیت کے لیے تخصص سال دوم کے طلباء کو بھی مبصرین کی حیثیت سے شرکت کی اجازت دی جاتی ہے۔

اجلاس کے لیے پہلے سے تاریخ مقرر کی جاتی ہے اور جو مسئلہ زیر بحث لایا جاتا ہے اس کا عنوان لکھ کر پہلے سے اراکین کو مطلع کیا جاتا ہے۔اجلاس میں مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر بحث کی جاتی ہے۔ جدید مسئلہ کی حقیقت کے ادراک کے لیے ماہرین فن سے رابطہ کر کے اجلاس میں ان کی شرکت کو یقینی بنانے اور مسئلہ سے متعلق تحقیقات جمع کرنے کے لیے پہلے سے کمیٹیاں مقرر کی جاتی ہیں۔اجلاس کے دوران وہ اپنی تمام معلومات مجلس کے سامنے پیش کرتے ہیں۔پھر جس رکن کے ذہن میں مسئلہ کے متعلق جو بات آتی ہے، آزادانہ طور پر اس کا اظہار کرتا ہے۔بحث وتمحیص کے نتیجے میں جس رائے پر مجلس کے اراکین کا اتفاق ہو جائے اسی پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔تمام اراکین سے اس پر دستخط لیے جاتے ہیں اور ماہنامہ ''العصر'' میں اس کو شائع کیا جاتا ہے۔

فتاویٰ عثمانیہ پر تحقیق کا آغاز:

دار الافتا سے جاری ہونے والے فتووں کی تعداد جب ایک معقول حد تک پہنچ گئی، تو افادہ عام کی خاطر منظر عام پر لانے کے لیے مجلس انتظامی میں ان کی اشاعت کی منظوری دی گئی۔چونکہ پہلے سے فتوؤں کا ریکارڈ موجود تھا، البتہ ان کو ترتیب دینے اور از سر نو تحقیق کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔یہ ذمہ داری درجہ تخصص سال دوم کے طلباء کو سونپی گئی۔موقع کی مناسبت سے تخصص فی الفقہ کے پس منظر اور طریقہ کار کے مختصر ذکر کی ضرورت ہوتی ہے۔

۱۹۹۶ء میں جب حضرت مفتی صاحب دار العلوم حقانیہ سے جامعہ عثمانیہ پشاور مستقل طور پر تشریف لے آئے تو جامعہ میں درجہ تخصص کا آغاز ہوا، چونکہ دار العلوم حقانیہ میں بھی تخصص فی الفقہ ان کی سرپرستی میں چل رہا تھا۔اس لیے یہاں تشریف آوری کے بعد کامیابی کے ساتھ اس درجے کا آغاز ہوا۔

چونکہ درجہ تخصص کا بنیادی مقصد فضلاء کو ایسے ماحول کی فراہمی ہے جس میں رہتے ہوئے ان کی مخفی

صلاحیتوں کو جلا ملے اور ان میں استنباط کی ایسی قوت پیدا ہو سکے کہ عصری تقاضوں کو سامنے رکھ کر تحقیقی میدان میں کسی طرح مایوسی کے شکار نہ ہوں اور امت مسلمہ کی صحیح راہنمائی کر سکیں اس لیے شعبہ تخصص میں داخلے کے دوران ٹیسٹ کے ذریعے ان کی استعداد معلوم کر کے تقریباً بارہ (۱۲) فضلاء کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ان کا تعلیمی دورانیہ دو سال ہوتا ہے پہلے سال میں فقہی ذخیرہ سے وابستگی اور ان سے اخذ کا طریقہ کار سمجھایا جاتا ہے، ان سے اردو اور عربی کے جدید اور قدیم فتاویٰ جات کا مطالعہ کرایا جاتا ہے اور روزمرہ، ہفتہ وار تاثرات لکھنے کے علاوہ کتاب کا مطالعہ پورا ہونے پر ان سے ۱۰، ۱۲ اصفحات پر مشتمل خلاصہ وصول کیا جاتا ہے۔

اصول افتا، اصول فقہ اور سراجی ان کو درساً پڑھائی جاتی ہے۔علاوہ ازیں عصری تقاضوں کو سمجھنے کے لیے جدید علوم، مثلاً: معاشیات، بینکاری، ملکی آئین، اصول تحقیق اور مذاہب عالم پڑھانے کے لیے ماہرین فن کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں، تین چار مہینے گزرنے کے بعد جب فقہی ذخیرہ اور اردو فتاویٰ جات سے انس پیدا ہو جائے تو پھر ان سے فتویٰ حل کرانا شروع کیا جاتا ہے۔سال کے اختتام تک ان میں فتویٰ حل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

دوسرا سال ان کے علمی اور فقہی مقالے پر تحقیق کے لیے مختص ہوتا ہے۔پہلے سال کے آخر میں ہر ایک طالب علم کے لیے اس کی نفسیات اور استعداد کے مطابق موضوع کا انتخاب کیا جاتا ہے۔موضوع سے متعلق خاکہ کی منظوری دی جاتی ہے۔اس کے مطابق دوسرے سال میں ان کا تحقیقی مقالہ مشرف کی نگرانی میں مکمل ہو جاتا ہے۔ہر ایک مقالہ نگار کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ مقالہ مکمل کرنے کے بعد ایک جامع خلاصہ لکھے جو العصر میں شائع کیا جاتا ہے۔اگلے سال ان کا مناقشہ ہوتا ہے۔مناقشہ کے وقت تخصص کے اساتذہ مقالات کے مشرفین و ممتحنین اور مدرسہ کے علیا درجات کے طلباء موجود ہوتے ہیں جس میں ممتحنین موضوع سے متعلق مقالہ نگار سے سوالات کرتے ہیں اور نمبرات درج کر کے رپورٹ مرتب کرتے ہیں۔مناقشہ میں جو متخصص کامیاب قرار دیا جائے تو اس کو تخصص فی الفقہ کی سند کا مستحق ٹھہرایا جاتا ہے۔الحمد للہ ابھی تک کافی اہم موضوعات پر مشرفین کی نگرانی میں تخصص والوں کے مقالے مکمل ہو چکے ہیں جن کی تعداد سو تک پہنچتی ہے۔

۲۰۰۶ء میں جب فتاویٰ عثمانیہ مرتب کرنے کا فیصلہ ہوا۔تو ابواب کے لحاظ سے مباحث کی تعیین ہوئی اور

تخصص سال دوم کے طلباء پر مرحلہ وار تقسیم ہوئیں۔ جن متخصصین نے فتاویٰ عثمانیہ کی تحقیق میں حصہ لیا ان کی یہ تحقیق مقالے کا بدل قرار دے کر مناقشہ میں شرکت کے بعد ان کو سند کا مستحق قرار دیا گیا۔ متخصصین کے لیے فتاویٰ پر کام کرنے کے اصول اور طریقہ کار کا تعین کیا گیا۔ ان اصول کی رعایت کرتے ہوئے ہر ایک متخصص نے خوب محنت کے ساتھ مسائل کی چھان بین کی اور فقہی جزئیات کی تصحیح اور تخریج کا کام مکمل کیا۔ پہلے مرحلے میں جن متخصصین نے جن مباحث پر تحقیق کی ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

نمبر شمار	نام	ضلع	متعلقہ مباحث	سن
1	محمد طیب	نوشہرہ	الطهارة، الصلوٰة (المواقيت الاذان)	۲۰۰۶ء
2	محمد ارسلان	کرک	الصلوٰة (باقی ابواب)	۲۰۰۶ء
3	سید حبیب اللہ شاہ	ژوب	الزکوٰة، الصوم، الحج	۲۰۰۷ء
4	سید احسان اللہ شاہ	ژوب	النكاح	۲۰۰۷ء
5	فضل حکیم	چارسدہ	الرضاع، الخلع، العدة والحداد، الظهار	۲۰۰۷ء
6	مبشر	چارسدہ	الطلاق	۲۰۰۷ء
7	عبدالباسط	چارسدہ	الزکوٰة، الأيمان والنذور، الوقف، الأضحية	۲۰۰۷ء
8	محمد یحییٰ	نوشہرہ	البيوع، الإجارة	۲۰۰۷ء
9	عطاء الرحمٰن	چارسدہ	الربا، القرض والدين، الوديعة، الرّهن، الهبة، الرشوة، المزارعة، القسمة	۲۰۰۸ء
10	رحیم داد	پشاور	الشركة، المضاربة، الوكالة، الكفالة، الشفعة، الشهادات، الجنايات، القصاص و الحدود والدّيات، التعزير، الدعوىٰ، الصلح والتحكيم، الغصب	۲۰۰۸ء

11	ظاہر شاہ	چارسدہ	العقائد، الأیمان و النذور، اللقطة، الوقف، الصید و الذبائح، الأضحیة۔	۲۰۰۸ء
12	احسان اللہ	کرک	الحظر و الإباحة	۲۰۰۸ء
13	محمد شعیب	نوشہرہ	الفرائض	۲۰۰۹ء
14	نصیر احمد	نوشہرہ	الطهارة، الصلوٰة	۲۰۰۹ء
15	زاہد خان	پشاور	الصلوٰة، الزکوٰة، الصوم، الحج، الوقف، الأضحیة	۲۰۰۹ء
16	برکت اللہ	بنوں	الحظر و الإباحة، الأیمان و النذور، الهبة، النکاح، العقائد، الوصیة	۲۰۰۹ء
17	عمران سرفراز	پشاور	النکاح، الرضاع، الطلاق	۲۰۰۹ء
18	سمیع اللہ	پشاور	البیوع، الربوا، الإجارة، الذبائح، الحظر و الإباحة، التداوی و المعالجات	۲۰۰۹ء

جب سوالات کے جوابات کی ترتیب اور حوالہ جات کی تحقیق اور تخریج کا مرحلہ مکمل ہوا۔ اور ۱۰ جلدوں میں فتاویٰ مرتب ہوا تو عنوانات، سوالات وجوابات کے مضمون کی تصحیح اور جزئیات کی عبارت اور تخریج پر مزید تحقیق کرنے اور ہر باب کی ابتداء میں تمہیدی مضمون تیار کرنے کے لیے درجہ تخصص کے چار طلباء کا انتخاب ہوا۔ انہوں نے اپنے دورانیہ میں تحقیق کی ذمہ داری نبھائی۔ اس مرحلہ میں جن طلباء نے حصہ لیا، انکی تفصیل درج ذیل ہے:

19	جاوید	مردان	اردو تصحیح و ترتیب	۲۰۱۰ء
20	کفایت الرحمن	نوشہرہ	اردو تصحیح و ترتیب	۲۰۱۰ء
21	نور الحق	چارسدہ	حوالہ جات کا مراجعہ	۲۰۱۰ء
22	محمد فہیم اللہ	چارسدہ	تمہیدات	۲۰۱۰ء

جب تحقیق وتدقیق کا یہ مرحلہ بھی مکمل ہوا تو تیسرے اور آخری مرحلہ میں درجہ تخصص کے چار طلباء کا انتخاب کیا گیا ان کو اصول تحقیق کی روشنی میں مضمون اور حوالہ جات میں کسی کمی یا غلطی کی نشاندہی اور اردو ادب کی رعایت رکھتے ہوئے الفاظ میں مناسب تبدیلی کا کام حوالہ کیا گیا۔ جن طلباء نے اس مرحلہ میں حصہ لیا ان کی تفصیل یہ ہے:

23	عبدالحلیم	مردان	اردو تصحیح وترتیب	۲۰۱۱ء
24	سلمان سعید	مردان	اردو تصحیح وترتیب	۲۰۱۱ء
25	بشیر احمد	باجوڑ ایجنسی	حوالہ جات کا مراجعہ	۲۰۱۱ء
26	سید سیف اللہ	ملاکنڈ	حوالہ جات کا مراجعہ	۲۰۱۱ء

فتاویٰ عثمانیہ کی ترتیب وتبویب میں جن طلباء نے مرحلہ وار حصہ لیا ان سب کی نگرانی جامعہ کے اساتذہ کرام نے کی۔ انہوں نے اپنی مصروفیات کے باوجود بڑے اہتمام کے ساتھ ان کے مضامین اور تحقیقی مواد کا جائزہ لے کر فتاویٰ عثمانیہ کے معیار اور حسنِ ترتیب کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ جن اساتذہ کرام نے جن طلباء کو اشراف کا شرف بخشا ان کی فہرست پیش خدمت ہے:

نمبر شمار	اسمائے مشرفین	عہدہ	فتاویٰ پر کام کرنے والے متخصصین
1	حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب	مہتمم ورئیس دارالافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور	محمد طیب، ارسلان
2	حضرت مولانا حسین احمد صاحب	ناظم تعلیمات واستاذِ حدیث جامعہ عثمانیہ پشاور	جاوید، کفایت الرحمٰن
3	حضرت مفتی ذاکر حسن نعمانی صاحب	استاذ حدیث وتخصص جامعہ عثمانیہ پشاور	عبدالحلیم، سلمان سعید
4	حضرت مفتی نجم الرحمٰن صاحب	استاذ حدیث ونائب رئیس دارالافتاء، جامعہ عثمانیہ پشاور	سمیع اللہ، محمد فہیم اللہ، بشیر احمد، سید سیف الاسلام

5	حضرت مفتی مدثر شاہ صاحب	مدرس جامعہ عثمانیہ پشاور	عطاء الرحمٰن، رحیم داد، عمران سرفراز
6	حضرت مفتی ریاض محمد صاحب	مدرس جامعہ عثمانیہ پشاور	محمد یحییٰ، محمد شعیب
7	حضرت مفتی آصف محمود صاحب	مدرس جامعہ عثمانیہ پشاور	سید حبیب اللہ شاہ، سید احسان اللہ شاہ، ظاہر شاہ، برکت اللہ
8	حضرت مفتی محمد ارسلان صاحب	مدرس جامعہ عثمانیہ پشاور	فضل حکیم، مبشر، عبد الباسط، نصیر احمد
9	حضرت مفتی محمود رشید صاحب	مدرس جامعہ عثمانیہ پشاور	احسان اللہ، راہد خان، نور الحق

اساتذہ کی نگرانی میں جب تحقیق کے مراحل پورے ہوئے تو اس بات کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ پورا فتاویٰ از اول تا آخر حضرت مفتی صاحب کی نظر سے گزرے۔ حضرت مفتی صاحب نے اکابر کی روایات کو زندہ کرتے ہوئے نظر ثانی کے لیے ان مخصوص لمحات اور مقامات کو متعین کیا جہاں رحمت خداوندی ہر لحظہ موج زن رہتی ہے، چنانچہ ماہ رمضان المبارک اور حرمین شریفین کے مقدس اسفار کے دوران پورے فتاویٰ پر نظر ثانی فرما کر شرف قبولیت عطا ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش فرمایا۔ اس دوران انہوں نے جہاں کہیں مضمون وغیرہ میں سقم یا کسی مسئلہ پر از سر نو تحقیق کی ضرورت محسوس کی ان کی نشاندہی فرمائی۔ جب حضرت مفتی صاحب کی نشاندہی کی روشنی میں تمام قابل اصلاح مواضع پر کام مکمل ہوا تو حضرت مفتی صاحب کی یہ خواہش رہی کہ پورے فتاویٰ کا از اول تا آخر غائر نظر سے مطالعہ ہونا چاہیے تا کہ حتمی شکل دے کر اس کو شائع کیا جاسکے۔ ہماری خواہش تھی کہ یہ آخری اور حتمی نظر بھی حضرت مفتی صاحب کی ہونی چاہیے۔ انہوں نے ہماری درخواست بھی قبول کر لی اور عمرہ کے مبارک سفر میں اپنے ساتھ فتاویٰ کا کچھ حصہ بھی ساتھ لے گئے لیکن گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے پورے فتاویٰ پر نظر ڈالنے کا موقع میسر نہ ہو سکا۔ اس لیے آخر کار انہوں نے آخری اور حتمی نظر ڈالنے کی ذمہ داری بندے پر ڈالی۔ اگر چہ میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا تھا، لیکن ان کی نظر شفقت اور فرمان کی بجا آوری کو سعادت سمجھ کر اس نیت سے کام شروع کیا کہ شا مختصر عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہو کر میرے لیے دارین میں نجات کا سبب بنے، چنانچہ شعبان ورمضان کی مہینوں کو غنیمت سمجھ کر پورے ۔ دیٰ کو از اول تا آخر حرفاً حرفاً پڑھ لیا اور جہاں کہیں مسائل یا مضمون میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی اوران کی نشاندہی کی۔ اس کے بعد ان تصحیحات اور قابل بحث امور ومسائل کی تحقیق کا اہتمام مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحب نے کیا۔ موصوف جامعہ ہذا کے فاضل متخصص ہیں۔ جامعہ میں ان کی تحقیقی اور تدریسی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ کم عمری میں اللہ تعالیٰ نے ان کو

اچھی استعداد اور صفات سے نوازا ہے، اس لیے جامعہ میں انتظامی اور تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ دارالافتاء کے نظم وضبط کی ذمہ داری بھی ان کے حوالہ کی گئی ہے، فتاویٰ مرتب کرنے میں انہوں نے بڑا کردار ادا کیا۔ انہوں نے بڑی ذمہ داری کے ساتھ تمام امور کو مدنظر رکھ کر فتاویٰ کو حتمی شکل دے دی۔ ان کے ساتھ اس آخری مرحلہ میں جامعہ کے ایک بااستعداد اور مخلص فاضل ومتخصص مولانا مفتی کفایت الرحمٰن صاحب نے بڑی معاونت کی، جامعہ سے خلوص ومحبت اور علمی خدمات کے جذبے کے تحت انہوں نے مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحب کا بھرپور تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی خدمات قبول فرما کر مزید ترقی نصیب فرمائے۔ آمین

فتاویٰ عثمانیہ کا طرز وانداز:

فتاویٰ عثمانیہ کی ترتیب وتبویب میں جن امور کو ملحوظ رکھا گیا وہ کچھ اس طرح ہیں:

(۱)　فتاویٰ کو مناظرانہ اور جارحانہ اندازِ بیان اور مجادلانہ تخاطب سے محفوظ رکھا گیا ہے تاکہ کسی کی بے جا تنقیص اور الجھن کا باعث نہ بنے۔

(۲)　ہر باب کی ابتداء میں جامع تمہیدی بحث فتاویٰ کی امتیازی خوبی ہے۔ جس میں پورے باب کے اہم مسائل کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

(۳)　فتویٰ کے عنوان میں جامعیت، جاذبیت اور معنویت کی رعایت کے ساتھ نفی یا اثبات کی طرف میلان نہیں بلکہ عنوان لابشرط شیء کے درجہ میں ہے۔

(۴)　سوال کے ساتھ مستفتی کا نام نہیں لکھا گیا ہے۔

(۵)　ہر جلد کے سوالات کو مستقل نمبر دیا گیا ہے۔

(۶)　بالکل اختصار کے ساتھ صرف ہاں یا نہیں میں کوئی جواب نہیں دیا گیا ہے۔ بلکہ ہر جواب کے لیے ایک مناسب تمہید رکھی گئی ہے اور پھر جواب خوب وضاحت کے ساتھ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۷)　اسلوب میں روانگی اور عام فہم ہونے کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ایسی ادبیت اختیار نہیں کی گئی ہے جس سے جواب تک رسائی میں مشکل ہو۔

(۸)　تمام مسائل کے آخر میں عربی عبارات بطورِ دلیل ذکر کی گئی ہیں۔

(۹)　تمام عربی عبارات کا عام فہم اور سلیس اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے جو شاید فتاویٰ عثمانیہ ہی کی خصوصیت ہے۔

(۱۰) حوالہ بنیادی ماٴخذ سے دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر کوئی مسئلہ بنیادی ماٴخذ میں موجود نہیں تو معتمد معاصرین کی آراء کو باحوالہ نقل کیا گیا ہے۔

(۱۱) عبارات کا حوالہ حاشیہ میں اُصولِ تحقیق کے مطابق دیا گیا ہے۔

گزارش:

مختلف کٹھن تحقیقی اور مراحل سے گزرنے والا دس جلدوں میں مرتب یہ فتاویٰ عثمانیہ اہل علم اور دیگر قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔ اپنی وسعت کے مطابق انتہائی کوشش کی گئی ہے کہ اس میں کسی قسم کی غلطی نہ رہے۔ اس کی تحقیق وترتیب میں کسی قسم کی غفلت، لا پرواہی یا بے احتیاطی سے کام نہیں لیا گیا، بلکہ مسلک ومشرب کے راہنما اصول کو مدنظر رکھ کر اکابر کی قیمتی آراء کو قابل فخر سرمایہ سمجھ کر ان کی روشنی میں مسائل حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن سب کچھ کے باوجود ہمارا کوئی دعویٰ نہیں کہ فتاویٰ غلطیوں سے پاک ہوگا، کیونکہ وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو ہر نقص سے پاک ہے، انسان کے بس میں نہیں کہ وہ ایسی تصنیف پیش کر سکے جو ہر اعتبار سے درست اور کامل ہو۔

اس لیے جن حضرات کو مطالعہ کے دوران کسی قسم کی کوئی غلطی سامنے آئے، تو اصلاح اور خیر خواہی کے جذبہ کے تحت ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کا اہتمام کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرما کر ہمارے لیے فلاحِ دارین اور امت مسلمہ کے لیے راہنمائی کا بہترین ذریعہ بنادے۔ آمین

نجم الرحمٰن

استاد حدیث ونائب رئیس دار الافتاء

جامعہ عثمانیہ پشاور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا مفتی محمد یحییٰ
مدرس ومعاون مفتی
جامعہ عثمانیہ پشاور

عرضِ حال

اپنے رحیم وکریم ربّ کا شکر یہ کس زبان سے ادا کروں کہ اُس نے اِس ذرّہ بے مقدار کو جامعہ عثمانیہ جیسی عظیم درسگاہ اور حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ جیسی عظیم ہستی کے زیرِ سایہ فتاویٰ عثمانیہ کی صورت میں علمی وفقہی خدمت میں حصہ لینے کی توفیق مرحمت فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الحَمدُ كُلُّه، وَلَكَ الشُّكرُ كُلُّه، وَلَكَ الثَّناءُ كُلُّه،

اَللّٰهُمَّ لَكَ الحَمدُ مِلءَ السَّماءِ وَمِلءَ الأَرضِ وَمِلءَ مَا شِئتَ مِن شَيءٍ بَعدُ.

درجہ تخصص کے دوسرے سال فتاویٰ عثمانیہ کے أبواب البيوع اور أبواب الاجارة پر ترتیب، تبویب، تحقیق اور تخریج کا کام کرنے کی توفیق ملی۔ تخصص سے فراغت پر اپنی کم علمی وبے بضاعتی کے باوجود حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی خصوصی نظرِ شفقت کے طفیل مادرِ علمی میں تدریس کی ذمہ داری سے وابستگی ہوئی۔ پھر کرم بالائے کرم یہ کہ استادِ محترم حضرت مولانا مفتی نجم الرحمٰن صاحب کی سرپرستی میں دارالافتاء میں خدمت کرنے اور فتاویٰ عثمانیہ کے زیرِ غور مسائل کی تحقیق، تصحیح اور ترتیب وغیرہ پر کام کرنے کے مواقع میسر ہوئے۔

حضرت مفتی صاحب اور مفتی نجم الرحمٰن صاحب دامت برکاتہما العالیہ نے نظرِ ثانی کے دوران جن مسائل کے بارے میں نشاندہی کی کہ ان پر از سرِ نو غور وخوض اور تحقیق کی جائے، مولانا مفتی کفایت الرحمٰن صاحب کی معیت میں بندے نے تحقیق کے بعد وہ مسائل دوبارہ تحریر کیے۔ جن مسائل میں حوالہ جات کی کمی تھی اُن کے لیے از سرِ نو حوالے تلاش کیے گئے، جہاں مضمون میں ابہام تھا اُسے دور کرنے کی کوشش کی گئی، جہاں عبارت ناقص معلوم ہوئی اُسے مکمل کیا گیا، جہاں ترجمہ میں سقم تھا اُس کی تصحیح کی گئی۔ پھر پورے فتاویٰ کی فہرستیں مرتب کیں اور مصادر ومراجع کی مفصل فہرست بنائی۔ اس کے ساتھ ساتھ کمپوزنگ اور سیٹنگ وغیرہ کی جملہ ذمہ داریاں بھی خود ہی سرانجام دیں۔

اللہ تعالیٰ قبولیت سے نواز کر زادِ آخرت بنائے۔

فتاویٰ کی ترتیب وتبویب کے حوالہ سے اکثر باتیں استادِ محترم حضرت مفتی نجم الرحمٰن صاحب کے مضمون میں آپ ملاحظہ کرسکتے ہیں، یہاں صرف چند باتوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے:

۱-تمام فتاویٰ میں دی گئی عربی عبارات کا اُردو ترجمہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ اہلِ علم کے لیے تراجم کی کوئی ضرورت نہیں لیکن چونکہ فتاویٰ سے عامۃ الناس اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی کثرت سے استفادہ کرتا ہے اس لیے اُن کے فائدے اور سہولت کے لیے عربی عبارات کا ترجمہ کیا گیا ہے کیونکہ مسئلے کو دلیل کی روشنی میں سمجھنے کے ساتھ اعتماد کا بڑھ جانا فطری بات ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ تراجم میں تحت اللفظ ترجمہ کی بجائے بامحاورہ اور سلیس ترجمے کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

۲-بلاضرورت ضخامت سے بچنے کے لیے طویل سوالات کو اصل مفہوم کی رعایت کے ساتھ مختصر کیا گیا ہے۔

۳-اختصار کی خاطر مستفتی کا نام وپتہ یا تاریخ بھی درج نہیں کی گئی ہے۔ اگر کہیں استفتا میں نام درج تھے، تو ان کی جگہ زید، عمرو جیسے فرضی نام ڈالے گئے ہیں، اور بعض جگہ 'ایک شخص' وغیرہ نکرہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ بالخصوص جلد ششم جو طلاق وغیرہ خاندانی مسائل پر مشتمل ہے اس میں زیادہ تر نکرہ انداز اختیار کیا گیا ہے، جس میں پیشِ نظر پردہ داری ہے۔

۳-جامعہ کے دارالافتاء کا اندازِ فتویٰ یہ ہے کہ جواب سے پہلے ایک عمومی تمہید ذکر کی جاتی ہے، اسی انداز کے مطابق فتاویٰ کے تقریباً تمام جوابات میں پہلے تمہید اور پھر صورتِ مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔

۴-بعض معاصر فتاویٰ میں ہر فتویٰ کے بعد فتویٰ کی تصویب کرنے والے مفتیان حضرات کے اسما بھی درج کیے جاتے ہیں، فتاویٰ عثمانیہ کے تمام فتاویٰ چونکہ جامعہ عثمانیہ کے دارالافتاء سے جاری شدہ فتاویٰ ہیں، جن پر رئیس دارالافتاء حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب اور نائب رئیس دارالافتاء حضرت مولانا مفتی نجم الرحمٰن صاحب کے دستخط ثبت ہوتے ہیں، ان دونوں حضرات کے متعین ہونے کی وجہ سے جوابات کے آخر میں نام لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

۵-عبارات کے حوالے کتاب اور باب کے نام کے ساتھ درج کردیے گئے ہیں تاکہ کسی بھی مطبع کی کتاب میں بآسانی تلاش کیے جاسکیں تاہم پھر بھی جن مطابع کے نسخوں کو معیار بنا کر جلد اور صفحہ نمبر درج کیا گیا ہے،

ہر جلد کے آخر میں مصادر و مراجع کے عنوان سے اُن کی تفصیل ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

۶۔ مسائل میں تکرار سے حتی الوسع احتراز کیا گیا ہے۔ تاہم بعض مقامات پر ایسے مسائل ہیں جو بظاہر مکرّر معلوم ہوتے ہیں لیکن دراصل اُن میں سے ہر مسئلہ میں کوئی نہ کوئی اضافی فائدہ موجود ہے، چنانچہ ان اضافی فوائد کی خاطر اُنہیں حذف نہیں کیا گیا ہے۔

تسوید سے تبییض تک کے سارے دشوار مراحل میں رفیقِ محترم حضرت مولانا مفتی کفایت الرحمٰن صاحب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور حقیقت یہ ہے کہ اس خدمت میں اُن کا حصہ ناچیز کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔ اُن کے علاوہ جامعہ کے کئی متخصصین اور فضلا نے بھی ہاتھ بٹایا۔ سب نے بساط بھر کوشش کی ہے کہ فتاویٰ میں کوئی غلطی باقی نہ رہے لیکن چونکہ کسی بھی انسان کا کام غلطی اور کمی کوتاہی سے مکمل پاک ہو نہیں سکتا۔ علامہ شامیؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "ردّ المُحتار" کے مقدمہ میں امام شافعیؒ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب "الرّسالة" اپنے شاگرد امام مزنیؒ کو اسّی مرتبہ تصحیح کی نیت سے سنائی اور وہ ہر مرتبہ تصحیح کرتے رہے۔ لیکن آخری مرتبہ جب تصحیح کی گئی اور پھر بھی قابلِ اصلاح مقامات باقی رہے تو فرمایا: "هِيهِ، أبى الله أن يكون كتاباً صَحِيحاً غيرَ كِتابه"

جب امامِ شافعیؒ کی کتاب میں خود اُن کے اسی مرتبہ مراجعہ کے بعد بھی قابلِ اصلاح اُمور رہ گئے تو فتاویٰ عثمانیہ میں رہ جانا کوئی بعید نہیں۔ اربابِ علم و دانش سے التماس ہے کہ جو بھی کوتاہی نظر آئے خواہ علمی اعتبار سے ہو یا فنی اعتبار سے، الدین النصیحة پر عمل کرتے ہوئے اُس سے مطلع فرمائیں تاکہ اس کی اصلاح کی جاسکے اور اس کارِ خیر میں آپ بھی حصہ دار ہوں۔

محمد یحییٰ

مدرس و معاون مفتی جامعہ عثمانیہ پشاور

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ / 23 جنوری 2016ء

احسان الرحمٰن عثمانی

مدیر ماہنامہ العصر جامعہ عثمانیہ پشاور

تذکرہ ناگزیر

(فتاویٰ حقانیہ سے فتاویٰ عثمانیہ تک)

بالآخر مدتوں کا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا!

جامعہ عثمانیہ پشاور آج اپنے یوم تاسیس اور آغاز کے تقریباً ربع صدی کی تکمیل کے موقع پر العصر اکیڈمی کے زیر اہتمام ساڑھے پانچ ہزار صفحات کے لگ بھگ ''فتاویٰ عثمانیہ'' کی شکل میں عظیم علمی اور فقہی خدمت جلیلہ ارباب فتاویٰ اور اہل علم کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے۔ سعادت وکامرانی کے اس موقع پر ادارہ کے مؤسس وبانی حضرت والدمکرم شیخ الحدیث مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ، جامعہ کے اساتذہ کرام، منتظمین اور جملہ بہی خواہوں کی گردنیں اللہ جل جلالہ کے حضور بار احسان سے جھکی جارہی ہیں کہ رب کائنات نے محض اپنے فضل وکرم سے آج سے چوبیس سال قبل خطہ پشاور میں مختصر رقبہ پر شروع ہونے والے نوخیز ادارہ، چند طلبہ، محدود کمروں اور دوچار اساتذہ سے شروع ہونے والے ادارہ کو یہ توفیق بخشی کہ وہ اپنے دیگر متنوع اور ہمہ جہت خدمات کے ساتھ ساتھ فتاویٰ کی شکل میں امت مرحومہ کی رہبری ورہنمائی کا سامان مہیا کررہا ہے۔

میرے خیال کے مطابق حضرت والدمکرم مدظلہ اس قسم کے خواب کی تعبیر ایک بار اپنے مادر علمی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں مسلسل کاوشوں کے بعد دیکھ چکے ہیں، جس کے بارے میں خود حضرت فرماتے رہتے ہیں کہ جب 1988ء بمطابق 1408ھ میں دارالعلوم کے ماحول میں تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کے اجراء کے حوالہ سے میں اپنے مربی اور شیخ حضرت مولانا عبدالحق صاحب نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کے اس استفسار پر کہ بیٹا اس کا کیا فائدہ ہوگا؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے ''فتاویٰ حقانیہ'' چھپ جائے گا، آپ نے یہ نوید سن کر بخوشی اجازت مرحمت فرمائی۔ یوں حضرت والدمکرم مدظلہ نے ایک ایسے وقت میں صوبہ خیبر پختونخواہ میں تخصص فی الفقہ کے شعبہ کا اجرا کیا جب اس قسم کی سرگرمیوں کا عموماً رواج نہیں تھا، آپ ہی نے یہاں کے ماحول میں اس کی داغ بیل ڈالی، آپ نے شعبہ تخصص میں فضلا کی تربیت کے ساتھ ساتھ فتاویٰ حقانیہ کی ترتیب وتبویب کے عمل کا آغاز دارالعلوم کے قدیم مفتیان کرام کے ذخیرے اور اس وقت کے جاری فتاویٰ جات کو یکجا کرنے سے کیا، جو دارالعلوم حقانیہ میں آپ کے قیام کے دوران بہت حد تک پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا اور بعد ازاں حضرت کے تلامذہ نے اس میں مزید تنقیح کرکے اسے بیش بہا بنایا۔ یوں 2002ء بمطابق 1422ھ کو مؤتمر المصنفین کے

زیر اہتمام فتاویٰ حقانیہ چھپا جسے علمی حلقوں سے خوب پذیرائی حاصل ہوئی۔اس موقع پر جامعہ کے مہتمم حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی نے حضرت والد مکرم مدظلہ کو فتاویٰ حقانیہ کا مکمل سیٹ بمع مکتوب بھیجا جس میں آپ نے فرمایا:''آج فتاویٰ حقانیہ کی ترتیب واشاعت آپ کا دارالعلوم میں مسلسل کوششوں کا ایک ثمرہ ہے۔جس کا ہمیں اعتراف ہے،اس کی تبویب اور تنسیق میں آپ کا وہی مقام ہے جو کہ فقہ حنفی کے حوالہ سے ان اشعار میں کہا گیا ہے:

الفقه زرعُ ابنِ مسعودٍ و علقمةُ سقاهُ   حصادُه إبراهيمُ حمّاد دوّاسُ

نُعمانُ طاحنـةُ ، يـعقوبُ عاجنه   محمدٌخابزٌ ، والآكِلُ النّاسُ

اسی طرح آپ نے فتاویٰ عثمانیہ پر تقریظ لکھتے وقت آپ کو مخاطب کر کے فرمایا:''جامعہ حقانیہ کے ان ہونہار اور قابل فخر فضلا میں حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب کا نام نامی اور اسم گرامی سرفہرست ہے،آپ نہ صرف جامعہ کے فاضل ہیں بلکہ عرصہ دراز تک یہاں ممتاز مدرس اور مفتی رہ چکے ہیں ہمیں فخر ہے کہ حضرت مولانا غلام الرحمٰن صاحب کی فتویٰ نویسی کی ابتدا جامعہ حقانیہ سے ہوئی وہ تدریس کے ساتھ افتا کے فرائض سالہا سال انجام دیتے رہے۔حقانیہ کے بلند پایہ مفتیان کرام کی نگرانی،تعاون اور رہنمائی کا اوران کے نشونما میں بنیادی کردار ہے،فتاویٰ حقانیہ کی مختلف جلدوں پر جامعہ حقانیہ کے شعبہ تخصص کے جید فضلا نے اپنے اپنے مقالوں پر کام کیا اس کی نگرانی اور رہنمائی بھی مولانا غلام الرحمٰن صاحب فرماتے رہے،فقہ وافتاء کے میدان میں اللہ نے آپ کو نمایاں مقام عطا فرمایا ہے''۔

اب کے بار حضرت والد مکرم فتاویٰ عثمانیہ کی شکل میں ایک دوسرے خواب کی تعبیر دیکھ رہے ہیں اور اس کی تقدیم کا ذریعہ ثابت ہورہے ہیں،فتاویٰ حقانیہ سے فتاویٰ عثمانیہ تک کی یہ داستان تعلیمات نبوی ﷺ کے مطابق بارگاہ الٰہی سے من یرد اللّٰہ به خیراً یفقهه فی الدّین کے حوالے سے عظیم خیر کی عکاسی ہے۔فللّٰہ الحمد والشّکر

1996ء بمطابق 1416ھ میں جب جامعہ عثمانیہ پشاور نے تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کا آغاز کیا تو بحمد اللہ اس وقت سے ہی جامعہ کا دارالافتاء عوام وخواص کا ایک متفقہ مرجع رہا۔جامعہ کے چھ شعبہ جات میں سے ایک اہم شعبہ''شعبہ ابلاغیات''ہے،جس کے تحت دارالافتا معاشرہ کو دینی رہنمائی کے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔دوعشروں کے محیط دورانیہ میں آنے والے استفتاءات کا تعلق عبادات،معاملات،معاشرت اور دیگر متنوع مسائل سے تھا،جن کو روز اول سے ہی الگ الگ فائلوں اور رجسٹروں میں درج کر کے محفوظ کرنے کا اہتمام کیا گیا،کئی سالوں سے جامعہ کے متخصصین فی الفقہ والافتاء کو ان کے تعلیمی دورانیہ کے دوسرے سال میں انہی فتاویٰ جات کی مزید جانچ پڑتال،تحقیق وتخریج اور ترتیب وتوضیح کے عمل کو بطور مقالہ مقرر کیا گیا اور طے پایا گیا کہ جب وہ اس کام کو متعلقہ مشرف کی زیرنگرانی مکمل کرلیں گے تو ان کو تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کی سند کا مستحق قرار دیا جائے گا۔یوں فتاویٰ عثمانیہ پر بہتر نظم وضبط کے ساتھ کام کا آغاز ہوا۔اور جب تمام ابواب مکمل ہوئے تو رئیس دارالافتاء

حضرت والد مکرم مدظلہ نے سفر و حضر میں اس کو بنظر غائر دیکھ کر اس کی نوک پلک درست کی، اور ایک حوالے سے فتاویٰ عثمانیہ کی نیک فالی یہ بھی ہے کہ اس کے بیشتر حصہ کی تصحیح کا عمل حضرت مدظلہ نے ماہ رمضان المبارک اور حج کے مواقع پر حرمین شریفین کی پر نور فضاؤں اور جوار رحمت عالم ﷺ میں سرانجام دیا ہے، چنانچہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ 2012ء بمطابق ۱۴۳۳ھ کو حج کے موقعہ پر جب ہم فتاویٰ عثمانیہ ساتھ لے کر سرزمین حجاز روانہ ہوئے، تو برادر مکرم قاری عبدالکریم صاحب کے ڈیرے پر آتے جاتے وقت میں حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے ساتھ فتاویٰ کی ہر جلد روزانہ لے جایا کرتا تھا۔ حرم مکی میں حج سے قبل تمام جلدوں پر نظر ثانی مکمل ہوئی۔ اس دوران فتاویٰ کے مسائل پر حضرت مختلف زاویوں سے گفتگو فرماتے تھے اور بہتر استفادہ کا موقع ہاتھ آیا، جو حرم مکی کے ماحول کے لحاظ سے بڑا پر کیف رہا۔ پھر آپ کی تصحیحات اور نشان زدہ مواضع نائب رئیس دارالافتاء حضرت مولانا مفتی نجم الرحمن صاحب نے اپنے زیر نگرانی رفقاء کار سے درست فرمائے ہیں، جس کے بعد بیشتر جگہوں میں اضافہ اور ترمیم کا عمل سامنے آیا۔ نیز عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق قابل تحقیق مسائل پر ادارہ کے زیر اہتمام مجلس فقہی (جامعہ اور دیگر معتمد اداروں کے مفتیان کرام پر مشتمل مجلس) کی آراء کی روشنی میں حتمی فیصلہ کیا گیا، گویا ان جملہ امور سے گزارنے اور کار افتاء کی نزاکت کا خوب احساس کرنے کے بعد قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے، یوں ہم سمجھتے ہیں کہ فتاویٰ عثمانیہ نہ صرف متعلقہ مسائل میں قاری کو جواب مہیا کررہا ہے بلکہ ایک معتبر اور علمی مجلس کی آراء کی روشنی میں جامعہ کی فکر کی باقاعدہ ترجمانی اور عکاسی کررہا ہے، ان شاء اللہ یہ سلسلہ یہاں نہیں رکے گا بلکہ تحقیق کا یہ عمل برابر جاری رہے گا اور وہ دن دور نہیں کہ بانی جامعہ کی یہ تمنا بھی پوری ہو کہ جامعہ دنیا بھر میں عالم اسلام کے لیے ریسرچ و تحقیق اور رشد و ہدایت کا عظیم مرکز ثابت ہو۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز.

فقہ و فتویٰ کی اس حساس، باریک اور پر خطر امانت کو معاشرہ میں پیش کرتے وقت جامعہ عثمانیہ پشاور کے عمومی مزاج اور فتویٰ کے خاص منہج کو عالم اسلام کے عظیم مرکز اور سکہ رائج الوقت **دارالعلوم دیوبند** سے تصدیق کی سندیوں جاری ہوئی :"جامعہ عثمانیہ پشاور پاکستان کے دارالافتاء سے صادر ہونے والے بیس سالہ مجموعہ فتاویٰ کو "فتاویٰ عثمانیہ" کے نام سے شائع کیا جارہا ہے۔ عقائد، رسم و رواج اور سنت و بدعت سے متعلق فتاویٰ کو دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ اکابر علمائے دیوبند کے مشرب اور منہج کی پوری رعایت کی گئی ہے"

اکابرین امت سے وابستہ اس عظیم گلشن نبوی ﷺ کی سند کے طفیل ہمیں یقین ہے کہ ان شاء اللہ العزیز یہ ادارہ کے اگلے کئی منازل طے کرنے میں پیش خیمہ اور مشعل راہ ثابت ہوگا، اور اللہ کرے کہ علم و تحقیق اور سلوک و احسان کے میدان میں جامعہ دنیا بھر کی توجہ کا مرکز ثابت ہو۔ ولیس علی اللہ بمستنکر.

اے خدا ایں جامعہ قائم بدار فیض او جاری بود لیل و نہار

از

[signature]

کتاب العقائد

(عقائد کا بیان)

اسلام نے اپنے پیروکاروں کے لیے ایک ایسا کامل دین پیش کیا ہے، جو عقائد، عبادات، معاملات اور زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتا ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں کو اس پر عمل کرنے کا اس طرح پابند بناتا ہے کہ جو شخص اس کو صدقِ دل سے تسلیم کرے اور اس کو ماننے سے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کرے تو وہ مسلمان ہے اور جو اس ضابطۂ حیات کا انکار کرے تو وہ بلا شبہ و بلا تردد دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

دین اسلام میں عقائد کی اہمیت:

اس دین میں سب سے اہم عنصر عقائد ہیں کہ عقیدے کی درستگی کے بغیر بڑے سے بڑے عمل کو بھی اُخروی اجر وثواب کے اعتبار سے بیکار اور عبث قرار دیا گیا ہے، اگر چہ دنیا میں اس کا کوئی نہ کوئی اجر وعوض مل جائے گا۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا﴾(١)

ترجمہ: اور جو لوگ منکر ہیں، ان کے کام ایسے ہیں جیسے ریت جنگل میں (جو دور سے پانی نظر آتا ہو)، پیاسا اس کو پانی سمجھ لیتا ہے، لیکن جب اس کے پاس جا پہنچتا ہے تو کچھ بھی نہیں پاتا۔

عقیدہ کیا ہے؟

عربی لغت میں ''ع، ق، د'' کے مادے سے جو بھی لفظ آئے، اس میں لزوم، تأکد اور استیثاق کا معنی ضرور پایا جائے گا۔(٢)

لہٰذا لغوی اعتبار سے عقیدے کا معنی ہے:

ماعقد عليه القلب والضمير.

ترجمہ: جس چیز پر دل اور ضمیر تختی سے جمے ہوئے ہوں، وہ عقیدہ ہے۔

(١) النور:٣٩

(٢) الأفريقي، محمد بن منظور، لسان العرب، دارأحياء التراث العربي، مادة عقد: ص:٣٠٩

صاحب المنجد نے ایک اور جامع تعریف یوں کی ہے:

ماتدین به الإنسان، واعتقده.(۱)

ترجمہ: ہروہ چیز جس پر یقین واعتماد کی وجہ سے انسان کسی مذہب میں داخل ہو جائے۔

عقیدہ کی اصطلاحی تعریف:

هي التصديق بالشيء والجزم به دون شك أو ريبة. (۲)

ترجمہ: کسی شئے کے متعلق بلاشک وشبہ اعتماد ویقین قائم کرنا۔

یوں عقیدہ اور ایمان ہم معنیٰ ہیں۔

عقیدہ اور شریعت کا باہمی ربط وتعلق:

یہ دونوں اسلام کی شاخیں ہیں۔شریعت سے مراد وہ امورِ عملیہ (عبادات،معاملات وغیرہ) ہیں جن پر اسلام نے عمل کرنے کا حکم دیا ہے، جب کہ عقیدہ سے مراد وہ امورِ علمیہ (ایمانیہ واعتقادیہ) ہیں،جن کے متعلق دل میں پختگی سے یقین وایمان ضروری ہے اور یہ امور وہ ہیں جن پر ایمان لانے کا اللہ اوراس کے رسول نے حکم فرمایا ہے۔(۳)

اصول العقائد:

عقائد کی فہرست تو بڑی طویل ہے، تاہم اصول یعنی بنیادی عقائد وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے حدیثِ جبرئیل میں بیان فرمائے ہیں:

(۱) الإيمان أن تؤمن بالله: اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر ایمان اوراس میں ہر قسم کے شرک سے بیزاری،

(۲) وملائكته: فرشتوں پر ایمان، کہ یہ اللہ کی مخلوق ہے اور اللہ کے حکم سے اوامر بجالاتے ہیں۔

(۳) وكتبه: تمام کتبِ منزلہ پر ایمان کہ وہ اپنے وقت کے اعتبار سے برحق اور کامل تھے۔

(٤) ورسله: تمام پیغمبروں پر ایمان کہ وہ اللہ کا سچا پیغام لے کر دنیا میں آئے اور اپنا فریضہ نبھایا۔

(٥) واليوم الآخر: موت کے بعد دوبارہ زندگی اور حساب وکتاب کے لیے مقرر کردہ نظام پر یقین۔

---

(۱) المنجد في اللغة والأعلام، ص:٥١٩

(۲) السيد سابق، العقائد الإسلامية :ص :٨، دار الكتاب العربي

(۳) عمر سليمان، العقيدة في الله، مادة العقود:ص:١٠

(٦) والقدر خيره و شره من الله : کہ سب کچھ اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے اور وہی ہر خیر وشر کا مالک ہے۔(۱)

اللہ کی ذات وصفات پر ایمان کا مطلب:

اصولی طور پر یہ بات واضح کرنا انتہائی ضروری ہے کہ ایمان کا معنی صرف یہ نہیں کہ خدائے عز وجل کے وجود کا قائل ہو جائے بلکہ اس کی تمام صفات کاملہ (علم، سمع، بصر، قدرت وغیرہ) کو اسی شان کے ساتھ ماننا ضروری ہے جس طرح ان کا ذکر قرآن وحدیث میں کیا گیا ہے اور پھر اس شان کے ساتھ ان صفات میں کسی اور کو خدا کا شریک نہ ٹھہرائے، ورنہ یوں تو ہر مذہب وملت کا آدمی خدا کے وجود کو مانتا ہے۔ یہودی، نصرانی، مجوسی، ہندو سب ہی اس پر متفق ہیں۔ یوں سمجھیے کہ اللہ تعالیٰ کا جاننا کمال نہیں، ماننا کمال ہے۔

رسالت پر ایمان کا مطلب:

اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی حقیقت بھی دراصل وہ ہے جو قرآن مجید نے بالفاظ ذیل بتلائی ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾(۲)

ترجمہ: نہیں، (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اُس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں۔ پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اُس کے بارے میں اپنے دِلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اُس کے آگے مکمل طور پر سر تسلیم خم کر دیں۔

روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر سلف سے اس طرح نقل فرمائی ہے:

"فقد روي عن الصادق: أنه قال: "لو أن قوما عبدوا الله تعالى وأقاموا الصلوٰة وأتوا الزكوٰة وصاموا رمضان وحجوا البيت، ثم قالوا لشيء صنعه رسول الله ﷺ ألا صنع خلاف ماصنع، أو وجدوا في أنفسهم حرجا لكانوا مشركين، ثم تلا هذه الآية". (۳)

ترجمہ: حضرت صادق سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور نماز کی پابندی کرے اور زکوۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے، لیکن کسی ایسے فعل کے

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان الإيمان والإسلام والإحسان: ۲۷/۱، قديمى كتب خانه كراچى
(۲) النساء: ٦٥ (۳) آلوسي، روح المعاني: ۷۱/۵، دار إحياء التراث العربي

بارے میں جس کا کرنا حضور ﷺ سے ثابت ہو، یوں کہے کہ آپ ﷺ نے جو کیا، اس کے خلاف کیوں نہ کیا؟ یا اس کے ماننے سے اپنے دل میں تنگی محسوس کرے تو یہ مشرک قوم ہوگی، پھر یہ آیت تلاوت کی۔

آیت مذکورہ اور اس کی تفسیر سے واضح ہوگیا کہ رسالت پر ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام احکام کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کیا جائے اور جن چیزوں پر آپ نے ایمان لانے کا حکم فرمایا ہے، مثلاً: ملائکہ، آسمانی کتب، انبیاء سابقین، یوم آخرت، تقدیر، اور برزخ وغیرہ؛ ان کو ماننے میں کسی قسم کا پس وپیش یا تردد نہ کیا جائے۔

عقائد کی بحث میں ایک اصولی نکتہ:

عقائد کی بحث میں ایک اصولی نکتہ ذہن نشین رہے تو کافی الجھنیں ختم ہوسکتی ہیں۔ وہ یہ ہے کہ فقہائے کرام نے احکام اسلامیہ کی مختلف قسمیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہونا ہی ایک سچے مسلمان کا شیوہ ہے، تاہم ان میں سے ایک قسم ایسی بھی ہے جس میں معمولی پس وپیش انسان کو کفر والحاد تک پہنچا سکتی ہے۔ فقہائے کرام اور اصولیین کے ہاں یہ وہ احکام ہیں جو قطعی الثبوت بھی ہوں اور قطعی الدلالۃ بھی۔

قطعی الثبوت ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان کا ثبوت قرآن مجید یا ایسی احادیث سے ہو جن کے روایت کرنے والے حضرات آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر آج تک ہر زمانہ اور ہر قرن میں مختلف طبقات اور مختلف شہروں میں اس کثرت سے رہے ہوں کہ ان سب کا کسی جھوٹی بات پر اتفاق کر لینا محال ہو۔

اور قطعی الدلالۃ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو آیت قرآن مجید میں اس حکم کے متعلق موجود ہے یا وہ حکم جس حدیث متواتر سے ثابت ہوا ہے، وہ اپنے مفہوم ومراد کو اس طرح صاف صاف ظاہر کرتی ہو کہ اس کے سمجھنے میں کسی قسم کی الجھن نہ ہو، نہ اس میں کسی قسم کی تاویل چل سکتی ہو۔

پھر اس قسم کے احکام قطعیہ اگر مسلمانوں کے ہر طبقہ خاص وعام میں اس طرح مشہور ومعروف ہو جائیں کہ ان کا معلوم کرنا کسی خاص اہتمام اور تعلیم وتعلم پر موقوف نہ رہے، بلکہ عام طور پر مسلمانوں کو موروثی طور پر وہ باتیں معلوم ہو جاتی ہوں، جیسے: نماز، روزہ، حج، زکوۃ، قبر، آخرت، ختم نبوت وغیرہ تو ایسے احکام قطعیہ کو علما ضروریات دین کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور جو اس درجہ مشہور نہ ہوں تو وہ صرف قطعیات کہلاتے ہیں۔(۱)

---

(۱) محمد شفیع، مفتی، جواھر الفقه: ۱/ ۲۷

ضروریاتِ دین اور قطعیات کے حکم میں باہمی فرق (یعنی تکفیر و عدم تکفیر کے اصول):

ضروریاتِ دین کا انکار باجماع امت مطلقاً کفر ہے، ناواقفیت و جہالت کو اس میں عذر قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ کسی قسم کی تاویل سنی جاسکتی ہے اور قطعیاتِ محضہ جو شہرت میں اس درجہ کو نہ پہنچے ہوں تو حنفیہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی عام آدمی بوجہ ناواقفیت و جہالت کے ان کا انکار کر بیٹھے تو فوراً اس کو اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جائے گا، بلکہ پہلے اس کو سمجھایا جائے گا اور اس کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا جائے گا، اس کے بعد اگر وہ اپنے انکار پر قائم رہے، تب کفر کا حکم لگایا جائے گا۔(۱)

کتاب العقائد کی بعض اصطلاحات:

عقائد کے باب میں بعض فقہی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند ضروری اصطلاحات کو ذکر کیا جارہا ہے جن کا مطلب سمجھنے کے بعد امید ہے کہ آئندہ صفحات میں قاری کوئی الجھن محسوس نہیں کرے گا۔

الحاد اور زندقہ کا مطلب:

جس طرح کفر کی ایک قسم تبدیلیٔ مذہب ہے، اسی طرح دوسری قسم یہ بھی ہے کہ ضروریات دین اور قطعیاتِ اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کردیا جائے یا ان میں ایسی تاویل کی جائے جس سے ان کی معروف غرض بدل جائے اور معاملہ کچھ سے کچھ ہوجائے۔ قرآن کریم کی اصطلاح میں اس کا نام الحاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا﴾(۲)

ترجمہ: جو لوگ ہماری آیتوں کے بارے میں ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہیں، وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے۔

فقہائے کرام کے ہاں اس قسم کی دسیسہ کاری کا نام زندقہ ہے۔ علامہ دسوقی رحمہ اللہ کے ہاں زندیق وہ ہے جو اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرے اور باطن میں کفر پر قائم ہو۔ یہ دراصل منافق ہے۔ گویا جس کو صدرِ اول میں منافق کہا جاتا تھا اس کو اب فقہائے کرام زندیق کہتے ہیں۔(۳)

زندیق کا معاملہ عام مرتدین سے زیادہ سخت ہے، کیوں کہ یہ لوگ درپردہ اسلام کی بنیادیں کھوکھلی کرکے اسلام

(۱) ابن أبي الشريف، المسامرة، دارالكتب العلمية، ص: ۳۰۰

(۲) حم السجدة: ۴۰

(۳) الموسوعه الفقهية: ۲۴/۴۸، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية الكويت

اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں، لہٰذا ان کو توبہ کی مہلت بھی نہیں دی جائے گی۔(۱)

اہل قبلہ کی اصطلاح:

لفظ اہل قبلہ ایک شرعی اصطلاح ہے جس کے معنی ''اہل اسلام'' کے ہیں اور اسلام وہی ہے جس میں کوئی بات کفر کی نہ ہو، لہٰذا یہ لفظ صرف ان لوگوں کے لیے بولا جاتا ہے جو تمام ضروریات دین کو تسلیم کریں اور آنحضرت ﷺ کے تمام احکامات پر صدق دل سے ایمان لائیں، اس سے مراد ہر وہ شخص نہیں جو قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے۔

تنبیہ:

حدیث وفقہ سے ناآشنا اور غرض متکلم سے ناواقف لوگ یہاں یہ سمجھے کہ جو شخص قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے، اس کو کافر کہنا جائز نہیں، خواہ کتنے ہی کفریہ عقائد رکھتا ہو۔ یہ بہت بڑی ناواقفی اور جہالت کی بات ہے۔ علم فقہ وعقائد کی کتابوں کی مندرجہ ذیل عبارات اس پر شاہد ہیں:

”وفي اصطلاح المتكلمين من يصدق بضروريات الدين أي الأمور التي علم ثبوتها في الشرع واشتهر، فمن أنكر من الضروريات ...... لم يكن من أهل القبلة، ولو كان مجاهدا في الطاعات، و كذلك من باشر شيئا من أمارات التكذيب والإهانة بأمر شرعي والاستهزاء عليه، فليس من أهل القبلة.(۲)

اہل قبلہ کی عدم تکفیر کا مطلب:

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

''اہل السنّت کے نزدیک اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے سے مراد یہی ہے کہ اس میں سے کسی شخص کو اس وقت تک کافر نہ کہا جائے جب تک اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جو علامات کفر یا موجبات کفر میں سے ہے''۔(۳)

(۱) قاموس الفقه: ۱۰۷/۴، زم زم پبلیشرز کراچی

(۲) النبراس شرح لشرح العقائد: ۳۴۲، مکتبة حقانية ملتان، منح الروض الأزهر في شرح الفقه الأكبر، لملاعلي القاري: ص ۴۲۹، دارالبشائر الإسلامية

(۳) شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري: ص ۴۲۹

شعائرِ اسلام اور استخفافِ شعائر کا مطلب:

شعائرِ اسلام سے مراد وہ امور ہیں جن سے برملا دین کا اعلان اور اظہار ہوتا ہو اور وہ طاعتِ خداوندی کی علامت اور پہچان بن گئے ہوں، جیسے: نماز، روزہ، حج، زکوۃ، مناسک حج، آذان و اقامت، جماعت، جمعہ، مسجد، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور جہاد وغیرہ۔(۱)

حضرت عطاءؒ کے ہاں تمام مامورات و منہیات شعائر اللہ ہیں۔(۲)

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شعائر سے وہ محسوس ظاہری امور مراد ہیں، جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے، جو اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں، یہاں تک کہ اُن کی تعظیم لوگوں کے ہاں اللہ کی تعظیم ہے اور اُن میں کوتاہی اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں کوتاہی ہے۔ یہ بنیادی شعائر اللہ چار ہیں: قرآن، کعبہ، نبی اور نماز۔(۳)

درحقیقت شریعت کے قطعی احکام جن کے ثبوت پر امت کا اجماع ہو، وہ سب شعائرِ دین ہیں، لہٰذا جن چیزوں سے دین و شریعت کی شناخت قائم ہو، ان کی بابت خوب احتیاط برتنی چاہیے اور ان کو کبھی مزاح اور لطیفہ گوئی کا موضوع نہیں بنانا چاہیے کہ اس میں کفر کا اندیشہ ہے۔ موجودہ دور میں داڑھی اور پگڑی وغیرہ کا لوگ جس طرح استخفاف و تمسخر کرتے ہیں، وہ حد درجہ خطرناک ہے۔ أعاذنا الله منه. (۴)

جاہلانہ توہمات:

برصغیر پاک و ہند میں طویل مدت تک مسلمانوں اور ہندوؤں کا ایک ساتھ رہنا ایک تاریخی حقیقت ہے۔ ہندو قوم کی توہم پرستی اور معمولی معمولی چیزوں کو مؤثر سمجھنے کی عادت بھی ان کا مذہبی ورثہ ہے۔ صدیوں تک ان کے ساتھ اختلاط اور معاملات کی وجہ سے ان کے بہت سے غلط نظریات، رسومات اور توہمات مسلمانوں میں سرایت کر آئے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد گو کہ ہندوؤں کا وجود تقریباً پاکستان سے ختم ہو گیا، لیکن ان کی تہذیب و ثقافت کے آثار، سینکڑوں

---

(۱) التفسير الكبير للرازي:۲/۱۳۵، ۱۳۶، دار إحياء التراث العربي بيروت، الموسوعة الفقهية، مادة شعائر:۲۶/۹۷، قاموس الفقه، مادة شعار:۴/۱۹۴

(۲) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي:۶/۳۷، دار إحياء التراث العربي

(۳) حجة الله البالغة:ص۶۹، ۷۰، المكتبه السلفية

(۴) قاموس الفقه، مادة شعائر:۴/۱۹۵، زم زم پبلشرز

توہمات، بدفالیاں، اور غلط نظریات اب بھی ہمارے معاشرے میں موجود ہیں، لہٰذا روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے ان توہمات کے متعلق ضروری ہے کہ ان میں سے کسی پر بھی یقین نہ رکھا جائے اور علمائے کرام ومفتیان کرام سے پوچھ پوچھ کر ان جاہلانہ رسوم کا قلع قمع کر دیا جائے، ایک مستحکم اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیے ان اوہام اور رسومات کا خاتمہ انتہائی ضروری ہے۔

خلاصہ بحث:

انسانی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ صحیح عقائد ونظریات ہیں، اسی وجہ سے ہر مسلمان کو اپنے اعمال اور زبان کی کڑی نگرانی کرنی چاہیے کہ کہیں اس سے کوئی ایسا عمل یا زبان سے کوئی ایسا کلمہ صادر نہ ہو جائے جس سے اس کی زندگی بھر کے اعمال ایک لمحہ میں ضائع ہو جائیں، اس لیے عقائد کا سلسلہ جس قدر اہمیت کا حامل ہے، اس قدر نازک بھی ہے۔ غالباً اسی وجہ سے علامہ علاؤالدین حصکفیؒ نے الدر المختار میں لکھا ہے کہ بندہ کو صبح وشام اس دعا کا اہتمام کرنا چاہیے جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے کیوں کہ یہ دعا کفر سے حفاظت کا ذریعہ ہے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَأَنَا أَعْلَمُ، وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا أَعْلَمُ، إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ".

ترجمہ:

''اے اللہ! بے شک میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جانتے ہوئے آپ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہراؤں اور بخشش طلب کرتا ہوں اس چیز سے جو میں نہیں جانتا، بے شک آپ غیبی باتوں کو خوب جاننے والے ہیں۔(۱)

(۱) الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار، کتاب الجهاد، باب المرتد:۳۶۸/۶، مکتبة إمدادية ملتان

مسائل کتاب العقائد

خیر وشر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا

سوال نمبر (1):

ہم بات چیت اور باہمی گفتگو میں ایسی بات کر گزرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وابستہ ہوتی ہے، مثلاً: یوں کہنا کہ اللہ نے فلاں کو بیمار کیا وغیرہ، مگر سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف خیر کی نسبت کی جائے، شر کی نسبت نہ کی جائے، اس کی کیا وجہ ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اللہ تعالیٰ خیر وشر دونوں کے خالق ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی عظمت، علوِشان اور حسنِ ادب کے پیشِ نظر خیر کی نسبت کرنا تو بالکل درست ہے، مثلاً: یوں کہنا کہ ''اللہ تعالیٰ نے مجھے شفادی'' لیکن شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا خلافِ ادب ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

﴿واذامرضت فهو يشفين﴾. وقال المفسر الآلوسي: ونسبة المرض الذي هو نقمة إلى نفسه، والشفاء الذي هو نعمة إلى الله جل شأنه لمراعاة حسن الأدب. (١)

ترجمہ: علامہ آلوسیؒ آیت مبارکہ ﴿واذامرضت فهو يشفين﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: ''بیماری جو کہ ایک مصیبت ہے، اس کی نسبت اپنی طرف کرنا اور شفا جو کہ ایک نعمت ہے، اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا (باوجود اس کے کہ یہ دونوں مرض وصحت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں) حسنِ ادب کی رعایت کی وجہ سے ہے۔''

❁❁❁

باری تعالیٰ کا اپنی بعض صفات مخلوق کو عطا کرنا

سوال نمبر (2):

ایک تبلیغی صاحب نے بیان کے دوران کہا کہ: ''حقیقی صفات اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں اور اللہ نے ان صفات میں

(١) تفسیر روح المعانی :الشعراء/ ۸۰، ۱٦/ ۹٦

سے کوئی صفت کسی مخلوق کو عطا نہیں کی'' اس جملہ پر زید کا اعتراض ہے کہ بھائی یوں مت کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض حقیقی صفات اپنے بندوں کو بھی عطا کی ہیں، بلکہ یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی اور ابدی ہیں اور مخلوق کی صفات عارضی اور ختم ہونے والی ہیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ازلی اور قدیم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات بھی ازلی اور قدیم ہیں، نہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کی صفات میں کوئی شریک ہے۔ مخلوقات میں جتنی صفات ہیں، ان میں کوئی صفت اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کے مشابہ اور مماثل نہیں بن سکتی، مثلاً: صفتِ علم انسان میں بھی موجود ہے، لیکن انسان کا علم حادث اور ممکن الوجود ہے اور ہر زمانے میں اس میں تغیر اور تجدد آتا رہتا ہے، لیکن صفتِ علم کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے تو اللہ تعالیٰ کا علم قدیم، واجب اور ازل سے قائم ودائم ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے علم اور دوسری صفات کے اعتبار سے مخلوق کی صفات سے بہت اعلیٰ وارفع ہے۔

صورتِ مسئولہ میں مذکورہ شخص کا یہ کہنا کہ: حقیقی صفات اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں، یہ بات صحیح ہے لیکن اس کا یہ کہنا کہ: ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی صفات میں کوئی صفت کسی مخلوق کو عطا نہیں کی'' یہ جملہ قابل غور ہے کیونکہ بعض صفات جو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں، وہ اس نے اپنے بندوں کو بھی عطا فرمائی ہیں مثلاً: علم، سمع (سننا) اور بصر (دیکھنا) یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لیے بھی ثابت ہیں اور مخلوق کے لیے بھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فجعلنٰه سميعا بصيرا.﴾ (پس ہم نے اس کو سننے والا اور دیکھنے والا بنایا)۔ الدھر/ ۲

لیکن اللہ تعالیٰ میں اس قسم کی صفات اس کی شان کے موافق ہیں اور مخلوق میں ان کی شان کے موافق اور اللہ تعالیٰ اور مخلوق کی ان مذکورہ صفات (علم، سمع، بصر) کے درمیان کوئی مماثلت، مشابہت اور مساوات نہیں، اس لیے مخلوق کے لیے ان صفات کے ثبوت سے اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ شرکت اور مشابہت لازم نہیں آتی۔

والدّلیل علی ذلک:

فهو سبحانه وتعالى موصوف بصفات الكمال، وليس له فيها شبيه، فالمخلوق وإن كان يوصف بأنه سميع بصير، فليس سمعه وبصره كسمع الرب وبصره، ولا يلزم من إثبات الصفة تشبيه،

إذصفات المخلوق كما يليق به، وصفات الخالق كمايليق به .(١)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ صفاتِ کمال کے ساتھ موصوف ہیں۔مخلوق اگرچہ صفتِ سمع (سننا) اور بصر (دیکھنا) کے ساتھ موصوف ہوتی ہے، لیکن اُن کا سننا اور دیکھنا پروردگار کے سننے اور دیکھنے جیسا نہیں ہے اور مخلوق کے لیے کسی صفت (کمال) کو ثابت کرنے سے (خالق اور مخلوق کی صفات کے درمیان) تشبیہ لازم نہیں آتی، کیونکہ مخلوق کی صفات ان کی شان کے موافق ہیں اور خالق کی صفات اس کی شان کے موافق ہیں۔

مسئلہ تقدیر پر اشکال کا جواب

سوال نمبر (3):

جب ہر چیز تقدیر میں لکھی ہوئی ہے اور اس سے مخالفت نہیں ہوسکتی تو پھر انسان سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں، ان پر اس کی گرفت کیوں ہوتی ہے؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

احادیثِ مبارکہ کی رُو سے تقدیر کے مسئلہ میں بے جا بحث ومباحثہ ممنوع ہے، کیونکہ یہ نازک موضوع ہے اور ہر ذہن کے لیے اس کی تہہ تک پہنچنا مشکل ہے، اس لیے اس بارے میں اشکالات ذہن میں لانا اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنا ہے۔

جہاں تک یہ بات کہ "جب ہر چیز تقدیر میں لکھی ہوئی ہے اور اس سے مخالفت نہیں ہوسکتی تو پھر انسان سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں، ان پر اس کی گرفت کیوں ہوتی ہے" تو یہ سوال غلط فہمی پر مبنی ہے۔ تقدیر سے مخالفت نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا میں انسانی زندگی تقدیر کے تابع ہے اور تقدیر ہی اس کے لیے سبب ہے، جس کی وجہ سے انسانی زندگی کے اعمال معرضِ وجود میں آتے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی زندگی اللہ تعالیٰ کے سامنے تھی اور اللہ تعالیٰ کا علم قطعی اور یقینی ہے، اس لیے انسان زندگی بھر اختیار سے جو کچھ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اُس کو تقدیر میں لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم سے مخالفت ناممکن ہے، اس لیے تقدیر سے خلاف ورزی نہیں ہوسکتی، گویا تقدیر انسان کے عمل کا نتیجہ ہے، سبب نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

(وللعباد أفعال اختيارية يثابون بها) إن كانت طاعة (ويعاقبون عليها) إن كانت معصية،

---

(١) على بن محمد بن ابى العز، شرح العقيدة الطحاوية :ص:٦٣، المكتب الإسلامي

لا کمازعمت الجبریة: أنه لافعل للعبد أصلاً.(۱)

ترجمہ: بندوں کے کچھ اختیاری افعال ہیں، لہٰذا اگر وہ فرمانبرداری والے ہوں تو ان پر ان کو ثواب دیا جائے گا اور اگر گناہ کے افعال ہوں تو ان پر سزا دی جائے گی اور بات ایسی نہیں جیسا کہ جبریہ کا گمان ہے کہ بندے کا کوئی فعل بھی (اپنے اختیار سے) نہیں۔

❁❁❁

''مخلوق اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کرسکتی'' پر اشکال کا جواب

سوال نمبر(4):

ایک مولوی صاحب نے دورانِ تقریر تبلیغ والوں پر اعتراضات کرتے وقت یہ بات بھی کہی کہ: ''جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کرسکتے ہیں، مخلوق اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کرسکتی'' یا یہ کہتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ سب کچھ کرسکتے ہیں مخلوق کچھ نہیں کرسکتی'' یہ لوگ دینی کج روی میں مبتلا ہیں اور خارج از اسلام ہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ اس مولوی صاحب کی بات کس حد تک درست ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قرآن کریم سے ثابت ہے کہ مخلوق جو کچھ بھی کرتی ہے اور اسی طرح کائنات کے اندر جو کچھ ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان مجبورِ محض ہے، اس کا کچھ اختیار نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کسب کی قدرت عطا فرمائی ہے، البتہ کسی انسان کے عمل پر نتیجہ مرتب ہونے کے لیے صرف یہ قدرت و کاسبہ کافی نہیں، بلکہ اس میں مشیت باری تعالیٰ بھی ہوا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ چونکہ قادرِ مطلق ہے، اس کی قدرت کے سامنے مخلوق کچھ بھی نہیں کرسکتی، اس لیے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کرسکتے ہیں، مخلوق اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کرسکتی۔ تبلیغ سے چونکہ عوام کا طبقہ زیادہ وابستہ ہے، ان کے فہم کو سامنے رکھتے ہوئے اس تعبیر میں کوئی حرج نہیں۔ یہ درحقیقت صوفیائے کرام کے ہاں اسباب سے قطع نظر کرکے مسبب الاسباب پر توجہ مرکوز رکھنے کی تعبیر ہے۔

---

(۱) النسفي، محمدعمر، شرح العقائد النسفية، ص/٦٤، مكتبة حقانية، پشاور

صورتِ مسئولہ میں مولوی صاحب کا تبلیغی جماعت والوں پر ان باتوں کی وجہ سے دینی کج روی یا اسلام سے خارج ہونے کا حکم لگانا بالکل غلط ہے اور حقیقتِ حال سے ناواقفیت کی علامت ہے، لہٰذا باہمی تعاون کا مظاہرہ کر کے ان باتوں سے دور رہنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

(وهي)أي أفعال العباد (كلها)أي جميعها من خيرها و شرها، وإن كانت مكاسبهم (بمشيته) أي بإرادته(وعلمه)أي بتعلق علمه (وقضائه، وقدره). (۱)

ترجمہ: بندوں کے اچھے بُرے تمام افعال اگرچہ ان کے کسب سے ہوا کرتے ہیں، لیکن یہ اللہ کی مشیت یعنی ارادے، اس کے علم اور قضاوقدر سے ہوا کرتے ہیں۔

مسئلہ حیات الانبیاء

سوال نمبر(5):

حیات الانبیاء کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا کیا عقیدہ ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قرآن کریم کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی روشنی میں اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں اجسام عنصریہ کے ساتھ زندہ ہیں اور عالمِ برزخ میں اُن کی حیات، دنیوی حیات سے کم نہیں ہے۔ظاہر ہے کہ صرف برزخی حیات تو ہر انسان کو حاصل ہے۔روح وبدن کے باہمی تعلق کی وجہ سے قبر میں بدن کو راحت اور تکلیف ملتی ہے جس سے "عذابِ قبر" کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن انبیا کی حیات اس سے اقویٰ ہے کیونکہ اُن کے اجسامِ مطہرہ سڑنے سے محفوظ رہتے ہیں۔ان کا حس وادراک عام انسانوں سے زیادہ قوی ہے، تاہم پوری کیفیت کا ادراک ہمارے اذہان سے بالاتر ہے، اسی لیے حیاتِ برزخی کے بارے میں فرمایا: ﴿ولکن لاتشعرون﴾ تمہیں اس کا ادراک نہیں۔

(۱) ملا علی القاری، علی بن سلطان محمد، الروض الازهر في شرح فقه الأكبر: ص/۱٦١، دار البشائر الاسلامية بيروت

والدّليل على ذلك:

وقد جمع البيهقي كتابالطيفا في حياةالانبياء في قبورهم أوردفيه حديث أنس "الانبياء أحياء في قبورهم يصلون". (١)

ترجمہ:

امام بیہقیؒ نے قبروں میں انبیاے کرام کی حیات کے متعلق ایک عمدہ کتاب تیار کی ہے، جس میں حضرت انسؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ ''انبیاءِ کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں''۔

وإذا ثبت أنهم أحياء من حيث النقل، فإنه يقويه من حيث النظر كون الشهداء أحياء بنص القرآن، والأنبياء أفضل من الشهداء. (٢)

ترجمہ: جب روایت سے ثابت ہوا کہ انبیاے کرام (قبروں میں) زندہ ہیں، تو نصِ قرآنی سے شہدا کی حیات کا ثبوت عقلاً بھی اِس (حیات الأنبیا کے عقیدہ) کو تقویت دیتا ہے، کیونکہ انبیا شہدا سے افضل ہیں۔

❁❁❁

نجات کے لیے اجمالی ایمان کا کافی ہونا

سوال نمبر (6):

جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ کیا کسی بندے کی نجات کے لیے ان پر تفصیلی ایمان لانا ضروری ہے یا ان پر اجمالی ایمان بھی کافی ہوجاتا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

جو چیزیں ضروریات دین میں سے ہوں، ہر خاص وعام کو ان کے بارے میں یہ علم ہو کہ وہ دین اسلام میں ہیں تو ایسی چیزوں پر اجمالی ایمان لانا بھی نجات کے لیے کافی ہوجاتا ہے اور ان پر تفصیلی ایمان لانا اگرچہ بہتر ہے، لیکن نجات اجمالی ایمان پر موقوف ہے نہ کہ تفصیلی ایمان پر۔

(١) العسقلاني، أحمد بن علي بن حجر، فتح الباري، كتاب أحاديث الانبياء:٧/ ١٦٠، دارالفكر، بيروت

(٢) فتح البا ری، كتاب أحاديث الانبياء:٧/ ١٦١، دارالفكر، بيروت

والدّلیل علی ذلک:

فالتحقیق أن الإیمان : هو تصدیق النبي ﷺ بالقلب في جمیع ما علم بالضرورة مجیئه به من عند اللّٰه تعالیٰ إجمالاً، وإنه کاف في الخروج عن عهدة الإیمان، ولاتنحط درجته عن الإیمان التفصیلي.(١)

ترجمہ:

تحقیق بات یہی ہے کہ ایمان یہ ہے کہ دل سے نبی پاک ﷺ کی اُن تمام امور میں اجمالی طور پر تصدیق کی جائے جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے لانے کا علم بدیہی ہو (یعنی وہ ہر خاص وعام کو معلوم ہو) اور اتنے درجہ کا ایمان لانا بھی ایمان کی ذمہ داری پوری ہونے کے لیے کافی ہے اور اس (اجمالی ایمان) کا درجہ تفصیلی ایمان سے کم نہیں۔

❁❁❁

کلمہ طیبہ کا ترجمہ نہ جاننے کی وجہ سے ایمان کا متاثر نہ ہونا

سوال نمبر(7):

جومسلمان کلمہ طیبہ کا ترجمہ نہ جانتا ہو، اس سے اس کا ایمان متاثر ہوتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

توحید ورسالت کلمہ طیبہ کے دو اجزا ہیں، توحید ورسالت کے مفہوم کو جانتے ہوئے جب بندہ کلمہ توحید پڑھ کر دل سے اس کی تصدیق کرلے اور زبان سے توحید کا اقرار کرلے تو ایسا بندہ مسلمان متصور ہوتا ہے، اگر ایسا شخص کلمہ طیبہ کا لفظی ترجمہ نہیں جانتا تو اس سے اس کا ایمان متاثر نہیں ہوتا۔

والدّلیل علی ذلک:

(الإیمان) وهو تصدیق محمد ﷺ في جمیع ماجاء به عن اللّٰه تعالی مماعلم مجیئه ضرورة.(٢)

---

(١) الروض الازهر في شرح فقه الاکبر:ص/٢٥٢

(٢) الحصکفی، علاؤ الدین، الدرالمختار، کتاب الجهاد، باب المرتد:٦/٣٥٤، ٣٥٥

ترجمہ: ان تمام امور میں محمد ﷺ کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے، جو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور وہ امور ایسے ہوں کہ آپ ﷺ کا اُن کے ساتھ مبعوث ہونے کا علم بدیہی ہو (یعنی وہ امور ہر خاص وعام کو معلوم ہوں)۔

❁❁❁

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور نزول

سوال نمبر (8):

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور قربِ قیامت میں آپ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں دین اسلام کا کیا موقف ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور نزول کے بارے میں دینِ اسلام اس عقیدے کی تعلیم دیتا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھالیا ہے، اب بھی زندہ ہیں اور زندہ رہ کر قربِ قیامت میں آسمان سے اُتریں گے اور دجال کا خاتمہ فرمائیں گے، اس کے بعد کچھ عرصہ تک زندہ رہ کر پھر اپنی طبعی موت وفات ہوں گے اور بعض روایات کے مطابق ان کو رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن کیا جائے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسٰى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾قال ابن کثیر:قال الأکثرون:المراد بالوفاة ههنا النوم......قال الحسن قال رسول اللهﷺ للیهود:إن عیسیٰ لم یمت، وإنه راجع إلیکم قبل یوم القیٰمة .(۱)

ترجمہ:

''جب اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ اے عیسیٰ میں تمہیں صحیح سالم واپس لے لوں گا اور تمہیں اپنی طرف اُٹھالوں گا'' علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ:''اکثر علما کی رائے یہ ہے کہ یہاں وفات سے مراد سلانا ہے''۔۔۔۔حضرت حسن روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے فرمایا کہ:عیسیٰ (علیہ السلام) کو موت نہیں آئی اور قیامت کے دن سے پہلے تمہاری طرف لوٹ آئیں گے۔

(۱)ابن کثیر، عمادالدین اسماعیل، تفسیر القرآن الکریم:۱/۴۷۸، مکتبہ امدادیہ، مکۃ المکرمۃ

وأما رفع عيسى، فاتفق أصحاب الأخبار، والتفسير على أنه رفع ببدنه حيا. (١)

ترجمہ:

رفع عیسی علیہ السلام کے بارے میں محدثین اور مفسرین کا اتفاق اس بات پر ہے کہ ان کو زندہ جسمانی طور پر اٹھالیا گیا ہے۔

❁❁❁

نزول عیسی علیہ السلام اور عقیدہ ختم نبوت

سوال نمبر (9):

جب حضرت محمد ﷺ پر نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے تو حضرت عیسی علیہ السلام جب قرب قیامت میں آسمان سے اتریں گے تو کیا یہ ختم نبوت کے منافی نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملے گی۔ یہ امت کا اجماعی عقیدہ ہے اور قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو وہ ایک حاکم اور اُمتی کی حیثیت سے آکر امتِ محمدیہ کو دی جانے والی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے اور اپنی سابقہ نبوت پر برقرار رہتے ہوئے شریعتِ محمدیہ کے مطابق اُمت مسلمہ کی رہنمائی فرمائیں گے، لہٰذا نزولِ عیسی علیہ السلام سے ختم نبوت کے اجماعی عقیدے پر کوئی زد نہیں پڑتا۔

والدّليل على ذلك:

وقال رسول الله ﷺ: والذي نفسي بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكما عدلاً......

قوله: (حكما) أي حاكما، والمعنى أنه ينزل حاكما بهذه الشريعة، فإن هذه الشريعة باقية لاتنسخ بل يكون عيسى حاكما من حكام هذه الأمة...... وللطبراني من حديث عبدالله بن مغفلؓ "ينزل عيسىٰ ابن مريم مصدقا بمحمد على ملته."(٢)

---

(١) ابن حجر العسقلاني، التلخيص الحبير: ٤/٢١٤

(٢) فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب الانبياء، باب نزول عيسى عليه السلام: ٧/١٦٥

ترجمہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ قریب ہے کہ تم میں عیسیٰ بن مریم ایک عادل حکمران کی حیثیت سے اتریں گے۔۔۔۔۔(حکما) بمعنی حاکم ہے اور معنی یہ ہے کہ اسی شریعت کے مطابق فیصلہ کرتے ہوئے اتریں گے، کیونکہ یہ شریعت (محمدی) برقرار ہے منسوخ نہیں ہوگی، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امت کے حکمرانوں میں سے ایک حکمران ہوں گے۔۔۔۔اور طبرانی میں عبداللہ بن مغفلؓ کی روایت میں ہے کہ: حضرت عیسیٰ بن مریم اِس حال میں اُتریں گے کہ محمد (ﷺ) کی ملت پر ہونے کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔

❁❁❁

حضور اکرم ﷺ کے والدین کے ایمان کا مسئلہ

سوال نمبر(10):

حضور اکرم ﷺ کے والدین اس دنیا سے ایمان کی حالت میں گئے ہیں یا کفر کی حالت میں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

حضور اکرم ﷺ کے والدین کے ایمان وکفر کے بارے میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حالتِ کفر پر مر چکے ہیں اور بعض سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے اعزاز واکرام کے طور پر آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے والدین کو زندہ کیا اور وہ آپ علیہ السلام پر ایمان لاکر دوبارہ وفات پاگئے۔

تاہم چونکہ یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے، جو عقیدہ سے تعلق رکھتا ہو اور نہ ہی اس کا معلوم ہونا فرض یا واجب ہے اور نہ ہی اس کا تعلق ایسے مسائل کے ساتھ ہے کہ قبر وحشر میں انسان سے اس کا سوال ہوگا، لہٰذا اس بارے میں محققین حضرات کی بہتر اور احوط رائے یہ ہے کہ سکوت کیا جائے اور ان کے کفر کو ثابت کرنے کے پیچھے لگ کر اپنی عاقبت خراب نہ کریں اور نہ حضور اکرم ﷺ کا دل دُکھائیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وبالجملة قال بعض المحققين :أنه لاينبغي ذكرهذه المسئلة إلامع مزيد الأدب، وليست من المسائل التي يضر جهلها، أويسئل عنها في القبر، أوفي الموقف، فحفظ اللسان عن التكلم فيها إلا بخير

أولى وأسلم .(١)

ترجمہ: بہرحال بعض محققین نے کہا ہے کہ انتہائی ادب کے بغیر اس مسئلہ کا تذکرہ نہ کیا جائے اور یہ ان مسائل میں سے نہیں کہ جن سے ناواقفیت انسان کے لیے مضر ہو یا اس کے بارے میں قبر یا حشر میں سوال کیا جائے گا۔ پس بھلائی کے بغیر اس بارے میں کچھ کہنے سے زبان کی حفاظت کرنا بہتر اور زیادہ سلامتی والا راستہ ہے۔

❁❁❁

حضور ﷺ کے اولین و آخرین ہونے کا مطلب

سوال نمبر (11):

حضور ﷺ کے آخرین ہونے کا مطلب تو واضح ہے کہ سب انبیاے کرام علیہم السلام میں سب سے آخر میں اس دنیا میں تشریف لائے، لیکن حضور ﷺ کے اولین ہونے کا کیا مطلب ہے؟ جب کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

حضور ﷺ کے اولین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام انبیاے کرام علیہم السلام کا منصبِ نبوت کے لیے منتخب ہونا حضور ﷺ کے منتخب ہونے کے بعد ہوا، یعنی سب انبیاے کرام علیہم السلام میں سے پہلے نبوت کے لیے حضور ﷺ کا انتخاب ہوا ہے، اس وجہ سے آپ ﷺ کو اولین کہا جاتا ہے اور دنیا میں بعثت کے اعتبار سے تمام انبیاے کرام علیہم السلام میں سے سب سے آخر میں تشریف لائے ہیں، اس وجہ سے آپ ﷺ کو خاتم النبیین کہا جاتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

عن أبي هريرةؓ قال:قالوا: يارسول الله، متى وجبت لك النبوة؟ قال:وآدم بين الروح والجسد. وقال الملاعلى القاري (متى وجبت لك النبوة) أي ثبتت (قال: وآدم) أي وجبت لي النبوة، والحال أن آدم بين الروح والجسد، يعني وأنه مطروح على الأرض صورة بلاروح، والمعنى أنه قبل تعلق روحه بجسده.(٢)

---

(١) فتح الملهم شرح صحيح لمسلم، كتاب الايمان باب ان من مات على الكفر:٥٣٦/٢، مكتبه دارالعلوم كراچی

(٢) مرقاة المفاتيح، كتاب الفضائل والشمائل، باب فضل سيدالمرسلين: ٢٨/١٠

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! نبوت آپ ﷺ کے لیے کب ثابت ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اس وقت جب کہ آدم (علیہ السلام) روح اور بدن کے درمیان تھے۔''

ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ حدیث میں "وجبت" بمعنی "ثبتت" ہے، یعنی میرے لیے نبوت اس وقت ثابت ہوئی کہ جب آدم (علیہ السلام) روح اور جسد کے درمیان تھے، مطلب یہ کہ ان کا پتلا زمین پر بے جان پڑا تھا (یہ جملہ دراصل اس بات سے کنایہ ہے) کہ حضور ﷺ کی نبوت ورسالت حضرت آدم علیہ السلام کی روح جسد کے ساتھ متعلق ہونے سے پہلے ثابت ہوئی تھی۔

❁❁❁

حضوراکرم ﷺ کے فضلات کا پاک ہونا

سوال نمبر (12):

ایک عالم نے بیان کے دوران یہ بات کہی کہ حضوراکرم ﷺ کے فضلات بھی پاک تھے۔اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جس طرح کئی دوسری چیزوں میں حضوراکرم ﷺ کی خصوصیات ہیں، اس طرح حضوراکرم ﷺ کی خصوصیت عام انسانوں سے اس بارے میں بھی ہے کہ آپ ﷺ کے فضلات پاک تھے، تاہم عوام کے سامنے ایسے مسائل بیان نہ کیے جائیں جن سے وہ تشویش میں مبتلا ہوں۔

والدّليل على ذلك:

صحح بعض أئمة الشافعية طهارة بوله ﷺ وسائر فضلاته، وبه قال أبو حنيفةؒ ......وعد الأئمة ذلك من خصائصه ﷺ.(١)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے بول اور تمام فضلات کی طہارت کی تصحیح بعض ائمہ شافعیہ نے کی ہے اور یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول بھی ہے۔۔۔۔۔اور ائمہ کرام نے اس کو رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں شمار کیا ہے۔

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الانجاس، مطلب في طهارة بوله ﷺ: ١/٥٢٢، ٥٢٣

زکوٰۃ سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرنا

سوال نمبر(13):

ایک شخص اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرتا ہے کہ بنک والے اس کی رقم سے زکوٰۃ نہ کاٹیں، تو ایسا کرنے سے یہ شخص کافر ہو جاتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اہلِ تشیع کے تمام فِرَق کافر نہیں، بلکہ ان میں سے بعض کفریہ عقائد رکھتے ہیں اور بعض صرف فاسق و مبتدع شمار ہوتے ہیں۔

لہٰذا جب کوئی مسلمان زکوٰۃ کا منکر نہ ہو اور بینک والوں کے سامنے صرف اس لیے اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ بینک والے اس کے مال کا زکوٰۃ نہ کاٹیں تو اس سے یہ شخص اگرچہ گناہ گار رہتا ہے اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے، لیکن اس کو کافر کہنا مشکل ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وإن كان يفضل عليا عليهما، فهو مبتدع......اتفق الأئمة على تضليل أهل البدع أجمع، وتخطئتهم.(١)

ترجمہ: اگر حضرت علیؓ کو شیخینؓ پر فضیلت دیتا ہو تو وہ مبتدع ہے۔۔۔۔تمام اہلِ بدع کی گمراہی اور غلطی پر ہونے پر آئمہ کرام کا اتفاق ہے۔

❁❁❁

انبیاء کرام کو قتل کرنا سببِ کفر ہے یا نہیں؟

سوال نمبر(14):

قرآن کریم میں کئی جگہ بنی اسرائیل کے متعلق جو کہا گیا ہے کہ وہ ناحق انبیائے کرام کو قتل کرتے تھے۔اب

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب في سب الشيخين:٦/٣٧٧

پوچھنا یہ ہے کہ ان کو قتل کرنے والا اہلِ ایمان میں سے گمراہ لوگ تھے یا کافر تھے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

انبیاے کرام علیہم السلام کو جب بھی شہید کیا گیا تو اس کی وجہ محض یہی تھی کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلاتے تھے، اس کے علاوہ انبیاے کرام علیہم السلام میں ذاتی طور پر کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں ہوتی تھی جو ان کی شہادت کا سبب بن سکتی، بلکہ ان کو محض اس لیے شہید کیا گیا کہ لوگوں کو دین کی طرف بلاتے تھے اور جو لوگ دین سے بیزاری کی وجہ سے ان مقدس ہستیوں کی شہادت پر اُتر آئے، وہ اہل ایمان کیسے ہو سکتے ہیں؟ لہٰذا بنی اسرائیل میں انبیاے کرام علیہم السلام کو شہید کرنے والے مسلمان نہیں، بلکہ حد درجہ کے کافر تھے۔

والدّلیل علی ذلک:

یقول تعالیٰ: هذا الذي ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ جازيناهم من الذلة والمسكنة، وإحلال الغضب بهم من الذلة؛ بسبب استكبارهم عن اتباع الحق، وكفرهم بايٰت اللّٰه، وإهانتهم حملة الشرع، وهم الأنبياء، واتباعهم، فانتقصوهم إلى أن افضى بهم الحال إلى أن قتلوهم، فلا كفر أعظم من هذا. (۱)

ترجمہ: (یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ احکامِ الٰہیہ کے منکر ہو جاتے تھے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کر دیا کرتے تھے) یہ جو ہم نے ان کو ذلت و پستی اور ان پر اپنا غضب اتارنے کا بدلہ دیا، حق کی اتباع سے تکبر اختیار کرنے، اللہ کی آیات سے انکار کرنے اور حاملینِ شریعت کی اہانت کرنے کے سبب اور حاملین شریعت انبیائے کرام اور ان کے اتباع کرنے والے تھے اور ان لوگوں نے ان کی تنقیص اس حد تک کر لی کہ ان کو قتل کر ڈالا، پس اس سے بڑھ کر کوئی کفر نہیں ہے۔

❁❁❁

حضور ﷺ کو عالم الغیب سمجھنا

سوال نمبر (15):

حضور ﷺ کو عالم الغیب سمجھنا شرعی اعتبار سے کیسا ہے؟

بینوا توجروا

(۱) تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر): البقرة/ ۶۱: ۱/ ۱۳۸

الجواب وباللہ التوفیق:

علمِ غیب صرف باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس صفت میں کوئی بھی نبی یا مقرب فرشتہ یا کوئی ولی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں، بلکہ اگر کوئی شخص کسی بھی غیر اللہ کے لیے اس صفت کے ثابت ہونے کا اسی طرح اعتقاد رکھے جس طرح اللہ تعالیٰ کے لیے یہ صفت ثابت ہے، تو علمائے کرام نے اس کو شرک قرار دیا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَامَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾.(۱)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی کہ جتنا خدا تعالیٰ نے چاہا ہو اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی مضرت ہی مجھ پر واقع نہ ہوتی، میں تو محض بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہوں، ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

شانِ رسالت میں گستاخی کرنا

سوال نمبر(16):

ایک شخص نے علانیہ طور پر شانِ رسالت میں گستاخی کر کے آپ ﷺ کو گالی دی، اس کا کیا حکم ہے؟ اگر توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

باتفاقِ ائمہ کرام جو شخص رسول اللہ ﷺ کو گالی دے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ احناف کے نزدیک یہ شخص مرتد کے حکم میں ہے، لہٰذا اگر توبہ کرلی تو قبول ہوگی، ورنہ اس کو قتل کیا جائے گا اور اگر یہ عورت ہو تو اس کو قتل نہ کیا جائے، بلکہ جب تک وہ توبہ نہ کرے اس کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

---

(۱) الاعراف/۱۸۸

والدّلیل علی ذلک:

ولفظ النتف: من سب الرسول ﷺ، فإنه مرتد، وحكمه حكم المرتد ......وهو ظاهر في قبول توبته، كمامر عن الشفاء. قال العلامة ابن عابدينؒ :ورأيت في كتاب الخراج لأبي يوسفؒ مانصه:وأيمارجل مسلم سب رسول الله ﷺ، أو كذبه، أوعابه، أوتنقصه، فقد كفربالله تعالىٰ، وبانت منه امرأته، فإن تاب، وإلاقتل، وكذلك المرأة، إلاأن أباحنيفةؒ قال :لاتقتل المرأة، وتجبرعلى الإسلام.(۱)

ترجمہ: النتف (نامی کتاب) کے الفاظ یہ ہیں: جوشخص رسول اللہ ﷺ کوگالی دے، تو وہ مرتد ہے اور اس کا حکم مرتد کا ہے۔۔۔۔۔۔اور یہ قول اس کی توبہ قبول ہونے کے بارے میں واضح ہے، جیسا کہ الشفاء کے حوالہ سے گزرا۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: ”میں نے امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج میں صراحت کے ساتھ دیکھا، جس کی عبارت یہ ہے کہ جو مسلمان رسول اللہ ﷺ کو گالی دے یا اس کی تکذیب کرے یا آپ ﷺ کی طرف عیب یا نقص کی نسبت کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور اس سے اس کی بیوی بائن ہو جاتی ہے، یعنی نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور اگر توبہ کی تو فبہا، اور اگر توبہ نہیں کی تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ عورت کا بھی یہی حکم ہے، البتہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ: ” (ایسی صورت میں) اس کو قتل نہ کیا جائے، بلکہ اسے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے“۔

❁❁❁

نزولِ عیسیٰ علیہ السلام سے انکار کرنا

سوال نمبر(17):

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قربِ قیامت میں آسمان سے نازل ہونے کا انکار کرنے کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول امتِ مسلمہ کا اجماعی اور اتفاقی عقیدہ ہے اور اس کے ثبوت میں چونکہ اتنی احادیث وارد ہیں جو تواتر کے درجہ تک پہنچ چکی ہیں، اس لیے نزولِ عیسیٰ علیہ السلام سے انکار کفر ہے۔

---

(۱) الدرالمختارعلی صدرردالمحتار، کتاب الجهاد، باب المرتد:٦/٣٧٣-٣٧٤

والدّلیل علی ذلك:

وقد تواترت الأحادیث عن رسول اللهﷺأنه أخبر بنزول عیسی علیه السلام قبل یوم القیمة إماماًعادلاً وحکماً مقسطاً.(۱)

ترجمہ:

رسول اللہﷺ کی احادیث اس بارے میں تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں کہ آپﷺ نے خبر دی ہے کہ روزِ قیامت سے پہلے عیسی علیہ السلام ایک عادل حکمران اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والے کی حیثیت سے نازل ہوں گے۔

وفي الظهيرية :من أنكر المتواتر، فقد كفر.(۲)

ترجمہ:

ظہیریہ میں ہے کہ جوشخص (خبر) متواتر سے انکار کرے، وہ کافر ہوجاتا ہے۔

❁❁❁

حضرت عیسی علیہ السلام کا امتِ محمدیہ میں ہونے کی دُعا

سوال نمبر(18):

یہ بات کہاں سے ثابت ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے امت محمدیہ میں پیدا ہونے کی دعا کی تھی اور وہ قبول ہوئی؟

بیّنواتوجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول کی وجوہات نقل کی ہیں، ان میں سے ایک وجہ بعض حضرات سے یہ نقل کی ہے کہ جب حضرت عیسی علیہ السلام نے حضرت محمدﷺ اور آپﷺ کی امت کی صفات انجیل میں دیکھیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے ان میں شامل کردے، پس اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی۔

(۱) تفسیر ابن کثیر، ۱٦۷/٤

(۲) الفتاوی التاتارخانیہ، کتاب الاحکام المرتدین، فصل فیمایعود إلی الانبیاء علیهم السلام:۳۲۷/٥

والدّلیل علی ذلک:

وقیل :أنه دعاالله لمارأی صفة محمد، وأمته أن یجعله منهم، فاستجاب الله دعاءه، وأبقاه حتی ینزل في آخر الزمان مجددا لأمرالأسلام .(۱)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے محمدﷺ اور آپ کی امت کی صفت دیکھی تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے بھی ان میں شامل کردے، پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اوران کو(زندہ) باقی رکھا، یہاں تک کہ آخری زمانہ میں دین اسلام کی تجدید کرتے ہوئے(آسمان سے) تشریف لائیں گے۔

❁❁❁

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی انبیاء تھے یا نہیں؟

سوال نمبر(19):

سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا تفصیلی واقعہ ذکر ہے، لیکن اس سورت میں ان کے بھائیوں کی نبوت کا کوئی تذکرہ نہیں، لہٰذا اب پوچھنا یہ ہے کہ وہ انبیاء تھے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نبوت کے بارے میں مفسرین کی دو رائے ہیں، بعض حضرات ان کی نبوت کے قائل ہیں، لیکن علماء نے اس رائے کو ضعیف قرار دیا ہے اور صحیح رائے جمہور علماء کی ہے کہ وہ انبیاء نہیں تھے۔

والدّلیل علی ذلک:

فإن قیل :کیف یلیق هذا بهم وهم أنبیاء؟قلنا:من الناس من أجاب عنه بأنهم کانوافي هذا الوقت مراهقین، وماکانوا بالغین، وهذا ضعیف ......ومنهم من أجاب بأن هذامن باب الصغائر، وهذاأیضاً بعید......بل الجواب الصحیح أن یقال:أنهم ماکانوا أنبیاء.(۲)

---

(۱)فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء:۱۶۸/۷

(۲)امام فخرالدین الرازی، التفسیرالکبیر، سورة یوسف/۱۰:۶/۴۲۴

ترجمہ:

اگر کہا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف منصوبہ ان کی شان کے ساتھ کیسے لائق تھا، حالانکہ وہ انبیاء تھے؟ ہم کہتے ہیں: بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ اس وقت وہ (حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی) بلوغ کے قریب تھے اور ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے، لیکن یہ جواب ضعیف ہے...... بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ عمل صغیرہ گناہوں کے زمرے میں آتا ہے، یہ جواب بھی حقیقتِ حال سے دور ہے...... بلکہ صحیح جواب یہی ہے کہ وہ انبیاء نہیں تھے۔

❁❁❁

عورت اور منصبِ نبوت

سوال نمبر(20):

کیا کوئی عورت کبھی منصبِ نبوت پر فائز ہوئی ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ سے واضح ہے کہ باری تعالیٰ نے منصبِ نبوت کے لیے صرف مرد حضرات کا انتخاب کیا ہے اور مفسرین کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ منصبِ نبوت کے لیے مرد ہونا شرط ہے، اس لیے سلسلہ نبوت میں کوئی عورت نبیہ بن کر نہیں گزری۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾.(۱)

ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے مختلف بستی والوں میں سے جتنے بھیجے، سب مرد آدمی ہی تھے، جن کے پاس ہم وحی بھیجتے تھے۔

قال القرطبي تحت هذه الأية: أي أرسلنا رجالا ليس فيهم امرأة، ولا جني، ولا ملك...... قال العلماء: من شرط الرسول أن يكون رجلا آدميا مدنيا.(۲)

(۱) یوسف/۱۰۹

(۲) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۵، ۲۷٤

ترجمہ:
قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے مردوں کو رسول بنا کر بھیجا، جن میں کوئی عورت، جن اور فرشتہ نہیں تھا۔علماء نے کہا ہے: رسول کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ مرد ہو، اور انسانی معاشرہ کا فرد ہو۔

❁❁❁

گوتم بدھ، زرتشت اور کنفیوشس کو نبی یا رسول کہنا

سوال نمبر(21):

گوتم بدھ، زرتشت اور کنفیوشس تاریخ کے نامور شخصیات گزرے ہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ انبیا تھے کیونکہ اِن کی تعلیمات بھی انبیا کی تعلیمات سے مشابہہ ہیں۔کیا ان کو نبی یا رسول کہنا درست ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نصوص میں جن حضرات کی نبوت و رسالت کا تذکرہ ان کے ناموں کے ساتھ نہ ہو تو ایسی صورت میں شریعت کی تعلیم یہی ہے کہ بندہ یہ عقیدہ رکھے کہ جتنے بھی انبیاے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے ہیں، ان سب پر ہمارا ایمان ہے، اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جن لوگوں کے بارے میں بعض تاریخی کتب میں نبوت و رسالت کے ساتھ ان کا تذکرہ ہے تو ان میں جو حضرات، رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے گزرے ہوں اور ان کی تعلیمات انبیاے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے ساتھ موافق بھی ہوں، لیکن جب نبوت و رسالت کے بارے میں قرآن و حدیث ان کی تعیین سے خاموش ہیں تو ایک مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ایسی شخصیات کی نبوت و رسالت کا عقیدہ رکھے، بلکہ اس کے بارے میں سکوت اختیار کرے، تاکہ کہیں کسی غیر نبی کو نبی قرار نہ دیا جائے۔

چنانچہ صورتِ مسؤلہ میں گوتم بدھ، زرتشت اور کنفیوشس کے عقائد اور تعلیمات اگر انبیاے کرام علیہم السلام کے موافق ہوں، پھر بھی ان کے بارے میں تعیین کے ساتھ نبوت و رسالت کا عقیدہ رکھنا درست نہیں ہے، بلکہ اس بارے میں سکوت اور توقف کرنے میں احتیاط ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وأما الأنبياء والمرسلون، فعلينا الإيمان بمن سمى الله تعالى في كتابه من رسله، والإيمان بأن

اللّٰہ تعالی أرسل رسلاً سواھم وأنبیاء لایعلم أسمائھم وعددھم إلااللّٰہ تعالی الذي أرسلھم.(۱)

ترجمہ: ان رسولوں اور انبیائے کرام علیھم السلام پر ایمان لانا لازم ہے جن کے بارے میں اللہ تعالی نے قرآن میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے اور اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ تعالی نے ان کے سواء اور انبیائے کرام کو بھی بھیجا ہے جن کی تعداد اور اسماء اللہ تعالی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

❁❁❁

حضرت عیسی علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونے کا انکار

سوال نمبر (22):

ہمارے ہاں ایک شخص ہے جو خود کو مسلمان کہتا ہے، لیکن اس بات کا منکر ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں، کیا ایسا شخص مسلمان رہ سکتا ہے؟　بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اللہ تعالی نے اپنی قدرتِ کاملہ کے ساتھ حضرت عیسی علیہ السلام کو باپ کے بغیر حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا فرمایا ہے اور یہ بات اللہ تعالی کی قدرت سے کوئی بعید نہیں، کیونکہ اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کو ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا فرمایا تھا تو کیا وہ اللہ اس پر قادر نہیں ہے کہ کسی کو باپ کے بغیر پیدا فرمائے؟

قرآن کریم کی بہت ساری آیات اس بارے میں بالکل واضح ہیں، لہٰذا اتنی ساری واضح آیات کے ہوتے ہوئے یہ عقیدہ رکھنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باپ کے بغیر پیدا نہیں ہوئے، قرآن کریم کی واضح آیات سے صریح انکار ہے اور قرآن پاک کی کسی بھی آیت سے انکار موجبِ کفر ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ كُنْ فَیَكُوْنُ﴾ (۲)

ترجمہ: حضرت مریم (علیہا السلام) بولی کہ اے میرے پروردگار! کس طرح میرا بچہ ہوگا حالانکہ مجھ کو کسی بشر نے ہاتھ

(۱) شرح العقیدة الطحاویة، وجوب الإیمان بالملائکة والنبیین والکتب المنزلة :ص:۳۱۱، قدیمی کتب خانہ کراچی

(۲) ال عمران /۴۷

نہیں لگایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ویسا ہی ہوگا، اللہ جو چاہیں پیدا فرماتے ہیں، جب کسی چیز کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو اس کو کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا، پس وہ چیز ہو جاتی ہے۔

ویکفر إذا أنکر آیة من القرآن أو سخر بآیة منه.(۱)

جب کوئی شخص قرآن کریم کی کسی ایک آیت کا انکار یا استہزا کرے تو اِس سے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

❁❁❁

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی جھوٹی تہمت کا عقیدہ رکھنا

سوال نمبر(23):

ہمارا ایک رشتہ دار ہے، وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگایا گیا الزام صحیح تھا، وہ جھوٹا نہیں تھا، کیا ایسا عقیدہ رکھنا قرآن کریم کے نصوص سے متصادم نہیں ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائے جانے والے جھوٹے الزام میں بنیادی کردار رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کا تھا اور چونکہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگنے والا الزام بہت بڑا بہتان تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہا کی براءت خود فرمائی اور اس بارے میں سورۂ نور کی کئی آیتیں نازل ہوئیں، جن میں آپ رضی اللہ عنہا کی مکمل براءت کی گئی، چونکہ یہ براءت قرآنِ کریم کی نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے، اس لیے اس کا انکار کرنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ تہمت صحیح تھا، صریح کفر ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے والے شخص کے کفر میں ذرہ برابر شک نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

ولو قذف عائشة رضی اللّٰه عنها بالزنا، کفر باللّٰه. (۲)

ترجمہ: اگر کسی نے عائشہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت لگائی تو اس نے اللہ پہ کفر کیا۔

❁❁❁

---

(۱) البحر الرائق، باب أحکام المرتدین: ۵/۲۰۵

(۲) الفتاوی الهندیة، کتاب السیر، الباب التاسع في احکام المرتدین: ۲/۲۶۴، مکتبه رشیدیه

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنا

سوال نمبر(24):

ہمارے ہاں ایک شخص رہتا ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے حق میں نازیبا الفاظ استعمال کرتا ہے اور وجہ یہی بتاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہما کے خلاف جنگ لڑی تھی تو اس بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل کے بارے میں کثرت سے روایات وارد ہیں اور ان کے مابین جو جنگیں لڑی گئیں وہ مشاجراتِ صحابہ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اس بارے میں علماء نے یہی لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے ذکر خیر کے سوا ان کے بارے میں کوئی بھی لفظ زبان سے نہ نکالا جائے، کیونکہ ان کے مابین جو جنگیں لڑی گئی ہیں، ان میں ہر فریق کی نیت صحیح تھی، اگرچہ بعض حق پر تھے اور بعض سے اجتہادی غلطی ہوئی تھی، لیکن کسی کے لیے یہ اجتہادی غلطی بہانہ بنا کر ان کی شانِ اقدس میں نازیبا الفاظ استعمال کرنا ناجائز اور حرام ہے اور ایسے شخص کے ایمان سلب ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، لہٰذا اس بارے میں ان پاک ہستیوں کے لیے اپنے دل میں کسی قسم کی کوئی کدورت رکھنا درست نہیں، بلکہ ہر مسلمان کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ حضور ﷺ کے ایک ایک صحابی کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے عقیدت ومحبت رکھے۔

والدّلیل علی ذلک:

أما معاوية رضى الله عنه فهو من العدول الفضلاء، والصحابة النجباء، وأما الحروب التي جرت، فكانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب نفسها بسببها، و كلهم عدول، ومتأولون في حروبهم وغيرها، ولم يخرج شيء من ذلك أحداً منهم عن العدالة؛ لأنهم مجتهدون.(۱)

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عادل، صاحب فضیلت، اور شریف صحابہ کرام میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی جو جنگیں ہوئیں تو ان میں ہر ایک جماعت کے لیے ایک ایسا شبہ تھا، جس کے سبب وہ اپنے آپ کو حق پر ہونے کا عقیدہ رکھتی تھی، اور تمام (صحابہ کرام) عادل ہیں اور جنگوں یا ان کے علاوہ دوسرے امور میں تاویل کرنے والے تھے......اور ان میں سے کسی بات کی وجہ سے وہ عدالت سے نہیں نکلے، کیونکہ وہ ان امور میں مجتہد تھے (اور مجتہد کی خطا معاف ہے)

---

(۱) شرح مسلم للنووي، فضائل الصحابةؓ: ۱۰/۶۲۵۶ مكتبه دار الفكر

فتنۂ انکارِ حدیث

سوال نمبر(25):

جولوگ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو قابلِ اعتبار قرار نہیں دیتے اور اُن کو دلیلِ شرعی نہیں مانتے، بلکہ احادیث کا انکار کرتے ہیں اور صرف قرآن کریم پر عمل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، ایسے لوگوں کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

رسول اللہ ﷺ کی احادیث وحی کی ایک قسم ہے اور قرآن کریم کے بعد احادیثِ مبارکہ کا درجہ ہے، اس لیے جولوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم صرف قرآن کریم پر عمل کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث ماننے سے انکار کرتے ہیں، وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور درحقیقت یہ لوگ اپنے اس دعویٰ میں بھی جھوٹے ہیں کہ ہم قرآن کریم پر عمل کرتے ہیں، کیونکہ احادیثِ مبارکہ کے بغیر قرآنی احکامات کی تشریح ممکن نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

من أنکر المتواتر فقد کفر، ومن أنکر المشهور یکفر عند البعض، وقال عیسی بن أبان: یضلل ولا یکفر، وهو الصحیح، ومن أنکر خبر الواحد لا یکفر غیر أنه یأثم بترك القبول، هكذا في الظهیریة (۱)

ترجمہ: جو (حدیث) متواتر سے انکار کرے وہ کافر ہو جاتا ہے اور جو (حدیث) مشہور سے انکار کرے تو بعض علماء کے ہاں کافر ہو جاتا ہے اور عیسیٰ بن ابان کہتے ہیں کہ: ''گمراہ ہے اور کافر نہیں'' اور یہی درست ہے اور خبر واحد سے جو انکار کرے تو کافر نہیں ہوتا، لیکن اس کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہو جاتا ہے۔

❁❁❁

دین ومذہب کو گالی دینا

سوال نمبر(26):

باہمی نزاع اور جھگڑے کے دوران بعض اوقات لوگ ایک دوسرے کے مذہب اور ایمان کو گالی دیتے ہیں۔

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب السیر، الباب التاسع في احکام المرتدین: ۲/۲۶۵

اس کا کیا حکم ہے کیا دین ومذہب کو گالی دینے والا شخص کافر ہو جاتا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

باہمی نزاع کے دوران لوگ جو ایک دوسرے کو دین ومذہب کی گالی دیتے ہیں، اس سے مقصود حقیقت میں کسی شخص کا مذہب وایمان نہیں ہوتا، بلکہ جس شخص کو گالی دی جاتی ہے اس سے اس کا برا رویہ اور بدکرداری مراد ہوتی ہے، لہٰذا اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، لیکن ایک مسلمان کی آبروریزی اور دین ومذہب کے استخفاف کا شائبہ موجود ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے۔

تاہم اگر گالی دینے والے کا مقصود اس سے اس شخص کا برا رویہ اور بدکرداری نہ ہو، بلکہ حقیقت میں اس شخص کے ایمان ومذہب کو گالی دینا مقصود ہو تو یہ شخص کافر ہو جاتا ہے اور اس پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح لازمی اور ضروری ہے

والدّلیل علی ذلک:

ثم إن مقتضى كلامهم أيضا أنه لايكفر بشتم دين مسلم، أي لايحكم بكفره لإمكان التأويل ...... بأن مراده أخلاقه الردية، ومعاملته القبيحة، لاحقيقة دين الإسلام.(۱)

ترجمہ: پھر ان (فقہائے کرام) کے کلام کا تقاضا یہ ہے کہ کسی مسلمان کے دین کو گالی دینے سے بندہ کافر نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ (دین کو گالی دینے میں) تاویل ممکن ہونے کی وجہ سے اس شخص کے کفر کا فیصلہ نہ کیا جائے۔۔۔(اور تاویل یہ ہے) کہ اس سے مراد اس شخص کے برے اخلاق اور کوئی قبیح معاملہ ہو، نہ کہ دین اسلام کی حقیقت مراد ہو۔

❁❁❁

حدیث مبارک کو ''دو نمبر'' کہنا

سوال نمبر(27):

اگر کوئی شخص غصہ میں آکر رسول اللہ ﷺ کی مبارک احادیث کے بارے میں بطورِ تحقیر یوں کہے کہ ''یہ احادیث دو نمبر کی باتیں ہیں'' تو کیا ایسا شخص مسلمان رہتا ہے؟

بیّنوا توجروا

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب في حكم من شتم دين مسلم:۶/۳۶۷

الجواب وباللہ التوفیق:

دینِ اسلام میں قرآن کریم کے بعد رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کو شرف کا اعلیٰ مقام حاصل ہے، لہٰذا احادیث کے بارے میں معمولی سے توہین آمیز کلمات بھی زبان سے نکالنا انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں احادیث کو ''دو نمبر'' کہنا درحقیقت توہین آمیز کلمات ہیں، لہٰذا یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے۔اس کے لیے تجدیدِ ایمان کی ضرورت ہے۔اگر شادی شدہ ہو تو نکاح کی تجدید بھی کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

وإذا كان الفقيه يذكر شيئا من العلم، أو يروى حديثا صحيحا، فقال له الآخر : ايں هيچ نيست، ورده ......فهذا كفر. (١)

ترجمہ:

جب فقیہ علمِ دین میں سے کچھ ذکر کر رہا ہو یا کسی صحیح حدیث کی روایت کرتا ہو اور کوئی اس سے یہ کہے ''ایں ہیچ نیست''، یعنی اس کی کچھ حیثیت ہی نہیں اور اُسے رد کر دے۔۔۔۔۔تو یہ کفر ہے۔

❀❀❀

مشکوٰۃ شریف کو شیطانی کتاب کہنا

سوال نمبر(28):

ایک شخص مشکوٰۃ شریف کو شیطانی کتاب کہتا ہے۔ایسا کہنے سے بندہ مسلمان باقی رہتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مشکوٰۃ شریف احادیث مبارکہ کی کتاب ہے اور احادیث کی کتاب کے بارے میں یہ کہنا کہ شیطانی کتاب ہے، یہ درحقیقت احادیثِ مبارکہ کی توہین اور تحقیر ہے اس لیے ایسے کلمات کہنے سے بندہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، لہٰذا اس شخص پر تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح دونوں ضروری ہیں۔

---

(١) الفتاوى التاتارخانية، كتاب احكام المرتدين، فصل في العلم والعلماء: ٥/ ٣٤٤

والدّلیل علی ذلك:

وإذاكان الفقيه يذكر شيئا من العلم، أو يروى حديثا صحيحا، فقال له الآخر :اين هيچ نيست، ورده ......فهذا كفر. (۱)

ترجمہ: جب فقیہ دینی علم کے کسی حصے کا تذکرہ کرتا ہو یا کسی صحیح حدیث کی روایت کرتا ہو اور کوئی اس سے یہ کہے ''این ہیچ نیست'' یعنی اس کی کچھ حیثیت ہی نہیں اور فقیہ کی بات کو رد کردے۔۔۔۔۔تو یہ کفر ہے۔

❁❁❁

عبادات کو گالی دینا

سوال نمبر (29):

نماز تراویح پڑھائے جانے کے دوران کچھ لوگ الگ بیٹھے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔نمازیوں میں سے ایک شخص نے سلام پھیرنے کے بعد ان سے کہا کہ بھائی شور مت کرو، ہماری نماز تراویح میں خلل مت ڈالو۔ان میں سے ایک شخص نے جواب میں روزے اور تراویح کو غلیظ گالی دی۔عرض یہ ہے کہ اس طرح عبادات کو گالی دینے سے یہ شخص مسلمان باقی رہتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کوئی مسلمان کسی ایسے قول، فعل یا عقیدہ اختیار کرنے سے دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے جو ضروریاتِ دین یا قطعیاتِ دین سے انکار کے مترادف ہو۔چنانچہ صورتِ مسئولہ میں اگر مذکورہ شخص نے واقعی روزے اور تراویح کو قصداً غلیظ گالی دی ہو تو یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اوامر کی تحقیر ہے جو انکار کو مستلزم ہے اس لیے اس کا یہ قول موجب کفر ہے، لہٰذا اس پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح دونوں ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

إذا وصف الله بمالايليق به، أو سخر باسم من أسماء الله تعالىٰ، أو بأمر من أوامره ......يكفر(۲)

(۱)الفتاوى التاتارخانية، كتاب احكام المرتدين، فصل في العلم والعلماء:۳٤٤/٥

(۲)الفتاوى التاتارخانية، كتاب احكام المرتدين، فصل فيمايقال في ذات الله سبحانه وتعالى:۳۱٤/٥

ترجمہ:

جب کوئی اللہ تعالی کا تذکرہ ایسے الفاظ میں بیان کرے جو اس کے شایانِ شان نہ ہو یا اس کے ناموں میں سے کسی نام سے یا اس کے احکام میں سے کسی حکم کا استہزا کرے۔۔۔۔۔ تو اس سے بندہ کافر ہوجاتا ہے۔

❁❁❁

ڈاڑھی والے کو سکھ یا منافق کہنا

سوال نمبر(30):

ایک شخص کا دوسرے آدمی سے جھگڑا ہوا، اس دوران اس شخص نے کہا کہ:''جو داڑھی رکھے ہوئے ہیں ان کا اعتبار نہ کرو، یہ منافق ہیں، سکھ ہیں'' بعد میں یہ گالی دینے والا شخص پشیمان ہوا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا ایک مسلمان کو ان الفاظ میں گالی دینے سے بندہ کافر ہوجاتا ہے اور اس کے نکاح پر اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ایک مسلمان کی آبرو ریزی کو حدیث میں بدترین سود کہا گیا ہے اور مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور کسی معمولی دینی امر کی تحقیر بندہ کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔

صورتِ مسئولہ میں کسی مسلمان کو ان الفاظ میں برا بھلا کہنا کہ:''جو داڑھی رکھے ہوئے ہیں ان کا اعتبار نہ کرو، یہ منافق ہیں، سکھ ہیں'' اگر اس شخص کا ان الفاظ سے گالی دینا مقصود ہو اور داڑھی کی تحقیر مقصود نہ ہو، کیونکہ معاشرہ میں بعض اوقات کئی لوگ معاملات کی کمزوری کی وجہ سے دینی طبقے کی بدنامی کا ذریعہ بنتے ہیں، تو ممکن ہے کہ ان الفاظ کہنے سے یہ شخص ان کمزوریوں کی طرف اشارہ کرتا ہو اور اس سے داڑھی کی تحقیر مقصود نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ گناہ کبیرہ ہے جس سے بندہ فاسق ہوجاتا ہے اور فسق نکاح پر اثر انداز نہیں ہوتا کہ اس سے نکاح ٹوٹ جائے۔

لیکن اگر اس شخص کا ان الفاظ کے کہنے سے داڑھی کی تحقیر اور تذلیل مراد ہو تو اس سے بندہ کافر ہوجاتا ہے، کیونکہ داڑھی رکھنا واجبات دین میں سے ہے اور بندہ ایک سنت کی تحقیر و تذلیل سے بھی کافر ہوجاتا ہے، تو واجب کی تحقیر سے بطریقہ اولی کافر ہوجاتا ہے اور اس صورت میں اس شخص پر لازم ہے کہ وہ تجدید ایمان فوری طور پر کرے اور نکاح کی تجدید بھی کرے۔

والدّلیل علی ذلك:

والمختار للفتوی في جنس هذه المسائل: أن القائل بمثل هذه المقالات إن کان أراد الشتم، ولا یعتقده کافرا لایکفر، وإن کان یعتقده کافرا، فخاطبه بهذا بناء علی اعتقاده أنه کافر یکفر، کذافي الذخیرة.(١)

ترجمہ:

اس قسم کے مسائل میں فتوی دینے کے لیے بہتر یہی ہے کہ ان جیسے الفاظ کہنے سے اگر اس شخص کی مراد گالی دینا ہو اور اس دوسرے شخص کو کافر نہ سمجھے، تو یہ شخص ان الفاظ کے کہنے سے کافر نہیں بنتا اور اگر اس دوسرے شخص کو کافر سمجھ کر ان الفاظ سے مخاطب کیا تو اس سے یہ بولنے والا شخص خود کافر ہو جاتا ہے۔

❁❁❁

ذاتی نفرت کی وجہ سے کسی کی داڑھی کے ساتھ ہنسنا

سوال نمبر (31):

ہمارے سکول کے استاد کے بارے میں طلبہ یہ کہا کرتے تھے کہ: ''بکرا استاذ آگیا''، اس کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

استاد کی داڑھی کے ساتھ ہنسنا اور اس کے بارے میں یہ کہنا کہ ''بکرا استاذ آگیا'' اگر سنتِ رسول کی تحقیر اور استخفاف کی وجہ سے ہو تو موجب کفر ہے اور اگر کسی شخص سے ذاتی نفرت اور عداوت کی وجہ سے ہو تو یہ ایک مسلمان کی عزت وآبرو کو پامال کرنے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے، لیکن موجب کفر نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

من استخف بسنة، أو حدیث من أحادیثه علیه الصلاة والسلام ...... کفر.(٢)

ترجمہ: جو شخص کسی سنت یا رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں سے کسی حدیث کو حقیر جانے۔۔۔ تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

(١)الفتاوی الهندیة، کتاب السیر، الباب التاسع في احکام المرتدین:٢/٢٧٨

(٢)مجمع الانهر شرح ملتقی الابحر، باب المرتد، ثم إن الفاظ الکفرانواع:١/٦٩٢دار احیاء التراث العربی

وشتم العالم، أو العلوي لأمر غير صالح في ذاته، وعداوته لخلافة الشرع لايكون كفرا.(۱)

ترجمہ: کسی عالم یا علوی (حضرت علیؓ کے خاندان سے تعلق رکھنے والے کو) گالی دینا اگر اس کی ذات میں نامناسب عادت کی وجہ سے یا کسی خلاف شرع کام پر اس کے ساتھ نفرت کی وجہ سے ہو، تو یہ کفر نہیں۔

❁❁❁

علما کو تحقیر کی نظر سے دیکھنا اور ان کو گالی دینا

سوال نمبر(32):

ایک مالدار شخص جس کو اپنے مال و دولت پر فخر ہو، وہ علمائے دین کے بارے میں کہتا ہے کہ: ''یہ فضول لوگ ہیں'' اس کے علاوہ بعض اوقات گالی بھی دیتا ہے تو علما کی تحقیر شریعت میں کیا حکم رکھتی ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

علمائے کرام چونکہ انبیائے کرام کے ورثا اور حاملین دین ہوتے ہیں، لہٰذا ان کو اس وجہ سے برا بھلا کہنا اور گالی دینا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے دین کے عالم ہیں، درحقیقت اللہ تعالیٰ سے دشمنی اور عداوت کے مترادف ہے، اس لیے فقہائے کرام نے اس کو کفر قرار دیا ہے، لیکن اگر کوئی شخص کسی عالم دین سے دین کی بنیاد پر نہیں، بلکہ ذاتی رنجش کی بنا پر ناراض ہو اور اس کو برا بھلا کہتا ہو اور گالی بھی دیتا ہو تو یہ فعل باعثِ فسق و فجور ہے، لیکن کفر نہیں ہے۔ تاہم ایک مسلمان اور عالم دین ہونے کی وجہ سے پھر بھی اس کی تحقیر و تذلیل کرنا اور اس کو برا بھلا کہنا ناجائز اور حرام ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

فالاستخفاف بالعلماء لكونهم علماء استخفاف بالعلم ......والاستخفاف بالأشراف والعلماء كفر. (۲)

ترجمہ: علماء کا استخفاف صرف ان کے عالم ہونے کی وجہ سے کرنا، یہ علم کا استخفاف ہے۔۔۔۔۔۔ اور اشراف و علماء کا استخفاف کفر ہے۔

---

(۱) البزازية على هامش الهندية، كتاب السير، في الاستخفاف بالعلم:٦/ ٣٣٧

(۲) مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر، باب المرتد، ثم إن الفاظ الكفر انواع:١/ ٦٩٥

مطلق اہلِ تشیع کی تکفیر

سوال نمبر (33):

کیا مطلق اہلِ تشیع کو کافر کہنا درست ہے؟ یا اس فرقے کے عقائد ونظریات میں باہمی طور پر کچھ تفاوت بھی موجود ہے، جس کی وجہ سے ان کا حکم الگ ہو؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مطلق اہلِ تشیع کو کافر کہنا درست نہیں، بلکہ اہلِ تشیع میں جو لوگ ایسے ہوں جو اس قسم کا کوئی عقیدہ رکھتے ہوں جس سے ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا انکار لازم آتا ہو، تو ایسے لوگوں کے کفر پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے، جیسے: حضرت علیؓ کی الوہیت کا عقیدہ رکھنا یا اس بات کا عقیدہ رکھنا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے وحی لانے میں غلطی ہوئی ہے، لہٰذا جبرئیل علیہ السلام غلطی سے وحی حضرت محمد ﷺ کے پاس لائے یا قرآن مجید کے محرّف ہونے کا عقیدہ رکھنا یا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صحابی ہونے سے انکار کرنا یا حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانا وغیرہ؛ یہ تمام ایسے عقائد ہیں جو ضروریاتِ دین میں شامل ہیں اِس لیے ان سے انکار کو علماء کرام نے کفر قرار دیا ہے اور اس فرقہ میں سے جو لوگ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل قرار دیتے ہوں یا صحابہ کرامؓ کو گالی دیتے ہوں اور ان میں سے کسی کو کافر یا مرتد نہیں کہتے تو ایسے لوگ اگر چہ مبتدع اور گمراہ ضرور ہیں، لیکن کافر نہیں ہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

أن الرافضي إن كان ممن يعتقد الألوهية في عليؓ أو أن جبرئيل غلط في الوحي، أو كان ينكر صحبة الصديق، أو يقذف السيدة الصديقة، فهو كافر لمخالفة القواطع المعلومة من الدين بالضرورة، بخلاف ما إذا كان يفضّل عليًا، أو يسبّ الصحابة، فإنه مبتدع لا كافر. (١)

ترجمہ: رافضی (شیعہ) اگر ان لوگوں میں سے ہو جو حضرت علیؓ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں یا یہ کہ حضرت جبرئیل (علیہ السلام) سے وحی میں غلطی ہوئی یا حضرت ابوبکرؓ کے صحابی ہونے کا منکر ہو یا سیدہ صدیقہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتا ہو تو ایسا شخص کافر ہے، ایسے قطعی امور کی مخالفت کی وجہ سے جن کا دین (اسلام) میں سے ہونا (خاص

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مطلب في وطئ السراري: ١٣٥/٤

وعام) کو معلوم ہے، بخلاف اس کے کہ جب حضرت علیؓ کو پوری امت میں سے افضل قرار دیتا ہو یا صحابہ کرامؓ کو گالی دیتا ہو تو وہ مبتدع ہے، کافر نہیں۔

❁❁❁

فرقہ عثمانیہ کے بعض غلط نظریات کا جواب

سوال نمبر (34):

ہمارے ہاں فرقہ عثمانیہ کے چند افراد ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ہر قسم کی تعویذ شرک کے زمرے میں آتی ہے، سماع موتی کا عقیدہ رکھنا کفر ہے، جو شخص بدنی عذابِ قبر کا قائل ہو وہ کافر ہے، ایصال ثواب کا عقیدہ رکھنا کفر سے خالی نہیں ہے، نظرِ بد کا عقیدہ رکھنا کفر ہے وغیرہ؛ ان لوگوں کے یہ مذکورہ نظریات شرعی اعتبار سے کیسے ہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

تعویذ، سماع موتی، بدنی عذاب قبر، ایصال ثواب اور نظر بد یہ تمام ایسے مسائل ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور صحابہ کرامؓ کے آثار سے ثابت ہیں، لہٰذا ان کو کفر و شرک کے زمرے میں داخل کرنا ایک نہایت سنگین اقدام ہے۔ اپنے اس عمل پر توبہ اور استغفار کرنا ضروری ہے، تاکہ کہیں دوسرے صحیح عقیدہ رکھنے والے مسلمانوں کو مشرک و کافر قرار دینے سے اپنے ایمان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے۔ تعویذ کے جواز کے بارے میں عبداللہ بن عمرؓ کا عمل ایک قوی دلیل ہے

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله ﷺ:إذافزع أحدكم في نومه، فليقل أعوذبكلمات الله التامات من غضبه، وسوء عقابه، ومن شرعباده، ومن شرالشياطين، وأن يحضرون، فكان عبدالله بن عمريعلمها ولده من أدرك منهم، ومن لم يدرك كتبها، وعلقها عليه.(١)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی امت کو تعلیم ہے کہ جو شخص خواب میں ڈر جائے وہ یہ مذکورہ کلمات پڑھ لیا کرے، اس لئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اولاد میں سے جو بچے اس دعا کو سیکھ سکتے تھے، آپؓ یہ دعا ان کو سکھاتے اور جو ابھی تک سیکھنے کے قابل نہ ہوتے، تو آپؓ یہ دعا کسی چیز پر لکھ کر ان کے گلے میں لٹکا دیتے۔

(١) المصنف في الاحاديث والآثار، كتاب الطب، من رخص في تعليق التعاويذ: ٧٤/١٢-٧٥مكتبه ادارة القران والعلوم الاسلامية كراجي

سماع موتی کے بارے میں علماءِ کرام رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

العبد إذاوضع في قبره، وتولى، وذهب أصحابه حتى أنه ليسمع قرع نعالهم .(١)

ترجمہ:

جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے واپس لوٹ جاتے ہیں، تو یہ ان کی جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔

یہ روایت سماع موتی کے بارے میں واضح ہے، اگرچہ علما کی ایک جماعت عدم سماع کے بھی قائل ہے، لیکن ان میں سے کسی نے بھی سماع کے قائلین پر کفر وشرک کا فتویٰ نہیں لگایا ہے۔

عذابِ قبر کے جسمانی ہونے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے احادیث بالکل صریح ہیں:

ایک حدیث میں آتا ہے:

أنه ليسمع خفق نعالهم. وتختلف أضلاعه لضمة القبر. (٢)

ترجمہ: مردہ لوٹنے والوں کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے اور: قبر کے تنگ ہونے کی وجہ سے مردے کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔

ایک روایت میں ہے:

يسمع صوته إذاضربه المطراق. (٣)

ترجمہ: جب اس کو ہتھوڑے سے مارا جاتا ہے تو اس کی آواز سنی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ دوسری احادیث بھی ہیں جو عذاب قبر کے جسمانی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

ایصال ثواب کے بارے میں سعد بن عبادہؓ کی روایت ہے:

عن سعد بن عبادة أن أمه ماتت فقال : يارسول الله ان أمي ماتت فأتصدق عنها؟ قال: نعم، قال: فأي الصدقة أفضل؟ قال: سقي الماء، قال فتلك سقاية آل سعد بالمدينة. (٤)

(١) صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال:١/١٧٨ قديمي كتب خانه كراچي

(٢) فتح الباري كتاب الجنائز، رقم الحديث:١٣٧٤، ٣/٦٠٣

(٣) فتح الباري كتاب الجنائز، رقم الحديث:١٣٧٤، ٣/٦٠٣

(٤) مسندأحمد، مسند سعد بن عبادة : ٦/٣٨٤

حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ وفات ہوئیں تو آپؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی والدہ کے ایصالِ ثواب کے لیے بہتر صدقہ کرنے کے بارے میں پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ پانی پلانا، چنانچہ سعد بن عبادہؓ نے کنواں کھودا جو راوی حدیث کے زمانہ میں بھی سقایۂ آلِ سعد کے نام سے مدینہ میں موجود تھا۔

اس کے علاوہ دوسری احادیث سے مُردوں کے لیے ایصالِ ثواب، صدقہ وخیرات کرنا ثابت ہے۔

اسی طرح جو نظرِ بد کے قائل پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں تو یہ صریح زیادتی ہے، کیونکہ نظر بد کا لگ جانا صحیح روایات سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "العین حق" کہ نظر لگ جانا حق ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

عن ابن عباسؓ عن النبي ﷺ: العين حق، ولو كان شيء سابق القدر، سبقته العين. (۱)

ترجمہ: نظر کا لگ جانا حق ہے، اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کرتی تو نظر اس پر سبقت کر لیتی۔

اس کے علاوہ دوسری روایات سے نظرِ بد کا لگ جانا ثابت ہے۔

مذکورہ بالا روایات کو دیکھتے ہوئے تعویذ، سماع موتی، بدنی عذاب قبر، ایصالِ ثواب اور نظرِ بد کو کفر وشرک قرار دینا انتہائی زیادتی ہے، ایسے لوگوں کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے۔

❁❁❁

فتویٰ پھاڑنا

سوال نمبر (35):

ایک شخص کے کسی ذاتی مسئلہ کے بارے میں علمائے کرام کے تحریری فتوے جب اس کے سامنے آجاتے ہیں، وہ ان فتووں کو ناموافق پا کر پھاڑ دیتا ہے، ایسے شخص کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی فتویٰ کو اپنی مرضی کے خلاف پا کر اسے تذلیل وحقارت کی نیت سے پھاڑنا ایک نازک مسئلہ ہے اور ایسے شخص کے کفر کا خطرہ ہے، لہٰذا اس کو اپنی اس قبیح حرکت پر توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب السلام باب الطب والمرض والرقى: ۲/۲۲۰

والدّليل على ذلك:

رجل عرض عليه خصمه فتوى الأئمة، فردها، وقال :"چه بارنامه فتوی آورده (ماهذا الفرمان الفتوى التي أتيت بها)قيل :بكفر؛ لأنه رد حكم الشرع.(١)

ترجمہ: کسی آدمی کو اس کے فریق مخالف نے ائمہ میں سے کسی کا فتوی پیش کیا تو اس نے اس فتوی کو ٹھکرایا اور یوں کہا کہ:"یہ فتوی کیا چیز ہے جسے تم نے پیش کیا ہے"؟ تو کہا گیا ہے کہ یہ شخص کافر ہو جاتا ہے، کیونکہ اس نے شریعت کے حکم کو ٹھکرایا۔

لايفتي بكفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن، أو كان في كفره اختلاف.(٢)

ترجمہ: جب تک کسی مسلمان کے کلام کو بہتر مراد پر حمل کرنا ممکن ہو یا اس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو تو اس کے کفر کا فتوی نہ دیا جائے۔

❁❁❁

قسم کھانے کے لیے قرآن مجید پر پاؤں رکھنا

سوال نمبر (36):

ایک عورت سے کسی نے کہا کہ تم نے فلاں کام کیا ہے اس نے کہا کہ میں نے یہ نہیں کیا اور مزید اس عورت نے یہ کہا کہ لوگ قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم اٹھاتے ہیں، میں قرآن پر پاؤں رکھ کر قسم اٹھاتی ہوں۔لوگوں نے اس کو منع کیا، لیکن وہ نہ رکی اور قرآن کریم پر پاؤں رکھ کر قسم اٹھالیا۔کیا قسم کے لیے قرآن کریم پر پاؤں رکھنا موجب کفر ہے یا نہیں؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قرآن کریم پر پاؤں رکھنا اگر استخفاف قرآن کریم کی نیت سے ہو تو موجب کفر ہے۔صورت مسئولہ میں اگر اس عورت نے قرآن کریم پر قسم اٹھاتے وقت پاؤں رکھا ہو، اگر یہ استخفاف کی نیت سے ہو تو اس سے عورت کافر ہوئی اور اس پر تجدید ایمان لازم ہے اور اگر استخفاف کی نیت سے نہ ہو تو ایسا کرنا قرآن کریم کی انتہائی درجہ کی بے ادبی

(١) الفتاوى الهندية، كتاب السير، احكام المرتدين، باب موجبات الكفر:٢/٢٧٢

(٢) ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب في مايشك أنه ردة:٦/٣٥٨

ہے، اگر چہ استخفاف کی نیت نہ ہونے کی وجہ سے کافر نہیں ہوئی، لیکن انتہائی درجہ کی بے ادبی کی وجہ سے اس پر توبہ واستغفار لازم ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

رجل وضع رجله على المصحف إن كان على وجه الاستخفاف يكفر، وإلا فلا.(١)

ترجمہ:

ایک آدمی نے قرآن کریم پر پاؤں رکھا، اگر یہ استخفاف (قرآن کریم) کی نیت سے ہوتو یہ آدمی کافر ہوجاتا ہے اور اگر استخفاف کی نیت نہ ہوتو کافر نہیں ہوتا۔

❁❁❁

''اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا'' کہنا

سوال نمبر (37):

ایک شخص نے مصیبت کی حالت میں یوں کہا کہ: اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا، اس کے کہنے کے کچھ وقت بعد اس کو فکر لاحق ہوئی کہ یہ میں نے کیا کہا، کیا مذکورہ جملہ کہنے سے بندے کا ایمان متاثر ہوتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اللہ تعالیٰ سے صفتِ عدل کی نفی کرنا، اس کی طرف ظلم کرنے کی نسبت کے مترادف ہے جو باری تعالیٰ کی شان سے بعید ہے، اس لیے باری تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کرنے کو فقہائے کرام نے کفر بتایا ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مذکورہ جملہ کہنے والے شخص پر تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح لازمی ہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

قال أبو حفص: من نسب الله تعالىٰ إلى الجور، فقد كفر.(٢)

ترجمہ: ابو حفصؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص باری تعالیٰ کو ظلم کی طرف منسوب کرے تو یقیناً وہ کافر ہوجاتا ہے۔

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والمصحف: ٣٢٢/٥

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب السير، احكام المرتدين، باب موجبات الكفر: ٢٥٩/٢

عذابِ آخرت سے انکار کرنا

سوال نمبر(38):

بعض لوگوں کے سامنے جب آخرت کے عذابوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے،تو وہ کہتے ہیں کہ:''یہ صرف مولوی حضرات ڈرانے کے لیے اس قسم کی باتیں کہہ دیتے ہیں،ان میں حقیقت کچھ نہیں ہوتی''،شرعی اعتبار سے اس قسم کی باتوں سے بندہ کافر ہوجاتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

عقیدۂ آخرت دینِ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے اور آخرت کا عذاب چونکہ قرآن کریم کی صریح آیات سے ثابت ہے اس لیے عذابِ آخرت کے متعلق یہ کہنا کہ''یہ صرف مولوی لوگوں کو ڈرانے کے لیے اس قسم کی باتیں کہہ دیتے ہیں اور ان میں کچھ حقیقت نہیں ہوتی''ایسا کہنے سے بندہ دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

من أنكر القيامة، أو الجنة، أو النار، أو الميزان، أو الصراط، أو الصحائف المكتوبة فيها أعمال العباد، يكفر .(۱)

ترجمہ: جو شخص قیامت، جنت، جہنم، میزان، پل صراط یا ان صحائف سے انکار کرے جن میں بندوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں تو اس سے یہ شخص کافر ہوجاتا ہے۔

❁❁❁

پیر کا اپنے مرید پر کفر کا فتویٰ دینا

سوال نمبر(39):

ایک آدمی اپنے پیر کی خدمت آٹھ سال تک کرتا رہا،پھر کسی موقع پر ذاتی رنجش اور اختلاف پیدا ہوا،لہٰذا یہ مرید وہاں سے چل کر دوسرے پیر سے بیعت ہوا اور ایک موقع پر پیر صاحب نے اپنے اس مرید سے مخاطب ہو کر کہا

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب السير، احكام المرتدين، باب موجبات الكفر: ۲/ ۲۷٤

کہ: ''آپ نے ہم کو چھوڑا تو ہمارے پاس کفر کا فتوی بھی موجود ہے'' اور اسی فتوی کا اظہار پیر صاحب نے ایک جلسہ میں کردیا اور کہا کہ: ''میرے فلاں مرید نے طریقت سے انکار کیا ہے تو یہ شخص کافر ہو گیا ہے، آج کے بعد یہ مرتد ہے اور اس کی بیوی اس پر طلاق ہے''۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کسی مرید کے لیے ایک پیر کو چھوڑ کر دوسرے پیر سے بیعت ہونا موجب کفر ہے یا نہیں؟ اور پیر صاحب نے بغیر کسی موجب کفریات کے مرید پر کفر کا فتوی لگایا ہے تو یہ کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی پیر سے بیعت کرنا (جو شریعتِ محمدی کا پابند ہو) اصلاحِ نفس کا ایک اہم ذریعہ ہے، لیکن ذاتی رنجش یا اختلاف کی وجہ سے اپنے پیر صاحب سے الگ ہو کر کسی دوسرے پابند شریعت پیر صاحب سے بیعت ہونا موجب کفر نہیں اور کسی مسلمان کو کافر قرار دینا انتہائی سنگین مسئلہ ہے، لہٰذا اس میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کو کافر کہنے سے بندہ خود ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ :أن رسول الله ﷺ قال: إذاقال الرجل لأخيه يا كافر، فقد باء به أحدهما.(۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''جب آدمی اپنے بھائی سے کہے کہ اے کافر پس تحقیق ان میں سے ایک اس (کفر) کے ساتھ لوٹا''۔

❁❁❁

کسی آیت کے مکرر پڑھنے کے ساتھ کفر کو معلق کرنا

سوال نمبر (40):

میں روزانہ نمازِ فجر کے بعد اپنے والد کی قبر کے پاس جا کر سورۂ یٰسٓ پڑھتا ہوں، چند دن پہلے ایک بار میں وہاں گیا اور سورۂ یٰس پڑھنی شروع کی اور جب "عذاب الیم" پر پہنچا تو میں نے دوبارہ پڑھنا چاہا، لیکن اس کے پڑھنے سے پہلے میں نے یوں کہا کہ: ''اگر میں نے یہ کلمات دوبارہ پڑھے تو میں کافر ہو جاؤں گا اور اس کے بعد میں نے یہ کلمات (عذاب الیم) مکرر کئی بار ایک ہی سانس میں پڑھے''۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ ان مذکورہ کلمات کو دوبارہ پڑھنے سے

(۱) صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب من اكفراخاه بغيرتاويل:۲/۹۰۱

میں کافر ہوا ہوں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کسی شخص کا یہ کہنا کہ: ''اگر میں نے فلاں کام کیا تو میں کافر ہو جاؤں گا'' درحقیقت حلف اور یمین ہے، لہٰذا اِن الفاظ کے بولنے کے بعد اُس کام کے کرنے سے آدمی حانث ہو کر اِس پر کفارۂ یمین لازم ہوتا ہے، تاہم اگر اِس شخص کا اپنا تصور اور اعتقاد یہ ہو کہ اِن الفاظ کے بولنے کے بعد اگر میں یہ کام کروں تو واقعی کافر ہو جاؤں گا اور پھر بھی وہ کام کرلے تو اِس صورت میں رضا بالکفر کی وجہ سے کافر ہو جائے گا، لہٰذا اِس پر تجدیدِ ایمان لازم ہے۔

صورتِ مسؤلہ میں جب سائل نے کہا کہ: ''اگر میں نے یہ کلمات دوبارہ کہے تو میں کافر ہو جاؤں گا'' اور اِنہی کلمات کو بار بار پڑھ لیا تو اِس پر قسم کا کفارہ لازم ہے، البتہ اگر اُس وقت اِس کا اعتقاد وتصور یہ تھا کہ اِن کلمات کے پڑھنے سے میں واقعی کافر ہو جاؤں گا اور پھر بھی اِن کلمات کو دُہرایا تو اِس رضا بالکفر سے اِس کا ایمان زائل ہو چکا ہے، لہٰذا تجدیدِ ایمان لازم ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولو قال: إن فعل كذا فهو يهودي أو نصراني أومحوسي أو بريء من الإسلام أو كافر أو يعبد من دون اللّٰه أو يعبد الصليب أو نحو ذلك ممايكون اعتقاده كفرا، فهو يمين استحسانا كذا في البدائع. حتى لو فعل ذلك الفعل يلزمه الكفارة وهل يصير كافرا؟ اختلف المشايخ فيه قال شمس الأئمة السرخسي رحمه اللّٰه تعالى: والمختار للفتوى أنه إن كان عنده أنه يكفر متى أتى بهذا الشرط، ومع هذا أتى يصير كافرا لرضاه بالكفر، و كفارته أن يقول: لا إله إلا اللّٰه محمد رسول اللّٰه، وإن كان عنده أنه إذا أتى بهذا الشرط لا يصير كافرا لا يكفر.(۱)

ترجمہ: اگر کہا کہ: ''اس طرح کام اگر کرلے تو یہودی یا عیسائی یا مجوسی ہوگا، یا اسلام سے بری ہوگا یا کافر ہوگا یا اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی عبادت کی ہوگی'' یا اس طرح کی کوئی بات کرلے جس کا عقیدہ رکھنا کفر ہو، تو استحساناً یہ قسم ہوگی۔ اگر یہ کام کیا تو کفارہ لازم ہوگا، تاہم اس بات کی وجہ سے وہ کافر ہوگا یا نہیں تو اس کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ: فتوی کے لیے مناسب یہی ہے کہ اس کے علم کے مطابق دیا جائے کہ اگر اسے معلوم ہو کہ اس شرط کو کرنے سے کافر ہو جاتا ہے تو جب وہ یہ کام کرے تو گویا وہ کفر پر راضی تھا (لہٰذا اسلام سے خارج ہو جائے گا) اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ کلمہ پڑھے (ایمان کی تجدید کرے) اور اگر اس کے علم میں ہو کہ اس شرط کے کرنے سے کافر نہیں ہوتا تو پھر کافر نہ ہوگا''۔

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الأيمان، الباب الثاني فيمايكون يميناً ومالايكون يميناً: ۲/ ۵۴

جنات کا وجود اور انسانوں پر اس کا اثر ہونا

سوال نمبر(41):

قرآن وحدیث کی روشنی میں جنات کے وجود اور لوگوں پر ان کا اثر ہونے کی وضاحت کیجیے۔

الجواب وبالله التوفيق:

قرآن کریم سے جنات کا وجود ثابت ہے اور جنات کا انسانوں پر اثر بھی ہو جاتا ہے۔ نیز یہ مشاہدات سے بھی ثابت ہے، لہٰذا جب قرآن کریم سے جنات کا وجود اور لوگوں پر ان کا اثر ہونا ثابت ہے، تو صرف ظاہری استبعاد کی وجہ سے جنات کے وجود اور لوگوں پر ان کا اثر ہونے سے انکار کرنا بے معنیٰ اور غلط ہے۔

والدّليل على ذلك:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾.(۱)

ترجمہ: اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا کہ میری عبادت کیا کریں۔

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَوا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾. (۲)

ترجمہ: جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن) اُٹھیں گے تو اس شخص کی طرح اُٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو۔

ارواح کا گھروں میں آنے کا عقیدہ رکھنا

سوال نمبر(42):

بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مردہ کی روح جمعرات کے دن اپنے گھر آیا کرتی ہے، شرعی اعتبار سے یہ عقیدہ رکھنا کیسا ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

کسی بھی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ مردہ کی روح کسی بھی دن اپنے گھر آیا کرتی ہے، اس لیے ایسے غلط عقائد رکھنا شریعت کے خلاف ہے، ان کا ترک کرنا واجب ہے، زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ اِس سے ملتا جلتا عقیدہ

---

(۱) الذاريات /٥٦ (۲) البقرة /٢٧٥

رکھتے تھے جسے ''ہامہ'' کہا جاتا تھا۔عقیدہ یہ تھا کہ جو شخص قتل کیا جائے اُس کی روح ایک جانور کا رُوپ دھار کر آتی ہے۔
حضور اکرم ﷺ نے اس خیال کو باطل قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ ''لا ھامۃ ''یعنی ھامہ کی کوئی حقیقت نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

عن أبي هريرة يقول: قال رسول الله ﷺ: لاعدوى، ولاطيرة، ولاهامة، ولاصفر...الخ(۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: ''بیماری کا متعدی ہونا، بدشگونی لینا، ھامہ کا عقیدہ رکھنا اور ماہِ صفر کو منحوس سمجھنا (یہ سب غلط خیالات ہیں) ان کی کوئی حقیقت نہیں''۔

❁❁❁

خلافِ شرع قوانین کے مطابق فیصلہ کرنا

سوال نمبر(43):

جن ممالک میں کل یا بعض انگریزی قوانین نافذ ہوں، تو کسی مسلمان کے لیے اپنے کسی مسئلہ کے حل کے لیے اس قانون کی روشنی میں فیصلہ کرنا موجب کفر ہے یا نہیں؟ جب کہ قرآن کریم میں ہے ﴿ومن لم یحکم بماانزل اللہ فاولئك هم الكفرون﴾.

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جہاں پر شرعی قوانین کے خلاف دیگر قوانین نافذ ہوں اور ان کے مطابق فیصلے کیے جاتے ہوں تو آیت کریمہ کی روشنی میں ایسے مسلمان رعایا یا حاکم کا اس سے کافر ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ یہ آیت کریمہ خاص طور پر یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے، جنہوں نے قصاص اور رجم کا انکار کیا تھا اور اگر اس آیت کریمہ کو عموم پر محمول کیا جائے، تب بھی جب تک ایک مسلمان حاکم یا محکوم کا قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کے کسی قول کو رد کرنا اور ٹھکرانا مقصود نہ ہو، بلکہ قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال کی حقانیت کا اعتقاد ہو تو ایسا مسلمان اگرچہ غیر شرعی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے پر گناہ گار رہے گا، لیکن اس سے کافر نہیں ہوجاتا۔

والدّلیل علی ذلک:

قوله تعالى: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾و "الظالمون"و "الفاسقون"

---

(۱) صحیح البخاري، کتاب الطب، باب الجذام :۲/ ۸۵۰

نزلت كلها في الكفار......فأما المسلم، فلايكفر، وإن ارتكب كبيرة، وقيل :فيه إضمارأي ومن لم يحكم بماانزل الله ردا للقرآن، وجحدا لقول الرسول عليه الصلاة والسلام، فهو كافر، قاله ابن عباس، ومجاهدفالاية عامة على هذا.(١)

ترجمہ:

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:''اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے حکم کے موافق فیصلہ نہ کرے وہ لوگ کافر ہیں اور (ایک اور جگہ ارشاد ہے) کہ ایسے لوگ ظالم ہیں اور (ایک اور جگہ ارشاد ہے) کہ ایسے لوگ فاسق ہیں۔یہ تمام آیات کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ....اور مسلمان اس (قانونِ شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے سے) کافر نہیں ہوتا،اگر چہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ٹھہرتا ہے اور یہ بھی کہا کہ اس ارشاد باری تعالیٰ میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (وحی) کے مطابق فیصلہ نہ کرے،اگر (یہ فیصلہ نہ کرنا) قرآن کو رد کرنے اور رسول (علیہ السلام) کے قول سے انکار کے طور پر ہو تو یہ شخص کافر ہے، یہ ابن عباس اور مجاہد کا قول ہے۔پس آیت اس تفسیر کے مطابق عام رہے گی۔

❁❁❁

علم نجوم شریعت کی نظر میں

سوال نمبر(44):

علم نجوم شریعت کی نظر میں کیا حکم رکھتا ہے اور نجومیوں سے معلومات حاصل کرنا کیسا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ستاروں کا اس قدر علم حاصل کرنا کہ جس سے اوقات،سمت قبلہ اور بحر و بر میں سفر کے دوران راستے کی تعیین ہو سکے، جائز ہے اور اس سے زائد مقدار جس پر زمانہ کے حوادثات اور رونما ہونے والے حالات پر استدلال کیا جائے، ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ یہ محض تخمینی باتیں ہوا کرتی ہیں اور نجومیوں کی باتوں پر اعتماد کرنا سوائے عقیدہ فاسد ہونے کے کچھ بھی نہیں ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں اس سے ممانعت آئی ہے،اسی طرح نجومیوں کے پاس جا کر ان سے کچھ

(١) الجامع لاحكام القرآن :٦/ ١٩٠

پوچھنا بھی ناجائز ہے کہ وہ علم نجوم سے اس کا جواب دے دیں، بلکہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے:

من أتى عرّافا، فسأله عن شيء لم تقبل له صلاة أربعين ليلة.(١)

ترجمہ: جو شخص کاہن یا نجومی کے پاس آ کر اس سے کسی چیز کے بارے میں پوچھے (غیب کی باتیں دریافت کرے) تو اس کی چالیس راتوں کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔

اس حدیث میں عرافا کے لفظ کا معنی بعض محدثین کے نزدیک نجومی ہی ہے، جیسا کہ مرقاۃ المفاتیح میں ہے:"وفي المغرب : هو المنجم" لہٰذا احادیث میں ایسے لوگوں کے پاس جانے سے ممانعت کی وجہ سے ان کے پاس جانا بھی درست نہیں ہے۔

والدّليل على ذلك:

عن ابن عباسؓ قال :قال رسول الله ﷺ :من اقتبس علما من النجوم، اقتبس شعبة من السحر زادمازاد.وفي شرح السنة :المنهى من علم النجوم مايدعيه أهلها من معرفة الحوادث التي لم تقع، وربما تقع في مستقبل الزمان مثل أخبارهم ......وهذا علم استأثر الله به لايعلمه أحدغيره ......فأما مايدرك من طريق المشاهدة من علم النجوم الذي يعرف به الزوال وجهة القبلة، فإنه غير داخل فيما نهى عنه، قال الله تعالى: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ .(٢)

ترجمہ: جس نے ستاروں سے علم اخذ کیا، اس نے سحر کا ایک شعبہ اخذ کیا اور شرح السنۃ میں ہے کہ علم نجوم میں جس کی ممانعت آئی ہے، یہ وہی قسم ہے کہ اس علم والے لوگ (اس علم کے ذریعے) ان حادثات وواقعات جن کا ابھی وقوع نہیں ہوا ہے کے جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور بعض اوقات ان کے کہنے کے مطابق ہو بھی جاتا ہے۔ علمِ غیب ایک ایسا علم ہے جس کو باری تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ خاص کیا ہے، اُس کے سوا کوئی اِسے نہیں جانتا اور مشاہدہ کے ذریعے جو ستاروں کے علم سے زوال اور سمتِ قبلہ معلوم کیا جاتا ہے تو یہ اس قسم میں داخل نہیں ہے جس کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اور اسی نے تمہارے لیے ستارے بنائے ہیں تا کہ تم ان کے ذریعے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستے معلوم کر سکو۔

❁❁❁

(١) الصحيح لمسلم، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة:٢/٢٣٣

(٢)مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني، رقم الحديث:٤٥٩٨:٨/٣٦٥،٣٦٦

کرامت کی حقیقت اور مرنے کے بعد کرامت کا ظہور

سوال نمبر(45):

کرامت کسے کہتے ہیں؟اور یہ صرف زندگی کے ساتھ خاص ہوتی ہے یا ولی کی وفات کے بعد بھی اس کا ظہور ہوتا رہتا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کرامت کی حقیقت یہ ہے کہ باری تعالیٰ شریعت کے پابند اپنے کسی نیک بندے سے ایسا کوئی کام صادر فرمائے کہ دوسرے لوگ اس سے عاجز ہوں۔ کرامت کا صدور اور ظہور چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، اس لیے کسی نیک بندے کی موت سے اس میں انقطاع نہیں آتا، بلکہ موت کے بعد بھی کرامات کا ظہور ثابت ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نجاشی کی وفات کے بعد اس کی قبر پر ایک قسم کے نور کا مشاہدہ ہوتا رہا۔

لما مات النجاشي كنا نتحدث أنه لايزال يرى على قبره نور. (۱)

ترجمہ: جب نجاشی فوت ہوئے تو ہمیں بتایا جاتا تھا کہ اس کی قبر پر ابھی تک نور دیکھا جاتا ہے۔

اولیا کے لیے کرامات ثابت ہیں لیکن یہ بھی مدنظر رہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو متصرف فی الامور سمجھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

والدّليل على ذلك:

والكرامات للأولياء حق، أي ثابت بالكتاب، والسنة، ولاعبرة بمخالفة المعتزلة، وأهل البدعة في إنكارالكرامة. (۲)

ترجمہ: اولیا کی کرامات قرآن وحدیث سے ثابت ہیں اور کرامت سے انکار کرنے میں معتزلہ اور اہلِ بدع کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

توسل بالانبیاء والاولیاء

سوال نمبر(46):

انبیائے کرام علیہم السلام، اولیاء اللہ اور نیک اعمال کے طفیل باری تعالیٰ سے دعا مانگنے کا کیا حکم ہے؟

(۱)سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب في النور يرى عند قبرالشهيد:۱/۳۴۱،۳۴۲

(۲)الروض الازهر في شرح فقه الاكبر:ص/۲۳۵،۲۳۶

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی اعتبار سے وسیلہ کی مختلف صورتیں ہیں:

(۱)......اپنے نیک اعمال کے طفیل باری تعالیٰ سے دعا مانگنا بالاجماع جائز ہے، امام بخاریؒ نے حدیث الغار میں تین اشخاص کے اپنے اپنے عمل کے ذریعے دعا مانگنے کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

(۲)......کسی زندہ نیک شخص کے طفیل سے دعا کرنا بھی جائز ہے، چنانچہ صحیح البخاری میں امام بخاریؒ نے روایت نقل کی ہے، جس میں حضرت عمرؓ نے قحط کے وقت حضرت عباس بن عبدالمطلب کے توسل سے بارش کے لیے دعا مانگی تھی۔

(۳)......ایسے نیک ومقبول بندے جو وفات پا چکے ہوں، ان کے توسل سے بھی دعا مانگنا جائز ہے اور یہ صورت بھی دراصل توسل بالاعمال الصالحۃ میں داخل ہے، کیونکہ اس میں اس نیک بندے کے ساتھ دعا مانگنے والے کا جو تعلق اور عقیدت ہوتی ہے اس کے طفیل سے دعا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کسی نیک بندے کے ساتھ تعلق اور محبت وعقیدت عمل صالح میں داخل ہے، لہٰذا اس کے طفیل سے بھی دعا مانگنا جائز ہے، تاہم اس میں یہ عقیدہ رکھنا کہ توسل کے بغیر دعا قبول ہی نہیں ہوتی یا کسی نیک بندے کا واسطہ دینے سے باری تعالیٰ پر اس دعا کی اجابت لازم ہوتی ہے، یہ بلاشبہ فاسد اور غلط عقیدہ ہے۔

(۴)......اگر توسل کے ساتھ یہ عقیدہ ہو کہ باری تعالیٰ نے انبیائے کرام یا اولیا کو ایسے اختیارات دیے ہیں جس طرح کہ ایک بادشاہ اپنے عملہ کو بعض اختیارات دیتا ہے تو یہ خیال محض جہالت ہے، لہٰذا ایسے غلط عقیدہ کے ہوتے ہوئے اس قسم کے توسل سے دعا مانگنا جائز نہیں۔

(۵)......توسل کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی نیک اور صالح بندے سے اپنے حق میں باری تعالیٰ سے دعا مانگنے کی درخواست کی جائے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ جو حضرات زندہ ہیں، ان سے دعا کی درخواست کرنا حدیث سے ثابت ہے، چنانچہ علامہ آلوسیؒ اس بارے میں لکھتے ہیں:

"فقد صح أنه ﷺ قال لعمر رضي الله عنه لما استأذنه في العمرة: "لاتنسانا يا أخيّ من دعائك." (۱)

ترجمہ: یہ بات صحیح روایت سے ثابت ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے عمرہ کے لیے اجازت مانگی، تو آپ ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ: "اے میرے بھائی! ہمیں اپنی دعاؤں میں مت بھلانا"۔

(۱) تفسیر روح المعانی: ۱۲۵/۶

البتہ اگر ولی زندہ نہ ہو اور اس کی قبر پر جا کر اُس سے دُعا کی درخواست کرے تو اس کا ثبوت نہ کہیں صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے اور نہ تابعین وغیرہ حضرات سے، لہٰذا یہ صورت جائز نہیں، تاہم رسول اللہ ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت جب کسی کو نصیب ہو تو وہاں آپ ﷺ کے روضہ اطہر کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنا مستحسن ہے، کیونکہ یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی قبر میں حیات ہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ﴾ وتحقيق الكلام في هذا المقام أن الاستغاثة بمخلوق، وجعله وسيلة بمعنى طلب الدعاء منه لاشك في جوازه إن كان المطلوب منه حيا، ولايتوقف على أفضليته من الطالب، بل قديطلب الفاضل من المفضول ......وأما إذاكان المطلوب منه ميتا أو غائبا، فلايستريب عالم أنه غير جائز، وأنه من البدع التي لم يفعلها أحد من السلف.(۱)

ترجمہ: ﴿اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور خدا تعالیٰ کا قرب ڈھونڈو﴾ (علامہ آلوسی فرماتے ہیں) کہ:"اس مقام میں تحقیقی بات یہ ہے کہ مخلوق کے ذریعے مدد طلب کرنا اور وسیلہ بنانا اگر اس سے دعا طلب کرنے کے معنی میں ہو تو اس کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے، بہ شرط یہ کہ جس سے مدد طلب کی جائے وہ زندہ ہو اور یہ (قسم) طالب سے افضل ہونے پر موقوف نہیں ہے بلکہ کبھی کبھار زیادہ فضیلت رکھنے والا شخص اپنے سے کم فضیلت رکھنے والے سے بھی دعا طلب کرتا ہے......اور جس سے دعا طلب کی جائے اگر وہ مردہ یا غائب ہو تو کوئی بھی عالم اس کے ناجائز ہونے میں شک میں نہیں پڑتا اور یہ ان بدعات کے زمرے میں آتا ہے جن کو سلف میں سے کسی نے اختیار نہیں کیا۔

❁❁❁

متعدی امراض

سوال نمبر(47):

متعدی امراض کے بارے میں شریعت مطہرہ کی تعلیم کیا ہے اور اس مسئلہ کے بارے میں جمہور علمائے امت کی کیا رائے ہے؟

بیّنوا تؤجروا

---

(۱) تفسیر روح المعانی :المائدة/۳۵، ۱۲۵/۶

الجواب وباللہ التوفیق:
امراض کے متعدی ہونے میں رسول اللہ ﷺ سے دوقسم کی احادیث مروی ہیں: بعض احادیث سے تعدی امراض کی نفی ہوتی ہے اور بعض سے اثبات، اثبات اس طرح کہ بعض قسم کی بیماریوں میں مبتلا شخص سے اپنے آپ کو دور رکھنے کا حکم آیا ہے جس سے امراض کے متعدی ہونے کی نشاندہی ہوتی ہے، تاہم جمہور علمائے امت کی رائے ان دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق کی ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں:

جن روایات سے تعدی امراض کی نفی ہوتی ہے ان سے زمانہ جاہلیت کے اس نظریئے کی تردید مقصود ہے کہ ''وہ لوگ امراض کے طبعی اور قطعی طور پر متعدی ہونے کے قائل تھے اور اس میں باری تعالیٰ کی مشیت کے منکر تھے'' حدیث میں اِس نظریہ کی تردید کی گئی۔ اور دیگر روایات میں اس بات کی طرف ہدایت اور رہنمائی ہے کہ ایسے مریضوں سے اپنے آپ کو دور رکھا جائے، وہ اس لیے کہ مریض کے ساتھ اختلاط کرنا بیماری میں مبتلا ہونے کا سبب نہ بنے کیونکہ کسی مرض میں مبتلا ہونے کے لیے دوسرے اسباب کی طرح یہ اختلاط بھی ایک سبب بن سکتا ہے، لیکن یہ تعدی امراض طبعی طور پر نہیں ہوتی کہ امراض کے ساتھ تعدی لازمی ہو، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

قال جمهور العلماء :يجب الجمع بين هذين الحديثين، وهما صحيحان، قالوا :وطريق الجمع أن حديث "لاعدویٰ" المراد به نفي ما كانت الجاهلية تزعم، وتعتقده أن المرض والعاهة، تعدى بطبعها لا بفعل الله تعالىٰ، وأما حديث "لايورد ممرض على مصحح" فأرشدفيه إلى مجانبة مايحصل الضررعنده في العادة بفعل الله وقدره ......فهذاالذي ذكرناه من تصحيح الحديثين، والجمع بينهما هو الصواب الذي عليه جمهور العلماء.(١)

ترجمہ: جمہور علما نے فرمایا کہ: ''ان دو (قسم کی) حدیثوں میں تطبیق کرنا ضروری ہے اور یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں'' فرماتے ہیں کہ: ''تطبیق کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث ''لاعدویٰ'' سے مراد زمانہ جاہلیت کے اس اعتقاد کی نفی ہے کہ امراض طبعی طور پر متعدی ہوتے ہیں اور اس میں باری تعالیٰ کی مشیت کا دخل نہیں ہوتا اور حدیث ''لایورد ممرض علی مصحح'' میں آپ ﷺ نے ہر اس چیز سے پہلوتہی کی ہدایت فرمائی ہے جس سے عادتاً اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت سے ضرر لاحق ہو جاتا

(١) شرح مسلم للنووي، كتاب السلام، باب لاعدوى ولاطيرة، ولاهامة ......: ٢٣٠/٢

ہے، پس یہ جو ہم نے ان دونوں حدیثوں کی تصحیح اور ان کے مابین تطبیق سے کام لیا، یہی درست مسلک ہے، جس پر جمہور علماے کرام ہیں۔

❁❁❁

نظرِ بد سے بچنے کے لیے مکان کے اوپر سینگ وغیرہ لٹکانا

سوال نمبر(48):

بعض لوگ خوبصورت مکان یا باغ وغیرہ کو نظرِ بد سے بچانے کے لیے یہ تدبیر اختیار کرتے ہیں کہ اس مکان پر سینگ یا خشک اپلا وغیرہ لٹکا دیتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

خوبصورت مکان یا باغ وغیرہ کو نظرِ بد سے بچانے کے لیے جانور کا سینگ یا اوپلے وغیرہ لٹکانا جائز ہے، بہ شرط یہ کہ ان چیزوں کو مؤثر جاننے کا فاسد عقیدہ نہ ہو اور یہ چیزیں خوبصورت مکان وغیرہ سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لیے لٹکائی جائیں، تاکہ نظرِ بد کی شر سے محفوظ رہ سکے۔

والدّليل على ذلك:

لابأس بوضع الجماجم في الزرع والمبطخة لدفع ضرر العين؛ لأن العين حق تصيب المال والآدمي والحيوان، ويظهر أثره في ذلك، عرف بالآثار، فإذا نظر الناظر إلى الزرع يقع نظره أولاً على الجماجم لارتفاعها، فنظره بعد ذلك إلى الحرث لايضره.(١)

ترجمہ: فصل اور خربوزے کے باغ سے نظر کے ضرر کو دفع کرنے کے لیے کھوپڑی رکھنے میں کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ نظر (بد) حق ہے جو مال، انسان اور حیوان کو لگ جاتی ہے اور اس کا اثر ان چیزوں میں ظاہر ہوتا ہے، یہ بات آثار سے معلوم ہوئی ہے، پس ناظر جب فصل کی طرف دیکھے گا تو کھوپڑی کے بلند ہونے کی وجہ سے ناظر کی نظر پہلے اس پر پڑے گی، تو اس کے بعد جب وہ فصل کی طرف دیکھے گا (تو اس کی نظرِ بد) کھیت کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔

❁❁❁

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، ٩/٥٢٣، ٥٢٤

جنات کے خوف سے سرہانے کے نیچے چھری رکھنا

سوال نمبر(49):

جنات کے شر سے بچنے کے لیے بچوں کے سرہانے کے نیچے چھری رکھنا کیسا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جنات کے خوف اوران کے شر سے بچنے کے لیے بچوں کے سرہانے کے نیچے چھری رکھنا ایک خودساختہ عمل ہے، اس سے احتراز کیا جائے اور ایسے خوف کی صورت میں جو مسنون دعائیں احادیث سے ثابت ہیں، وہ دعائیں ان بچوں کو سکھائی جائیں اور اگر وہ (بچے) سیکھنے کے قابل نہ ہوں تو کسی کاغذ پر لکھ کر ان کے گلے میں ڈالی جائیں۔دعا یہ ہے:

”أعوذبكلمات الله التامات من غضبه، وسوء عقابه، ومن شرعباده، ومن شرالشياطين، وأن يحضرون“

والدليل على ذلك:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله ﷺ:إذافزع أحدكم في نومه، فليقل: " أعوذبكلمات الله التامات من غضبه، وسوء عقابه، ومن شرعباده، ومن شرالشياطين، وأن يحضرون، فكان عبدالله بن عمريعلمها ولده من أدرك منهم، ومن لم يدرك كتبها، وعلقها عليه."(۱)

ترجمہ:رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص خواب میں ڈر جائے تو اُسے چاہیے کہ یہ کلمات پڑھے...حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اولاد میں سے جو بچے اس دعا کو سیکھ سکتے،آپؓ یہ دعا ان کو سکھاتے اور جو ابھی تک سیکھنے کے قابل نہ ہوتے تو آپؓ یہ دعا لکھ کر ان کے گلے میں لٹکا دیتے۔

❁❁❁

جنات کے ذریعے چور معلوم کرنا

سوال نمبر(50):

جنات کے ذریعے چور معلوم کرنا شریعتِ مطہرہ کی رُو سے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(۱)المصنف في الاحاديث والآثار، كتاب الطب، من رخص في تعليق التعاويذ:۱۲/۷۴-۷۵

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی لحاظ سے کسی دعویٰ کے ثبوت کے لیے ٹھوس اور مضبوط دلیل کی ضرورت ہوا کرتی ہے، یعنی مدعیٰ علیہ اس کا اقرار کرے یا مدعی گواہ پیش کرے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں حسب دعویٰ گواہی دیں یا پھر مدعی علیہ کو قسم دی جائے گی۔

جہاں تک صورت مسئولہ کا تعلق ہے کہ کسی خبر تک رسائی کے لیے جنات کو بروئے کار لا کران کی بات کو حتمی اور یقینی باور کیا جاتا ہے، سو فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق گزشتہ زمانے نیز حال سے متعلق موجودہ امور کے بارے میں جنات کی خبریں فقط ظن کے درجہ میں ہیں، باعثِ یقین نہیں، بلکہ اس صورت میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے، لہٰذا اثبات والزام کے موقع پر جنات کی خبریں کافی نہیں اور ان سے شرعاً کسی پر کچھ ثابت نہیں ہوتا، اس لیے دعویٰ کے اثبات کے لیے جنات کی خبر پر عملی اقدام کرنا ناجائز متصور ہوگا، ہاں اقرار یا گواہ پائے جائیں تو الگ بات ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

قال الشیخ حلبیؒ:قلت لاشك أن اللّٰه أقدر الجن علی قطع المسافة الطویلة في الزمن القصیر بدلیل قوله تعالیٰ :"قال عفریت من الجن أنا آتیك به قبل أن تقوم من مقامك "فإذاسأل سائل عن حادثة وقعت أوشخص في بلد بعید، فمن الجائز أن یکون الجني عنده علم من تلك ا[illegible]ثة، وحال ذلك الشخص فیخبر، ومن الجائز أن لایکون عنده علم، فیذهب، ویکشف، ثم یعود، فیخبر، ومع هذا، فهو خبرواحد لایفید غیر الظن، ولایترتب علیه حکم غیر الاستیناس.(۱)

ترجمہ: شیخ حلبیؒ فرماتے ہیں کہ: ’’اس میں کوئی شک نہیں کہ باری تعالیٰ نے جنات کو اس کی قدرت دی ہے کہ وہ مختصر وقت میں طویل مسافت طے کرلیں، جس کی دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’ایک قوی ہیکل جن نے کہا: ’’آپ اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ ہوں گے کہ میں اس سے پہلے ہی اسے آپ کے پاس لے آؤں گا‘‘۔ پس جب کوئی سائل کسی دور علاقے میں رونما ہونے والے واقعے یا کسی شخص کے متعلق سوال کرے تو یہ جائز ہے کہ کسی جن کے پاس اس رونما ہونے والے واقعے اور اس شخص کی حالت کے متعلق کچھ علم ہو، پس وہ اس کی خبر دیتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کے پاس اس بارے میں کچھ علم نہ ہو، پس وہ جا کر اس کے متعلق معلومات حاصل کرتا ہے، پھر لوٹ کر اس کی خبر دیتا ہے، باوجود اس کے یہ خبر واحد ہے جو صرف ظن کا فائدہ دیتا ہے اور استیناس کے بغیر کوئی حکم اس پر مرتب نہیں ہوتا۔

(۱) آکام المرجان في احکام الجان، الباب الثامن وستون:ص/۱۳۹

نابالغ بچے کے ناخن پر سیاہی ڈال کر چور معلوم کرنا

سوال نمبر (51):

بعض لوگ چور معلوم کرنے کے لیے ایک طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ نابالغ بچے کے ناخن پر سیاہی ڈال کر اکتالیس مرتبہ " سورة الم نشرح لك صدرك " پڑھ کر اس پر دم کر لیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس ناخن میں چور کی شکل نظر آتی ہے۔شرعی نقطہ نظر سے یہ بات کہاں تک درست ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

شرعی لحاظ سے چوری کا اثبات کسی شخص کے ذاتی اقرار یا دو عادل گواہوں کی شہادت دینے سے ہوتا ہے۔اگر دیکھا جائے تو ان دونوں مذکورہ طریقوں میں جھوٹ اور خطا کا امکان نہیں ہوتا، اس لیے شریعتِ مطہرہ میں ان دونوں چیزوں کو کسی شخص پر جرم کے اثبات کے لیے معیار بنا دیا گیا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں جس طریقے کا ذکر ہے کہ بچے کے ناخن پر سیاہی ڈال کر سورۂ انشراح دم کرنے سے چور کی شکل اس میں نظر آتی ہے، یہ بات بالکل بے معنیٰ ہے، شریعت میں اس کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ اس کی وجہ سے معاشرے میں بداعتمادی کی فضا پیدا ہوتی ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

والدّليل على ذلك:

قال الله تعالىٰ: ﴿وَلَا تَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾. وفي روح المعاني: أي لاتتبع مالاعلم لك به من قول، أوفعل، وحاصله يرجع إلى النهي عن الحكم بمالايكون معلوما. (١)

ترجمہ:

ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَلَا تَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ روح المعانی میں ہے: یعنی جس قول و فعل کا تجھے علم نہ ہو، اس کی اتباع نہ کرو، حاصل کلام یہ ہے کہ جو چیز معلوم نہ ہو اس پر حکم لگانے سے منع کیا گیا ہے۔

❁❁❁

(١) روح المعاني: ١٥/٧٣

جھاڑ پھونک اور تعویذ کو شرک کہنا

سوال نمبر (52):

بعض لوگ مطلقا جھاڑ پھونک اور تعویذ کو شرک کہتے ہیں، یہ بات کہاں تک درست ہے؟ مسئلہ کی وضاحت کیجئے۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مطلق جھاڑ پھونک اور تعویذ کو شرک کہنا درست نہیں ہے، کیونکہ جھاڑ پھونک اور تعویذ جب تک قرآنی کلمات یا ماثور ومنقول دعاؤں یا کسی قسم کے صحیح اور واضح الفاظ کے ساتھ ہوں تو یہ جائز اور درست ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت ہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

عن عوف بن مالك قال: كنا نرقي في الجاهلية، فقلنا :يارسول الله! كيف ترى في ذلك؟ فقال: أعرضوا علي رقاكم لابأس بالرقى مالم تكن شركا.(١)

ترجمہ:

حضرت عوف بن مالکؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم زمانۂ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کرتے تھے تو ہم نے کہا کہ: ''اے اللہ کے پیغمبر ﷺ! آپ ﷺ اس بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''مجھ پر اپنے جھاڑ پھونک پیش کیا کرو (یعنی مجھے سنایا کرو)، اس میں کوئی حرج نہیں جب تک یہ شرک نہ ہو''۔

❀❀❀

عملیات کے ذریعے مریض کا علاج کرنا

سوال نمبر (53):

عملیات کے ذریعے کسی بیماری، سحر اور جنات کا اثر زائل کرنے کے لیے علاج کرانا کیسا ہے؟

بینوا توجروا

(١) سنن أبي داؤد، كتاب الطب، باب في الرقى: ١٨٦/٢

الجواب وباللہ التوفیق:

بیماری، سحر اور جنات کے اثر کے ازالہ کے لیے اگر قرآنی آیات یا باری تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ اور صفات، یا مسنون دعاؤں کے ذریعے یہ عمل کیا جائے تو درست ہے اور اگر اس میں ایسے الفاظ استعمال ہوں جن میں غیر اللہ سے مدد طلب کی گئی ہو اور ان میں صریح شرکیہ الفاظ ہوں یا موہومی شرکیہ الفاظ ہوں تو یہ عمل ناجائز ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

رقية فيها اسم صنم، أو شيطان، أو كلمة كفر، أو غيرها مما لا يجوز شرعا، ومنها مالم يعرف معناها.(۱)

ترجمہ:

ایسی جھاڑ پھونک جس میں کسی بت یا شیطان کا نام ہو یا کوئی کلمہ کفریہ ہو یا اس کے علاوہ کوئی ایسی بات ہو جو شرعاً جائز نہ ہو (درست نہیں ہے، بلکہ ناجائز ہے) اور اس میں ایسی جھاڑ پھونک بھی شامل ہے جس کا معنی معلوم نہ ہو۔

وأما ما كان من الآيات القرآنية، والأسماء والصفات الربانية، والدعوات المأثورة النبوية، فلابأس، بل يستحب سواء كان تعويذا، أو رقية .(۲)

ترجمہ: (جو جھاڑ پھونک) قرآنی آیات، باری تعالیٰ کے اسماء اور صفات اور مسنون دعاؤں کے ذریعے ہوں، اس میں حرج نہیں، بلکہ مستحب ہے، چاہے وہ تعویذ ہوں یا جھاڑ پھونک ہوں۔

روح اور جسم کا معذّب ہونا

سوال نمبر (54):

عذابِ قبر صرف روح کو ہوتا ہے یا روح کے ساتھ جسم کو بھی ہوتا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

احادیث مبارکہ میں جہاں بھی عذابِ قبر کا تذکرہ ہے، ان سے یہی بات واضح ہے کہ یہ عذاب روح اور جسم

(۱) مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني، رقم الحديث:٤٥٥٢: ٨/ ٣١٨

(۲) مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني، رقم الحديث:٤٥٥٣: ٨/ ٣٢٠، ٣٢١

دونوں کو ہوتا ہے اور یہی جمہور علمائے امت کی رائے ہے۔صرف ظاہری استبعاد کی وجہ سے بدنی عذابِ قبر کو نہ ماننا درست نہیں، کیونکہ عالم برزخ آخرت کی پہلی منزل ہے اور امورِ آخرت کا ادراک اِن دنیا کی آنکھوں سے نہیں کیا جا سکتا۔

والدّلیل علی ذلک:

وقد ثبتت الأحاديث بماذهب إليه الجمهور، كقوله:"إنه ليسمع خفق نعالهم"وقوله:"تختلف أضلاعه لضمة القبر"......وقوله: "يضرب بين أذنيه"وقوله:"فيقعدانه"وكل ذلك من صفات الأجساد.(۱)

ترجمہ: جمہور کا مسلک احادیث سے ثابت ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ:''یہ مردہ لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے''اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ:''قبر کے دبوچنے کی وجہ سے اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں''اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ:''اسے دونوں کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے''اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ:''وہ دونوں فرشتے اس کو بٹھاتے ہیں''یہ تمام مذکورہ صفات اجسام کے ہیں (نہ کہ صرف روح کے)۔

❁❁❁

جمعہ کی ساعات میں مرنے والے کا عذاب

سوال نمبر(55):

کیا یہ بات کسی حدیث سے ثابت ہے کہ جو مسلمان جمعہ کی رات یا دن کو کسی وقت وفات پا جائے تو اس سے قیامت تک عذابِ قبر اٹھالیا جاتا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ سے یہ ثابت ہے کہ جو بھی مسلمان جمعہ کی رات یا دن کسی وقت وفات پائے تو اللہ تعالیٰ اس کو قبر کے عذاب سے محفوظ کر لیتے ہیں اور اس کو قیامت تک عذابِ قبر نہیں ہوگا۔علمانے لکھا ہے کہ یہ ایک مسلمان کی نیک بختی کی علامت ہے کہ اس کی وفات جمعہ کی رات یا دن میں کسی وقت ہو جائے۔

(۱) فتح الباري، كتاب الجنائز، تحت رقم الحديث:۱۳۷۴، ۶۰۳/۳

والدلیل علی ذلك:

وعن عبداللہ بن عمرو قال: قال رسول اللہ ﷺ: مامن مسلم یموت یوم الجمعة، أو لیلة الجمعة الاوقاه اللہ فتنة القبر.(۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جو بھی مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قبر کے عذاب سے بچاتے ہیں۔

❁❁❁

جمعہ اور رمضان کے موقع پر کافر و فاسق سے عذابِ قبر کا اُٹھ جانا

سوال نمبر (56):

کیا یہ بات درست ہے کہ جمعہ کی رات اور دن کو اور رمضان کے موقع پر گناہ گار مؤمن اور کافر سے عذابِ قبر اٹھا لیا جاتا ہے اور ان اوقات کے ختم ہونے پر دوبارہ ان کو عذاب دیا جاتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر گناہ گار مومن کا انتقال جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن کے علاوہ دوسرے دن کسی وقت ہوا ہو اور وہ عذابِ قبر میں مبتلا ہو تو جمعہ کی رات آنے پر جمعہ کے دن کے خاتمے تک نبی پاک ﷺ کے طفیل اس سے عذابِ قبر اٹھا لیا جاتا ہے۔اسی طرح رمضان کے شروع ہوتے ہی اس سے رمضان کے اخیر تک عذاب اٹھا لیا جاتا ہے۔اور کافر قبر میں دائمی طور پر عذاب میں مبتلا رہتا ہے،لیکن ان مبارک اوقات یعنی جمعہ کی رات اور دن میں اور پورے رمضان میں اس سے بھی عذاب اٹھا لیا جاتا ہے اور ان اوقات کے گزرتے ہی دوبارہ عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

وعذاب القبر للکافرین، ولبعض عصاة المؤمنین ......ثابت.(قوله :للکافرین)فعذاب الکافر یدوم في القبر إلی یوم القیامة، ویرفع عنهم العذاب یوم الجمعة، وکل شهر رمضان بحرمة النبي ﷺ ......ثم المؤمن إن کان مطیعا لایکون له عذاب القبر، وإن کان عاصیا یکون له عذاب القبر، وضغطة

---

(۱) جامع الترمذی، ابواب الجنائز، باب ماجاء في من یموت الجمعة:۱/۲۰۵

لكنه يقطع عذاب القبر يوم الجمعة. (١)

ترجمہ: قبر کا عذاب کفار اور بعض گناہ گار مؤمنوں کے لیے ثابت ہے۔قبر میں کافر تا قیامت عذاب میں مبتلا رہتا ہے اوران سے ہر جمعہ اور رمضان کے ہر مہینے میں عذاب قبر نبی پاک ﷺ کے طفیل اٹھالیا جاتا ہے۔۔۔۔ پھر مؤمن اگر فرمانبردار ہوتو اس کو عذاب قبر نہیں ہوتا اور اگر گناہ گار ہوتو اس کو عذاب قبر اور زمین کا دبوچنا دونوں ہوتا ہے،لیکن جمعہ کے دن اس سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے۔

❁❁❁

فرض اعمال کا ایصالِ ثواب کرنا

سوال نمبر(57):

فرض اعمال نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ کا ایصالِ ثواب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام نے مطلقاً ذکر کیا ہے کہ بندہ اپنے نیک اعمال کا ثواب دوسروں کو بخش سکتا ہے، ان میں فرض ونفل کی کوئی قید انہوں نے نہیں لگائی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایصالِ ثواب میں فرض ونفل عبادات میں کوئی تفرقہ نہیں لہٰذا بندہ اپنے فرض عبادات کا ثواب بھی دوسروں کو بخش سکتا ہے اور یہ ثواب بخشنے کے بعد اس فرض کا دوبارہ پڑھنا اس کے ذمہ نہیں، اس لیے کہ پہلی بار ادائیگی کرنے سے اس کے ذمے سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

والدّليل على ذلك:

وظاهر إطلاقهم يقتضي أنه لافرق بين الفرض والنفل، فإذا صلى فريضة، وجعل ثوابها لغيره، فإنه يصح، لكن لايعود الفرض في ذمته؛ لأن عدم الثواب لايستلزم عدم السقوط عن ذمته. (٢)

ترجمہ: فقہائے کرام کا (ایصالِ ثواب) کو مطلقاً ذکر کرنے کا ظاہراً مقتضی یہ ہے کہ (ایصالِ ثواب میں) فرض ونفل کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، پس جب کوئی فرض نماز پڑھ کر اس کا ثواب دوسرے کو بخش دے تو صحیح ہے، لیکن یہ فرض نماز اس کے ذمہ (دوبارہ پڑھنا) نہیں، کیونکہ ثواب نہ ہونے کے ساتھ یہ ضروری نہیں کہ اس کے ذمہ سے فریضہ ساقط نہ ہوا ہو۔

(١) شرح العقائد النسفية: ص/٧٦

(٢) البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ٣/١٠٧.

باب البدعات والرسوم

بدعات اوررسم ورواج کا بیان

بدعت کا تعارف اوراس کی مذمت:

خاتم النبیین ﷺ کی زندگی ہی میں ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾(۱) کا امتیاز اس امت کو ملنے کے بعد یہ دین اور شریعت مکمل وتمام ہوگئی ہے۔ نبوت کا دروازہ بند ہونے کے بعد اس میں ادنیٰ کمی بیشی یا اپنی طرف سے کوئی اضافہ وایجاد رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت پر حملہ اوراس دین کے ناتمام اور نامکمل ہونے کا اعلان ہے۔ یہ اضافہ تعبد کے رنگ میں ہو یا تجدد کے روپ میں، بہر صورت مسترد اور ناقابل قبول ہے۔

بدعت کی لغوی تعریف:

بدعت ''ابتداع'' اور ''بدع'' سے ہے، جس کا معنیٰ ہے ''کسی نئی چیز کو ایجاد کرنا'' یا بمعنی ''احداث'' ہے، یعنی تکمیل دین کے بعد اس میں کسی نئی چیز کا اضافہ اور احداث۔ بدیع کا معنیٰ ہے ''المبدع''، یعنی بغیر نظیر ومثال کے ایجاد کرنے والا (اللہ کے اسماء میں سے ہے)۔

ابداع، ابتداع، اور تبدّع تینوں نئی چیز بنانے کے معنی میں ہیں، یعنی جس کی کوئی مثال ونظیر موجود نہ ہو۔(۲)

اصطلاحی تعریف:

علامہ شامی فرماتے ہیں:

مَا أُحدِثَ عَلَى خِلَافِ الحَقِّ المُتَلَقَّى عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ مِن عِلمٍ أَو عَمَلٍ أَو حَالٍ بِنَوعِ شُبهَةٍ وَاستِحسَانٍ وَجُعِلَ دِينًا قَوِيمًا وَصِرَاطًا مُستَقِيمًا.(۳)

بدعت وہ امر ہے جس کو ایک قسم کے شبہ اور استحسان کے ساتھ اس حق کے خلاف ایجاد کیا جاوے جو کہ حضور اکرم ﷺ سے ماخوذ ہے۔ خواہ وہ از قسم علم ہو یا عمل یا حال اوراس کو دین قویم اور صراط مستقیم قرار دے دیا جاوے۔

---

(۱) مائدہ:۳

(۲) لسان العرب، مادۃ بدع:۱/۳٤۲، الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، مادۃ بدعۃ:۸/۲۱

(۳) ابن عابدین، محمد أمین، ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ: ۲/۲۹۹

قدیم فقہاء کی رائے:

ان کے ہاں ہر وہ کام جو قرآن وسنت سے ثابت نہ ہو، بدعت ہے، چاہے عادت ہو یا عبادت، امر مذموم ہو یا غیر مذموم، البتہ ان لوگوں کو پھر اس کی، بدعت واجبہ، محرمہ، مندوبہ، مکروھۃ، اور مباحہ کی طرف تقسیم کی ضرورت پڑی۔(۱)

متاخرین اور جمہور کی رائے:

ان کے ہاں بدعت مطلقاً مذموم اور گمراہی ہے، چاہے عادات میں ہو یا عبادات میں۔علامہ شاطبیؒ نے بدعت کی تعریف یوں کی ہے:"بدعت دین میں اپنی طرف سے بنائے ہوئے اس طریقے کا نام ہے جو صورتاً شریعت کے مشابہ ہو، جس پر چلنے کا مقصد اللہ کی عبادت میں مبالغہ ہو یا اس سے وہی مقاصد پیش نظر ہوں جو شریعت سے مقصود ہوتے ہیں"۔(۲)

بدعت اور غیر بدعت میں تمیز کرنے کا اصولی نکتہ:

حافظ ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں:"بدعت سے مراد ایسی نو ایجاد بات ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو اور اگر شریعت میں کہیں بھی اس پر دلالت کرنے والی کوئی اصل موجود ہو تو وہ شرعاً بدعت نہیں ہے"۔(۳)

جب کہ علامہ سید شریف جرجانیؒ کے ہاں بدعت وہ نو ایجاد امر ہے جس پر نہ تو صحابہ اور تابعین نے عمل کیا ہو اور نہ ہی دلیل شرعی اس کی متقاضی ہو۔(۴)

بدعت کی اس تشریح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دنیوی ضروریات کے پیشِ نظر، جدید وسائل وآلات اور دیگر مشینوں وغیرہ کی ایجاد بدعت میں داخل نہیں ہے، اس لیے کہ ان کا تعلق دین سے نہیں۔اسی طرح وہ دینی اُمور جو موجودہ صورت میں تو خیر القرون میں موجود نہ تھیں، لیکن ان کی اصل ان ادوار میں موجود ہو، وہ بھی بدعت نہ ہوگی، مثلاً: مدارس کہ "صفہ" اس کی نظیر ہے، "ووٹ" کہ بیعت اس کی نظیر ہے، نماز کے لیے لاؤڈ سپکر کا استعمال کہ ازدحام کے وقت مکبرین کا تکبیرات انتقال کہنا اس کی اصل ہے، جہاد کے لیے آلاتِ حرب کا استعمال کہ ﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾(۵) اس کو شامل ہے۔

---

(۱) الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة بدعة:۸/۲۱

(۲) الاعتصام للشاطبي، :۱/۲۸، الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة بدعة:۸/۲۳

(۳) قاموس الفقه، مادة بدعت:۲/۲۹۲

(۴) الجرجاني، كتاب التعريفات، المادة، بدعة:ص۳۳، دار المنار (۵) الانفال:۶۰

بدعت حسنہ وسیئہ کی وضاحت میں محدثین کرام کی آراء:

علامہ نوویؒ، بعض اہل لغت اور سلف صالحین حضرات نے بدعت کو مطلقاً حرام یا مکروہ قرار نہیں دیا ہے، بلکہ شیخ عزالدین بن عبدالسلامؒ نے تو ''کتاب القواعد'' کے آخر میں اس کی پانچ قسمیں بیان فرمائی ہیں، جسے ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ المفاتیح میں نقل کیا ہے کہ: ۱-بدعت یا تو واجب ہوگی، جیسے: کلام اللہ اور احادیث مبارکہ وغیرہ کے سمجھنے کے لیے علم نحو کا سیکھنا، ۲-یا حرام ہوگی، جیسے: جبریہ، قدریہ، مرجۂ اور مجسمہ کا مذہب ہے اور ان پر رد کرنا بھی بدعتِ واجبہ میں سے ہے، اس لیے کہ شریعت کو اس قسم کی بدعات سے پاک کرنا فرض کفایہ ہے، ۳-یا مندوب ہوگی، جیسے: مدارس کا قیام اور تراویح کا جماعت عامہ کے ساتھ ادا کرنا وغیرہ، ۴-یا مکروہ ہوگی، جیسے: مساجد پر نقش ونگار بنانا وغیرہ، یہ امام شافعیؒ کے نزدیک مکروہ ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک مباح ہے، ۵-یا مباح ہوگی، جیسے: صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا، امام شافعیؒ کے نزدیک مباح ہے، جب کہ حنفیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔(۱)

حضور ﷺ کی حدیث مبارک سے بھی یہ تقسیم واضح ہوتی ہے، جس میں بدعت کو ضلالت کے ساتھ مقید کیا ہے ''و من ابتدع بدعة ضلالة ''(۲) اس کے بارے میں صاحب مرقاۃؒ نے لکھا ہے کہ ''بدعت کو ضلالت کے ساتھ اس لیے مقید کیا گیا ہے تاکہ بدعتِ حسنہ سے احتراز آجائے، اس طرح کا قول ابن الملکؒ نے بھی ذکر کیا ہے۔(۳)

علامہ عینیؒ نے بھی ''عمدۃ القاری'' میں بدعت کی تقسیم کی ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں: اگر یہ بدعت ان چیزوں میں داخل ہو جو شریعت میں مستحسن سمجھی جاتی ہیں تو یہ بدعت حسنہ ہے اور اگر ان چیزوں میں داخل ہو جو شریعت میں قبیح سمجھی جاتی ہیں تو یہ بدعتِ قبیحہ ہے۔(۴)

اس پر امام شافعیؒ کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے کہ'' ما أحدث مما يخالف الكتاب أو السنة أو الأثر أو الإجماع فهو ضلالة، وما أحدث من الخير مما لا يخالف شيئا من ذلك فليس بمذموم ''۔(۵)

ان مذکورہ بالا عبارات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں: بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ، جب کہ بہت سے محققین حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ: بدعت ہمیشہ سیئہ ہی ہوتی ہے، کبھی حسنہ نہیں ہوتی، مجدد الف ثانیؒ کی بھی یہی رائے ہے۔

(۱) مرقاة المفاتيح: ۱/۳۶۸

(۲) جامع الترمذي، كتاب العلم، باب الأخذ بالسنة واجتناب البدعة: ۲/۹۶

(۳) مرقاة المفاتيح: ۱/۴۱۴ (۴) عمدة القاري: ۱۱/۱۲۶ (۵) مرقاة المفاتيح: ۱/۳۶۸

تطبیق:

یہ اختلاف حقیقی نہیں بلکہ لفظی اختلاف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بدعت کی تعریفیں دو کی گئی ہیں، اتنی بات پر تو سب متفق ہیں کہ بدعت وہ کام ہے جس کا خیر القرون میں وجود نہ ہو اور اس کو دین سمجھ کر کیا جائے۔ خیر القرون میں موجود ہونے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ وہ چیز خیر القرون میں موجود بوجود حسی ہو، دوسرے یہ کہ موجود بوجود شرعی ہو۔ موجود بوجود حسی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کا نفس الامر میں وجود ہو اور موجود بوجود شرعی کا مطلب یہ ہے کہ اس کام کے جواز پر دلیل شرعی قائم ہو، خواہ نفس الامر اور خارج میں وہ کام پایا جاتا ہو یا نہ۔

اگر موجود سے مراد موجود بوجود شرعی لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جس کام کے جواز پر دلیل شرعی قائم نہ ہو اس کو دین سمجھ کر کرنا بدعت ہے، اس صورت میں ہر بدعت سیئہ ہی ہوگی، کوئی بدعت بھی اس معنی کے اعتبار سے حسنہ نہیں ہو سکتی۔ جو حضرات عدمِ انقسام کے قائل ہیں وہ یہی معنی مراد لیتے ہیں اور بدعت کی یہی تعریف کرتے ہیں۔

اگر موجود سے مراد موجود بوجود حسی لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ بدعت وہ کام ہے، جس کا خیر القرون میں وجودِ خارجی نہ ہو اور اس کو دین سمجھ کر کیا جائے، اس صورت میں بدعت کی دو قسمیں ہوں گی، اس لیے کے جو چیز خیر القرون میں خارجاً موجود نہ ہو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اس کا وجودِ خارجی تو نہیں تھا، لیکن اس کے جواز پر دلیلِ شرعی قائم ہے، یہ بدعت حسنہ ہوگی اور دوسری صورت یہ کہ اس چیز کا نہ تو وجودِ خارجی خیر القرون میں تھا اور نہ ہی یہ کسی اور دلیل شرعی سے ثابت ہے تو یہ بدعت سیئہ ہوگی۔(۱)

بدعت کی مذمت احادیث مبارکہ کی رو سے:

عن عائشة رضي الله عنها:قالت قال رسول الله ﷺ: "ان الذين فرقوا دينهم و كانوا شيعا من هم؟" قلت :" الله ورسوله أعلم"قال:"هم أصحاب الأهواء والبدع وأصحاب الضلالة من هذه الأمة يا عائشة !إن لكل ذنب توبة ماخلا أصحاب الأهواء والبدع ليس لهم توبة وأنا منهم بريء وهم مني براء".(۲)

---

(۱) اشرف التوضیح ۲۷۲/۱

(۲)الموافقات للشاطبي:۱۰۲/٤

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ: ''اے عائشہ! جن لوگوں نے اپنے دین میں راہیں نکالی ہیں اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے وہ کون لوگ ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ: ''اللہ اور اس کے رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔ فرمایا: ''یہ اس امت کے خواہش پرست، بدعتی اور گمراہ لوگ ہیں۔ اے عائشہؓ! ہر گناہ کے لیے توبہ ہے، سوائے نفس پرستوں اور بدعتیوں کے، جن کے لیے توبہ نہیں۔ میں ان سے بیزار ہوں اور وہ مجھ سے بیزار ہیں۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے دین کے معاملے میں کسی نئی بات کا اضافہ کیا وہ رد کئے جانے کے قابل ہے''۔(۱)

اور فرمایا کہ: ''جس قوم میں جتنی بدعات داخل ہوتی ہیں اتنی ہی ان سے سنتیں اُٹھائی جاتی ہیں''۔(۲)

اور یہ بھی فرمایا کہ: ''بدعتی کی توقیر اور احترام کرنے والا اسلام کی بیخ کنی میں تعاون کرنے والا ہے''۔(۳)

بدعت مذمومہ کی اقسام:

(۱) البدعة في العقيدة:

اپنی طرف سے حلال چیزوں کو حرام اور حرام کو حلال سمجھنا، یا اللہ کی صفات کی طرح کسی اور کے لیے صفات کا قائل ہونا، یہ بلاشبہ کفر ہے۔

(۲) البدعة في العبادات: اس کی دو قسمیں ہیں:

(الف) بدعۃ محرمہ، مثلاً: شادی نہ کرنے کو عبادت سمجھنا، رہبانیت، تعذیب النفس یا اللہ کی نعمتوں اور سنتوں سے منہ موڑنا۔

(ب) بدعۃ مکروہہ، جیسے: مسجدوں میں بلاضرورت تزئین و چراغاں وغیرہ یا کسی خاص رات میں جمع ہو کر مسجدوں میں اجتماعی دعائیں، خطبوں میں بادشاہوں کے تذکرے وغیرہ۔

(۳) البدعة في العادات:

اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) مکروہ، جیسے: کھانے پینے کی چیزوں میں اسراف و تبذیر

---

(۱) الصحيح للبخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱

(۲) مسند أحمد، عن غضيف بن الحارث: رقم (۱٦٥٢٢): ٥/٧٥-٧٦

(۳) شعب الإيمان للبيهقي، رقم (۹٤٦٤): ٧/٦١، دار الكتب العلميه، بيروت لبنان

(۲) مباح، جیسے: کھانے پینے اور رہن سہن کی چیزوں میں فراخی، بہ شرط یہ کہ فخر وریا اور اسراف سے خالی ہو۔ یہ آخری قسم صرف لفظی طور پر بدعت کہلاتی ہے ورنہ یہ بدعت نہیں۔ اس لیے بدعت وہ عمل ہے جو دین سمجھ کر دین میں اضافے کا سبب ہو۔(۱)

بدعت کے بڑے بڑے اسباب:

(۱) الجهل بوسائل المقاصد: یعنی قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے ان سے ناواقفیت

(۲) الجهل بالمقاصد: یعنی قرآن وحدیث کی تحقیق سے قبل دو باتوں کا نہ جاننا:

(الف) شریعت کامل ہے۔ اس میں قطع وبرید کی گنجائش نہیں۔ (ب) قرآن وحدیث میں کوئی تضاد نہیں۔

اگر ان باتوں پر علی وجہ البصیرت یقین نہ ہو تو ہدایت کی بجائے ضرور بہ ضرور بدعت، وضع حدیث اور انکارِ حدیث کے راستے کھلیں گے۔

(۳) الجهل بالسنة: صحیح اور ضعیف کا علم نہ ہو۔

(۴) تحسین الظن بالعقل: یعنی عقل وذہن پر اعتماد اور قرآن وحدیث کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا

(۵) اتباع المشابه: قرآن وحدیث کے بظاہر متعارض نصوص میں کھود کرید

(۶) اتباع الهواء: یعنی خواہشات مذمومہ کی طرف میلان۔ یہ سب سے بڑا سبب ہے، لہٰذا اصحاب البدعۃ کو اصحاب الہوا بھی کہتے ہیں۔

(۷) اتباع العادات والآباء: یعنی برے سماج اور آباؤ اجداد کی اندھی تقلید۔

(۸) غلو فی محبة الأئمة والتعصب لهم: اپنے مقتدیٰ ائمہ کی محبت میں غلو اور تعصب سے کام لینا۔

(۹) التصوف الفاسد المخالف للشريعة: تصوف فاسد، جو احکام شرعیہ کے مخالف ہو۔

(۱۰) اتباع الأحلام: خوابوں اور غلط تاثرات پر عمل (۲)

علامات بدعت:

بدعات کی شناخت کے لیے علمانے مختلف اصول اور علامتیں ذکر کی ہیں۔

(۱) انفرادی عبادت کی اجتماعی طور پر ادائیگی کہ اس کو ذریعہ عبادت سمجھے

(۱) الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة بدعة: ۸/ ۲۶۔۲۸

(۲) الموسوعة الفقهية، مادة بدعت: ۸/ ۲۸۔۳۱

(۲) اذکار سری کو جہراً پڑھنا

(۳) غیر مؤقت عبادت کے لیے لزوم کے ساتھ وقت کا تعین

(۴) خاص ہیئت و کیفیت کی تخصیص اور اس کی پابندی

(۵) اضافہ و کمی کا ایہام

(۶) مستحبات کو واجب کا درجہ دینا

(۷) موقع و محل کی عدم رعایت

(۸) غیر مسلموں سے مشابہت (۱)

❁❁❁

باب الرسوم

(رسم و رواج کا بیان)

تعارف اور حکمت مشروعیت:

قوموں کی زندگی افراد کی طرح انفرادی نہیں ہوتی، بلکہ وہ انسانی برادری کا ایک حصہ ہوتی ہے، جو باہمی لین دین اور مختلف دنیوی معاملات میں ایک دوسرے کے شریکِ کار ہوتے ہیں، چنانچہ جس طرح ان میں ساز و سامان اور صنعت و حرفت کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے تو اسی طرح تمدن و معاشرت اور علوم و رسوم کا بھی تبادلہ ہوتا ہے اور آباؤ اجداد اور قدیم تہذیب و ثقافت کی تقلید ہی ان کی سماجی، اقتصادی اور اجتماعی زندگی کا سنگِ بنیاد ہوتی ہے۔ چنانچہ فتوحاتِ اسلامی بھی اس عظیم محرک یعنی رسم و رواج کی اثر پذیری سے متاثر رہیں، چنانچہ جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا، اور روم و فارس اور شام کے بعض یا اکثر علاقے مسلمانوں کے زیرِ نگین آ گئے تو مسلمان فقہا اور صحابہ و تابعین نے ان ملکوں کے رسم و رواج کو قرآن و حدیث کے معیار پر جانچا، پس جو رسم و رواج اس کے احکام اور اس کے منشا و حکمت کے مطابق نکلے تو انہیں اجماع، تعامل، عرف، استحسان یا مصالح مرسلہ وغیرہ جیسے دلائل شرعیہ کے ذریعے قبول کیا، اور جو اسلامی روح کے خلاف تھے، انہیں ترک یا تبدیل کر دیا۔ یعنی اسلامی تاریخ کا اولین دور اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ قوموں کی تہذیب و تمدن اور رسم و رواج اگر انسانی فطرت اور شرعی تقاضوں سے

(۱) قاموس الفقہ، مادہ بدعت: ۲/۲۹۹

متصادم نہ ہو، تو اسے تبدیل نہیں کیا جائے گا، اور یہی ہے فطرتِ اسلامی کی لچک اور امتیازی شان، جس سے اکثر لوگ بے خبر ہیں۔

رسم ورواج کی تعریف وتوصیف:

فقہاء کرام کی اصطلاح میں عرف، عادت، رسم ورواج تقریباً ایک جیسی اصطلاحات ہیں۔

علامہ ابن نجیمؒ نے عادت کی تعریف یوں کی ہے:

عبارة عما يستقر في النفوس من الأمور المتكررة المقبولة عند الطباع السليمة.

رواج سے مراد روزمرہ کے وہ معاملات ہیں، جو ذوقِ سلیم کے نزدیک پسندیدہ اور مقبول ہوں۔(۱)

رسم ورواج پر اثر انداز ہونے والے عوامل:

(۱) جغرافیائی حالت اور ملکی آب وہوا

(۲) قومی اور قبائلی خصوصیات اور امتیازات

(۳) قدیم تہذیب وتمدن اور آباؤ اجداد کے طریقوں کی تقلید

مذکورہ تینوں عوامل میں سے کوئی بھی عامل ذاتی طور پر اسلامی اصول وضوابط سے متصادم نہیں، لہٰذا خارجی مفاسد کے بغیر مذکورہ تینوں عوامل شرعاً مقبول اور مباح ہیں۔

لأن الأصل في الأشياء الإباحة.

وليس في الدين من حرج.

ولأن الله تبارك وتعالىٰ قال: ﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (۲)

رسم ورواج کی قسمیں اور حیثیت:

رسم ورواج کئی قسم کے ہوسکتے ہیں: بعض وہ جو عملی زندگی اور حقوقِ انسانی سے متعلق ہوتے ہیں، بعض وہ جو اخلاق وعادات سے تعلق رکھتے ہیں، بعض وہ جو لباس اور طرزِ زندگی کو دوسری قوموں سے ممتاز کرتے ہیں، اور بعض وہ جن کا مطلب سوائے خوشی کے اظہار، تسکین، تفریحِ طبع اور تسلی ودل جوئی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

---

(۱) ابن نجيم، زين الدين، الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة السادسة، العادة محكمة: ص٤٦، ايچ، ايم سعيد، كراچي

(۲) البقرة: ۱۸۵

رسم کی مذکورہ قسموں میں سے کوئی بھی قسم اگر مسلمانوں کے ہاں اچھی نظروں سے دیکھی جاتی ہو اور وہ ان کے ہاں متداول اور مشہور ہو، تو اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے:

"مارآہ المؤمنون حسنا، فهو عندالله حسن".

جو بات عام مسلمانوں کے نزدیک اچھی ہے، وہ خدا کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

اسی وجہ سے فقہاء کرام نے درج ذیل قواعد کا استخراج کر کے ان کو اسلامی دستور کا حصہ قرار دیا ہے۔(۱)

"استعمال الناس حجة يجب العمل بها".

لوگوں کا دستور حجت ہے اور اس پر عمل واجب ہے۔(۲)

"المعروف عرفاً كالمشروط شرطاً" یا "المشروط عرفاً كالمشروط شرعا"

رواجی پابندی شرعی پابندی کی طرح ہے۔(۳)

عرف ورواج کی تبدیلی سے حکم کی تبدیلی:

رسم ورواج بھی دیگر حالاتِ معاشرہ کی طرح ملک وزمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ہم اپنے عرف میں دیکھ لیں تو سگریٹ یا حقہ پینا اور پان کا استعمال ہمارے ہاں معیوب اور مکروہ طبعی ہے، جب کہ یہی اشیا دیگر علاقوں، مثلاً بلوچستان یا کراچی وغیرہ میں قطعاً غیر معیوب سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح علما و مشائخ کے لئے ننگے سر پھرنا یا پتلون استعمال کرنا مشرقی ممالک میں بری نظر سے دیکھا جاتا ہے، لیکن مغربی ممالک میں اسے عام عادت کے طور پر لیا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ بعض مباح یا طبعی مکروہ چیزوں کی حیثیت مختلف علاقوں یا حالات کے اعتبار سے بدل کر مکروہِ شرعی میں بھی بدل سکتی ہے۔

شرح المجلۃ میں ہے:

"لاينكر تغير الأحكام بتبدل الأزمان".

زمانہ بدلنے سے احکام کا بدل جانا ایک نا قابل انکار حقیقت ہے۔(۴)

---

(۱) الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة السادسة، العادة محكمة: ص ٤٦

(۲) الأتاسي، محمد خالد، شرح المجلة، المادة(٣٧): ١/٨٦، المكتبة الحقانية، پشاور

(۳) الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة السادسة، العادة محكمة، المبحث الثالث: ص ٤٩

(٤) الأتاسي، محمد خالد، شرح المجلة، المادة(٣٩): ١/٩١، المكتبة الحقانية، پشاور

احکام شرعیہ پر رسم ورواج کا اثر:

ظہور اسلام کے بعد قرآن وحدیث کے احکام ہی پر قانون سازی کی بنیاد رکھی گئی، اور رسم ورواج کی اہمیت بہ نسبت پہلے کے کم ہوگئی، لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے کسی رسم ورواج کو اس وقت تک نہیں چھیڑا جب تک اس کو اسلامی روح کے خلاف نہیں پایا، بلکہ بعض موقعوں پر اس کو قانون سازی میں بھی مؤثر قرار دیا، مثلاً:

(۱) بعض نصوص کا دارومدار عرف اور رسم ورواج ہی پر چھوڑ دیا گیا، جیسے: کیل اور پیمانے کے ذریعے ناپ تول، طلاق، اور یمین یا دیت کے مسائل۔

(۲) سنت تقریریہ نے عربوں کی بہت سی سرگرمیوں کو برقرار رکھا، چنانچہ وہ رسوم اب سنتِ تقریریہ کے نام سے اسلامی قانون کا حصہ ہیں۔

(۳) بعض کے متعلق اپنے طور پر تبدیلی کی کوشش فرمائی، لیکن پہلے والے طریقے کو زیادہ سودمند پایا تو اس کو دوبارہ اپنانے کا حکم دیا، جیسے: تأبیر نخل

(۴) امام مالکؒ نے نص صریح کے نہ ہونے کی صورت میں اہل مدینہ کے عمل کو اجماع اور دلیل شرعی شمار کیا ہے۔ اہل مدینہ کا دستور العمل وہی پرانے اور نئے رواجات اور رسوم تھے جو اس تجارتی شہر کے لوگوں میں مروج تھے۔

(۵) فتوحاتِ عرب کے بعد مختلف اقوام کے رسوم کو ائمہ مجتہدین اور تابعین نے استحسان، استصلاح، اجماع، تعامل اور عرف کے ذریعے اسلامی قانون میں داخل کر دیا۔ (۱)

رسم ورواج معتبر ہونے کی شرائط:

(۱) رواج طبائع سلیمہ کے نزدیک پسندیدہ ہو، یعنی وہ قرین عقل ہو اور ذوق سلیم یا رائے عامہ اس کی تائید کرتی ہو۔

(۲) وہ رواج عام ہو اور مشہور ومعروف ہو۔

"إنما تعتبر العادة إذا اضطردت أو غلبت، و العبرة للغالب الشائع لا للنادر". (۲)

(۳) رسم ورواج کے خلاف کوئی نص شرعی موجود نہ ہو۔

---

(۱) محمد أحمد رضوي، فلسفه شريعت اسلامي (ڈاکٹر صبيح محمصاني)، فصل چهارم رسم ورواج: ص۲۹۹، ۳۰۰، مجلس ترقي أدب، كلب روڈ لاهور

(۲) الأتاسي، محمد خالد، شرح المجلة، المادة (٤١، ٤٢): ١/٩٥، ٩٧، المكتبة الحقانية، بشاور

(۴) اسراف اور شرعی حدود سے متجاوز نہ ہو۔(۱)

(۵) لایعنی اور بے مقصد امور پر مشتمل ہو کر وقت کے ضیاع کا سبب نہ ہو۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نے کسی شخص کی اسلامی خوبیوں میں ایک یہ خوبی بھی ذکر فرمائی ہے کہ وہ بے مقصد کاموں اور باتوں سے خود کو بچائے گا۔(۲)

(۶) اس کو شریعت کا حکم یعنی فرض، واجب اور سنت کی حیثیت سے انجام نہ دیا جائے، اور نہ ہی ان میں مخصوص ہیئت وکیفیت کا التزام ہو۔(۳)

(۷) بدعت کے اسباب میں سے کسی سبب کا تابع نہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ شریعت کی رو سے وہ رسم ورواج معتبر ہے جو اصولی طور پر انسانی فطرت اور تقاضائے شریعت کے موافق ہو۔ اگر کوئی رواج دلیل شرعی کے خلاف ہو یا شریعتِ اسلامی کی روح، اس کی مصلحت اور اس کے صریح احکام کے خلاف ہو تو وہ قابل قبول نہیں اور اس سے شریعت کا کوئی واسطہ نہیں جیسے عورتوں کو میراث سے محروم کرنے کی رسم، رسم سورہ یا جہیز کو میراث کا حصہ قرار دینے کی رسمیں غیر شرعی اور ناجائز رسمیں ہیں۔

خوشی اور غم کے رسوم میں فرق:

یہاں پر اس بات کی وضاحت بھی ناگزیر ہے کہ ہر رسم ورواج کو بدعت کہنا صحیح نہیں، بلکہ جس رواج کو عبادت اور ثواب کی نیت سے کیا جاتا ہو، وہ بدعت ہے اور جس رسم کو عبادت سمجھ کر نہ کیا جاتا ہو، وہ بدعت کے زمرے میں نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ غم اور مصیبت کے رسوم چونکہ عام طور پر لوگ عبادت کی غرض سے سرانجام دیتے ہیں، اس لیے وہ رسوم بدعت کے قبیل سے شمار ہوتے ہیں، جب کہ خوشی کے رسوم میں چونکہ عموماً کسی قسم کے ثواب یا عبادت کا قصد نہیں ہوتا، اس لیے ان رسوم کو حرام اور بدعت کہنا صحیح نہیں، البتہ اگر وہ رسوم کسی قسم کے خلافِ شرع امر پر مشتمل ہوں تو وہ بھی اس خارجی اور عارضی فساد کی وجہ سے ناجائز رہیں گے، جیسا کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ بدعت کا معنی بیان کرنے سے پہلے لکھتے ہیں:

قلت: اللهو في النكاح ... وإن كان لغوا ... لكنه يغمض عنه، بخلاف الرسوم في الموت.(٤)

---

(١) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، سورة الإسراء:٢٧: ١٠/٢٤٨

(٢) جامع الترمذي، أبواب الزهد، باب ماجاء من تكلم بكلمة ليضحك الناس:٢/٥٨

(٣) الشاطبي، أبي إسحاق، ابراهيم بن موسىٰ، الاعتصام، الباب الأول في تعريف البدعة......:١/٢٩، مكتبه رشيديه، پشاور

(٤) الكشميري، محمد أنورشاه، فيض الباري على صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب البناء بالنهار بغير مركب ولا نيران، قبيل فائدة : في معنى البدعة :٤/٢٩٧، مكتبة حقانية پشاور

مسائل بدعات اور رسوم

عرس کی شرعی حیثیت

سوال نمبر(58):

بعض لوگ بزرگوں کے مزارات پر سالانہ عرس منایا کرتے ہیں۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلاف اور اکابر سے اپنی وابستگی کے اظہار کے طور پر کسی خاص موقع پر جمع ہو کر اپنی کمزوریوں کی اصلاح کے لیے ایک دوسرے سے استفادہ ایک مستحسن اقدام ہے، اس سے ایک طرف اگر زائرین اور شرکا کی باطنی اصلاح ہو جاتی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ بزرگوں کے ایصالِ ثواب کے لیے کئی نیکیاں وجود میں آتی ہیں۔لیکن بدقسمتی سے مروجہ عرس جو بزرگوں کے مزارات پر منعقد کیے جاتے ہیں، اُن میں کئی بدعات کا ارتکاب کیا جاتا ہے، شرکاء حاضری کے موقع پر نیکیوں سے جھولی بھرنے کی بجائے خلافِ شرع امور کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے مبارک طریقہ سے خلاف ورزی کا ارتکاب کر جاتے ہیں، اس لیے علمائے کرام مروجہ عرس کی حوصلہ افزائی نہیں فرماتے اور اس سے احتراز کی تلقین کرتے ہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

لایجوز مایفعله الجهال بقبور الأولیاء، والشهداء من السجود، والطواف حولها، واتخاذ السرج، والمساجد علیها، و من الاجتماع بعد الحول كالأعیاد، ویسمونه عرسا. (۱)

ترجمہ: جاہل لوگ اولیا اور شہدا کے قبروں پر جو (رسوم) کرتے ہیں، وہ جائز نہیں، جیسے اس کی طرف سجدہ کرنا، اس کے اردگرد طواف کرنا، چراغ جلانا اور سال کے بعد (وہاں پر) جمع ہونا، جیسے عید کے مواقع پر لوگ جمع ہوتے ہیں اور اس کو عرس کا نام دیتے ہیں۔

❁❁❁

(۱) تفسیر المظھری، ال عمران:۲/۶۵

عید کے دن ایک دوسرے کو مبارک باد دینا

سوال نمبر (59):

عید کے دن ایک دوسرے کو مبارک باد دینا شرعی اعتبار سے کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عید کے دن ایک دوسرے کو مبارک باد دینا اور ایک دوسرے کو "تقبل اللّٰہ منا ومنکم " (اللہ تعالیٰ ہم اور آپ سے رمضان کی یہ عبادتیں قبول فرمائے) کہنے میں حرج نہیں۔ تاہم ان کو لازمی اور ضروری سمجھنا اور نہ کرنے والوں کو ملامت کرنا درست نہیں، ورنہ بدعت کے زمرے میں داخل ہوسکتا ہے، البتہ جب عید کی مبارک بادی کو لازم اور ضروری نہ سمجھا جائے اور آپس کی کدورتوں اور اختلافات اور باہمی جھگڑوں کے ختم ہونے کا ذریعہ بنے اور آپس میں اخوت ومحبت پیدا ہو تو اس میں حرج نہیں، بلکہ شرعاً اس کا کرنا درست رہے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

والتهنئة "تقبل اللّٰه منا ومنكم" لاتنكر. قال ابن عابدين: وإنما قال كذلك؛ لأنه لم يحفظ فيها شيء عن أبي حنيفةؒ، وأصحابه، وذكر في القنية أنه لم ينقل عن أصحابنا كراهة، وعن مالك أنه كرهها، وعن الأوزاعي أنها بدعة، وقال المحقق بن أمير حاج: بل الأشبه أنها جائزة مستحبة في الجملة، ثم ساق آثاراً بأسانيد صحيحة عن الصحابة في فعل ذلك، ثم قال: والمتعامل في البلاد الشامية والمصرية عيد مبارك عليك، ونحوه.(۱)

ترجمہ: ان الفاظ سے مبارک باد دینا کہ "اللہ تعالیٰ ہم اور آپ سے رمضان کی یہ عبادتیں قبول فرمائے" ممنوع نہیں ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں: اس لیے کہ اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں سے کچھ منقول نہیں ہے اور قنیہ میں ہے کہ احناف سے اس کی کراہت منقول نہیں، البتہ امام مالکؒ نے اس کو مکروہ کہا ہے اور اوزاعیؒ نے اس کو بدعت کہا ہے اور محقق ابن امیر حاج نے کہا ہے کہ صحیح قول کے مطابق یہ عمل جائز اور مستحب ہے، پھر اس نے صحیح سندوں کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے آثار اس عمل کے بارے میں لائے ہیں اور پھر کہا ہے کہ شام اور مصر کے علاقوں میں لوگوں کا عمل یہ ہے کہ (عید کے موقع پر ایک دوسرے سے کہتے ہیں:) تمہارے لیے یہ عید بابرکت ثابت ہو اور اس طرح کے کچھ دوسرے الفاظ بھی کہتے ہیں۔

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحب على السنة .... : ۳/ ۴۹-۵۰

نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا

سوال نمبر(60):

بعض جگہ کئی لوگ نماز سے فراغت کے بعد مصافحہ کرنے کی عادت بنائے ہوئے ہیں، شرعاً نماز سے فراغت کے بعد مصافحہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جو عمل رسول اللہ ﷺ سے قولاً، فعلاً یا تقریراً (یعنی آپ ﷺ نے کسی صحابی کو ایک عمل کرتے دیکھا اور آپ ﷺ نے اس پر سکوت فرمائی ہو) ثابت ہو تو ایسے عمل کا اپنانا باعث اجر وثواب ہے۔ ملاقات کے وقت اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کرنے کے بارے میں فضائل بھی آئے ہیں، تاہم نماز سے فراغت کے بعد مصافحہ کرنے کی عادت بنانا اور اس کا التزام ایسا عمل ہے، جو نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام سے ثابت ہے، اس لیے نماز کے بعد مصافحہ کرنے کو لازم سمجھنا مکروہ ہے اور یہ بدعت کے زمرے میں آتا ہے، بلکہ یہ اہل تشیع کا طریقہ ہے، البتہ جو شخص اس وقت کہیں باہر سے آکر کسی کے ساتھ مصافحہ کرلے اور وہ مذکورہ نیت سے نہ ہو تو یہ چونکہ ملاقات کے وقت مصافحہ کے زمرے میں آتا ہے، لہٰذا یہ مکروہ نہیں ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ونقل في تبيين المحارم عن الملتقط: أنه تكره المصافحة بعدأداء الصلوة بكل حال؛ لأن الصحابة ماصافحوا بعدأداء الصلوة، ولأنه من سنن الروافض.(۱)

ترجمہ:

تبیین المحارم میں ملتقط سے نقل کیا ہے کہ نماز کی ادائیگی کے بعد بہر حال مصافحہ کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ صحابہ کرامؓ نے نماز کی ادائیگی کے بعد مصافحہ نہیں کیا اور اس وجہ سے (بھی مکروہ ہے) کہ یہ روافض (اہل تشیع) کا طریقہ ہے۔

❁❁❁

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظروالاباحة، باب الاستبراوغيره، تحت قوله:(كماافاده النووي في اذكار):۹/۵٤۷

مساجد میں اجتماعی شب بیداری کی لوگوں کو دعوت دینا

سوال نمبر (61):

بعض لوگ مساجد میں اجتماعی شب بیداری کر کے عبادت کرتے ہیں اور لوگوں کو اس کی دعوت دیتے ہیں۔ شریعت میں اس کی کیا حیثیت ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس پُرفتن دور میں اخلاص کے ساتھ ساری رات عبادت کرنے والوں کا وجود یقیناً نعمت عظمیٰ ہے، لیکن کسی عبادت کی قبولیت کے لیے اخلاص کے ساتھ اس کو شرعی طریقہ پر انجام دینا بھی لازمی ہے۔ مسجد میں ساری رات یا اس کے کچھ حصہ میں عبادت کرنا زیادہ سے زیادہ مباح اور نفل کے زمرے میں آتا ہے اور نفلی عبادت کا طریقہ یہ ہے کہ بغیر لزوم اور بغیر تداعی اور چھوڑنے والے پر عدم نکیر کے ساتھ ادا کی جائے، ورنہ اگر نفلی عبادت میں ان باتوں کا لحاظ نہ ہو تو یہی عبادت بدعت کے زمرے میں چلی جاتی ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ نے جب لوگوں کو مسجد میں چاشت کی نماز کے لیے جمع دیکھا تو آپؓ نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے۔ اس بارے میں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ ضحیٰ بدعت نہیں، بلکہ مسجد میں اس کا اظہار اور لوگوں کا اس کے لیے اجتماع بدعت ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

عن مجاهد قال: دخلت أنا وعروة بن الزبير المسجد، فإذاعبدالله بن عمر جالس إلى حجرة عائشةؓ، والناس يصلون الضحىٰ في المسجد، فسألناه عن صلاتهم، فقال :بدعة .وفي الشرح :قدحمله القاضي وغيره على أن مراده أن إظهارها في المسجد، والا [illegible] ء لها هر البدعة، [illegible]أن أصل صلاة الضحى بدعة.(١)

ترجمہ:

مجاہد سے مروی ہے کہ میں اور عروہ بن زبیر مسجد میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ کے حجرے کے قریب بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے، تو ہم نے اس بارے میں آپؓ سے پوچھا تو آپؓ

(١)الصحيح للمسلم، كتاب الحج، باب بيان عدد عمر النبي ﷺ:١/٤٠٩

نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے، امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ قاضی (عیاض) اور اس کے علاوہ دوسرے حضرات نے اس بات کو اس پر محمول کیا ہے کہ ابن عمرؓ کی مراد یہ ہے کہ مسجد میں چاشت کی نماز کا اظہار اور لوگوں کا اس کے لیے جمع ہونا بدعت ہے، نہ یہ کہ چاشت کی نماز بدعت ہے۔

❁❁❁

تیجہ، دسواں اور چالیسواں منانا

سوال نمبر(62):

مردہ کے ایصال ثواب کے لیے فوتگی کے تیسرے دن، دسویں دن یا چالیسویں دن یعنی علاقے کے رواج کے مطابق مخصوص ایام میں لوگوں کے لیے دعوت کرنا کیسا ہے؟ اگر اہل علم حضرات کو ایسے موقع پر مدعو کیا جائے تو ان کی حاضری کیسی ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مردہ کے ایصال ثواب کے لیے مخصوص ایام میں خیرات وصدقات کرنا اور لوگوں کے لیے دعوت کرنا اور باقاعدہ ایک تقریب کی شکل دینا ایسے امور ہیں جن کا شرعاً کہیں کوئی ثبوت نہیں ہے، اس لیے فقہائے کرام نے تیجے، دسویں اور چالیسویں کو بدعت کے زمرے میں شامل کیا ہے۔ ایسے مواقع پر جو کھانا پکایا جاتا ہے ان کا کھانا حرام نہیں ہے، لیکن اہل علم حضرات ایسے کھانے سے اجتناب کریں، تاکہ ان کی شرکت کرنے سے لوگ جواز پر دلیل پیش نہ کریں اور ایک بدعت کو حوصلہ نہ ملے۔

والدّلیل علی ذلک:

يكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه يشرع في السرور لافي الشرور، وهي بدعة مستقبحة، روى الإمام أحمدبن حنبلؒ، وابن ماجه بإسناد صحيح عن جريربن عبدالله قال: "كنا نعدالاجتماع إلى أهل الميت، وصنعهم من الطعام من النياحة" .وفي البزازيه :ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول، والثاني، والثالث.(۱)

---

(۱)ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من اهل الميت:۱۴۸/۳

ترجمہ:

اہل میت کی طرف سے لوگوں کے لیے کھانے کا انتظام کرنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ خوشی کے مواقع پر مشروع ہے، نہ کہ مصائب کے مواقع پر، اور یہ ایک بری بدعت ہے، امام احمد بن حنبلؒ اور ابن ماجہؒ نے جریر بن عبداللہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم اہل میت کے ہاں جمع ہونے کو اور ان کے کھانے پکانے کو نوحہ (ماتم) میں شمار کرتے تھے، اور بزازیہ میں ہے کہ پہلے، دوسرے اور تیسرے دن (اہل میت) کے لیے کھانا پکانا مکروہ ہے۔

❁❁❁

دور سے آئے ہوئے مہمانوں کے لیے اہل میت کا کھانا تیار کرنا

سوال نمبر(63):

جس گھر میں فوتگی ہو جائے، وہ گھر والے تعزیت کے لیے دور سے آئے ہوئے مہمانوں کے لیے اول، دوسرے اور تیسرے دن کھانا تیار کر سکتے ہیں یا نہیں؟ دور سے آئے ہوئے مہمانوں یا ایسے لوگوں کے لیے جن کا قیام اہل میت کے ساتھ زیادہ قرب کی وجہ سے کچھ زیادہ وقت کے لیے ہو، ان کے لیے اہل میت کے ہاں کھانا کھانے میں کچھ گنجائش ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جس گھر میں فوتگی ہو جائے تو چونکہ اس گھر والوں پر غم و حزن چھایا ہوتا ہے، اس لیے شریعت مطہرہ نے ان کے پڑوسیوں اور دور کے رشتہ داروں کا اخلاقی فریضہ ٹھہرایا ہے کہ اہل میت اور ان کے قریبی رشتہ داروں کے لیے تین دن تک کھانے کا بندوبست کریں۔ اسلامی تعلیمات کی رُو سے مہمانوں کے لیے یہ مناسب نہیں کہ میت کے گھر پر بوجھ بنیں، ہاں اگر دور سے لوگ آئے ہوں اور اُن کی خدمت دوسرے طریقہ سے ممکن نہ ہو تو پھر ایسی صورت میں بغیر کسی تکلیف کے مہمانوں کی خدمت میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

ویستحب لجیران أهل المیت والأقربآء الأباعد تهیئة طعام لهم یشبعهم .(١)

(١) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في الثواب علی المعصیة:٣/١٤٨

ترجمہ:

اہلِ میت کے پڑوسیوں اوران کے دور کے رشتہ داروں کے لیے اتنا کھانا تیار کرنا مستحب ہے کہ وہ مردہ کے قریبی رشتہ داروں کو سیر کرے۔

ولو أوصى باتخاذ الطعام للمأتم بعد وفاته، ويطعم للذين يحضرون التعزية .قال الفقيه أبو جعفر:يجوز ذلك من الثلث، ويحل للذين يطول مقامهم عنده، وللذي يجئي من مكان بعيد يستوي فيه الأغنياء والفقراء، ولا يجوز للذي لا يطول مسافته، ولا مقامه.(١)

ترجمہ: اگر کوئی وصیت کرے کہ اس کی وفات کے بعد ماتم کے طور پر کھانا پکانے کا انتظام کیا جائے اور جو لوگ تعزیت کے لیے حاضر ہوتے ہیں، ان کو یہ کھلایا جائے تو فقیہ ابو جعفرؒ نے فرمایا ہے کہ: ''یہ وصیت ترکہ کے تہائی سے جائز ہے اور یہ ان لوگوں کے لیے (کھانا) حلال ہے جن کا قیام اُدھر طویل ہو اور اس کے لیے اس کا کھانا حلال ہے جو کسی دور جگہ سے آیا ہو، اس میں اغنیا اور فقرا سب برابر ہیں اوراس کے لیے اس خوراک کا کھانا جائز نہیں ہے جو وہاں سے زیادہ فاصلہ پر نہ ہو اور نہ اس کا قیام ادھر زیادہ ہو۔

قضائے عمری کی شرعی حیثیت

سوال نمبر (64):

بعض لوگ رمضان کے آخری جمعہ کو ایک امام کی اقتدا میں صرف پانچ اوقات کی قضا نمازیں پڑھ لیتے ہیں اور یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ پانچ نمازیں ہماری زندگی کی تمام قضا شدہ نمازوں کے لیے کافی ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی اعتبار سے جس مسلمان سے جتنی نمازیں فوت ہو جائیں تو اس کا ذمہ اس صورت میں فارغ ہو سکتا ہے کہ ان تمام نمازوں کی قضا کر لے۔ مروجہ قضائے عمری میں چونکہ شریعت کے اس امر کا لحاظ نہیں ہے، اس وجہ سے زندگی بھر کی قضا نمازوں کے بدلے صرف پانچ نمازیں کسی امام کی اقتدا میں پڑھنے سے ذمہ فارغ نہیں ہوتا، بلکہ تمام نمازوں

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الوصايا، الباب الثاني في بيان الالفاظ:٦/٩٥

کی قضا کرنے ہی سے فراغت ذمہ ہوجاتی ہے۔ مروجہ قضائے عمری اس وجہ سے بدعت کے زمرے میں شامل ہے۔

اس کے علاوہ اس میں چند مفاسد بھی ہیں:

(۱)......فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق قضا نماز تنہائی میں پڑھنی چاہیے، تاکہ دوسرے لوگوں کو اس کا پتہ نہ چلے اس لیے کہ نماز چھوڑنا گناہ ہے اور لوگوں کے سامنے اس کی قضا کرنا گناہ کا اظہار ہے، جب کہ مروجہ قضائے عمری کا اس قدر اہتمام کرنے کی وجہ سے اپنے اس گناہ کا اظہار ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

(۲)......بعض اوقات ایسے شخص کی اقتدا میں لوگ قضائے عمری کر لیتے ہیں کہ اس کے ذمے ایک قضا نماز بھی نہیں ہوتی، لہٰذا قضائے عمری کسی ایسے امام کی اقتدا میں پڑھنے سے فرض نماز ادا نہیں ہوتی، اس لیے کہ امام کی نماز نفل ہے، کیونکہ اس کے ذمے کوئی نماز باقی نہیں ہے اور مقتدیوں کی نماز فرض ہے۔

(۳)......قضائے عمری کے صحیح نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ امام جس دن کی مثلاً: ظہر کی نماز کی قضا کرتا ہو، مقتدی کی بھی اسی دن کے ظہر کی نماز قضا ہوئی ہو، بلکہ یہ قوی امکان ہے کہ امام اور مقتدی الگ الگ دن کی نماز کی قضا کرتے ہوں تو اگرچہ وقت مثلاً ظہر ہونے میں اشتراک پایا جاتا ہو، لیکن ایک دن میں اشتراک نہ ہونے کی وجہ سے مقتدی کی نیت صحیح نہیں ہوتی، لہٰذا اس کا ذمہ فارغ نہیں ہوگا۔

(۴)......قضائے عمری کے صحیح نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ایسی صورت میں لوگ فرض نمازوں کی قضا کرنے پر دلیر ہوجائیں گے، حالانکہ فرض نماز بلا کسی شرعی عذر کے فوت ہوجانا گناہ کبیرہ ہے تو قضائے عمری کے جائز ہونے کی صورت میں یہ سارے لوگ گناہ کبیرہ میں مبتلا ہوں گے، ان تمام باتوں سے واضح ہوجاتا ہے کہ مروجہ قضائے عمری ایک قبیح بدعت ہے جس سے احتراز نہایت ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

اعلم أنهم قدأحدثوا في أخر جمعة شهر رمضان أموراً ممالاأصل لها، والتزموا أمورا لاأصل للزومها......فمنها القضاء العمري حدث ذلك في بلاد خراسان، وأطرافها، وبعض بلاد اليمن .(۱)

ترجمہ: جان لو! کہ رمضان کے آخری جمعہ میں لوگوں نے ایسے امور ایجاد کیے ہیں جن کی (شریعت) میں کوئی دلیل نہیں ہے اور ایسے امور اپنے اوپر لازم کیے ہیں کہ ان کے لزوم کی کوئی دلیل نہیں ہے۔۔۔۔۔ان میں قضائے عمری بھی ہے جو خراسان کے شہروں اور اس کے (مضافات) اور یمن کے بعض شہروں میں ایجاد ہوئی ہے۔

(۱) محمد عبدالحي، مجموعة رسائل اللكهنوي، ردع الإخون عن محدثات آخر جمعة رمضان : ۳۴۹/۲

روزانہ ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ سورۃ یٰسین کا ختم کرنا

سوال نمبر(65):

کسی مدرسہ میں نماز فجر یا مغرب سے فراغت کے بعد تمام طلبہ اور اساتذہ سورۃ یٰسین یا سورۃ واقعہ کا ختم کرتے ہیں، تاکہ اس کے ذریعے مدرسہ کے مشکلات دور ہوں اور برکات نازل ہوں اور اس کے بعد اجتماعی دعا کرتے ہیں۔کیا یہ عمل جائز ہے؟ جب کہ بعض لوگ اس کو بدعت کے زمرے میں داخل کرتے ہیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قرآن کریم کی تلاوت باعث خیروبرکت اور موجب ثواب ہے اور یقیناً اس سے مشکلات دور ہوتی ہیں، اس لیے خاص مقاصد کے لیے سورۃ یٰسین پڑھنا مستحسن اور مجرب عمل ہے لیکن ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ اس کو خاص سمجھ کر زیادہ موجب ثواب سمجھنا درست نہیں ہے۔

البتہ مدرسہ کے اوقات اور طلبہ کی تعلیمی مصروفیات کو مدِنظر رکھتے ہوئے اگر انتظامیہ سہولت اور اصلاح کے پیش نظر کوئی ایک وقت مقرر کر لے اور سب طلبا اور اساتذہ اکٹھے بیٹھ کر سوۃ یٰسین یا سورۃ واقعہ کا ختم کریں لیکن اس ہیت اجتماعی کو مسنون نہ سمجھیں تو یہ ایک انتظامی معاملہ ہے جس کو بدعت کے زمرے میں شامل کرنا مشکل ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

"الأموربمقاصدها" يعني أن الحكم الذي يترتب على أمر يكون على مقتضى ماهو المقصود من ذلك الأمر.(۱)

ترجمہ:

(تمام مباح) کاموں کا دارومداران کے مقاصد پر ہے، یعنی اس کام سے جو مقصود ہو، حکم اسی مقصود کے مقتضی کے مطابق مرتب ہوگا۔

❁❁❁

(۱) شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة :۲، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية :۱/۱۳

شبِ جمعہ کو مُردوں کے ایصالِ ثواب کے طور پر صدقہ کرنا

سوال نمبر (66):

بعض عورتیں ہر شبِ جمعہ کو مُردوں کے ایصالِ ثواب کے لیے روٹی اور سالن صدقہ کر دیتی ہیں جس کو پشتو میں ''لاس اوچتول (ہاتھ اٹھانا)'' کہتے ہیں، شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کسی کارِ خیر میں تخصیصِ اوقات شرعی دلیل کی محتاج ہوتی ہے اور بغیر کسی شرعی دلیل کے کسی کارِ خیر کو ایک وقت کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں مُردوں کے ایصالِ ثواب کے لیے شبِ جمعہ کو صدقہ وخیرات کرنا اگر واجب اور سنت نہ سمجھا جاتا ہو اور نہ اس رات صدقہ وخیرات کرنے کے اضافی ثواب کا اعتقاد ہو، تو پھر جائز ہے اور اگر اس کے واجب یا سنت ہونے کا اعتقاد ہو اور اس رات صدقہ وخیرات کرنے کے زیادہ ثواب کا اعتقاد ہو تو پھر دلیل شرعی نہ ہونے کی وجہ سے یہ عمل مکروہ ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وکل مباح يؤدي إليه فمكروه.(۱)

ترجمہ: ہر جائز کام جس کے اختیار کرنے سے اس کے وجوب یا سنت ہونے کا اعتقاد پیدا ہو تو وہ مکروہ ہے۔

❀❀❀

کرامت میں ولی کا اختیار

سوال نمبر (67):

کیا کرامت ولی کے اختیار میں ہوتی ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ: ۲/۵۹۸

الجواب وباللہ التوفیق:

کرامت کی تعریف یہی ہے کہ متبع شریعت کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کسی امر خارق (خلافِ عادت چیز) کا اظہار کرے جب کہ اس کا اظہار اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوا کرتا ہے۔

لہٰذا کرامت میں ولی مستقل طور پر اختیار نہیں رکھتا، اگر چہ بعض اوقات کرامت کے ظہور کا علم ولی کو بھی ہوتا ہے، لیکن ولی کو اس کا علم ہونے کے ساتھ اختیار ثابت نہیں ہوتا۔

والدّلیل علی ذلك:

الكرامة أمر خارق للعادة، يظهره الله تعالىٰ على يد صالح ليس فيه دعوى النبوة .(١)

ترجمہ: کرامت کسی خلاف عادت کام کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ کسی صالح بندے کے ہاتھ پر ظاہر کر دیتا ہے، جس میں نبوت کا دعویٰ نہیں ہوا کرتا۔

❁❁❁

دین سے غیر متصادم رواج

سوال نمبر (68):

کسی علاقے کی کوئی رسم ورواج جب دینی اصول سے متصادم نہ ہو تو اس پر عمل کرنا کیسا ہے اور اس کا حکم کیا ہے؟ کیا یہ بدعت کے زمرے میں شامل ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

دنیوی معاملات میں کسی علاقے کی رسم ورواج جب تک دینی اصول وقواعد اور احکام سے مخالف اور متصادم نہ ہو اور نہ کسی اسراف اور بے دینی پر مشتمل ہو تو اس پر عمل کرنا جائز ہے، وہ بدعت کے زمرے میں شامل نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

عن عائشةؓ قالت :قال رسول اللهﷺ:من أحدث في أمرناهذا ماليس منه، فهو رد. وقال

(١)التعليق الميسر على حاشية الروض الازهر في شرح فقه الاكبر:ص/٢٣٥

الشارح علی بن سلطان القاریؒ :وفي قوله(مالیس منه) إشارة إلی أن إحداث مالاینازع الکتاب، والسنة ....لیس بمذموم .(۱)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ’’رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات نکالی جو اس میں نہیں تو وہ مردود ہے‘‘۔ شارح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: ’’رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد "مالیس منه " میں اشارہ اس طرف ہے کہ ایسا کوئی نیا کام جو قرآن وسنت سے متصادم نہ ہو، وہ مذموم نہیں‘‘۔

❁❁❁

شبِ جمعہ کو عشا کی نماز کے بعد باآواز بلند سورۂ ملک کی تلاوت

سوال نمبر (69):

ہمارے ہاں یہ عمل ہوتا ہے کہ جمعہ کی رات عشا کی نماز کے بعد ایک شخص سورۂ ملک بلند آواز سے پڑھنا شروع کر دیتا ہے اور باقی لوگ کان لگا کر اس کو سنتے ہیں، شریعت کی رُو سے یہ عمل کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

خیرالقرون سے اس کا ثبوت نہیں ہے کہ شبِ جمعہ کو عشا کی نماز کے بعد باآواز بلند سورۂ ملک کی تلاوت کی جائے اور باقی لوگ کان لگا کر اس کو سنیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کا عمل مبارک اس بارے میں یہ تھا کہ آپ ﷺ سفر وحضر میں ہر رات سورۂ الم سجدہ اور سورۂ ملک کی تلاوت فرماتے تھے اور کبھی ان کو نہیں چھوڑتے تھے۔

صورتِ مسئولہ میں وقت اور ہیئت کی تخصیص اور اس طرح بلند آواز سے سورۂ ملک کی تلاوت جس سے دوسرے نمازیوں کو تکلیف ہو، شریعت میں زیادتی کے مترادف ہے، اس لیے اس عمل سے احتراز کیا جائے۔

والدّلیل علی ذلك:

عن عائشة :أن النبي ﷺ كان يقرأ الٓمّ تنزيل السجدة، وتبارك الذی بيده الملك كل ليلة لايدعهمافي سفر ولاحضر.(۲)

---

(۱) مرقاہ المفاتیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة:۱/۳٦٥،۳٦٦

(۲) تفسیرروح المعانی:۳/۲۹

ترجمہ:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ''نبی ﷺ ہررات " سورۃالم تنزیل السجدۃ و تبارک الذی بیدہ الملک" تلاوت فرمایا کرتے تھے اور سفر وحضر میں کبھی یہ دونوں سورتیں پڑھنا نہیں چھوڑتے تھے''۔

❁❁❁

محفل میلاد النبی ﷺ کا انعقاد

سوال نمبر (70):

ربیع الاول کے مہینے میں عید میلاد النبی ﷺ کے مجالس اور محافل بڑے اہتمام سے منعقد کیے جاتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور آپ ﷺ کے مبارک اخلاق و کردار کا تذکرہ موجب اجر وثواب ہے۔ یہ کسی وقت سے خاص نہیں۔ آپ کے تذکرۂ خیر سے ایمان کو جلا ملتی ہے اور روحانیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ربیع الاول کے مہینہ میں ولادتِ نبوی کی مناسبت کی وجہ سے سیرتِ نبوی کے تذکرہ سے اچھے اثرات کی توقع کی جاتی ہے، لیکن اس کے لیے ربیع الاول کے مہینے میں اس قدر اہتمام کرنا کہ اس کو لازم سمجھا جائے، خیر القرون میں اس کا کہیں بھی ثبوت نہیں ہے، اس لیے اس کو لازم سمجھنے کی وجہ سے علمائے کرام اِس اہتمام کی حوصلہ افزائی نہیں فرماتے۔ نیز آپ ﷺ کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے، اس ضمن میں تین اقوال مشہور ہیں، بارہ، نو یا آٹھ ربیع الاول، اس میں راجح قول آٹھ ربیع الاول کا ہے، جب کہ تاریخ وفات بالاتفاق بارہ ربیع الاول ہے۔ لہٰذا خطرہ ہے کہ یہ خوشی جو بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی ﷺ کے نام سے منائی جاتی ہے، یہ خوشی کہیں رسول اللہ ﷺ کی تاریخِ وفات پر واقع نہ ہو، اس لیے بارہ ربیع الأول کے اہتمام سے احتراز مناسب ہے، تاہم اگر کہیں اس مہینے کے علاوہ کسی دوسرے مہینے میں بلا تخصیص ایام اور لازمی سمجھنے کے اس قسم کے مجالس قائم کیے جائیں جن میں معتبر روایات کی روشنی میں آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کو بیان کیا جائے اور اس سے مقصود ریا اور شہرت نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہو، اس کے ساتھ یہ مجالس ہر قسم کے خلافِ شرع امور سے بھی خالی ہوں تو پھر ایسی مجالس کا انعقاد درست رہے گا۔

والدّلیل علی ذلك:

من جملة ماأحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادات، وإظهار الشعائر مایفعلونه في شهر ربیع الأول من مولد، وقداحتوی علی بدع، ومحرمات.(۱)

ترجمہ: من جملہ ان بدعات کے جولوگوں نے ایجاد کیے ہیں، اس کے ساتھ یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ یہ چیز بڑی عبادات اور دین کے شعائر کا اظہار ہے، ان میں ایک وہ بدعت بھی ہے کہ جو ربیع الاول کے مہینے میں آپ ﷺ کی تاریخ پیدائش کے موقع پر لوگ کرتے ہیں اور یہ بہت سی بدعات اور محرمات پر مشتمل ہوتی ہے۔

❁❁❁

صیغۂ خطاب کے ساتھ درود شریف پڑھنا

سوال نمبر (71):

روضۂ اقدس پر حاضری کے دوران یا اس سے غائبانہ طور پر صیغۂ خطاب کے ساتھ درود شریف پڑھنا کیسا ہے اور غائبانہ طور پر درود شریف پڑھنے میں کون سا طریقہ بہتر ہے؟ بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

روضہ اقدس پر حاضری کے دوران خطاب کے ساتھ درود و سلام پڑھا جائے، کیونکہ وہاں پر رسول اللہ ﷺ خود اس کو سنتے ہیں اور غائبانہ طور پر صیغہ خطاب کے ساتھ درود و سلام پڑھنا اگر اس عقیدے سے ہو کہ فرشتے اس کو رسول اللہ ﷺ تک پہنچاتے ہیں تو بھی جائز ہے۔ اسی طرح اگر شعراء کی طرح صرف تخیلات تک بات محدود ہو کہ آپ ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ نہ ہو، بلکہ شوقاً اور تلذذاً صیغہ خطاب کے ساتھ درود و سلام پڑھے، تب بھی جائز ہے، لیکن عوام چونکہ شرعی حدود کی رعایت بعض اوقات نہیں رکھ سکتے، لہٰذا ان کے سامنے اس طرح نہ کیا جائے، تاکہ کہیں جواز پر عمل کرتے ہوئے ان کا عقیدہ خراب نہ ہو، البتہ غائبانہ طور پر صیغہ خطاب کے ساتھ درود و سلام پڑھنا اگر اس عقیدے سے ہو کہ آپ ﷺ حاضر و ناظر ہیں تو یہ جائز نہیں، کیونکہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی صفت باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، کوئی بھی نبی یا کوئی مقرب فرشتہ اس صفت میں باری تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں ہے اور جہاں تک یہ بات ہے کہ غائبانہ طور پر درود و سلام پڑھنے میں کونسا طریقہ بہتر ہے تو رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرام نے پوچھا کہ یارسول اللہ!

(۱) محمدبن محمد العبدري المالكي، المدخل، فصل في مولدالنبي ﷺ: ۲/۲۲۹، دارالكتب العلمية بيروت

آپ ﷺ پر سلام بھیجنا تو ہمیں معلوم ہے کہ کس طریقہ سے بھیجا جائے، لیکن آپ پر درود بھیجنے کے بارے میں ہم کیا طریقہ اختیار کریں؟ تو آپ ﷺ نے انہیں درود ابراہیمی سکھائی۔ سنن نسائی میں کعب بن عجرہؓ کی روایت ہے۔

عن كعب بن عجرةؓ قال: قلنا يارسول الله السلام عليك قد عرفناه، فكيف الصلوة عليك، قال قولوا: "اللّٰهم صلّ على محمد وعلى ال محمد كما صلّيت على إبراهيم، وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد." (١)

ترجمہ:

کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ: ''آپ ﷺ پر سلام بھیجنا تو ہم جانتے ہیں، لیکن ہم آپ پر درود شریف کیسے پڑھیں؟ تو آپ ﷺ نے درود ابراہیمی پڑھی اور فرمایا کہ اس طرح پڑھو''۔

ذخیرہ احادیث میں کوئی ایسی روایت نہیں ہے جس میں آپ ﷺ پر غائبانہ طور پر صیغہ خطاب کے ساتھ درود وسلام بھیجنے کی تعلیم موجود ہو یا کسی صحابی نے اس طرح کیا ہو، بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کی تعلیم یہی ہے جو اوپر روایت میں گزری کہ درود ابراہیمی پڑھی جائے جس میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخاطب ہو کر آپ ﷺ پر درود بھیجنے کی درخواست ہے۔

جہاں تک نماز میں تشہد کے دوران ہم یہ پڑھتے ہیں کہ "السلام عليك ايها النبی" تو یہ حکایت کے طور پر ہوتا ہے، اس میں یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ خود اسے سنتے ہیں، بلکہ یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ ملائکہ کے ذریعہ یہ آپ ﷺ کو پہنچایا جاتا ہے۔

والدّليل على ذلك:

عن عبد اللّه قال: قال رسول اللهﷺ: إن لله ملائكة سياحين في الارض يبلغوني من أمتي السلام. (٢)

ترجمہ: عبداللہؓ سے روایت ہے کہ: ''اللہ کے (کچھ) فرشتے ایسے ہیں، جو زمین پر چلتے پھرتے ہیں اور مجھے میری اُمت کا سلام پہنچاتے ہیں''۔

---

(١) سنن النسائي، باب كيف الصلاة على النبيﷺ: ١/١٤٤

(٢) سنن النسائي، باب التسليم على النبيﷺ: ١/١٤٣

قبر کو سطح زمین سے بلند کرنا اور پختہ بنانا

سوال نمبر (72):

شریعت میں قبر کو سطح زمین سے بلند کرنا اور ان کو پختہ بنانا کیسا ہے؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قبر کو ایک بالشت کے بقدر زمین کی سطح سے اُوپر اونٹ کے کوہان کی شکل میں بنایا جائے، اس سے زیادہ بلند کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح قبروں کو پختہ بنانا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

ویسنم القبر قدر الشبر، ولا یربع، ولا یحصص.(١)

ترجمہ:

قبر اونٹ کے کوہان کی شکل کی ایک بالشت اونچی بنائی جائے، قبر نہ مربع شکل کی ہو اور نہ اس پر گچ (چونے) کا استعمال کیا جائے۔

۞۞۞

ماہ صفر میں چری کی رسم

سوال نمبر (73):

ماہِ صفر میں عورتیں روٹیاں پکا کر اسے پیس کر ریزہ ریزہ کرتی ہیں، اس کو ہمارے ہاں ''چری'' کہتے ہیں اور اس رسم منانے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک بار حضور ﷺ بیمار ہوئے تھے تو ازواجِ مطہرات یا حضرت فاطمہ ؓ نے آپ ﷺ کی صحت یابی کے لیے چری بطورِ صدقہ کے پکا کر تقسیم کی تھی، اب پوچھنا یہ ہے کہ اس رسم کو ثواب کی نیت سے کرنا شریعت کی رو سے کیسا ہے؟

بیّنوا توٴجروا

(١) الفتاوی الهندية، كتاب الجنائز: ١٦٦/١

الجواب وباللہ التوفیق:

ماہ صفر میں چوری کی رسم منانا کہ عورتیں میٹھی روٹیاں پکا کراس کو ریزہ ریزہ کر کے لوگوں میں تقسیم کرتی ہیں اور اس میں یہ نیت کرنا کہ فاطمہؓ کے اتباع میں ہم اس طرح کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بیمار ہونے پر آپ ﷺ کی صحت یابی کے لیے آپؓ نے بطور صدقہ چوری تقسیم کی تھی، یہ بے بنیاد رسم ہے، یہ ایک من گھڑت واقعہ ہے، لہٰذا اس رسم کو اسی نیت سے کرنا بدعت کے زمرہ میں آتا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن عائشةؓ، قالت: قال النبي ﷺ: من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه، فهو ردٌّ. (۱)

ترجمہ: جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو اس میں نہ ہو تو وہ مردود ہے۔

❁❁❁

مروجہ قوالی کی شرعی حیثیت

سوال نمبر (74):

قوالی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جب کہ آج کل قوالی میں ساز وغیرہ بھی ہوتا ہے۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مروجہ قوالی میں چونکہ رقص وسرور اور گانے بجانے کے آلات کے استعمال کے ساتھ دوسرے منہیات شرعیہ کا بھی ارتکاب کیا جاتا ہے، لہٰذا ایسی قوالی کرنا اور اس کو سننا ناجائز اور حرام ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ومايفعله متصوفه في زماننا حرام لايجوز القصد والجلوس إليه، ومن قبلهم لم يفعل كذلك. (۲)

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۳۷۱/۱

(۲) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، تحت قوله (قال ابن مسعودؓ: ۵۰۳/۹

ترجمہ:

ہمارے زمانے کے برائے نام صوفیا جو کام کرتے ہیں، وہ حرام ہے نہ اس کا قصد جائز ہے اور نہ اس میں بیٹھنا جائز ہے اوران سے پہلے جو گزرے ہیں، انہوں نے اس طرح نہیں کیا۔

❁❁❁

مزارات کی زیارت اوران کے طفیل سے برکت حاصل کرنا

سوال نمبر (75):

بزرگوں اور صلحا کی قبور پر جانا اوران کے طفیل سے برکت حاصل کرنا اوران کے طفیل اللہ تعالیٰ سے مہربانی طلب کرنا شرعاً کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اولیاء اللہ اور بزرگوں کی قبور پر جانا نصوص شرعیہ سے ثابت ہے اور وہاں جا کر کچھ ذکر وتلاوت کر کے ان حضرات کے طفیل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مہربانی اور رحمت کے حصول کی دعا کرنا درست ہے، بشرط یہ کہ مردہ کو قادر مطلق اور تصرفات کے مالک ہونے کا فاسد عقیدہ نہ ہو۔ اسی طرح ان حضرات کے قبور پر جا کر منکراتِ شرعیہ سے احتراز کرنا نہایت ضروری امر ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

والترحم والتبرك بزيارة قبور الصالحين من غير مايخالف الشرع، فلابأس به. (۱)

ترجمہ:

صلحا کی قبور کی زیارت سے (اللہ تعالیٰ کی) مہربانی اور برکت حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں، بشرط یہ کہ وہ شرعی امور کی مخالفت سے خالی ہو۔

❁❁❁

(۱) الطحطاوی علی مراقی الفلاح، احکام الجنائز، فصل في زيارة القبور: ص/ ۵۱۲

شادی بیاہ میں عورتوں کا ناچنا

سوال نمبر (76):

شادی بیاہ میں عورتوں کا بغیر دف کے ناچنا شرعاً کیسا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عورتوں پر فحش کاری اور بے حیائی کی حرکات سے اجتناب مطلقاً لازم ہے۔خصوصاً مردوں کی مجلس میں ناچنے سے مختلف مفاسد جنم لیتے ہیں، مثلاً: ان کی طرف دیکھنا، ان کی آواز سننا اور ان کے بارے میں غلط خیالات پیدا ہونا وغیرہ، حالانکہ عورتوں کا بے پردہ مردوں کی مجلس میں جانا بھی جائز نہیں، چہ جائیکہ ان کے سامنے ناچیں اور بے حیائی کی حرکات کا ارتکاب کریں۔

اسی طرح عورتوں کی مجلس میں بھی کوئی عورت حیا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور نازیبا حرکات سے بھی اجتناب کرے، لہٰذا عورتوں کا ناچنا بے حیائی میں شامل ہونے کی وجہ سے حرام ہے، کیونکہ ناچنے سے لوگوں میں فحش کاری کے جذبات ابھرتے ہیں، جو سبب کے طور پر بدکاری کے زمرے میں شمار کیے جاتے ہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

وعن أبي هريرةؓ :عن النبيﷺ قال: كتب على ابن آدم نصيبه من الزنا، مدرك ذلك لامحالة، فالعينان زناهما النظر، والأذنان زناهما الاستماع، واللسان زناه الكلام، واليدزناها البطش، والرجل زناها الخطى، والقلب يهوي ويتمنى ويصدق ذلك الفرج ويكذبه.(۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالمﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:'' آدمی کی تقدیر میں زنا کا جتنا حصہ لکھ دیا گیا ہے، اس کو وہ ضرور عمل میں لائے گا، آنکھوں کا زنا (نامحرم کی طرف) دیکھنا ہے، کانوں کا زنا (نامحرم عورت سے شہوت انگیز) باتیں سننا ہے اور زبان کا زنا (نامحرم عورت سے شہوت انگیز) باتیں کرنا ہے اور ہاتھوں کا زنا (نامحرم عورت کو برے ارادے سے) چھونا ہے اور پاؤں کا زنا (بدکاری کی طرف) قدم اُٹھانا ہے اور دل خواہش و آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب القدر: ۳۳۶/۲

شادی بیاہ میں ہونے والی چند رسوم

سوال نمبر(77):

آج کل شادی کے دوران دلہن کو میکے لایا جاتا ہے، پھر وہ تین دن یہاں گزارتی ہے اور چوتھے دن لڑکے والوں کو اپنے سسرال کے گھر دعوت کے دوران سالی بہنوئی کو انگوٹھی پہناتی ہے اور لڑکا (دلہا) اس کو پیسے دیتا ہے۔ اس میں ہزاروں روپے خرچ ہونے کی وجہ سے غریب گھرانے کے لیے بہت مشکلات پیدا ہوتے ہیں تو آیا ان امور کی شریعت میں کوئی اصل ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

موجودہ دور میں مختلف رسوم ورواج اور بھاری جہیز کی لعنت کی وجہ سے شادی بیاہ ایک بھیانک خواب بن چکا ہے اور اس کو ایک بڑا بوجھ سمجھا جانے لگا ہے، جیسا کہ معاشرے میں اس کے مضر اثرات کا عام مشاہدہ ہے۔

صورتِ مسئولہ میں بعض امور تو ناجائز ہیں مثلاً: لڑکی (سالی) کا اپنے بہنوئی کو انگوٹھی پہنانا یا غریب خاندان کو ان امور کے پورا کرنے پر مجبور کرنا وغیرہ، البتہ جہاں تک لڑکی والوں کا لڑکے والوں کی دعوت کرنے اور دلہن کا تین دن میکے میں گزارنے کا تعلق ہے تو یہ کام عام رسم ورواج کے طور پر کیے جاتے ہیں جن میں ثواب کی نیت نہیں ہوتی، لہٰذا یہ مباح کہلائیں گے۔

تاہم احادیث کے مطالعہ اور صحابہ کرام کے آثار سے پتہ چلتا ہے کہ شادی بیاہ کے معاملات جتنی سادگی کے ساتھ ہوں، اتنی ہی وہ شادی باعث برکت اور اقرب الی السنۃ ہوگی۔

والدلیل علی ذلک:

عن عائشة رضي الله عنها قالت :قال النبي ﷺ :إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة.(١)

ترجمہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہے کہ: رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ بہت زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جو خرچ (کم مہر مقرر ہونے) کے لحاظ سے آسان ہو۔

(١) مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الثالث :ص/٢٧٦

سسرال والوں کا لڑکے والوں سے مختلف اشیا طلب کرنا

سوال نمبر(78):

بیٹی کی شادی کے دوران لڑکے والوں سے مہمانوں کو کھلانے کے لیے چاول، مونگ پھلی، چائے اور دودھ طلب کرنا اور پھر اس کو خود کھانا یا مہمانوں کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے صرف مہر عورت کا حق ہے جس کا مطالبہ وہ اپنے شوہر سے کرسکتی ہے، البتہ دلہن کے گھر والے دولہا سے شادی کے موقع پر آنے والے مہمانوں کو کھانا وغیرہ کھلانے کے واسطے مختلف اشیا اور سامان کا مطالبہ نہیں کرسکتے، کیونکہ یہ رشوت کے زمرے میں شمار ہوتا ہے۔

لہٰذا لڑکی والوں کا لڑکے کے گھر والوں سے چاول، گھی، مونگ پھلی، چائے اور دودھ وغیرہ لینا درست نہیں اس قسم کے رسوم سے پرہیز کرنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم، فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة(۱)

ترجمہ: لڑکی والوں نے رخصتی کے وقت لڑکے سے کوئی چیز لے لی تو خاوند کو واپس لینے کا حق ہے، کیونکہ یہ رشوت ہے۔

❁❁❁

مقررہ مہر کے علاوہ سسر کا داماد سے زائد رقم کا مطالبہ

سوال نمبر(79):

زید کا اپنی بیٹی کے مقررہ مہر سے زائد پچاس ہزار روپے کا سامان جہیز، بارات والوں کے لیے کھانا تیار کرنے اور اپنے جیب خرچ کے لیے مطالبہ کرنا شرعاً کیسا ہے؟ نیز اس میں بیٹی کی رضامندی ضروری ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

(۱) الدرالمختار علی صدررد المحتار، کتاب النکاح، باب المهر، مطلب :أنفق علی معتدة الغیر: ۳۰۷/٤

الجواب وباللہ التوفیق:

نکاح سے پہلے یا نکاح کے وقت لڑکی والے مہر کے علاوہ جو اشیا اور نقد رقم مطلقاً وصول کرتے ہیں، اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ نکاح ہو جانے سے پہلے مہر مسمی کے ساتھ ساتھ سامان جہیز کے لیے نقد رقم کا مطالبہ کریں تو مہر کے مطالبے کی طرح ان کا یہ مطالبہ بھی شرعاً درست ہے، لیکن شوہر سے لیے ہوئے مال کو جہیز کے علاوہ دوسری جگہ استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ لڑکی والے لڑکے (شوہر) سے باراتیوں کو کھانا کھلانے یا اپنے خرچ کے لیے نقد رقم دینے کی شرط لگائیں اور اس شرط کو پورا کیے بغیر رخصتی دینے کے لیے تیار نہ ہوں تو ایسی صورت میں یہ رقم رشوت کے زمرے میں آنے کی وجہ سے حرام ہوگی، اگر کسی نے یہ رقم لی ہو تو اس کا واپس کرنا ضروری ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں لڑکی کے والد کا پچاس ہزار روپے نقد کا مطالبہ کرنا شرعاً درست نہیں۔ اگر جہیز کے سامان کو خریدنے کے لیے مطالبہ کیا ہو تو جائز ہے، ورنہ بارات والوں کو کھانا کھلانے کے لیے یا اپنے جیب خرچ کے لیے جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

(أخذ أهل المرأة شيئا عندالتسليم، فللزوج أن يسترده)لأنه رشوة.قال ابن عابدين:تحت قوله: (عندالتسليم)أي بأن أبیٰ أن يسلمها أخوها أو نحوه حتى يأخذ شيئا، و كذا لو أبیٰ أن يزوجها، فللزوج الاسترداد قائما أو هالكا؛لأنه رشوة.(۱)

ترجمہ:

لڑکی والوں نے رخصتی کے وقت لڑکے سے کوئی چیز لے لی تو خاوند کو واپس لینے کا حق ہے، کیونکہ یہ رشوت ہے علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ "عندالتسلیم" سے مطلب یہ ہے کہ لڑکی کا بھائی یا کوئی اور کوئی چیز لیے بغیر اس کو حوالہ کرنے سے انکار کرے یا اسی طرح اس کو نکاح میں دینے سے انکار کر دے۔ پس خاوند کو اُس چیز کے واپس لینے کا حق ہے، خواہ وہ چیز موجود ہو یا استعمال ہو چکی ہو۔

---

(۱) رد المحتار على الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب :أنفق على معتدة الغير :۴/ ۳۰۷

بہن کی شادی پر کیا ہوا خرچہ واپس مانگنا

سوال نمبر(80):

میراث کی تقسیم میں بہن کی شادی پر کیا ہوا خرچہ اس کے بھائی واپس لے سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز یہ بہن میراث سے محروم ہوگی یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

موجودہ معاشرے میں عام طور پر والدین اولاد کی اور اسی طرح بھائی اپنے بہنوں کی شادی پر کیے گئے خرچ کو تبرع اور احسان کی حد تک سمجھتے ہیں اور اس خرچہ کا بعد میں واپس مانگنا رسم ورواج اور غیرت کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں بھائی کا یہ خرچہ واپس مانگنا یا اس کی وجہ سے بہن کو میراث سے محروم کرنا غیر مناسب سلوک ہے، کیونکہ کسی وارث کو بغیر مانع شرعی کے میراث سے محروم کرنا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

لو جهز ابنته، وسلمه إليها ليس له في الاستحسان استرداده منها، وعليه الفتوى. (۱)

ترجمہ:

اگر کوئی اپنی بیٹی کو جہیز کا سامان خرید کر حوالہ کردے تو اس کو پھر استحساناً واپس لینے کا حق نہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔

❁❁❁

شادی کے موقع پر گاڑی پر پھول وغیرہ لگوانا

سوال نمبر(81):

آج کل شادی میں دُلہن کی گاڑی کو پھول وغیرہ سے سجایا جاتا ہے۔ یہ اسراف وتبذیر میں داخل ہو کر باعث گناہ تو نہیں ہے؟

بیّنوا تؤجروا

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب النکاح، الفصل السادس عشر فی جهاز البنت: ۳۲۷/۱

الجواب و باللہ التوفیق:

شادی حضورﷺ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے اور شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے اس کا اعلان کرنا بھی مسنون ہے۔ اعلان کا طریقہ زمانے کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے۔ پہلے زمانے میں دُلہن ڈولی میں بٹھا کرلائی جاتی تھی۔ آہستہ آہستہ اعلان کا یہ طریقہ ختم ہوکر دوسرے طریقوں نے اس کی جگہ لے لی۔

صورتِ مسئولہ میں شادی کے وقت فضول خرچی سے اور بے حیائی سے بچتے ہوئے اگر اعلان کے طور پر گاڑی کو پھول سے سجایا جائے تو بطورِ اعلان شرعاً یہ ممنوع نہیں رہے گا۔ تاہم اگر نام ونمود اور نمائش مقصود ہو تو اس صورت میں یقیناً یہ تبذیر کے حکم میں داخل ہوگا۔ حدیث شریف میں اُس نکاح کو زیادہ بابرکت بتایا گیا ہے جس میں زیادتی اور اسراف نہ ہو۔

والدّلیل علی ذلک:

من أنفق ماله في الشهوات زائداً على قدر الحاجات، وعرضه بذلك للنفاد، فهو مبذر. (۱)

ترجمہ:

جس نے اپنے مال کو خواہشات کے کاموں میں ضرورت و حاجت سے زیادہ خرچ کیا اور اس طرح مال کو ہلاکت میں ڈالا ہو تو یہ فضول خرچ ہے۔

❁❁❁

شادی کے موقع پر پیسے نچھاور کرنا

سوال نمبر (82):

ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے کہ لوگ شادی بیاہ کے موقع پر دولہا پر پیسے نچھاور کرتے ہیں، کیا یہ پیسے لینا ہمارے لیے جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی غیر کا مال اُس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر لینا اور استعمال کرنا شرعی نقطۂ نظر سے جائز نہیں، تاہم جہاں کہیں اجازت موجود ہو چاہے صراحتاً ہو یا دلالتاً تو پھر اس مال کے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

---

(۱) الجامع لاحکام القرآن: ۲٤۸/۱۰

صورتِ مسئولہ میں جب کوئی شخص شادی کی خوشی کے موقع پر دولہا پر پیسے نچھاور کرتا ہو، تو دلالۃً اجازت موجود ہونے کی وجہ سے ان پیسوں کا لینا جائز رہے گا۔

والدّلیل علی ذلك:

أن النهبه جائزة إذا أذن صاحبه إذا وضع الرحل مقداراً من السكر أوعدداً من الدراهم بين قوم. وقال :من شاء أخذ منه شيئاً، أوقال من أخذ منه شيئاً، فهو له، فكل من أخذ منه شيئاً يصير ملكاله، ولا يكون لغيره أن يأ خذ ذلك منه .(١)

ترجمہ:

(کہا گیا ہے کہ) لُوٹ جائز ہے، بشرطیکہ اس چیز کے مالک نے اس چیز کے لوٹنے کی اجازت دی ہو۔ جب کسی شخص نے کچھ مٹھائی یا کچھ دراہم لوگوں کے درمیان رکھے اور کہا کہ جو چاہے اس سے کچھ لے لے یا یُوں کہا کہ جس نے اس سے کچھ لیا وہ اُسی کا ہوگا۔ تو جس نے اس سے جو کچھ لیا وہ اُس کی ملکیت قرار پائے گی اور مالک کے علاوہ کسی کو اختیار نہ ہوگا کہ وہ اس سے وہ چیز لے لے۔

شادی میں پلنگ پر دولہا اُٹھانے کی رسم

سوال نمبر(83):

شادی کے دوران بعض علاقوں میں یہ رسم ہے کہ دولہا کو چارپائی پر اٹھاتے ہیں اور اس کو ضروری بھی سمجھتے ہیں بعض علاقوں میں اس کو چھوڑنے سے دولہن والے ناراض بھی ہوتے ہیں اور بعض دفعہ جھگڑے کی نوبت بھی آتی ہے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

شرعی لحاظ سے جس کام کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی حکم موجود نہ ہو اور نہ ہی خیر القرون میں اس پر تعامل رہا ہو ایسے کام کو اگر کوئی دین کا حکم سمجھے تو بدعت کے زمرے میں ہو کر نا جائز رہے گا، تاہم اگر اس کو ضروری سمجھتے

(١) الفتاوى الهنديه كتاب الكراهيه، الباب الثالث عشرفي النهبه: ٥/٣٤٥

ہوں، لیکن اس کو دین کا حکم نہ سمجھتے ہوں اور اس میں ثواب کا تصور نہ ہو تو اس کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

صورتِ مذکورہ میں اگر (پلنگ) چارپائی پر دولہا کا اُٹھانا ایک علاقائی رسم تک محدود ہو اور اس کو دین کا کام نہ سمجھا جاتا ہو تو پھر اس کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اس میں ضروری ہے کہ کہیں اس میں نامحرم عورتوں سے اختلاط نہ ہو اور نہ دیگر دینی اقدار پائے مال ہوں۔

والدّلیل علی ذلک:

قال الشیخ محمد انور شاہ الکشمیریؒ : قلت: اللهو في النكاح، وإن كان لغواً؛ لكنه يغمض عنه بخلاف الرسوم في الموت...... البدعة ما اخترعها صاحبها بحسن نيته. (١)

ترجمہ: حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ نکاح کے موقع پر لھو ولعب اگرچہ عبث وفضول ہے، لیکن اس میں چشم پوشی کی جاسکتی ہے، تاہم غم کے رسومات اس سے مختلف ہیں۔۔۔۔۔اور بدعت یہ ہے کہ آدمی ایک کام کو ثواب کی نیت سے سرانجام دے۔

❁❁❁

شادی کے موقع پر دوست واحباب کی طرف سے دنبہ پیش کرنا

سوال نمبر (84):

ہمارے علاقے میں ایک رواج ہے جس کی صورت اس طرح ہے کہ مثلاً: زید کے بیٹے کی شادی ہے اور عمر اس کا رشتہ دار ہے۔ اب عمر پر یہ لازم ہے کہ زید کے بیٹے کی شادی میں دُنبہ یا اس کے بدلے میں پیسہ وغیرہ دے دے۔ اسی طرح جب عمر کے بیٹے کی شادی ہو تو وہ (زید) بھی وہی چیز یعنی مثل دے گا۔ اگر نہ دیا تو بعد میں اس سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ دُنبہ یا روپے وغیرہ جو میں نے عطا کیے تھے وہ واپس کردو۔ یہ رواج رشتہ داروں کے آپس میں ہوتا ہے، غیروں کے مابین نہیں ہوتا، اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

معاہدے کی صورت میں ایک دوسرے کو دی جانے والی اشیا قرض کے حکم میں ہوں گی جن کا بدل دینا ضروری ہے، لیکن جہاں کہیں معاہدہ نہ ہوا ہو، بلکہ عام رواج کے مطابق ایک دوسرے کو شادی کے موقع پر تُحفے وتحائف

(١) فيض الباری، كتاب النكاح، باب البناء بالنهار بغير مركب: ٢٩٧/٤

دیے جاتے ہوں تو ان میں عُرف کا اعتبار ہوگا۔ اگر عُرف میں لوگ یہ چیزیں ایک دوسرے کو بدل کے طور پر دیتے ہوں اور اس انتظار میں رہتے ہوں کہ ہماری شادی کے موقع پر وہ بھی ہمیں فلاں چیز (جو ہم نے اس کو دی تھی) دیں گے تو یہ بمنزلہ قرض کے ہے اور اس کا بدلہ دینا ضروری ہوگا۔ پھر اگر مثلی چیز ہو، جیسے: سونا، چاندی، روپیہ وغیرہ تو اس کی مثل بدلے میں دی جائے اور اگر قیمی چیز (جس کی مثل نہ ملتی ہو) ہو، جیسے: دنبہ، بکرا وغیرہ تو اس کی قیمت دی جائے، تاہم اگر عُرف میں لوگ ان چیزوں کو دے کر بدلے کا انتظار نہیں کرتے تو یہ احسان اور ہبہ شمار ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

وفي الفتاویٰ الخیریه: سئل فیما یرسله الشخص إلیٰ غیرہٖ في الأعراس ونحوھا، هل یکون حکمه حکم القرض، فیلزمه الوفاء به، أم لا؟ أجاب: إن کان العرفُ بأنھم یدفعونه علیٰ وجه البدل یلزم الوفاء به مثلیاً فبمثله، وإن کان قیمیاً فبقیمته، وإن کان العرف خلاف ذلك، بأن کانوا یدفعونه علی وجه الهبة، ولا ینظرون في ذلك إلیٰ إعطاء البدل، فحکمه حکم الهبة في سائر أحکامه، فلارجوع فیه بعد الھلاك والاستھلاك، والأصل فیه أنّ المعروف عرفاً، کالمشروط شرطا.(۱)

ترجمہ: فتاویٰ خیریہ میں یہ مسئلہ ہے کہ ایک آدمی شادی وغیرہ میں کسی کے پاس کوئی چیز بھیج دیتا ہے۔ کیا اس کا حکم قرض کے حکم جیسا ہے کہ اس کی ادائیگی لازم ہو یا ایسا نہیں ہے؟ تو اس کا یہ جواب دیا کہ اگر لوگوں کا عُرف ایسا ہو کہ وہ بدل کے طور پر دیتے ہوں تو اگر وہ چیز مثلی ہو تو مثل کے ساتھ اور اگر قیمت والی ہو تو قیمت کے ساتھ اس کی ادائیگی لازمی ہے۔ اور اگر عُرف اس کے برخلاف ہو کہ لوگ اس چیز کو ہبہ کے طور پر دیتے ہوں اور اس میں بدل کی طرف انتظار نہ کیا جاتا ہو تو وہ تمام احکام میں ہبہ کا حکم رکھتا ہے یعنی ہبہ دے کر ہلاک یا استھلاک کی صورت میں رجوع کا حق نہ ہوگا اور اس میں اصل ضابطہ یہ ہے کہ جو عُرف میں معروف ہو وہ شرط کے ساتھ مشروط کی طرح ہے۔

❁❁❁

شادی کے موقع پر مرغ ذبح کرنا

سوال نمبر(85):

بعض لوگ شادی کے موقع پر جب دُولہن کو گاڑی میں بٹھا کر دُولہا کے گھر لاتے ہیں تو دُولہن کو گھر پہنچا

(۱) ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الھبة، تحت قوله (و کذا زفاف البنت): ۸/۵۰۱

وقت دولہا کے گھر والے گاڑی کے سامنے مرغ ذبح کرتے ہیں۔شریعتِ مطہرہ میں ایسے مرغ کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

واضح رہے کہ دُلہن کی رخصتی کے وقت گاڑی کے سامنے مرغ ذبح کرنا ایک علاقائی رسم ہے۔اگر مرغ کے ذبح کرنے میں ثواب کی نیت نہ ہو اور نہ غلط عقائد پر مبنی ہو، بلکہ محض خوشی کی خاطر مرغ ذبح کیا جاتا ہو اور دفع بلاء کے لیے صدقہ کے طور پر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور ایسے ذبیحہ کا کھانا درست ہے، تاہم اگر مذکورہ رسم ثواب سمجھ کر یا کسی غلط عقیدہ کی بنا پر ہو تو ناجائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

قلت اللهو في النكاح وإن كان لغواً؛ لكنه يغمض عنه بخلاف الرسوم في الموت. (١)

ترجمہ: حضرت انورشاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ: ’’شادی کے موقع پر اگر چہ لھو ولعب فضول ہے، لیکن اس میں چشم پوشی کی جاسکتی ہے، نہ کہ غم کے رسومات میں‘‘۔

❁❁❁

شادی کے موقع پر شادی کارڈ بنانا

سوال نمبر (86):

آج کل لوگ شادی کے موقع پر دعوت کے لیے شادی کارڈ استعمال کرتے ہیں جسے زبانی دعوت دینے کا نعم البدل سمجھا جاتا ہے۔شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟

بینوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کی خوشی اور غم ہر حال میں شریعت کی طرف سے کچھ اصول اور حدود مقرر ہیں۔ان حدود کے اندر رہتے ہوئے غم یا خوشی کا اظہار جائز ہے، تاہم اگر ایک مباح عمل ان حدود سے ہٹ کر حرام کے ارتکاب کا ذریعہ بن رہا ہو تو اس کو ترک کرنا ضروری ہے۔شادی کے موقع پر شریعت نکاح کے اعلان کا حکم دیتی ہے، اگر شادی کارڈ اس مقصد کے حصول کے لیے ہو تو ہر جگہ پہنچنے کی بجائے یہ دعوت کا آسان طریقہ ہے اس لیے جائز ہے، لیکن اس سے ہٹ کر محض فخر و مباہات پیش نظر ہوں تو پھر اس سے اجتناب ضروری ہوگا۔

---

(١) فيض الباري، كتاب النكاح، باب البنا بالنهار بغير مركب: ٤/٢٩٧

والدّليل على ذلك:

عن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ: أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدّفوف. (۱)

ترجمہ: حضورﷺ فرماتے ہیں کہ تم نکاح کا اعلان کیا کرو اور نکاح مساجد میں کیا کرو اور نکاح کے وقت دف بجایا کرو۔

وفيه تعريض بأن كلا من الرياء، والمن، والأذى على الإنفاق من صفات الكفار، ولابد للمؤمنين أن يجتنبوها. (۲)

ترجمہ: آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ریاکاری واحسان جتلانا اور صدقہ کے بعد ایذارسانی کافروں کی صفات ہیں، ایمان والوں کے لیے ان سے اجتناب ضروری ہے۔

❁❁❁

دُلہن کی رخصتی کے وقت اذان دینا

سوال نمبر(87):

بعض علاقوں میں دُولہن کی رخصتی کے وقت اذان دی جاتی ہے اور دوپٹے کے چاروں طرف گندم باندھ دیئے جاتے ہیں۔کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تمام مروجہ رسومات جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، اگر ان کو ثواب سمجھ کر کیا جائے تو بدعت کے زمرے میں آکر ان پر عمل کرنا ناجائز رہے گا، لیکن اگر محض رسم کے درجے میں رکھ کر عمل کیا جائے اور شریعت کے اصولوں کی مخالفت لازم نہ آتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔غم کے موقع پر جو رسوم ادا کیے جاتے ہیں عموماً لوگ ان کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں، اس لیے ایسے رسوم بدعت شمار ہو کر ناجائز رہیں گے اور خوشی کے موقع پر جو رسوم باعث

---

(۱) جامع الترمذي، كتاب النكاح، باب في اعلان النكاح: ۲۰۷/۱

(۲) تفسير روح المعاني، تحت قوله تعالى (كالذي ينفق ماله رئاء الناس): ۳۵/۳

ثواب سمجھ کر نہیں کیے جاتے ان پر عدم جواز کا فتویٰ دینا مشکل ہے۔

صورتِ مسئولہ میں شادی کے موقع پر لڑکی کے دوپٹے سے گندم کے دانے باندھنا یا رخصتی کے وقت اذان دینا اگر اس نیت سے ہو کہ گندم باندھنے سے رزق میں برکت وزیادتی آئے گی اور آذان دینے سے ثواب حاصل ہوگا۔ یہ چونکہ اپنی طرف سے دین میں اضافہ کے مترادف ہے اِس لیے بدعت کے زمرے میں شمار ہوگا لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

عَن عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا قَالَت قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَن أَحدَثَ فِي أَمرِنَا هٰذَا مَا لَيسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ. (۱)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: جس نے ہمارے اس دین میں اپنی طرف سے کوئی نئی بات بنائی تو وہ رد ہے۔

❁❁❁

کسی خوشی کے موقع پر ہار پہننا اور پہنانا

سوال نمبر (88):

آج کل شادی بیاہ میں رشتہ دار دُولہا کو ہار پہناتے ہیں۔ اسی طرح تراویح میں ختم القرآن کے موقع پر حافظ قرآن کے گلے میں ہار ڈالتے ہیں۔ شریعت اس کے متعلق کیا حکم فرماتی ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

شادی بیاہ یا اس طرح دوسری خوشی مثلاً ختم القرآن وغیرہ کے موقع پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے رشتہ داروں کا دُولہا یا حافظ قرآن کو ہار پہنانا شرعاً ممنوع نہیں اور نہ ہی اس کو بدعت کہہ سکتے ہیں تاہم اس میں اسراف اور فضول خرچی کے ارتکاب سے بچنا نہایت ضروری ہے، بہتر ہوگا کہ ہار کی بجائے اس کی قیمت دولہا یا حافظ کو نقد دی جائے۔

والدّلیل علی ذلك:

في شرح السنة :يستحب للمرأ إذا أحدث به نعمة أن يحدث له شكرا. والوليمة، والعقيقة، و الدعوة

(۱) صحيح البخاري، الصلح، إذا اصطلحوا على صلح الجور فهو رد،۱/ ۳۷۱

علی الختان، وعندالقدوم من الغیبة کلهاسنن، مستحبة شکرالله تعالیٰ علی ماأحدث من النعمة.(۱)

ترجمہ: شرح السنۃ میں ہے کہ آدمی کے لیے مستحب ہے کہ جب کوئی نئی نعمت ملے تو یہ بھی نیا شکرادا کرے۔ ولیمہ، عقیقہ وختنہ کے وقت اور سفر سے وطن واپسی پر دعوت کرنا سنت ہے۔اور مستحب ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نعمتوں پر شکرادا کرے۔

❁❁❁

شادی کے موقع پر کھجور تقسیم کرنا

سوال نمبر(89):

ہمارے علاقہ میں یہ رسم ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر کھجور پھینکتے ہیں اور دلیل میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ حضورﷺ سے کھجور پھینکنے کی روایت ثابت ہے۔ مسئلہ کی شرعی حیثیت واضح فرمائیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو ہر میدان میں مسلمانوں کی رہنمائی کرتا ہے عبادات ہوں یا معاملات، خوشی کے مواقع ہوں یا غم کے مواقع ہر میدان میں اسلام مسلمانوں کی رہنمائی کرتا ہے، ہر عمل کے لیے اصول اور ضابطے ہیں جن کی پابندی ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ جہاں تک شادی کے موقع پر کھجور ڈالنے کی روایت ہے تو منقول ہے کہ آپﷺ ایک نکاح میں حاضر ہوئے، تو ان کے سامنے کھجور سے بھری ٹوکری لائی گئی۔ آپﷺ نے کھجور کو بکھیر دیا۔ ہم نے اپنے ہاتھ بند کر دیئے تو حضورﷺ نے لینے کا حکم فرمایا۔ اس سے یہ بات ثابت ہے کہ کھجور ڈالنے کی روایت درست ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

أن النبيﷺ حضر في إملاك (أي نكاح) فأتي بطباق عليها جوزولوز و تمر، فنثرت فقبضنا أيدنا، فقال: مابالكم لا تأخذون؟ فقالوا:لأنك نهيت عن النهبى. فقال :مانهيتكم عن نهبى العساكر، خذوا على اسم الله.(۲)

---

(۱) محمدادریس الکاندھلوي، التعلیق الصبیح، کتاب النکاح، باب الولیمة، الفصل الاول:۴/۴۷

(۲) اعلاء السنن، کتاب النکاح، باب جواز الولیمه الی ایام: ۱۱/۱۷

ترجمہ: حضورﷺ ایک شادی میں شریک ہوئے تو آپﷺ کے سامنے اخروٹ، بادام اور کھجور سے بھری طشتری لائی گئی اور اُسے بکھیر دیا گیا۔ہم نے اپنے ہاتھوں کو روک لیا۔اس پر حضورﷺ نے فرمایا کہ:''تمہیں کیا ہو گیا؟ تم کھجور کیوں نہیں لیتے ہو؟''صحابہؓ نے عرض کیا: آپﷺ نے ہمیں لوٹ سے منع کیا ہے۔رسولﷺ نے فرمایا کہ:''تم کو لشکر کی جمع کی ہوئی چیز (غنیمت) کے لوٹنے سے منع نہیں کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا نام لے کر لو۔''

❁❁❁

بدعت اور رِواج میں فرق

سوال نمبر(90):

بدعت اور رواج کا کیا مطلب ہے؟ کیا ایسے رواج پر سکوت اختیار کیا جاسکتا ہے جو شریعت کے منافی نہ ہو؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق اس میں احکامات موجود ہیں۔پھر بھی کوئی شخص اپنی طرف سے دین میں کوئی نیا کام ایجاد کرے اور اس پر عمل کرنے کو ثواب سمجھے تو یہ دین میں زیادتی کی وجہ سے بدعت شمار ہو کر شرعاً مردود ہے، اگر یہ دنیاوی معاملہ ہو اور علاقے کے عوام اس پر بغیر کسی ثواب کی نیت کیے عمل پیرا ہوں، تو یہ رواج کہلاتا ہے۔رواج چونکہ عرف کا دوسرا نام ہے، لہٰذا جب تک یہ شریعت کے منافی نہ ہو، اس پر سکوت اختیار کرنا جائز ہے اور جہاں کہیں رواج نصوص شرعیہ سے متصادم ہو تو اس کو احسن طریقے سے تبدیل کرنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

ما أحدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہﷺ من علم أو عمل، أو حال بنوع شبهة، واستحسان، وجعل دیناً قویماً، وصراطا مستقیماً.(۱)

ترجمہ: بدعت وہ امر ہے جس کو ایک قسم کے شبہ اور استحسان کی وجہ سے اس حق کے برخلاف ایجاد کیا جائے جو کہ حضور اکرمﷺ سے ماخوذ ہے۔خواہ وہ از قسم علم ہو یا عمل یا حال اور اس کو دین قویم اور صراطِ مستقیم قرار دے دیا جاوے۔

❁❁❁❁❁

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة، مطلب :البدعة خمسة اقسام:۲/۲۹۹

باب ما یتعلق بالقرآن والحدیث والسنة

(قرآن وحدیث اور سنت سے متعلقہ مباحث کا بیان)

انسان اور انسانی ماحول تغیر پذیر بھی ہے اور ترقی پذیر بھی۔ دراصل معاشرتی وتمدنی حالات کا متغیر ہوتے رہنا انسان کی ترقی اور اشرف المخلوقات ہونے کی ایک دلیل ہے، لہٰذا انسانی ضروریات کو پورا کرنے اور انسان کی ہر حالت میں رہبری کرنے کے لیے ہدایت کا دو حصوں یا دو درجوں میں منقسم ہونا لازمی تھا۔

ایک ہدایت کا وہ حصہ جو جمیع اصول اور تمام لازمی احکام واعمال پر مشتمل، انسانی تصرف سے بالاتر اور اپنے الفاظ میں محفوظ ومنضبط ہو، جو بنی نوع انسان کی ہدایت کا دائمی نصاب ہونے کے ساتھ آئندہ کے لیے ہر دور میں ہر طرح کے پیش آنے والے حالات میں رہبری ورہنمائی کرنے والا ہو۔

دوسرا وہ حصہ جو ماحول کی تمام تبدیلیوں اور تمام متغیر ومتبدل حالات میں طریق عمل اختیار کرنے کے لیے صحیح راستہ دکھانے کا سامان ہو جو اصول وکلیات کو ہر وقت اور ہر جگہ منطبق کرنے کا عملی نمونہ ہو، جو قرآنی آئین ودستور کے لیے ایک باوقار عدلیہ اور بااثر انتظامیہ فراہم کر کے چار دانگ عالم اپنی ہمہ گیریت کا لوہا منوا سکے۔

ہدایت کا پہلا حصہ (جو کہ ہدایت کی حقیقت اصلیہ ہے) قرآن مجید یا وحی متلو ہے، جب کہ دوسرا حصہ (جو کہ عملی تطبیق کی شکل ہے) وحی خفی، وحی غیر متلو یا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ انسانی ہدایت اور فلاح کے لیے ان دونوں کا ایک ساتھ رہنا انتہائی ضروری ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جو خاتم النبیین ﷺ کی زبان مبارک سے ان الفاظ میں نکلی ہے کہ:

"تركت فيكم أمرين لن تضلوا ماتمسكتم بهما: كتاب الله وسنة رسوله". (١)

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں، جب تک ان دونوں کو تھامے رکھو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے: ایک چیز اللہ تعالیٰ کی کتاب اور دوسری چیز اس کے رسول کی سنت ہے''۔

کتاب اللہ سے متعلق چند اصطلاحات کی تشریح:

آیات محکمات:

قرآن کریم میں دو قسم کی آیات پائی جاتی ہیں: ایک وہ جن کی مراد معلوم ومتعین ہو، خواہ اس لیے کہ:

☆.....لغت وترکیب وغیرہ کے لحاظ سے الفاظ میں کوئی ابہام واجمال نہیں۔

(١) موطا إمام مالك، كتاب الجامع، باب النهي عن القول بالقدر: ص:٧٠٢

☆...... یا اس لیے کہ عبارت میں کسی دوسرے معنی کا احتمال ہی نہیں۔

☆...... یا اس لیے کہ جو معنی مراد سمجھا گیا وہ قواعد مسلمہ کے عین مطابق ہے۔

☆......اور یا اس لیے کہ عبارت والفاظ میں اگرچہ لغت کے اعتبار سے کئی معانی کا احتمال ہو سکتا تھا، لیکن شارع کی نصوص مستفیضہ یا اجماع اُمت یا مذہب کے عام اصول مسلمہ سے یہ بات قطعاً متعین ہو چکی کہ متکلم کی مراد کوئی اور معنی نہیں، بلکہ یہ ہے؛ ایسی آیات کو محکمات کہتے ہیں اور فی الحقیقت کتاب کی ساری تعلیمات کی جڑ اور اصل اصول یہ ہی آیات ہوتی ہیں۔

آیات متشابہات:

جن کی مراد معلوم ومتعین کرنے میں کچھ اشتباہ والتباس واقع ہو جائے۔

آیات متشابہات سے متعلق قرآنی حکم:

صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس دوسری قسم کی آیات کو پہلی قسم کی طرف راجع کر کے دیکھا جائے، جو معانی اس کے خلاف پڑیں، ان کی قطعاً نفی کی جائے اور متکلم کی مراد وہ سمجھی جائے جو آیات محکمات کے مخالف نہ ہو۔ اگر باوجود اجتہاد وسعی بلیغ کے متکلم کی مراد کی پوری پوری تعیین نہ کر سکیں تو دعویٰ ہمہ دانی کر کے حد سے گزرنا درست اقدام نہیں۔ جہاں قلتِ علم اور قصورِ استعداد کی وجہ سے بہت سی حقائق پر ہم دسترس نہیں پا سکتے، اس کو بھی اُسی فہرست میں شامل کرلیں اور ایسی تاویلات اور ہیر پھیر نہ کریں جو مذہب کے مسلمہ اصول اور آیات محکمات کے خلاف ہوں۔ بعض قاسی القلب چاہتے ہیں کہ مغالطہ دے کر ان سطحی معنوں سے لوگوں کو گمراہی میں پھنسا دیں، لیکن راسخین في العلم محکمات ومتشابہات سب کو حق جانتے ہیں، انہیں یقین ہے کہ دونوں قسم کی آیات ایک ہی سرچشمہ سے آئی ہیں، جن میں تناقض وتہافت کا امکان نہیں۔(۱)

آیاتِ متشابہات کی حکمت:

دراصل اس قسم کی کارروائی میں بندوں کی جانچ مقصود ہے کہ کون اپنے دل کی بیماری یا کجی کی وجہ سے شکوک وشبہات کے دلدل میں پھنس کر رہتا ہے اور کون سمجھدار آدمی اپنے علم وتحقیق کی قوت سے ایمان واخبات کے بلند مقام پر پہنچ کر دم لیتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آدمی نیک نیتی اور ایمانداری سے سمجھنا چاہے تو اللہ تعالیٰ دستگیری فرما کر اس کو سیدھی راہ

(۱) تفسیرِ عثمانی، آل عمران:۷

پر قائم فرمادیتے ہیں۔ رہے منکرین ومشککین تو ان کو قیامت تک اطمینان حاصل نہیں ہوسکتا۔(۱)

قرآن کریم کے بعض احکامات کو ماورائے عقل سمجھنے کے بنیادی اسباب:

قرآن کریم کی جو تفسیر قطعی طور پر آنحضرت ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع واتفاق سے ثابت ہو، وہ آج تک کبھی عقل یا قطعی مشاہدے کے خلاف ثابت نہیں ہوئی۔ چودہ سو سال کے عرصے میں عملی تحقیقات وانکشافات میں جتنے بھی انقلابات آئے، ان میں سے کوئی بھی قرآن کریم کی قطعی الثبوت تفسیر سے متصادم نظر نہیں آیا۔

بنیادی طور پر اس معاملے میں دو طرح کی غلطی ہوتی رہتی ہے:

(۱)...... زمانے کے مروجہ نظریات اور پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر ''خلافِ عقل'' ہونے کا فیصلہ کرنا، حالانکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر حیرت انگیز چیز خلافِ عقل نہیں ہوتی اور نہ ہر اس چیز کو ناممکن کہا جاسکتا ہے جس کے اسباب سمجھ میں نہ آئے ہوں۔ ہماری روزمرہ زندگی میں اس کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

(۲)...... قرآن کریم کی ہر تفسیر کو قطعی سمجھنا، حالانکہ قطعی تفسیر صرف وہی ہوتی ہے جو قرآن کریم کے سیاق وسباق سے، آنحضرت ﷺ کی قطعی تفسیر سے، کسی صحابی کے قول سے یا امت مسلمہ کے اجماع سے ثابت ہو، لہٰذا ایسے موقع پر دیکھنا چاہئے کہ دلیل قطعی یا مشاہدے کے خلاف تفسیر کس درجے کی ہے، محض عام شہرت کی بناء پر کسی تفسیر کو قطعی سمجھنا بالکل غلط ہے۔(۲)

سنتِ رسول (ﷺ):

تعارف اور مقام ومرتبہ:

فقہ اسلامی کا دوسرا بنیادی ماخذ سنت رسول اللہ (ﷺ) ہے۔ یہ دراصل بزبان پیغمبر ﷺ قرآن کی تشریح وتوضیح ہے۔ جس طرح خداوند کریم کا فرمان ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾(۳)

---

(۱) تفسیر عثماني، الحج: ۵۲

(۲) محمد تقي عثماني، علوم القرآن، باب دوم، تفسیر کے ناقابل اعتبار مأخذ، تفسیر میں گمراهی کے اسباب، ص: ۳۸٤

(۳) النحل: ٤٤

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر بھی یہ قرآن اس لیے نازل کیا ہے تا کہ تم لوگوں کے سامنے ان باتوں کی واضح تشریح کر دو جو ان کے لیے اتاری گئی ہیں۔

لہٰذا قرآن پاک کے بعد مقام و مرتبہ سنت ہی کا ہے۔

سنت کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق:

السنة في اللغة : الطريقة، مرضية كانت أوغير مرضية والعادة .(١)

سنت لغت میں طریقے اور عادت کو کہتے ہیں، چاہے اچھی ہو یا بری۔

سنت کا عام اطلاق:

عام اسلامی معاشرے میں سنت کا اطلاق شریعت یا اچھے اور سیدھے راستے پر ہوتا ہے، لہٰذا سنت اللہ سے مراد اللہ کے احکام یعنی اوامر و نواہی ہیں۔ اس کو دیکھتے ہوئے اہل سنۃ کا عام فہم معنیٰ ''سیدھے اور اچھے راستے (شریعت) پر چلنے والا'' ہوگا۔(۲)

اس معنی کی طرف حدیث شریف میں بھی اشارہ ہے:

"تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما : كتاب الله وسنتي".(٣)

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک ان کو تھامے رکھو گے، ہرگز گمراہ نہ ہو گے، اللہ کی کتاب اور میری سنت''۔

سنت کی اصطلاحی تعریف:

فن حدیث اور اصولِ فقہ کی اصطلاح میں سنت ان باتوں کو کہتے ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ خواہ وہ آپ کے اقوال ہوں یا افعال یا آپ کی تقریرات ہوں، البتہ محدثین چونکہ آپ کی ہر ادا کو محفوظ رکھتے ہیں، اس لیے ان کے ہاں آپ کی مبارک سیرت اور نجی زندگی بھی سنت ہے۔ محدثین اس کو زیادہ تر حدیث بولتے ہیں۔(۴)

---

(١) التعريفات للجرجاني، مادة سنت: ص٨٨، دار المنار

(٢) الأفريقي، محمد بن منظور، لسان العرب، مادة سنن : ٣٩٩/٦، دار احياء التراث العربي

(٣) موطا الإمام مالك، كتاب الجامع، النهي عن القول بالقدر: ص٧٠٢

(٤) مناع القطان، تاريخ التشريع الإسلامي :ص ٧٧، ٧٨، مؤسسة الرسالة

فقہائے کرام کی اصطلاح اس سے ذرا الگ ہے جو عملی زندگی اور معاشرتی ضروریات سے کچھ زیادہ ہم آہنگ ہے۔علامہ ابو اسحاق شاطبی مالکی سنت کے مختلف معانی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

نیز سنت کا لفظ بدعت کے مقابلہ میں بھی بولا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ''فلاں سنت پر عامل ہے'' جب وہ نبی اکرم ﷺ کے عمل کے مطابق عمل کرے، چاہے وہ کام قرآن کریم میں صراحۃً منصوص ہو یا نہ ہو، اور کہا جاتا ہے ''فلاں بدعت پر ہے'' جب وہ اس کے خلاف عمل کرے۔ نیز سنت کا لفظ اس پر بھی بولا جاتا ہے جس کو حضرات صحابہ کرامؓ نے کیا ہو، عام ازیں کہ وہ کام کتاب و سنت میں صراحۃً منصوص ہو یا نہ ہو، کیونکہ وہ کام ایسی سنتِ نبوی کے اتباع کی وجہ سے ہوگا جو ان کے نزدیک ثابت ہے اور ہم تک وہ منقول ہو کر پہنچ نہ سکی یا متفق علیہ اجتہاد کی بناء پر ہوگا۔(۱)

سنت کی قسمیں:

محدثین کرام کے ہاں مختلف اعتبارات سے سنت کی بیسیوں اقسام ہیں، مثلاً: متواتر، مشہور، خبر واحد یا سنت قولی، فعلی اور تقریری وغیرہ، البتہ فقہائے کرام کے ہاں اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) سنن الھدیٰ جن کو سنن رواتب اور سنتِ مؤکدہ بھی کہتے ہیں۔ (۲) سنن زوائد

سنن ھدیٰ یا سنن مؤکدہ:

جن اعمال وافعال پر رسول اللہ ﷺ نے بطور عبادت مواظبت فرمائی ہو ان کو سننِ ہدیٰ کہتے ہیں۔ یہ وہ سنن ہیں جن کا ادا کرنا دین اسلام کی تکمیل اور اقامتِ دین کا ذریعہ ہے۔ ان کو ترک کرنا مکروہ اور قابلِ ملامت ہے۔ ان میں سے بعض کو عملاً واجب قرار دیا ہے، لہٰذا اگر ان کو اجتماعی طور پر ترک کیا گیا تو ان کے بارے میں سختی سے باز پرس کی اجازت ہے، مثلاً: نماز باجماعت، آذان و اقامت، سننِ رواتب (مؤکدات) مضمضہ و استنشاق وغیرہ۔

سننِ زوائد یا غیر مؤکدہ:

جن اعمال وافعال کو آپ ﷺ بطور عادتِ بشری انجام فرماتے تھے، وہ بلاشبہ امت کے لیے مشعل ہدایت اور تقرب الٰہی کا ذریعہ ہیں، لیکن اگر کوئی شخص اس کو ادا نہ کرے تو اسے از روئے شریعت ملامت نہ کیا جائے گا، جیسے:

---

(۱) الشاطبي، أبو إسحاق، الموافقات، كتاب المقاصد، النوع الأول في بيان قصد الشارع في وضع الشريعة وفيه مسائل، المسألة الأولى: ۴/۲

آپ ﷺ کا اندازِ قیام وقعود، لباس، عاداتِ اکل وشرب وغیرہ۔ اگر کوئی اس کو دل وجان سے سنت تسلیم کرتے ہوئے کسی طبعی مجبوری کی وجہ سے نہ اپنائے تو اسے عقاب وعتاب نہیں کیا جائے گا۔ ان کو سنن غیر مؤکدہ بھی کہتے ہیں۔(۱)

شریعت اسلامی میں حدیث کا مقام ومرتبہ:

خالقِ کون ومکان، مالکِ ارض وسماء نے بنی نوع انسان کے رشد وہدایت کے لیے اپنے پیارے پیغمبر ﷺ پر ایک جامع اور مقدس کتاب نازل فرمائی جس میں پورے کے پورے دین کو اصولی اور اجمالی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اسلام نے انسانی زندگی کے جس پہلو کو اپنے دائرہ بحث میں لیا ہے، قرآن کریم نے ان میں سے کوئی ایسی چیز فروگذاشت نہیں کی جس کی اصل روح قرآن کریم کے معجزانہ اسلوب میں بیان نہ کی گئی۔ قرآن کریم میں اگرچہ بعض مسائل کے ضروری جزئیات بھی بیان کیے گئے ہیں مگر زیادہ تر مسائل میں قرآن نے صرف کلیات اور بڑے بڑے اصول بیان کیے ہیں۔

قرآن حکیم کے بلیغ اسلوب کو سمجھنے کے لیے اور اس کے اسرار ورموز سے واقف ہونے کے لیے لغت کی کتابوں کا سہارا اور محاورات عرب کی جانکاری ہی کافی نہ تھی، بلکہ ایک کامل معلم کی ضرورت تھی جو قرآنی کلیات واصول کے تحت داخل ہونے والی تمام فروعات وجزئیات کو اپنے اقوال وافعال سے واضح کردے، اس کے مجملات کی تفصیل اور اصطلاحات کی تشریح کرے اور اس کے معجزانہ حقائق ومعارف، مخفی رموز واسرار سے امت کو روشناس کرائے، اور امت کے لیے ایسے اصول وقواعد بھی بیان کرے جن کی روشنی میں نت نئے مسائل کا حل تلاش کیا جاسکے۔ چنانچہ اسی مقصد عظیم کے لیے رب کائنات نے نبی آخر الزمان کو مبعوث فرمایا، جنہوں نے اپنے اقوال وافعال کے ذریعے قرآن کریم کو واضح کرکے امت کے سامنے دستورِ ہدایت کے طور پر پیش کیا۔ حضور ﷺ کی سنت کو مانے بغیر نہ قرآن کریم کو سمجھا جاسکتا ہے، نہ ہی اس کے بغیر دین اسلام ایک کامل ومکمل دین کے طور پر جانا جاسکتا ہے۔ قرآن پاک کے بعد سنتِ رسول ایک حجتِ شرعیہ اور دین کا اہم ستون ہے۔

سنتِ رسول ﷺ کا حجت ہونا ضروریات دین میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مبارک سنتیں ہی تو آخری تشریح وتوضیح ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾(۲)

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلوة، آداب الصلوة:۲/۱۲۵، کتاب التعریفات للجرجاني، مادة سنت: ص۸۸

(۲) النجم:۳، ۴

اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہے جو اُن کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

قرآن کریم میں موجود ان جیسے بیسیوں دلائل کے باوجود بعض دسیسہ کار اسلام کی اس عظیم اور مضبوط عمارت میں رخنے ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے حجیت حدیث کا انکار کرتے ہیں۔ان کی مذموم مساعی کی پیشن گوئی آپ ﷺ نے خود ہی فرمائی ہے:

لاالفین أحدکم متکئا علی أریکته یأتیه الأمر مما أمرت به أو نهیت عنه، فیقول لا أدري ماوجدنا في کتاب الله اتبعناه.(۱)

میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ مزین ومرصع تختِ شاہی پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو اور (پھر) اس کے پاس آئے وہ بات جس کا میں نے حکم دیا یا جس سے میں نے منع کیا، پس وہ کہے کہ میں اس کو نہیں جانتا، جن باتوں کو ہم اللہ کی کتاب میں پائیں گے صرف اسی کا اتباع کریں گے۔

علامہ شاطبیؒ نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے:

إن الاقتصار علی الکتاب رأي قوم لاخلاق لهم، خارجین عن السنة......(۲)

''صرف کتاب اللہ پر اقتصار کرنا (حدیث کو نہ ماننا) ایک ایسی قوم کی رائے ہے جن کا شریعت میں کوئی حصہ نہیں اور وہ لوگ اہل سنت کی جماعتِ حق سے باہر ہیں''۔

جب کہ صاحب مجمع الانہر نے بھی ان کے کفر پر تصریح کی ہے۔(۳)

احادیث کی تشریح سے متعلق عوام کی کمزوری اور خطبا کا عدمِ احتیاط:

احادیث سے استنباط اور تطبیق وترجیح کا کام فقہاے کرام اور قوی الاستعداد علما کی ذمہ داری ہے۔ایمان اور عمل کے اعتبار سے ایک عام آدمی کے لیے بس صرف اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اکابر علما کے استنباط اور استدلالات پر من وعن عمل کرکے اپنی عاقبت سنوارنے کی فکر کرے۔ان کی نجات کا یہی راستہ ہے اور وہ شرعاً اسی کے مکلف ہیں، لہٰذا ایک عام آدمی اگر شرعی اصطلاحات اور احادیث کی موشگافیوں میں پڑنے کی کوشش کرے گا تو ممکن ہے کہ اپنی ذہنی کج روی کی بدولت ہدایت کی بجائے گمراہی میں پڑ جائے۔امام بخاریؒ نے عوام الناس کی اس ذہنی سطح اور کم استعداد پر کتاب العلم

(۱) سنن ابن ماجة، باب تعظیم حدیث رسول الله ﷺ: ص۳ مکتبة المیزان

(۲) الموافقات للشاطبي: ۴/ ۱۲۰، تاریخ التشریع الإسلامي: ص ۸۸

(۳) مجمع الأنهر في ملتقی الأبحر، باب المرتد، ان ألفاظ الکفر أنواع، الثاني في الأنبیاء: ۱/ ۶۹۲

میں مستقل باب ''من خص قوماً دون قوم کراھیة أن لا یفھموا'' باندھا ہے۔اس کے تحت انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل فرمایا ہے:

عن عليؓ قال حدثوا الناس بما یعرفون أتحبون أن یکذب اللّٰہ ورسولہ

لوگوں سے ان کے فہم کے بقدر باتیں کرو، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کریں؟(۱)

لہٰذا علماء وخطباء کے لیے بھی انتہائی ضروری ہے کہ ہر رطب ویابس کو عوام کے سامنے بیان کرنے کی بجائے ان کو فرائض وسنن پر عمل پیرا بنائیں اور قرآن وحدیث کے پیچیدہ مسائل سے ان کو دور رکھیں۔

وضعِ حدیث:

چونکہ مذکورہ باب میں بعض سوالات کا تعلق موضوعی احادیث سے ہے، اس لیے ذیل میں وضعِ حدیث سے متعلق چند گزارشات پیش خدمت ہیں۔

وضعِ حدیث کا مطلب:

وضع لغت میں الصاق، کمی اور اسقاط کو کہتے ہیں جب کہ اصطلاحِ محدثین میں ''اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر اس کی نسبت حضورﷺ کی طرف کرنے کا نام ہے''۔(۲)

وضعِ حدیث کی ابتداء اور اس کے مذموم مقاصد:

عرب کے دس لاکھ مربع میل پر پیغمبرﷺ کی زندگی میں اسلام کو جو اقتدار حاصل ہوا تھا اور آپﷺ کے بعد چند ہی سالوں میں روئے زمین کی سب سے بڑی سیاسی طاقت کا جو قالب اسلام نے اختیار کیا تھا، وہ کسی طرح بھی اس وقت کے یہودیوں (جن کا سرغنہ عبداللہ بن سبا منافق تھا) اور دوسرے منافقوں کو راس نہیں آیا، چنانچہ اپنی مادی وافرادی قوت کے فقدان کو دیکھ کر ان دجالوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کو جو نقصان پہنچایا وہ شہادت عثمانؓ وعلیؓ پر بھی ختم نہیں ہوا، بلکہ آج تک اس کے اثرات اسلامی تہذیب وثقافت پر نمایاں ہیں۔ان لوگوں کا بنیادی مقصد پوری دین کو مسخ کرنا تھا کیوں کہ وہ یہ حقیقت جان چکے تھے کہ دین اسلام کو مسخ اور قرآن کریم کو عملاً معطل کرنے کا گُر، اگر کوئی

---

(۱) الصحیح للبخاري، کتاب العلم، باب من خص قوما دون قوم کراھیة أن لایفھموا:۱/۲۴، قدیمي کتب خانہ

(۲) تدریب الراوي، النوع الحادي والعشرون الموضوع وطرق معرفة الوضع:۱/۲۳۱

ہوسکتا ہے تو یہی ہے کہ حدیث کا رابطہ قرآن سے منقطع کردیا جائے۔موجودہ دور میں مستشرقین اور منکرینِ حدیث کی دسیسہ کاریاں اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

وضع حدیث کے انسداد کے لیے محدثین کرام کی کوششیں:

بحمد اللہ، خیر القرون ہی سے اس علمی سرمائے کی حفاظت کا بارِ عظیم محدثین کرام نے اپنے کاندھوں پہ اُٹھایا ہے اور ذخیرۂ حدیث کی اپنی جانوں سے زیادہ حفاظت کرکے اس کو صحیح سالم بعد کی نسلوں تک پہنچایا۔حدیث کے ضعف وسقم کو جانچنے کے لیے ان اکابر نے ایسے پیمانے وضع کیے جن سے خود بخود اس دجل وفریب کے راستے بند ہوگئے۔

وضع حدیث جاننے کے ذرائع:

ان پیمانوں میں سے ایک بڑا پیمانہ حدیث کی نقد وجرح ہے جس کے لیے مندرجہ ذیل طریقے اپنائے گئے۔ جن سے حدیث کے متعلق یہ علم ہوجاتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے:

(۱)......خود واضع کا اقرار: اکثر واضعین بڑے فخر سے اس کو عبادت اور ثواب سمجھ کر اس کا اقرار کرتے۔

(۲)......بمنزلہ اقرار: مثلاً سند کے اندر استاد وشاگرد کے زمانے، علاقے اور نسبت میں تضاد ہو۔

(۳)......راوی کے اندر وضع کا قرینہ ہو، مثلاً وہ رافضی یا سبائی یا کسی اور گمراہ فرقے کا ہو۔

(۴)......مروی کے اندر قرینہ ہو یعنی اس کے الفاظ ومعانی اس معیار کے نہ ہوں جو حدیث کے ہونے چاہئیں۔

(۵)......عقل ومشاہدہ یا صریح قرآن، سنتِ متواترہ، تاریخی حقائق اور اصولِ دین کی مخالفت پر مبنی ہو۔

(۶)......ایک ایسے معاملے میں فرد واحد کی روایت، جہاں پوری جماعت ہونی چاہیے تھی۔

(۷)......معمولی چیز پر سخت دھمکی یا بڑے بڑے وعدے۔

(۸)......علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ حدیثِ منکر کے سننے سے طبعاً ایک طالب علم کے رونگٹھے کھڑے ہوجاتے ہیں اور دل میں وحشت سی ہونے لگتی ہے۔(۱)

---

(۱) تدریب الراوي، النوع الحادي والعشرون الموضوع وطرق معرفة الوضع:۱/۲۳۱،۲۳۲

وہ اشیاء جن کے متعلق احادیث میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے:

☆ ......فضائلِ سور و آیات اور شانِ نزول: عموماً صوفیاء، زہاد اور متکلمین کی تفاسیر میں وضع کا احتمال زیادہ ہوتا ہے، ان چیزوں میں معتمد ترین ماخذ تفسیر ابن کثیر ہے۔

☆ ......مناقب و مذمتِ اقوام و اشخاص

☆ ......قصص الانبیاء اور بنی اسرائیل کے احوال

☆ ......کھانے پینے کی اشیاء کے فضائل اور طبی نسخے

☆ ......جانوروں اور پرندوں وغیرہ کے متعلق

☆ ......جھاڑ پھونک اور دعاؤں کے متعلق

☆ ......مستحبات و نوافل کے ثواب کے متعلق (۱)

وضع حدیث کے بنیادی اسباب:

(۱)......تقرب الی اللہ یعنی جاہل صوفیاء اور زاہدوں کا لوگوں میں رغبت و رہبت، پیدا کرنے کیلئے من گھڑت باتیں۔ یہ واضعین سب سے بدترین واضعین ہیں، کیوں کہ یہ لوگ اسے دین کی تکمیل اور عبادت سمجھ کر دین کے نامکمل ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ حالانکہ ''الیوم أکملت لکم دینکم'' کے بعد اب کسی کو کیا مجال ہوسکتی ہے کہ اپنی طرف سے لوگوں کو ڈراتا دھمکاتا رہے۔

(۲)......مذہب و مسلک میں تعصب اور اس کی بے جا حمایت

(۳)......طعن فی الدین یعنی شرعی امور میں عیب جوئی کرنا اور کمزوری دکھانے کے لیے اپنی طرف سے باتیں گھڑنا (یہ کام زیادہ تر ملحدین، زنادقہ اور مستشرقین کا ہے)

(۴)......حکام و خلفاء سے تقرب

(۵)......طلبِ معاش یا طلبِ شہرت

(۶)......طلبِ دلیل و حجت

---

(۱) تدریب الراوي، النوع الحادي والعشرون الموضوع وطرق معرفة الوضع: ۱/۲۳۵، ۲۳۶ عبیداللہ أسعدي، علوم الحدیث، مبحثِ دوم، بحواله العجالة النافعة، ص: ۱۶۱

(۷)..... جہالت اور حد سے زیادہ حسنِ ظن

(۸)..... عجائب وغرائب بیان کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا (۱)

وضع حدیث کی مذمت اور اس کا حکم:

حضورِ اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار.

''جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''۔ (۲)

کسی بھی محدث وغیر محدث کے لیے اس کی روایت قطعاً جائز نہیں۔ جو شخص اس کو جھوٹ جانتے ہوئے بھی روایت کرتا ہے وہ بھی گھڑنے والے کی طرح جھوٹا ہے۔ امام بخاری کے ہاں موضوع حدیث کے راوی کو سختی سے پیٹا جائے اور طویل قید میں ڈالا جائے۔ (۳)

جب کہ امام الحرمین کے ہاں یہ جرم اتنا قبیح ہے کہ وہ ایسے مجرم کو کافر قرار دیتے ہیں اور عمر بھر اس کی روایت کا اعتبار نہیں کرتے۔ (۴)

❁❁❁

---

(۱) تدریب الراوی، النوع الحادي والعشرون الموضوع وطرق معرفة الوضع: ۱/۲۳۸-۲۴۵

(۲) مقدمة مسلم، باب تغليظ الكذب على رسول الله ﷺ، ص:۷

(۳) تدريب الراوي، النوع الحادي والعشرون الموضوع وطرق معرفة الوضع: ۱/۳۴۸

(٤) علوم الحديث، مبحث دوم، موضوع، حكم، ص:۱۵٦

مسائل قرآن و حدیث

بغیر وضو کے قرآن وحدیث کی کتابت

سوال نمبر(91):

کیا قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ یا ان کا ترجمہ کمپیوٹر یا ٹائپ کے ذریعے ناپاکی کی حالت میں لکھنا جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کسی شخص کو حدث اصغر یا حدث اکبر لاحق ہو جائے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کے لیے قرآنی آیات لکھنے میں کوئی کراہت نہیں، لیکن امام محمدؒ کے قول کے مطابق مکروہ ہے۔

علامہ حصکفیؒ نے دونوں اقوال میں تطبیق کچھ اس طرح بیان کی ہے کہ اگر لکھنے کے دوران کاتب کے ہاتھ قرآنی آیات سے علیحدہ ہوں تو مکروہ نہیں، ورنہ اس کے ساتھ ہاتھ لگنے کی صورت میں کتابت مکروہ ہوگی۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ٹائپ یا کمپیوٹر کے ذریعے سے لکھنے یا نقل کرنے میں کاتب کے ہاتھ چونکہ کاغذ کے ساتھ نہیں لگتے، اس لیے یہ مکروہ نہیں، تاہم لکھے ہوئے کاغذ کو ہاتھ لگانا اس کے لیے مکروہ رہے گا۔

والدّلیل علی ذلك:

ویکره له کتابة القرآن عند محمدؒ، وهو قول مجاهد والشعبي وابن المبارك، وبقولهم أخذ الفقیه أبو اللیث، وکذلك الفقیه أبو جعفرؒ أفتی بقولهم، إلا أن یکون أقل من آیة .وعن أبي یوسف: أنه لابأس به إذا کانت الصحیفة علی الأرض؛ لأنه لیس بحامل القرآن، والکتابة توجد حرفاحرفا.(۱)

ترجمہ: اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کے لیے (ناپاکی کی حالت میں) قرآن پاک کی کتابت مکروہ ہے اور یہی امام مجاہد، شعبیؒ اور ابن مبارک کا قول ہے اور فقیہ ابو اللیث نے بھی ان کا قول لیا ہے اور اسی طرح فقیہ ابو جعفرؒ نے ان کے قول پر فتویٰ دیا ہے، البتہ جب یہ کتابت ایک آیت سے کم ہو (تو گنجائش ہے)، اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ جب صحیفہ یا نسخہ زمین پر پڑا ہوا ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ وہ قرآن اٹھانے والا نہیں اور قرآن کی کتابت ایک ایک حرف کی الگ الگ ہوتی ہے۔

(۱) الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الطهارة، الفصل الثالث في الغسل، نوع اخرمن هذا الفصل فی المنفرقات :۱/۱۲۳

غصہ کی حالت میں قرآن کریم کو زمین پر مارنا یا گرانا

سوال نمبر (92):

ایک عورت نے غصے کی حالت میں قرآن کریم کو زمین پر مارا ہے۔اب پوچھنا یہ ہے کہ اس سے عورت کے ایمان پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری مقدس ترین کتاب ہے۔شعائر اللہ میں سے ہونے کی وجہ سے فقہائے کرام نے اس کی تحقیر و توہین کو موجبِ کفر قرار دیا ہے۔

مسئولہ صورت میں اگر اِس عورت نے غصہ کی حالت میں قرآن مجید کو استخفاف و اہانت کی نیت سے زمین پر مارا ہو تو اس عورت کے لیے تجدیدِ ایمان ضروری ہے اور اگر استخفاف و اہانت کی نیت سے نہیں گرایا ہو تو اس سے اس کا ایمان متاثر نہیں ہوتا،لیکن اپنے اس عمل پر توبہ و استغفار ضرور کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

یکفر بوضع الرجل علی المصحف مستخفا، وإلافلا، ویظھرلي أن نفس الوضع، بلاضرورة یکون استخیفافا، واستھانة له.(۱)

ترجمہ: قرآن مجید پر استخفاف کی نیت سے آدمی پاؤں رکھنے سے کافر ہو جاتا ہے، ورنہ نہیں، یعنی اگر استخفاف کی نیت سے پاؤں نہیں رکھا تو کافر نہیں ہوتا اور مجھے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بلاضرورت اس پر پاؤں رکھنا اس کی استخفاف اور توہین ہی ہے۔

❀❀❀

لاؤڈ سپیکر کے ذریعے درسِ قرآن دینا

سوال نمبر (93):

عام لوگوں کے آرام کے اوقات میں لاؤڈ سپیکر پر درسِ قرآن اور بیانات کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

(۱) رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الأیمان، مطلب تعدد الکفارة لتعدد الیمین : ۴۹۴/۵

الجواب وباللہ التوفیق:

اسلام ہر کسی کو دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبے کا درس دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے بلند آواز سے تلاوت قرآن پاک اور ذکر جیسی فضیلت والی عبادات کو ایسے اوقات میں کرنے سے منع فرمایا ہے جن اوقات میں یہ عبادات دوسروں کی ایذا رسانی کا سبب بنتے ہوں۔

قرآن کریم کا درس لاؤڈ سپیکر کے ذریعے ایسے اوقات میں دیا جائے جو عام لوگوں کے آرام اور نیند میں خلل ڈالنے اور ان کی ایذا رسانی کا سبب نہ بنتا ہو اور لاؤڈ سپیکر کی آواز اتنی محدود رکھنی چاہیے جس سے صرف حاضرین کو آواز پہنچے اور باہر لوگوں کے آرام اور نیند میں خلل کا باعث نہ بنے۔

والدّلیل علی ذلك:

فالإسرار أفضل حيث خيف الرياء، أو تأذى المصلين، أو النيام، والجهر أفضل حيث خلا مما ذكر.(١)

ترجمہ: پس جہاں ریا کا خوف ہو یا نمازیوں اور سونے والے حضرات کو تکلیف ہو تو خفیہ اور خاموشی سے ذکر کرنا افضل ہے اور مذکورہ امور کی عدم موجودگی میں جہر افضل ہے۔

لاضرر ولاضرار(٢)

ترجمہ: اصول یہ ہے کہ نہ ضرر و تکلیف پہنچے اور نہ ضرر پہنچایا جائے۔

❁❁❁

مختلف سورتوں کی تلاوت کرنا

سوال نمبر (94):

کسی شخص کا روزانہ پہلے دو تین رکوع تلاوت کرنے کے بعد سورۃ یٰسین سے لے کر ختم قرآن تک ترتیب کے ساتھ مختلف سورتوں کی تلاوت کا طریقہ درست ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

(١) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع:٩/ ٥٧٠

(٢) شرح المجلة لسليم رستم باز، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، رقم المادة :١٩، ص/٢٩

الجواب وباللہ التوفیق:

قرآن کریم کی تلاوت کے من جملہ آداب میں سے مصحف عثمانی کی ترتیب کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے، ایسا نہ ہو کہ درمیان میں کسی ایک سورت کو چھوڑ کر اگلی سورت پڑھی جائے۔ مختلف روایات سے تلاوت کا یہ طریقہ ثابت ہے کہ قرآن کریم ابتدا سے شروع کر کے اخیر تک پڑھا جائے۔ البتہ اکثر روایات سے بعض سورتوں کا مختلف اوقات میں پڑھنے کا جواز اور استحباب معلوم ہوتا ہے، اگرچہ وہ مصحف عثمانی کی ترتیب سے نہ ہو۔

لہٰذا صورتِ مذکورہ میں بھی روزانہ دو، تین رکوع پڑھنے کے بعد سورۃ یٰسین سے اخیر تک قرآن پاک کی مختلف سورتوں کو ترتیب کے ساتھ یکے بعد دیگرے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

عن زرارة بن أبي أوفى: أن النبي ﷺ سئل: أي العمل أفضل؟ قال: الحالُ المرتحل، قيل: وما حال المرتحل؟ قال: صاحب القرآن يضرب من أول القرآن إلى آخره، ومن آخره إلى أوله كلما حل ارتحل.(١)

ترجمہ: زرارہ بن اوفیٰ ؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''حال مرتحل''، کسی نے پوچھا کہ حال مرتحل کیا چیز ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''وہ صاحب قرآن ہے، جو اول سے چلے اخیر تک اور پھر اخیر سے اول تک، جہاں ٹھہرے، پھر آگے چل دے''۔

الأولىٰ أن يقرأ على ترتيب المصحف، قال في شرح المهذب: لأن ترتيبه لحكمة، فلا يتركها إلا فيما ورد فيه الشرع، كصلاة الصبح يوم الجمعة بالٓم تنزيل، وهل أتى، ونظائره، فلو فرق السور، أو عكسها جاز، وترك الأفضل.(٢)

ترجمہ: بہتر یہ ہے کہ قرآن پاک کو مصحف عثمانی کی ترتیب سے پڑھا جائے، شرح مہذب میں فرمایا ہے کہ اس کی ترتیب بنا بر حکمت ہے، تو اس کو صرف اس صورت میں ترک کیا جا سکتا ہے جس میں شرع کا ورود ہوا ہو، جیسا کہ جمعہ کے دن صبح کی نماز سورۃ الٓم سجدۃ اور سورۃ دہر کے ساتھ پڑھنا اور اس کی طرح دوسری سورتیں (جن کے بارے میں فضیلت آئی ہو)، پس اگر سورتوں کو الگ الگ کیا یا اس کو الٹ ترتیب سے پڑھا تو اگرچہ جائز ہے، لیکن افضل اور بہتر طریقے کو چھوڑ دینا ہے۔

❁❁❁

(١) سنن الدارمي، باب في ختم القرآن، رقم الحديث ٣٤٧٦، ٥٦٠/٢ قديمى كتب خانه كراچى

(٢) الاتقان فى علوم القرآن، النوع الخامس والثلاثون فى آداب تلاوته، ١٠٩/١ سهيل اكيڈمى لاهور

ختم تلاوت پر "صدقتَ ربنا" یا اس کے مشابہ الفاظ کہنا

سوال نمبر(95):

عام طور پر لوگ ختم تلاوت پر "صدقت ربنا" یا اس کے مشابہ الفاظ مثلاً "صدق اللہ العظیم" وغیرہ پڑھتے ہیں۔اس کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قرآن کریم کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ تلاوت کے اختتام پر بندہ قرآن کریم کے حق اور سچ ہونے کی گواہی دے اور یہ بات کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قرآن کریم کو امت تک پہنچایا ہے، اس کے بعد جو چاہے دعا کرلے۔

صورت مسئولہ میں ختم تلاوت پر "صدقت ربنا" یا اس کے مشابہ الفاظ مثلاً "صدق اللہ العظیم" کہنا اختتامِ تلاوت کے آداب میں سے ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ومن حرمته إذا انتهى قرأته أن يصدق ربه، ويشهد بالبلاغ لرسوله ﷺ، ويشهد على ذلك أنه حق، فيقول: "صدقت ربنا" وبلغت رسلك، ونحن على ذلك من الشاهدين، اللّهم اجعلنا من شهداء الحق القائمين بالقسط، ثم يدعو بدعوات .(۱)

ترجمہ:

قرآن کریم کے احترام میں سے یہ بھی ہے کہ جب تلاوت قرآن اختتام کو پہنچے تو اپنے پروردگار کی تصدیق کرے اور رسول اللہ ﷺ کا (قرآن ودین) پہنچانے کی گواہی دے اور قرآن کریم کے حق ہونے کی گواہی دے، پس اس طرح کہے کہ: "اے ہمارے پروردگار تو نے سچ کہا اور تمہارے رسولوں نے پیغام پہنچایا اور ہم اس کے گواہ ہیں۔اے اللہ! ہم کو انصاف کے ساتھ حق کی گواہی دینے والوں میں شامل کردے۔پھر اس کے بعد دعائیں مانگے"۔

(۱) الجامع لاحكام القران للقرطبي:۱/۲۷، ۲۸

رسم الخط عثمانی کے علاوہ رسم الخط میں قرآن کریم کی کتابت

سوال نمبر (96):

قرآن کریم کی کتابت رسم الخط عثمانی کے علاوہ کسی دوسرے رسم الخط میں جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ میں قرآن کریم کے الفاظ اور رسم الخط کی حفاظت کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور اس میں کسی قسم کے تغیر وتبدل سے اجتناب نہایت ضروری ہے۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے دور میں جمع قرآن کریم کے بعد امت کا اس بات پر اجماع ہوا ہے کہ قرآن کریم کو رسم الخط عثمانی کے علاوہ کسی دوسرے رسم الخط میں لکھنا جائز نہیں، چنانچہ اس کے مصاحف قرآنیہ کو اس رسم الخط میں لکھ کر وسیع پیمانے پر اس کی اشاعت کی گئی، لہٰذا اجماع امت طے پانے کے بعد قرآن کریم کی کتابت کسی دوسرے رسم الخط میں جائز نہیں ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

قال الإمام أحمدؒ :یحرم مخالفة خط مصحف عثمان في واو، أو یاء، أو الف، أو غیر ذلك.(۱)

ترجمہ: امام احمدؒ نے فرمایا کہ: ''واو، یا اور الف یا اس کے علاوہ کسی بھی حرف میں مصحف عثمانی کے رسم الخط کی مخالفت حرام ہے''۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی جگہ ۷۸۶ لکھنا

سوال نمبر (97):

خط کی ابتدا میں ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کی جگہ ۷۸۶ لکھنا کیسا ہے؟ کیا اس سے ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کی سنت ادا ہوتی ہے؟

بیّنوا توجروا

(۱) الاتقان في علوم القران، النوع السادس والسبعون في مرسوم الخط: ۱۶۷/۲

الجواب وباللہ التوفیق:

''۷۸٦''ابجد کے حروف کے اعتبار سے "بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم "کا مجموعہ ہےاور تسمیہ قرآن کریم کی آیت ہونے کی وجہ سے لفظ اور معنی دونوں چیزوں سے عبارت ہے، اس لیے قرآن کریم کی کسی آیت کریمہ کی تعبیر کو قرآن نہیں کہا جاسکتا، فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ تسمیہ میں کوئی ایسا لفظ استعمال کرنا جو قرآن وحدیث اور تمام مسلمانوں کے استعمال میں نہ ہو، مناسب نہیں ہے، لہٰذا ''۷۸٦''تسمیہ لکھنے کے قائم مقام نہیں ہے۔''۷۸٦''میں تسمیہ کی حقیقت نہ ہونے کے باوجود بھی اگر خط کی ابتدا میں اس نیت سے''۷۸٦'' لکھا جائے کہ یہ تسمیہ کی ایک تعبیر ہے جس سے خط کی ابتدا میں لانے سے اچھے اثرات مرتب ہوں اور مخفی عنوان ہونے کی وجہ سے بے ادبی کا احتمال بھی نہ ہو، تو ایسی صورت میں شاید حسن عقیدت کی بہتری کا ذریعہ ثابت ہو۔ بہر حال تسمیہ کو اپنے اصل حروف کے ساتھ لکھنا منقول اور معمول ہے، اس لیے پورا لکھنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

. أن القرآن اسم للنظم والمعنی جمیعاًلا أنه اسم للنظم فقط، کماینبئ عنه تعریفه بالإنزال، والکتابة، والنقل، ولا أنه اسم للمعنی فقط.(۱)

ترجمہ:

قرآن کریم نظم (الفاظ) اور معنی دونوں کے مجموعے کا نام ہے، نہ فقط نظم (الفاظ) کا، جیسا کہ قرآن کریم کی تعریف انزال، کتابت اور نقل کے ساتھ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے اور ایسا نہیں کہ (قرآن) صرف معنی کا نام ہو۔

التسمیة باسم لم یذکره اللّٰه تعالی، ورسوله في عبارة، ولا یستعمله المسلمون الأولیٰ أن لایفعل.(۲)

ترجمہ:

تسمیہ کسی ایسے نام سے ذکر نہیں کرنا چاہیے، جس نام کے ساتھ نہ اللہ تعالیٰ اور نہ اس کے رسول ﷺ نے کسی عبارت میں اس کا تذکرہ کیا ہو اور نہ اس کو مسلمان استعمال کرتے ہوں، بہتر یہی ہے کہ اس طرح نہ کیا جائے۔

(۱) الفتاوی البزازیة، کتاب الکراهیة، الباب التاسع في المتفرقات:٦/ ٣٧٠

(۲) أیضاً

16

"بسم اللّٰہ الحیّ القیّوم "کے عنوان سے تسمیہ لکھنا

سوال نمبر (98):

"بسم اللّٰہ الحی القیوم "کے عنوان سے تسمیہ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

تسمیہ ایسے اسماء سے لکھنا جو قرآن وحدیث میں نہ ہوں اور نہ اس پر مسلمانوں کا عمل جاری ہو، تو اس قسم کے تسمیہ سے احتراز بہتر ہے۔

"بسم اللّٰہ الحی القیوم "میں جتنے بھی کلمات ہیں، وہ چونکہ قرآن کریم میں موجود ہیں، لہٰذا ان کلمات سے تسمیہ لکھنا جائز اور درست ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

التسمية باسم لم يذكره اللّٰه تعالى، ورسوله في عبارة، ولايستعمله المسلمون الأولىٰ أن لايفعل.(١)

ترجمہ:

تسمیہ کسی ایسے نام سے جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے کسی عبارت میں تذکرہ نہ کیا ہو اور نہ اس کو مسلمان استعمال کرتے ہوں، بہتر یہی ہے کہ اس طرح نہ کیا جائے۔

❁❁❁

اغلام بازی کو لواطت کہنا

سوال نمبر (99):

لڑکوں کے ساتھ بدکاری کرنے کو لواطت کے ساتھ تعبیر کرنے میں حضرت لوط علیہ السلام کی طرف نسبت ہوتی ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

(١) الفتاوى البزازية، كتاب الكراهية، الباب التاسع في المتفرقات:٦/ ٣٧٠

الجواب وباللہ التوفیق:

لڑکوں کے ساتھ بدکاری جیسے قبیح فعل کی ابتدا حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے کی ہے۔آپ علیہ السلام کی قوم اس نازیبا فعل کا ارتکاب کرتی تھی، لہٰذا اس فعل قبیح کی تعبیر لواطت سے کرنے میں ایک عظیم پیغمبر کی شان میں بے ادبی معلوم ہوتی ہے، لہٰذا اس کی تعبیر اغلام بازی یا عمل قوم لوط سے کرنا درست ہے اور لواطت سے اس کی تعبیر درست نہیں ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

وقولهم :لوّط فلان :إذا تعاطى فعل قوم لوط، فمن طريق الاشتقاق؛ فإنه اشتق من لفظ لوط الناهي عن ذلك لامن لفظ المتعاطين له .(١)

ترجمہ: اور جب کوئی قومِ لوط کا عمل کرے تو اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ:''لوّط فلان''(فلان نے لواطت کی) یہ اشتقاق کے طور پر ہے۔یہ درحقیقت اِس عمل سے منع کرنے والے''حضرت لوط علیہ السلام'' کے نام سے مشتق ہے؛ اس عمل کے مرتکبین کے ناموں سے مشتق نہیں۔

❀❀❀

قرآن کریم کے ہوتے ہوئے سابقہ آسمانی کتابوں کا حوالہ دینا

سوال نمبر(100):

قرآن کریم کے ہوتے ہوئے سابقہ آسمانی کتابوں کا حوالہ دینا شریعت کی رو سے کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

آسمانی کتابیں چونکہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں، لہٰذا جو عقائد واحکام قرآن کریم سے ثابت ہیں، ان کی تصدیق وتائید کے لیے کتب سابقہ کا حوالہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

عن أبي هريرةؓ قال :قال رسول اللهﷺ :خير يوم طلعت فيه الشمس يوم الجمعة فيه خلق آدم،

---

(١) مفردات الفاظ القران للامام راغب اصفهانی:ص/٧٥١دارالقلم دمشق

وفیہ اھبط، وفیہ تیب علیہ، وفیہ تقوم الساعة......وفیھا ساعة لایصادفھا عبدمسلم، وھو یصلی یسأل اللّٰہ عزوجل حاجة إلاأعطاہ إیاھا. قال کعب ذلك في کل سنة یوم، فقلت بل في کل جمعة، قال:فقرأ کعب التوراة، فقال: صدق رسول اللّٰہ ﷺ.(۱)

ترجمہ:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ’’سب سے بہتر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، جمعہ کا دن ہے، اس میں حضرت آدمؑ پیدا ہوئے، اس میں جنت سے اتارے گئے اور اس میں آپ کی توبہ قبول ہوئی اور اس میں قیامت قائم ہوگی۔۔۔۔اور اس میں ایک گھڑی ایسی ہے جس کے ساتھ ایک مسلمان بندہ حالت نماز میں موافقت پاتے ہوئے اللہ عزوجل سے سوال نہیں کرتا، مگر اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا کردیتے ہیں‘‘۔کعب نے کہا کہ ہر سال میں یہ ایک دن ہوتا ہے؟ میں (ابو ہریرہؓ) نے اس سے کہا کہ: ’’یہ دن ہر جمعہ کو ہوتا ہے‘‘۔ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ کعب نے تورات پڑھ کر کہا کہ: ’’رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے‘‘۔

❀❀❀

سورۃ عنکبوت کی آیت ”فامن لہ لوط“ کی تفسیر

سوال نمبر(101):

سورۃ عنکبوت کی آیت ”فامن لہ لوط“ کی تفسیر میں حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن ج۶/ص ۶۸۵ میں یوں لکھا ہے کہ: ’’آتش نمرود میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر سب سے پہلے مسلمان ہوئے‘‘ تو اس معنیٰ کو لیتے ہوئے بعض لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ کیا حضرت لوط علیہ السلام اس واقعہ کے مشاہدہ سے قبل مسلمان نہیں تھے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

حضرات انبیاء کرام علیھم السلام کی جماعت اللہ تعالیٰ کی منتخب کردہ برگزیدہ جماعت ہے، لہٰذا نبوت عطا ہونے سے قبل بھی کفر سے منزہ اور پاک ہوتے ہیں۔آیت مذکورہ کی جو تفسیر مفتی محمد شفیعؒ نے ذکر کی ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس واقعہ کے مشاہدہ سے قبل حضرت لوط علیہ السلام مسلمان نہ تھے، بلکہ مراد ”فامن “ سے یا تصدیق ہے کہ

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب تفریع ابواب الجمعۃ:۱/۱۴۹، ۱۵۰

اس واقعہ کو دیکھ کر حضرت لوط علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق کر لی اور یا اس سے مراد ایمان کی زیادتی ہے کہ اس واقعہ کے مشاہدہ سے حضرت لوط علیہ السلام ایمان کے ایک نہایت بلند مرتبہ پر پہنچ گئے اور ایمان کی زیادتی انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں بعید نہیں۔

لہٰذا آیت مذکورہ کے تحت اس واقعہ کو بیان کر کے سورۃ عنکبوت کی آیت "فامن له لوط" کا یہ معنی بیان کرنا کہ ''حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے'' چونکہ بظاہر اس معنیٰ سے ایک شبہ پیدا ہوتا ہے، جو ایک نبی کی شان سے بعید ہے، اس لیے علامہ آلوسیؒ نے اس واقعہ کو ذکر کر کے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور واقعہ کو صحیح ماننے کی صورت میں اس سے ''تصدیق'' یا ''زیادت ایمان'' مراد ہے جس سے کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

والدّلیل علی ذلك:

(فامن له لوط) أي صدقه في جميع مقالاته، أو بنبوته حين ادعاها لا أنه صدقه فيمادعا إليه من التوحيد، ولم يكن كذلك قبل، فإنه عليه السلام كان متنزها عن الكفر، وماقيل أنه امن له لوط عليه السلام حين رأى النار لم تحرقه، ضعيف روايةً و كذا درايةً؛ لأنه بظاهره يقتضي عدم إيمانه قبل، وهو غير لائق به عليه السلام، وحمله بعضهم على نحو ماذكرنا، أوعلى أنه يراد بالإيمان الرتبة العالية منها، وهي التي لايرتقي إليها إلاالأفراد .(١)

ترجمہ: (حضرت لوط علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق کی) یعنی ان کی تمام باتوں میں تصدیق کر لی یا دعوائے نبوت کے وقت اس کی تصدیق کر لی، یہ مطلب نہیں ہے کہ جس توحید کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام دعوت دے رہے تھے، اس میں حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی تصدیق کر لی اور اس سے پہلے خود حالت ایمان پر نہ تھے، کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام تو کفر سے پاک تھے اور یہ جو بات کہی گئی ہے ''کہ جس وقت حضرت لوط علیہ السلام نے دیکھا کہ آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں جلایا تو اس وقت ان پر ایمان لائے'' یہ بات نقلا اور عقلا دونوں طرح ضعیف ہے، کیونکہ اس روایت کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام حالت ایمان پر فائز نہیں تھے، حالانکہ یہ بات منصب نبوت کے مناسب نہیں ہے اور بعض حضرات نے اس روایت کو اسی پر محمول کیا ہے جس کو ہم نے ذکر کیا اور یا اس کو اس پر محمول کیا جائے کہ اس سے مراد ایمان کا ایک نہایت بلند مرتبہ ہے، ایسا بلند مرتبہ کہ جس کو صرف خاص افراد (انبیائے کرام علیہم السلام) پہنچ سکتے ہیں۔

(١) روح المعاني، قوله تعالى (يوم القيمة يكفر بعضكم ببعض): ١٥٢/٢٠

آیت "ویعلم مافی الأرحام" پرایک شبہ کا جواب

سوال نمبر(102):

سورۃ لقمان کی آخری آیت ﴿إِنَّ اللهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾ پانچ چیزوں کا علم باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے پر بالکل واضح دلالت کرتی ہے، جب کہ آج کل الٹراساونڈ کے ذریعہ یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ عورت کے رحم میں موجود حمل بچہ ہے یا بچی۔اسی طرح موسمیات والے آلات کے ذریعہ بارش ہونے یا نہ ہونے کے متعلق پہلے سے آگاہی دیتے ہیں۔اس آیت مذکورہ کے ساتھ بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے لہٰذا اس کا جواب کیا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

(۱)......سورۃ لقمان کی اس آیت کریمہ میں باری تعالیٰ نے پانچ چیزوں کے متعلق جس علم کو اپنے ساتھ خاص قرار دیا ہے، وہ مطلق علم نہیں ہے، بلکہ علم غیب مراد ہے اور کسی چیز کے بارے میں علم غیب اس چیز کو اسباب طبعیہ اور وسائل مادیہ کے بغیر بلاواسطہ جاننے کا نام ہے۔آلات واسباب کے ذریعے جو علم حاصل ہو وہ علم غیب نہیں کہلاتا۔

آج کل ڈاکٹروں کا الٹراساونڈ کے ذریعے رحم میں موجود بچے کی ذکورت یا انوثت کی خبر دینا یا موسمیات والوں کا بارش یا کسی اور موسمی حالت کے بارے میں جزوی طور پر خبر دینا چونکہ مادی وسائل اور ذرائع سے حاصل ہوتا ہے اس لیے یہ علم غیب میں داخل نہیں اور جب علم غیب میں داخل نہیں تو اس کی وجہ سے آیت کے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(۲)......اللہ تعالیٰ کا علم قطعی اور یقینی ہے، جب کہ تجربات اور آلات کے ذریعے حاصل ہونے والا علم ظنی اور تخمینی ہوتا ہے جس میں غلطی واقع ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

(۳)......انسان آلات کے ذریعے چند باتوں کا علم حاصل کرسکتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کا علم، علم محیط اور علم کلی ہے "ویعلم مافی الارحام" میں لفظ ''ما'' عموم کے لیے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا علم رحم کے اندر موجودہ بچے کی تمام صفات اور حالات پر حاوی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بچے کی عمر، رزق، نیکوکاری یا بدکاری اور آخرت میں شقاوت یا سعادت وغیرہ سب باتوں کا کامل علم رکھتا ہے اور رحم میں بچہ بننے سے پہلے جب وہ نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے، اسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کو اس کے متعلق تمام باتوں کا کامل علم ہوتا ہے، جب کہ الٹراساونڈ کے ذریعے زیادہ سے زیادہ اس بچے کی ذکورت، انوثت یا جسامت کا علم حاصل کیا جاسکتا ہے اور وہ بھی اس وقت جب کہ بچہ کی خلقت پوری اور تمام ہو جاتی ہے اور اس کے

مردانہ یا نسوانی اعضا ظاہر ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح موسمیات والے بارش کے وقت یا مکان کی تعیین امکان کے درجہ میں کرتے ہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بارش کس مقدار میں برسے گی؟ کس رفتار سے برسے گی؟ کس کے لیے مفید اور کس کے لیے مضر ثابت ہوگی؟ جب کہ اللہ تعالیٰ کو بارش کے متعلق ان تمام امور کا قطعی اور محیط علم ہوتا ہے۔

(۴)......اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ازل سے ان تمام چیزوں کا علم تھا، جب کہ مخلوق کا علم عارضی اور کسبی ہے۔

والدّليل على ذلك:

والمراد إبطال كون الكهنة، والمنجمين، ومن يستسقي بالأنواء، وقد يعرف بطول التجارب أشياء من ذكورة الحمل، وأنوثته إلى غير ذلك حسبما تقدم ذكره في الأنعام، وقد تختلف التجربة و تنكسر العادة، ويبقى العلم لله تعالىٰ وحده.(۱)

ترجمہ: (اس آیت کریمہ) سے کاہنوں، نجومیوں اور ان لوگوں کو باطل ثابت کرنا مراد ہے، جو لوگ ستاروں کی تاثیر سے بارش برسنے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور کبھی طویل تجربوں سے بعض اشیا معلوم کیے جاتے ہیں، جیسے: حمل کا نر یا مادہ ہونا وغیرہ جیسا کہ سورۃ الانعام میں اس کی تفصیل گزری ہے، لیکن کبھی تجربہ خلاف واقع بھی ثابت ہوتا ہے اور عادت مستمرہ بھی ٹوٹ جاتی ہے (یعنی اس کے خلاف ہو جاتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کا علم (اپنے کمال میں) تن تنہا رہ جاتا ہے۔

❁❁❁

حدیث ”رجعنا من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر“ کی حیثیت

سوال نمبر(103):

بعض اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اپنے مقام پر بیٹھ کر اذکار و تسبیحات اور تزکیہ نفس میں مشغول ہونے کو قتال فی سبیل اللہ کے مقابلے میں جہاد اکبر کہتے ہیں اور دلیل کے طور پر یہ عبارت "رجعنا من الجهاد الاصغر الى جهاد الاكبر، قالوا و ماالجهاد الاكبر قال جهاد القلب“ پیش کرتے ہیں، بلکہ بعض حضرات اس کو حضرت جابرؓ کی روایت بتاتے ہیں، لہٰذا یہ حدیث ہے یا نہیں؟ نیز بعض حضرات اسے ترک جہاد کے فتنے کا سبب گردانتے ہیں۔

بینوا توجروا

(۱) الجامع لاحکام القران للقرطبی: ۸۲/۱٤

الجواب وباللہ التوفیق:

حضور اقدس ﷺ نے مختلف حالات وشخصیات کے اعتبار سے مختلف مواقع پر مختلف اعمال کے فضائل بیان فرمائے ہیں جن میں کسی فضیلت کا دوسری فضیلت کے ساتھ تعارض نہیں۔

جہاں تک ذکر کا تعلق ہے تو وہ ہر عبادت میں مقصود ہوتا ہے، جیسا کہ نماز کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "اقم الصلوۃ لذکری" یعنی میرا ذکر اور یاد کے لیے نماز پڑھا کرو۔

اسی طرح قتال فی سبیل اللہ کے بھی بہت زیادہ فضائل ہیں جو فرض عین ہونے کی صورت میں جہاد اکبر ہوگا، اگرچہ بعض اعمال کے فضائل بیان کرنے میں دوسرے اعمال کی نسبت ملحوظ نہیں ہوتی، بلکہ یہ ہر عمل کا ذاتی تقاضا ہوتا ہے اور بسا اوقات کسی عمل کی فضیلت میں موقع ومحل کا خاص دخل ہوتا ہے، لہٰذا دوسرے اعمال کی اپنی اپنی جگہ اہمیت برقرار رہتی ہے۔

مذکورہ حدیث کے بارے میں ملا علی قاریؒ نے ''الموضوعات الکبری'' میں حدیث ہونے کی تصریح کی ہے۔

باقی مذکورہ حدیث شریف سے ترک قتال کے فتنہ پیدا ہونے کا قول کم فہمی کا نتیجہ ہے، اس لیے کسی حدیث شریف پر عمل کرنے سے پہلے کسی باعمل عالم سے اُس کا صحیح معنی ومفہوم پوچھنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلك:

وقال السیوطیؒ: روی الخطیب في تاریخه من حدیث جابرؓ قال: قدم النبي ﷺ من غزاۃ لهم، فقال علیه الصلوۃ والسلام: قدمتم خیر مقدم، وقدمتم من الجهاد الأصغر إلی الجهاد الأکبر، قالوا وماالجهاد الأکبر؟ قال: مجاهدۃ العبد هواه.(۱)

ترجمہ:

علامہ سیوطیؒ نے فرمایا ہے کہ خطیب بغدادی نے حضرت جابرؓ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ: ''نبی کریم ﷺ غازیوں کے ساتھ ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا لوٹنا مبارک ہو تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے'' انہوں نے کہا اور جہاد اکبر کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' آدمی کا اپنے خواہشات کے ساتھ جہاد کرنا''۔

(۱) ملا علی القاری علی بن سلطان محمد الهروی، الموضوعات الکبری: ص۱۲۷، مکتبه دارالسلام پشاور

اللہ تعالیٰ کی راہ میں انچاس کروڑ کا ثواب

سوال نمبر(104):

تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والے بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکل کر ایک روپیہ خرچ کرتا ہے اس کو سات لاکھ روپے خرچ کرنے کا ثواب اور جو کوئی اللہ کی راہ میں کوئی بدنی عبادت کرتا ہے، اس کو انچاس کروڑ کا ثواب ملتا ہے۔'' یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکل کر ایک روپے خرچ کرنے کا ثواب سات لاکھ روپے کے برابر ملنے کے بارے میں ایک صریح اور واضح روایت موجود ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکل کر جہاد کرے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر پیسے خرچ کرے تو اس کو ہر درہم کے بدلے سات لاکھ (۷،۰۰،۰۰۰) دراہم کا ثواب ملتا ہے، اسی طرح بدنی عبادات کے بارے میں سنن ابی داؤد میں حضرت معاذؓ کی روایت ہے کہ نماز، روزہ اور ذکر (کا ثواب) اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے سات سو گنا بڑھ جاتا ہے، تو سات سو کو سات لاکھ (جو کہ نفقہ کی فضیلت ہے) میں ضرب دینے سے انچاس کروڑ بنتا ہے:

$$49,00,00,000=7,00,000\times700$$

فی سبیل اللہ کے مفہوم میں چونکہ وسعت ہے، لہٰذا جہاد، تبلیغ اور درس و تدریس دین کے تمام شعبوں کو یہ فضیلت حاصل ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دشمنانِ اسلام سے لڑنا ''فی سبیل اللہ'' کا اعلیٰ درجہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت چونکہ بہت وسیع ہے، اس لیے کسی ایک دینی شعبہ سے ان فضائل کو خاص کر کے دوسرے شعبوں سے نفی کرنا دانش مندی کا تقاضا نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

عن علي بن أبي طالب، وأبي الدرداء ......وعمران بن الحصين كلهم يحدث عن رسول الله ﷺ أنه قال: من أرسل بنفقة في سبيل الله، وأقام في بيته، فله بكل درهم سبع مائة درهم، ومن غزى بنفسه في سبيل الله، وأنفق في وجه ذلك، فله بكل درهم سبع مائة ألف درهم، ثم تلا هذه الأية :والله

یضعف لمن یشاء.(۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں رہ کر اللہ کی راہ میں (پیسے) خرچ کرے، تو اس کو ہر درہم کے بدلے سات سو دراہم کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرے اور اللہ کی رضا کی خاطر خرچ کرے، تو اس کے لیے ہر درہم کے بدلے سات لاکھ دراہم کا ثواب ملتا ہے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿واللّٰہ یضعف لمن یشاء﴾ اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے (ثواب میں) کئی گنا اضافہ کر دیتا ہے

عن سھل بن معاذ عن أبیه قال :قال رسول اللّٰه ﷺ :إن الصلوة والصیام والذکر یضاعف علی النفقة في سبیل اللّٰه عزوجل بسبعمائة ضعف.(۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''نماز، روزہ اور ذکر (کا ثواب) اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے سات سو گنا بڑھا دیا جاتا ہے''۔

۞۞۞

واقعہ معراج میں پچاس نمازوں کی فرضیت اور ان میں تخفیف

سوال نمبر (105):

کیا یہ بات درست ہے کہ معراج کے موقع پر امت مسلمہ پر پچاس نمازیں فرض کی گئی تھیں، پھر ان میں تخفیف کر کے پانچ نمازیں باقی رکھی گئیں۔ بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

یہ بات صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ معراج کے موقع پر امت مسلمہ پر پچاس نمازیں فرض کی گئی تھیں اور ان کو لے کر جب حضور ﷺ کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوا تو ان کے پوچھنے پر رسول اللہ ﷺ نے امت مسلمہ پر پچاس نمازیں فرض ہونے کی خبر دی، اس کے بعد حضرت موسی علیہ السلام کے کہنے پر رسول اللہ ﷺ نے باری تعالیٰ کے دربار میں تخفیف کی درخواست کی تو باری تعالیٰ نے ان میں تخفیف فرما کر صرف پانچ نمازوں کو فرض قرار دیا اور باقی نمازوں کی فرضیت ختم فرمائی اور باری تعالیٰ کے فضل و کرم سے انہی پانچ نمازوں کی ادائیگی سے امت مسلمہ کو پچاس نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجة، ابواب الجھاد، فضل النفقة في سبیل اللّٰه تعالی:ص/۱۹۸

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الجھاد، باب تضعیف الذکر في سبیل اللّٰه:۱/۳۳۸

والدّليل على ذلك:

قال ابن حزم وأنس بن مالك :قال النبي ﷺ : ففرض الله عزوجل على أمتى خمسين صلوة، فرجعت بذلك حتى مررت على موسى، فقال :مافرض الله لك على أمتك، قلت :فرض خمسين صلوة، قال: فارجع إلى ربك، فإن أمتك لاتطيق، فراجعت فوضع شطرها، فرجعت إلى موسىٰ، قلت:وضع شطرها، فقال :ا رجع إلى ربك، فإن أمتك لاتطيق ذلك، فراجعت، فوضع شطرها، فرجعت إليه، فقال : ارجع إلى ربك فإن أمتك لاتطيق ذلك، فرجعته فقال:هي خمس وهي خمسون لايبدل القول لدي، فرجعت إلى موسى، فقال :ا رجع إلى ربك، فقلت :استحييت من ربي (۱)

ترجمہ:

ابن حزم اور انس بن مالک نے کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:''پھر باری تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کرلیں، میں یہ حکم لے کر واپس ہوا، یہاں تک کہ میرا گزر (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) پر ہوا انہوں نے پوچھا کہ:''اللہ تعالیٰ نے تمہاری امت پر کیا فرض کیا؟''میں نے کہا پچاس نمازیں، (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ:''آپ اپنے پروردگار کے پاس واپس لوٹ جایئے،اس لیے کہ آپ کی امت (دن رات میں) پچاس نمازیں ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتی''، چنانچہ میں واپس ہوا تو باری تعالیٰ نے پچاس نمازوں کا ایک حصہ کم کردیا، پھر میں (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف آیا اور انہیں بتلایا کہ:''ایک حصہ کم کردیا گیا''(حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ:''اپنے پروردگار کے پاس واپس لوٹ جایئے اس لیے کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی''، پھر میں نے رجوع کیا، پھر باری تعالیٰ نے ایک حصہ کم کردیا اس کے بعد میں دوبارہ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف آیا انہوں نے پھر یہی فرمایا کہ:''اپنے پروردگار کے پاس واپس لوٹ جایئے اس لیے کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی''، پھر میں نے پروردگار کی طرف رجوع کیا، باری تعالیٰ نے فرمایا کہ:''نمازیں پانچ فرض ہیں اور وہ پچاس کے حکم میں ہیں۔میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی''، پھر اس کے بعد (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف آیا، انہوں نے پھر یہی کہا کہ:''پروردگار کے پاس واپس جاؤ،اس پر میں نے کہا کہ مزید مجھے اپنے پرودگار سے حیا آتی ہے''۔

❁❁❁

(۱)صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب کیف فرضت الصلاۃ:۱/۵۱

احادیث سے شب براءت کی عبادت کا ثبوت

سوال نمبر (106):

لوگ شب براءت میں اہتمام کے ساتھ عبادت کرتے ہیں اوردن کو روزہ رکھتے ہیں۔اس بارے میں کہیں احادیث بھی ثابت ہیں یا نہیں؟ جب کہ بعض لوگ اس بارے میں احادیث کو موضوع بتلاتے ہیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شب براءت کی فضیلت کے متعلق متعدد احادیث منقول ہیں، سند کے اعتبار سے اگر چہ ان میں محدثین نے کلام کیا ہے، لیکن تمام قولی اور فعلی احادیث کے مجموعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شب براءت کی روایات کو موضوع کہنا درست نہیں، چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفسیر ''الدر المنثور: ج۷/۳۹۸'' سورۃ الدخان کے تحت، اورعلامہ ذکی الدین المنذری نے ''الترغیب والترہیب'' میں ج۲/۲۷ پر شب براءت کی فضیلت کے متعلق متعدد احادیث نقل کی ہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ امت کا تعامل اس بات پر رہا ہے کہ شب براءت کی عبادت کا اہتمام کرتے ہیں۔اور جب ضعیف حدیث کی تائید تعامل سے ہوجائے، تو محدثین کے ہاں وہ مقبول بن جاتی ہے، تاہم چونکہ مذکورہ بالا تقریر سے اس رات عبادت کے اہتمام کا استحباب ہی ثابت ہوتا ہے، اس لیے ایک مستحب امر پر لزوم کے اعتقاد کے ساتھ عمل، تداعی اور نہ کرنے والے پر نکیر کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

لا كلام في الاستحباب ليلة البراءة بماشاء من العبادات، وبأداء التطوعات فيها كيف شاء لحديث ابن ماجه، والبيهقي فى شعب الإيمان عن على مرفوعا :إذاكان ليلة النصف من شعبان، فقوموا ليلها وصوموا نهارها ......وفى الباب أحاديث أخر أخرجها البيهقي وغيره على مابسطها ابن حجر المكي، وفي الإيضاح والبيان دالة على أن النبي ﷺ أكثر في تلك الليلة من العبادة، والدعاء، وزار القبور، ودعا للأموات، فيعلم بمجموع الأحاديث القولية، والفعلية استحباب إكثار العبادة فيها.(۱)

(۱) مجموعة رسائل للكنوى:ص/ ۱۳۰

ترجمہ: شب براءت میں عبادات اورنوافل کی ادائیگی جتنا کوئی چاہے،اس کے استحباب میں کوئی کلام نہیں۔ابن ماجہ کی حدیث اورامام بیہقی کی حدیث کی وجہ سے جوشعب الایمان میں حضرت علیؓ سے مرفوعانقل ہے کہ جب نصف شعبان کی رات ہوتو اس رات (عبادات کے لیے) کھڑے ہوجاؤ اور اس کے دن کا روزہ رکھو۔۔۔۔۔۔اس مضمون کے بارے میں دوسری احادیث بھی ہیں جن کو بیہقی وغیرہ نے نقل کیا ہے اور ابن حجر مکیؒ نے اس کو تفصیلاذ کر کیا ہے۔اسی طرح الایضاح اور البیان میں بھی ذکر ہیں۔یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس رات کثرت سے عبادات اوردعائیں کی ہیں،قبورکی زیارت بھی کی ہے اور مُردوں کے لیے دعائیں بھی کی ہیں۔پس ان تمام قولی اورفعلی احادیث کے مجموعہ سے اس رات (شب براءت) میں کثرت سے عبادت کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔

❁❁❁

گُڑکھانے کا واقعہ حدیث کی طرف منسوب کرنا

سوال نمبر(107):

ایک جگہ یہ بات سننے میں آئی کہ ایک مرتبہ کسی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنا بچہ لاکراس کی شکایت کی کہ یہ گڑ زیادہ کھاتا ہے۔اس کے جواب میں نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ:''اس کو کل لے آنا، جب کل وہ بچہ لایا گیا تو اس سے ارشادفرمایا کہ:''گڑمت کھایا کرو''۔کیاواقعی حدیث میں کوئی ایساواقعہ آیا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

صورتِ مسئولہ میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے،ذخیرہ احادیث میں اس قسم کا کوئی واقعہ نہ مل سکا،لہٰذا اس سے احتراز کیا جائے،کیونکہ ایک بے سندواقعہ کورسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرکے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں اور کہیں اس حدیث کا مصداق نہ بنیں جس میں رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے والے کا ٹھکانہ جہنم قرار دیا گیا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

قال النبي ﷺ :لاتكذبوا علي فإنه من كذب عليّ فليلج النار. (١)

---

(١) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي ﷺ:١/٢١

ترجمہ: نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھ پر جھوٹ مت بولو، پس جس نے مجھ پر جھوٹ بولا، وہ آگ میں داخل ہو۔

❁❁❁

پگڑی پہن کر نماز کے ثواب میں اضافہ

سوال نمبر(108):

بعض لوگوں سے پگڑی کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز کے ثواب کے بارے میں چند احادیث سنی ہیں:

(۱)......پگڑی کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز ان پچیس نمازوں کے برابر ہے، جو پگڑی کے بغیر پڑھی جائیں۔

(۲)......پگڑی کے ساتھ دو رکعات نماز بغیر پگڑی کے ستر (۷۰) رکعات نماز سے بہتر ہے۔

(۳)......پگڑی میں نماز پڑھنے سے دس ہزار (۱۰،۰۰۰) نیکیاں مل جاتی ہیں۔کیا واقعی یہ احادیث صحیح ہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

پگڑی باندھنا سنت نبوی ہے لیکن یہ وہ سنت نہیں کہ جس کے چھوڑنے والے کو گناہ یا ملامت کا مستحق قرار دیا جائے، بلکہ سنن عادیہ کے زمرے میں آکر باعث اجر وثواب ہے، تاہم صرف نماز کے ساتھ اس کو خاص کر دینا مناسب نہیں اور اس کے ساتھ نماز پڑھنے کی وہ فضیلت ثابت کرنا، جو سوال بالا میں مذکور ہے، درست نہیں، کیونکہ جن احادیث سے یہ فضیلت ثابت ہے وہ احادیث معیار پر پوری نہیں اترتیں۔بعض حضرات نے انہیں موضوع قرار دیا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولاشك عندي في بطلان هذا الحديث، وكذا الحديثين قبله؛ لأن الشارع الحكيم يزن الأمور بالقسطاس المستقيم فغيرمعقول أن يجعل أجرالصلاة في العمامة مثل أجرصلاة الجماعة بل أضعاف أضعافا مع الفارق الكبير بين حكم العمامة وصلاة الجماعة، فإن العمامة غاية مايمكن أن يقال فيها:أنها مستحبة والراجح أنهامن سنن العادة لامن سنن العبادة، أماصلاة الجماعة فأقل ماقيل فيها:أنهاسنة مؤكدة ......فكيف يليق بالحكيم العليم أن يجعل ثوابها مساويا لثواب الصلاة في العمامة بل دونهابدرجات، ولعل الحافظ ابن حجرؒ لاحظ هذاالمعنى حين حكم على الحديث بالوضع.(١)

(١) ناصرالدين الألباني، سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة :١/١٦١المكتب الاسلامي

ترجمہ:

(سوال میں مذکور تینوں احادیث کوذکر کرنے کے بعد شیخ ناصرالدین الالبان لکھتے ہیں) میرے نزدیک اس حدیث اوراس سے پہلے دو حدیثوں کے موضوعی ہونے میں کوئی شک نہیں، کیونکہ شارع حکیم تمام امور کوانصاف کے ترازوسے تولتے ہیں۔پس یہ نامعقول بات ہے کہ عمامہ کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز کا ثواب باجماعت نماز کے ثواب کے برابر ٹھہرے، بلکہ اس کے دُگنے کا دُگنا ہوجائے، باوجودیکہ پگڑی اور باجماعت نماز (کے حکم میں) بڑا فرق ہے، کیونکہ پگڑی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مستحب ہے اور راجح یہ ہے کہ سنن عادیہ کے قبیل سے ہے، نہ کہ سنن ہدی کے قبیل سے اور جماعت کی نماز کے بارے میں کم از کم حکم یہ ہے کہ یہ سنت موکدہ ہے، پس کیسے حکیم وعلیم ذات کے ساتھ کہ وہ عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب باجماعت نماز کے ثواب کے برابر ٹھہرائے، بلکہ باجماعت نماز کا ثواب اس سے بھی کم ہوجائے، شاید حافظ ابن حجرؒ نے اس معنیٰ کا لحاظ کرتے ہوئے اس حدیث پر موضوعی ہونے کا حکم لگایا ہے۔

حدیث "لولاك لماخلقت الأفلاك" کی تحقیق

سوال نمبر(109):

حدیث"لولاك لماخلقت الافلاك"کا مرتبہ کیا ہے؟ جب کہ اکثر سے اس کوموضوعی ہونے کے بارے میں سنا ہے۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بعض احادیث ایسی ہوتی ہیں، جومعنیٰ کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہیں، لیکن مروجہ الفاظ کا ثبوت مشکل ہوتا ہے۔ ایسی احادیث میں سے ایک یہ حدیث قدسی"لولاك لماخلقت الأفلاك"بھی ہے۔محدث کبیر ملاعلی القاریؒ نے "الموضوعات الکبریٰ" میں اس کو صنعانی کے حوالے سے موضوعی کہا ہے، لیکن خوداس حدیث کے معنوی اعتبار سے صحیح ہونے کوبھی ذکر کیا ہے اوراس کے لیے کتب حدیث سے ایسی احادیث پیش کی ہیں جن سے اس حدیث بالا کی معنوی صحت کی تائید ہوتی ہے، لہذا حدیث بالا اگرچہ الفاظ کے اعتبار سے موضوعی ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

"لولاك لماخلقت الافلاك"قال الصنعاني: أنه موضوع كذا في الخلاصة؛ لكن معناه صحيح، فقدروى الديلمي عن ابن عباسؓ مرفوعا: أتاني جبرئيل، فقال :يا محمد! "لولاك لماخلقت الجنة"و"لولاك لماخلقت النار"وفي رواية ابن عساكر "لولاك لماخلقت الدنيا".(۱)

ترجمہ: اگر میں نے تمہیں پیدا نہیں کیا ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔صنعانی نے اسے موضوع کہا ہے،اسی طرح خلاصہ میں ہے،لیکن اس حدیث کا معنی صحیح ہے، کیونکہ دیلمی نے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ (حضورﷺ نے فرمایا) کہ:''جبرئیل (علیہ السلام) نے میرے پاس آکر کہا کہ:''اے محمدﷺ!اگر تجھے پیدا نہیں کیا جاتا توجنت اور جہنم پیدا نہیں کیے جاتے''اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ:''اگر تجھے پیدا نہیں کیا جاتا تو دنیا پیدا نہ ہوتی''۔

❁❁❁

حدیث "اطلبوا العلم ولو كان بالصين" کی تحقیق

سوال نمبر(110):

"اطلبوا العلم ولو كان بالصين" حدیث ہے یا نہیں؟اس لیے کہ اس کے بارے میں متضاد آراء سننے میں آئی ہیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

حدیث"اطلبوا العلم ولو كان بالصين" اگرچہ محدثین میں سے ابن عبدالبرؒ نے جامع البیان میں "**بيان العلم وفضله**" کے تحت اور امام غزالیؒ نے''احیاء علوم الدین''میں نقل کی ہے،لیکن راویوں کی قوت اور ضعف کے اعتبار سے محدثین کے معیار پر یہ حدیث پوری نہیں اتری ہے،اس لیے انہوں نے اس پر جرح کی ہے۔علامہ بیہقیؒ نے اس کو نقل کرکے فرمایا ہے کہ یہ حدیث جتنے بھی طرق سے مروی ہے،سب ضعیف ہیں۔علامہ سیوطیؒ نے ابن حبانؒ کے حوالہ سے اس کو باطل اور بے اصل قرار دیا ہے۔

---

(۱)الموضوعات الکبری :ص/۱۹٤

والدّلیل علی ذلک:

عن أنس بن مالکؓ قال :قال رسول اللہﷺ "اطلبوا العلم ولو بالصین"ھذاالحدیث شبہ مشھور وإسنادہ ضعیف، وقدروی من أوجہ کلھا ضعیفۃ.(۱)

ترجمہ:

رسول اللہﷺ کا ارشاد ہے کہ:''علم طلب کرو اگرچہ چین جانا پڑے''(امام بیہقیؒ فرماتے ہیں)اس حدیث کے الفاظ مشہور ہیں اور اس کی سند ضعیف اور کمزور ہے اور جتنی بھی سندوں کے ساتھ مروی ہے، وہ سب اسناد ضعیف ہیں۔

قال ابن حبانؒ :باطل لاأصل لہ .(۲)

ترجمہ: ابن حبانؒ کا کہنا ہے کہ:''یہ حدیث باطل ہے،اس کا کوئی اصل نہیں''۔

❁❁❁

حدیث "أصحابی کالنجوم" کا مرتبہ

سوال نمبر(111):

"اصحابی کالنجوم" حدیث ہے یا نہیں؟اگر ہے تو اس کا مرتبہ کیا ہے؟جب کہ بعض لوگ اس کے موضوع ہونے کے قائل ہیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس حدیث کے بارے میں محدثین کی آرا مختلف ہیں،بعض حضرات نے اس کو موضوع قرار دیا ہے، جب کہ بعض حضرات اس کے بارے میں صرف ضعیف ہونے کا حکم لگاتے ہیں،جیسا کہ ابن حجر عسقلانیؒ نے تفصیل سے لکھا ہے۔اگر چہ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ضعیف ہے،تاہم معنوی اعتبار سے صحیح احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے،لہٰذا معنوی اعتبار سے اس کو غلط قرار نہیں دیا جا سکتا۔

---

(۱) شعب الایمان للبیھقی، السابع عشر من شعب الایمان فی طلب العلم:۲/۲۵۴

(۲) اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ، کتاب العلم:۱/۱۷۵دارالکتب العلمیۃ

17

والدّلیل علی ذلک:

والذي ههنامن الحديث الصحيح يؤدي بعض معناه، قلت:صدق البيهقي، هو يؤدي صحة التشبه للصحابة بالنجوم .(۱)

ترجمہ: جو صحیح حدیث ہم نے یہاں روایت کی ہے یہ روایت اس روایت (أصحابی کالنجوم) کا بعض معنیٰ ادا کرتی ہے۔ میں (ابن حجر) کہتا ہوں کہ: ''بیہقی نے سچ کہا ہے، یہ حدیث صحابہ کا ستاروں سے تشبیہ دینے کے معنی کو درست ثابت کرتا ہے''۔

❁❁❁

حدیث "تعلمنا الإیمان قبل أن نتعلم القران" کی تشریح

سوال نمبر (112):

حدیث "تعلمنا الایمان قبل ان نتعلم القرآن ثم تعلمنا القرآن'' میں کس وجہ سے ایمان سیکھنے کو قرآن سیکھنے سے پہلے ذکر کیا ہے، حالانکہ ظاہر یہی ہے کہ ایمان وعقیدہ قرآن سیکھنے سے درست ہوتا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں منقول ہے، جو حضرت عبداللہ بن جندبؓ کی زبان سے صحابہ کرامؓ کے عمل کی ترجمانی ہے کہ ان حضرات نے پہلے ایمان وعقیدے کو سیکھا اور ایمان سیکھنے کے بعد ان کے عقیدے میں پختگی پیدا ہوگئی، اس کے بعد قرآن کریم سیکھنے سے ان کے ایمان میں مزید قوت پیدا ہوگئی۔ اس حدیث میں ایمان وعقیدے کے صحیح ہونے کی اہمیت کا بیان ہے، کیونکہ ایمان وعقیدے کے صحیح ہونے کے بعد انسان کے نیک اعمال بارگاہ خداوندی میں قرب کا ذریعہ بنتے ہیں اور جب ایمان وعقیدہ درست نہ ہو تو انسان اگر چہ نیک اعمال کرتا ہو، لیکن وہ قرب الٰہی کا ذریعہ نہیں بنتے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن جندب بن عبداللہؓ قال :كنا مع النبي ﷺ ونحن فتيان حزاورة، فتعلمنا الإيمان قبل أن

(۱) تلخیص الحبیر :۱۹۱/۴

نتعلم القرآن، ثم تعلمنا القرآن، فازددنا به إيمانا.وقال المحشي الشيخ عبدالغني الدهلوي :استفيد منه أن تعلم علم العقائد قبل تعلم الفقه والقرآن.(١)

ترجمہ:

عبداللہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ:''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوتے تھے درآں حالیکہ ہم مضبوط نوجوان تھے تو ہم نے قرآن سیکھنے سے پہلے ایمان سیکھا، اس کے بعد قرآن سیکھا، جس سے ہمارے ایمان میں زیادتی آگئی''۔ محشی شیخ عبدالغنیؒ فرماتے ہیں کہ:''اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ علم عقائد کا سیکھنا فقہ اور قرآن سیکھنے سے مقدم ہے''۔

❁❁❁

''حدیث غزوہ ہند'' کا مقام

سوال نمبر(113):

بعض لوگ غزوہ ہند کے بارے میں فضائل پر مشتمل ایک حدیث بیان کرتے ہیں۔ کیا اس بارے میں کوئی حدیث ثابت ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

رسول اللہ ﷺ سے غزوہ ہند کے بارے میں مختلف صحابہ کرامؓ کی وساطت سے احادیث منقول ہیں، جو بڑے فضائل پر مشتمل ہیں: چنانچہ امام نسائیؒ نے اپنی کتاب ''سنن النسائی'' کتاب الجہاد میں غزوہ ہند کی احادیث پر مشتمل باب رکھا ہے جس میں حضرت ابو ہریرۃؓ کی دو روایات الفاظ کے معمولی سے فرق کے ساتھ ذکر کی ہیں اور ایک روایت حضرت ثوبانؓ کی نقل کی ہے۔

حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایت میں ہے:

عن أبي هريرةؓ قال :وعدنا رسول الله ﷺ غزوة الهند، فإن أدركتها أنفق فيها نفسي ومالي، فإن أقتل كنت من أفضل الشهداء، فإن أرجع، فأنا أبو هريرةؓ المحرر.(٢)

(١) سنن ابن ماجة، باب في الإيمان:ص/٧

(٢) سنن النسائي، كتاب الجهاد، باب غزوة الهند:٢/٥٢

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے ہم سے غزوہ ہند کا وعدہ کر رکھا ہے۔ پس اگر میں نے اس کو پالیا تو اپنی جان و مال اس میں خرچ کروں گا اور اگر میں اس میں شہید ہوا تو میں شہداء میں سے افضل ہوں گا اور اگر میں زندہ واپس لوٹا تو میں (وہ) ابوہریرہؓ ہوں گا جس کو (جہنم کی آگ سے) نجات ملی ہوگی''۔

(۲) حضرت ثوبانؓ کی روایت ہے:

عن ثوبان مولى رسول الله ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: عصابتان من أمتي حرّرهما الله من النار عصابة تغزو الهند، وعصابة تكون مع عيسى بن مريم عليه السلام. (۱)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ جو رسول اللہ ﷺ کے غلام ہیں ان سے روایت ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو جماعتیں میری امت کی ایسی ہیں کہ ان کو اللہ نے آگ سے بچالیا ہے: ایک وہ جماعت ہے جو کہ ہند میں جہاد کرے گی اور دوسری وہ جماعت ہے جو عیسی ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوگی''۔

امام نسائی کے علاوہ حضرت ابوہریرہؓ کی یہی روایت المستدرك على الصحيحين للحاكم میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

عن أبي هريرةؓ قال: وعدنا رسول الله ﷺ غزوة الهند، فإن استشهدت كنت من خير الشهداء، وإن رجعت فأنا أبو هريرة المحرر. (۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے ہم سے غزوہ ہند کا وعدہ کیا ہے، پس اگر میں شہید ہوا تو میں شہداء میں سے بہتر ہوں گا اور اگر واپس (زندہ) لوٹا تو میں وہ ابوہریرہؓ ہوں گا جس کو آگ سے نجات ملی ہو''۔

❁❁❁

حدیث "أنا مدينة العلم وعلي بابها" محدثین کی نظر میں

سوال نمبر (114):

"انا مدينة العلم وعلي بابها" کیا یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے؟ محدثین کرام کی نظر میں اس حدیث کا مرتبہ کیا ہے؟ بیّنوا توجروا

(۱) سنن النسائي، كتاب الجهاد، غزوة الهند: ۵۲/۲

(۲) المستدرك على الصحيحين، كتاب معرفة الصحابة، رقم الحديث: ۶۱۷۷، ۵۸۸/۳ دار الكتب العلمية

الجواب وباللہ التوفیق:

"أنا مدينة العلم وعلي بابها" کی حدیث محدثین کے معیار پر پوری نہیں اترتی ہے، اس لیے انہوں نے اس حدیث کو منکر، جھوٹ، موضوع اور باطل وغیرہ کے ناموں سے ذکر کیا ہے، لہٰذا اتنی ساری آرا کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کی نسبت کرنا درست نہیں ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

"انا مدينة العلم وعلي بابها" رواه الترمذي في جامعه، وقال إنه منكر، و كذا قال البخاري: فقال :إنه كذب لا أصل له، و كذا قال أبو حاتم ويحى بن سعيد، وأورده ابن الجوزي في "الموضوعات"، وافقه الذهبي وغيره على ذالك.(۱)

ترجمہ: حدیث ''میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے'' امام ترمذیؒ نے اپنے جامع الترمذی میں اس کو نقل کر کے کہا ہے کہ: ''یہ (روایت) منکر ہے''۔ اور اسی طرح امام بخاریؒ نے بھی کہا ہے اور فرمایا ہے کہ: ''یہ (حدیث) جھوٹ ہے، اس کا کوئی اصل نہیں ہے'' اور اسی طرح ابو حاتم اور یحییٰ بن سعید نے بھی کہا ہے اور ابن جوزی نے اس کو ''الموضوعات'' میں ذکر کیا ہے اور اس پر امام ذہبیؒ اور دوسرے محدثین نے ان کی موافقت کی ہے۔

❁❁❁

حدیث "مثل أمتي مثل المطر" سے ایک شبہ کا جواب

سوال نمبر(115):

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "مثل أمتي مثل المطر لايدري أوله خير أم آخره" اس حدیث کے ظاہر سے صحابہ کرامؓ کا افضل الامت ہونے میں شبہ اور تردد نظر آتا ہے، حالانکہ ان کا افضل الامت ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

یہ حضرت انسؓ کی روایت ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ ''میری امت کا حال بارش کی طرح ہے، جس کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا اول بہتر ہوتا ہے یا اس کا آخر۔

(۱) الموضوعات الكبرى، ص/۷۱

اس حدیث سے بظاہر جو سمجھا جاتا ہے کہ معلوم نہیں کہ امت کے اول طبقہ کے لوگ (صحابہ کرامؓ) بہتر ہیں یا بعد کے لوگ۔ یہ ہرگز اس حدیث کا مقصود نہیں، اس لیے کہ صحابہ کرامؓ کا افضل الامت ہونے پر اجماع منعقد ہوا ہے، اس لیے اس حدیث سے صحابہ کرامؓ کی افضلیت میں کسی قسم کے شک وتردد کی گنجائش نہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امت محمدیہ کی مثال امم سابقہ کی طرح نہیں کہ ان امتوں میں طبقہ اولیٰ کے اچھے لوگوں کا دنیا سے جانے کے بعد اہل خیر کا وجود باقی نہ رہا، بلکہ صرف شر ہی باقی رہا، اس کے برعکس امت محمدیہ میں ایسا نہ ہوگا، بلکہ آخر تک اہل خیر کا وجود باقی رہے گا جو مخلوق کو نفع پہنچانے کا ذریعہ ہوگا جو کہ درحقیقت بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے تسلی کا بیان ہے اور بعض محدثین نے فرمایا ہے کہ: "اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دین وشریعت کے پھیلانے میں طبقہ اولیٰ کی طرح آخری طبقہ بھی خالی نہیں رہے گا"۔

والدّلیل علی ذلك:

قال التوربشتیؒ: لایحمل هذا الحدیث علی التردد في فضل الأول علی الآخر، فإن القرن الأول هم المفضلون علی سائر القرون من غیر شبهة، ثم الذین یلونهم، ثم الذین یلونهم.

(۱)......وإنما المراد بهم نفعهم في بث الشریعة والذب عن الحقیقة.

(۲)......وإنما هذا تسلیة للمتأخر إیماء إلی أن باب الله مفتوح، وطلب الفیض من جنابه مفسوح.

وخلاصته أن هذه الأمة کلها لاتخلوا عن الخیر کما أشار إلیه بقوله "هذه أمة مرحومة" لکون نبیها نبي الرحمة بخلاف سائر الأمم، فإن الخیر انحصر في سابقهم، ثم جاء الشر في لاحقهم، حیث بدلوا کتبهم، وحرفوا ما کان علیه أولهم.(۱)

ترجمہ: اور تورپشتیؒ نے فرمایا ہے کہ: "یہ حدیث بعد کے امتیوں پر دور اول کے امتیوں کی فضیلت وبرتری میں شک وتردد پر ہرگز محمول نہیں ہے، کیونکہ قرن اول (صحابہؓ کا زمانہ) تمام قرنوں سے بلاشک وشبہ افضل ہے، پھر اس کے بعد کے قرن کے امتی اپنے بعد والے تمام قرنوں سے افضل ہیں اور پھر اس کے بعد کے قرن کے امتی اپنے بعد والے تمام قرنوں سے افضل ہیں۔

(۱)......پس اس حدیث کی مراد بس یہ بیان کرنا ہے کہ دین وشریعت کے پھیلانے کے اعتبار سے پوری امت نافع ہے۔

(۲)......اور یہ حدیث بعد کے زمانے والے امتیوں کے لیے تسلی کا مصدر ہے، جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ رب العالمین کی رحمت کا دروازہ کھلا ہے"۔

---

(۱) مرقاة المفاتیح، کتاب المناقب، الفصل الثاني: ۱/۶۵۵، ۶۵۶

خلاصہ کلام یہ کہ امت محمدی اپنے کسی دور میں ''خیر'' سے خالی نہیں رہے گی، جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے پوری امت کو''امت مرحومہ''فرمایا ہے اور یہ ثمرہ ہے اس بات کا کہ اس امت کا نبی''نبی رحمت'' ہے بخلاف دوسری امتوں کے کہ ان کے ہاں خیر کا وجود صرف ابتدائی دور میں رہا اور پھر بعد والوں میں ''شر'' آگیا۔اور وہ اس طرح آیا کہ انہوں نے اپنی مقدس آسمانی کتابوں کو بدل ڈالا اور تحریفیں کر کے اپنے دین کا حلیہ ہی بگاڑ دیا، جس پر ان کے دور اول کے لوگ تھے۔

❁❁❁

حدیث"أکثر وا ذکر اللّٰہ حتی یقال مجنون" کا صحیح مطلب

سوال نمبر(116):

بعض تبلیغی حضرات اس حدیث "اکثر وا ذکر اللّٰہ حتی یقال مجنون" کا مطلب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف کثرت سے دعوت دینا مراد ہے، کیونکہ لوگ اس شخص کو مجنون نہیں کہتے جو ایک کونے میں بیٹھ کر کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے، بلکہ جو شخص کثرت سے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا رہے، لوگ اسے مجنون کہتے ہیں۔کیا اس حدیث کا یہ مطلب صحیح ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

دعوت وتبلیغ دین کا ایک اہم شعبہ ہے، اس کا ثبوت، اہمیت اور افادیت قرآن وحدیث سے مستقل طور پر ثابت ہے، اس لیے جو روایات اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بارے میں وارد ہیں، ان کو ذکر باری تعالیٰ تک محدود رکھا جائے، کیونکہ ذکر اللہ اور دعوت الی اللہ دونوں اپنا الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں، اس لیے ذکر کے بارے میں وارد احادیث کو ذکر اللہ کی بجائے دعوت الی اللہ پر چسپاں کرنا اور ذکر اللہ سے ان کی نفی کرنا درست نہیں۔

صورت مسئولہ میں ابو سعید خدریؓ کی یہ حدیث ذکر اللہ کے بارے میں ہے اور اس پر محدثین کا طرز عمل شاہد ہے نہ کہ دعوت الی اللہ کے بارے میں۔

چنانچہ مستدرک علی الصحیحین میں اس حدیث کو''کتاب الدعاء والتکبیر والتهلیل والتسبیح''(۱)

---

(۱) المستدرك على الصحيحين، كتاب الدعاء والتكبير والتهليل:رقم الحديث:۱۸۳۹:۱/۶۷۷.

کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے نہ کہ دعوت الی اللہ کے عنوان کے تحت، اور شعب الایمان (۱) میں ابوبکر احمد البیہقیؒ نے اس حدیث کو "فصل في إدامة ذكر الله عزوجل" کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے، اس لیے مذکورہ حدیث دعوت الی اللہ پر چسپاں کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، اسی کے ساتھ یہ بات بھی واضح رہے کہ بعض حضرات کی اس طرح تشریح کی وجہ سے پوری تبلیغی جماعت کو موردِ الزام ٹھہرانا درست نہیں۔

❁❁❁

امت کے بگاڑ کے وقت ایک سنت پر عمل کرنے کا ثواب

سوال نمبر (117):

کیا یہ بات کسی حدیث میں آئی ہے کہ امت کے بگاڑ کے وقت ایک سنت پر عمل کرنے میں سو شہدا کا ثواب ملتا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

یہ بات احادیث سے ثابت ہے کہ جب امت میں بگاڑ اور فساد پیدا ہو جائے اور دین سے لوگ دوری اختیار کریں گے، تو ایسے وقت دین پر چلنا چونکہ ایک مشکل مرحلہ ہوگا، اس لیے ایسے فساد کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کی ایک سنت پر عمل کرنے اور اس کو تھامنے پر سو شہدا کا ثواب ملے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

عن ابن عباسؓ عن النبي ﷺ قال: من تمسك بسنتي عندفساد أمتي، فله أجرمائة شهيد.(۲)

ترجمہ:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "جو میری سنت کو میری امت کی بگاڑ اور فساد کے وقت تھامے رکھے، اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے"۔

❁❁❁

(۱) شعب الایمان للبیهقی، باب في محبة الله عزوجل، فصل في إدامة ذكرالله: ۱/۳۹۷.

(۲) الزهد الكبير للبيهقی، فصل في العزلة والخمول: رقم الحديث: ۲۱۷

بعض مسلمانوں کا بغیر حساب کے جنت میں جانے کی روایت

سوال نمبر (118):

کیا یہ صحیح ہے کہ امت مسلمہ میں سے ستر ہزار لوگ جنت میں بغیر حساب و کتاب کے داخل کیے جائیں گے، جب کہ ایک شخص نے کہا ہے کہ یہ غلط ہے اور اس بارے میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے، روایات کی روشنی میں صحیح بات کی تعیین کیجیے۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ امت مسلمہ میں سے ستر ہزار (۷۰۰۰۰) لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے، یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی شان کریمانہ اور فیاضی کا مظہر ہے کہ ستر ہزار لوگوں کو خصوصی طور پر جنت میں داخلہ نصیب ہوگا۔ معلوم نہیں یہ قرعہ کس کے نام نکلتا ہے۔ اس سے انکار درست نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

عن أبي هريرة ؓ أن النبي ﷺ قال :يدخل من أمتي الجنة سبعون ألفا بغير حساب، فقال رجل يارسول الله ادع الله أن يجعلني منهم، قال اللّهم اجعله منهم، ثم قام آخر، فقال يارسول الله ادع الله ان يجعلني منهم، قال سبقك بها عكاشه.(١)

ترجمہ:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''میری امت میں سے ستر ہزار (۷۰۰۰۰) لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے''، ایک آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کردے تو آپ ﷺ نے دعا کی کہ: ''اے اللہ! اس کو ان میں شامل کردیں''۔ پھر ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ: ''اے اللہ کے رسول اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے بھی ان (لوگوں) میں کردیں تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ عکاشہ نے تم پر اس (فضیلت کے حصول) میں سبقت کرلی''۔

❁❁❁

(١) الصحيح لمسلم، كتاب الايمان، باب الدّليل على دخول طوائف من المسلمين:١/١١٦

دورانِ اذان تشہد سنتے وقت انگوٹھے چومنا

سوال نمبر(119):

بعض لوگوں کی عادت ہے کہ وہ جب اذان میں "اشھدان محمدرسول اللّٰہ" سنتے ہیں توانگوٹھے چومنے لگتے ہیں، لہٰذااس کودین سمجھ کرکرنا کیسا ہے؟

بیّنواتوجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

صحیح روایات میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ کلمات اذان کا جواب دیا جائے ،لیکن اذان میں "اشھدان محمدرسول اللّٰہ" سنتے وقت انگوٹھے چومنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور جس روایت میں اس بات کا تذکرہ ہے فقہا اور محدثین نے اس پر رد کیا ہے، لہٰذا اس بارے میں کوئی صحیح حدیث نہ ہونے کی وجہ سے اس عمل کو دین سمجھ کر کرنا زیادت فی الدین کے مترادف ہے، جس سے احتراز ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وفي كتاب الفردوس: من قبل ظفري إبهاميه عند سماع أشهدأن محمدا رسول الله في الأذان أناقائده، ومدخله في صفوف الجنة، وتمامه في حواشي البحر الرملي عن المقاصدالحسنة للسخاوي، وذكر ذلك الجراحي، وأطال، ثم قال، ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء.(١)

ترجمہ:

فردوس نامی کتاب میں (حدیث منقول) ہے کہ (آپ ﷺ) نے فرمایا کہ:''جس شخص نے اذان میں أشهد أن محمد رسول الله سننے کے وقت انگوٹھوں کے ناخن چوم لیے، میں اس سے آگے آگے رہوں گا اور اس کو اہل جنت کے صفوں میں داخل کروں گا''۔

اس روایت کا پورا تذکرہ بحر کے حواشی پر رملی نے سخاوی کے مقاصد حسنہ کے حوالے سے کیا ہے اور جراحی نے اس کو ذکر کرکے اس پر طویل کلام کیا ہے اور پھر فرمایا ہے کہ:''اس بارے میں کوئی مرفوع صحیح حدیث ثابت نہیں ہے''۔

❁❁❁❁❁

(١) ردالمحتارعلی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الاذان، مطلب في كراهية تكرار الجماعة في المسجد:٦٨/٢

کتاب التقلید

(تقلید کا بیان)

لغوی تحقیق:

تقلید لغت میں قلادہ ڈالنے کو کہتے ہیں، اس لیے اُونٹ کے گلے میں قربانی کے لیے جو علامتی شے ڈالی جائے اس کو بھی تقلید ہی کہا جاتا ہے۔(۱)

تقلید کو تقلید اس لیے کہا جاتا ہے کہ تقلید کے ذریعے ایک شخص اپنے گلے میں دوسرے کی رائے اور فکر کا قلادہ ڈال دیتا ہے۔(۲)

اصطلاحی تعریف:

"العمل بقول من ليس له إحدى الحجج بلا حجة منها ."(۳)

کسی ایسے شخص کے قول پر بلا دلیل وحجت عمل کرنا جس کا قول شرعی حجتوں میں سے کوئی حجت نہ ہو۔

علامہ جرجانی فرماتے ہیں کہ: ''دلیل میں سوچے سمجھے بغیر کسی انسان کے قول وفعل کا اتباع کرنا، یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ وہ حق پر ہوگا، تقلید کہلاتا ہے''۔(۴)

حقیقتِ تقلید:

اس بات سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہوسکتا کہ دین کی اصل دعوت یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی جائے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی بجائے کسی اور کی اطاعت کرنے کا قائل ہو، کسی دوسرے کو شارع سمجھے اور اس کو مستقل بالذات، مطاع اور مقتدا سمجھتا ہو؛ وہ یقیناً دائرہ اسلام سے خارج ہے، لہٰذا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن وسنت کے احکام کی اطاعت کرے۔

---

(۱) لسان العرب مادہ قلد: ۱۱/ ۲۷۶

(۲) التعریفات مادہ تقلید: ص۴۸

(۳) فتح الغفار شرح المنار، الأصل الثاني السنة: ص۳٤۷

(٤) التعریفات مادۃ تقلید ص٤۸

لیکن قرآن وسنت میں بعض احکام تو ایسے ہیں جنہیں ہر معمولی لکھا پڑھا آدمی سمجھ سکتا ہے، ان میں کوئی اجمال، ابہام یا تعارض نہیں، اس کے برعکس قرآن وسنت کے بہت سے احکام وہ ہیں جن میں ابہام یا اجمال پایا جاتا ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں جو قرآن ہی کی کسی دوسری آیت یا آنحضرت ﷺ ہی کی کسی دوسری حدیث سے متعارض معلوم ہوتے ہیں، یعنی قرآن وحدیث سے احکام مستنبط کرنے میں اس قسم کی بہت سی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اب ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم اپنی فہم فراست پر اعتماد کر کے اس قسم کے نصوص میں خود کوئی فیصلہ کر کے اس پر عمل کریں اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس قسم کے معاملات میں از خود کوئی فیصلہ کرنے کی بجائے یہ دیکھیں کہ قرآن وسنت کے ان ارشادات سے ہمارے جلیل القدر، معتمد اور قرآن وسنت کے ماہر قرون اولیٰ کے اسلاف نے کیا سمجھا ہے؟

اگر انصاف اور حقیقت پسندی سے کام لیا جائے تو ان دونوں صورتوں میں پہلی صورت کافی خطرناک ہے اور دوسری صورت بہت محتاط ہے، اس لیے کہ علم وفہم، ذکاوت وحافظہ، دین ودیانت، تقویٰ اور پرہیزگاری، ہر اعتبار سے ہم اس قدر تہی دست ہیں کہ قرونِ اولیٰ کے علما سے ہمیں کوئی نسبت نہیں، پھر جس مبارک ماحول میں قرآن وحدیث نازل ہوا تھا، قرونِ اولیٰ کے علما اس سے قریب بھی ہیں اور اس قرب کی بنا پر ان کے لیے قرآن وسنت کی مراد کو سمجھنا زیادہ آسان ہے، اس کے برخلاف ہم عہدِ رسالت کے اتنے عرصہ بعد پیدا ہوئے کہ ہمارے لیے قرآن وحدیث کا مکمل پس منظر، احادیث کے پورے ذخیرے سے واقفیت، اس زمانے کی طرزِ معاشرت اور طرزِ گفتگو کا ہو بہو اور بعینہٖ تصور بڑا مشکل ہے، حالانکہ کسی کی بات کو سمجھنے کے لیے ان تمام باتوں کی پوری واقفیت انتہائی ضروری ہے۔ ان تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اگر ہم اپنے فہم پر اعتماد کرنے کی بجائے قرآن وسنت کے مختلف التعبیر پیچیدہ احکام میں اُس مطلب کو اختیار کریں جو ہمارے اسلاف میں سے کسی نے سمجھا ہے تو یہ کہا جائے گا کہ ہم نے فلاں عالم کی تقلید کی ہے اور یہی تقلید کی حقیقت ہے۔(۱)

تقلید کی ضرورت کن امور میں ہوتی ہے؟

کسی امام یا مجتہد کی تقلید صرف اس موقع پر کی جاتی ہے جہاں قرآن وسنت سے کسی حکم کے سمجھنے میں دشواری ہو، چنانچہ قرآن وسنت کے جو احکام قطعی ہیں یا جن میں کوئی اجمال وابہام نہ ہو، تعارض یا اسی قسم کی کوئی اُلجھن نہ ہو؛ وہاں کسی امام ومجتہد کی تقلید کی کوئی ضرورت نہیں۔(۲)

---

(۱) منتخب از تقلید کی شرعی حیثیت، مفتی محمدتقی عثمانی : ص ۱۰-۷

(۲) منتخب از تقلید کی شرعی حیثیت :ص ۱۱، خلاصہ التحقیق في حکم التقلید و التلفیق :ص ٤

تقلید کی دوصورتیں:

ایک صورت تو یہ ہے کہ تقلید کے لیے کسی خاص امام ومجتہد کو متعین نہ کیا جائے، بلکہ اگر ایک مسئلہ میں ایک عالم کا مسلک اختیار کیا گیا ہے تو دوسرے مسئلے میں کسی دوسرے عالم کی رائے قبول کر لی جائے، اس کو تقلیدِ مطلق، تقلیدِ عام یا تقلید غیر شخصی کہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تقلید کے لیے کسی ایک مجتہد عالم کو اختیار کیا جائے، اس کو تقلیدِ شخصی کہتے ہیں۔

قرآن سے تقلید کا ثبوت:

تقلید کے اُصولی ہدایات خود قرآن سے ثابت ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾(١)

اولی الامر کی تفسیر میں بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ اس سے مراد مسلمان حکام ہیں جب کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ، عبداللہ بن عباسؓ، مجاہد، عطاء، حسن بصری، ابوالعالیہ جیسے جلیل القدر مفسرین کے ہاں اس سے فقہا مراد ہیں۔ (٢)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾(٣)

پس کیوں نہ نکل پڑا ان کی بڑی جماعت میں سے ایک گروہ تاکہ یہ لوگ دین میں فقاہت حاصل کریں اور تاکہ لوٹنے کے بعد اپنی قوم کو ہوشیار کریں شاید کہ وہ لوگ (اللہ کی نافرمانی سے) بچیں۔

امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں: ’’اس آیت میں اللہ تعالی نے عام لوگوں پر واجب کیا ہے کہ جب علما اُن کو احکامِ شریعت بتا کر ہوشیار کریں تو وہ اللہ تعالی کی نافرمانی سے بچیں اور علما کی بات مانیں اور اس کا نام تقلید ہے‘‘۔ (٤)

سورۃ نحل میں ارشاد ہے:

﴿فَسْئَلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾(٥)

---

(١) النساء:٥٩ (٢) تفسیر طبري: ٤/٢٠٧، التفسير الكبير للرازي: ٤/١١٣

(٣) التوبة: ١٢٢ (٤) احكام القرآن للجصاص، باب وجوب طاعة الرسول ﷺ، تحت آية النساء ٥٩: ٢/٢١٥

(٥) النحل: ٤٣

اگر تم عالم نہ ہو تو اہل علم سے پوچھ لو۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں: ''اس آیت سے اس بات کا استدلال کیا گیا ہے کہ جس چیز کا خود علم نہ ہو اس میں علماء سے رجوع کرنا واجب ہے۔'' علامہ جلال الدین سیوطی اکلیل میں لکھتے ہیں کہ: ''اس آیت سے اس بات کا استدلال کیا گیا ہے کہ عام آدمیوں کے لیے فروعی مسائل میں تقلید جائز ہے''۔(۱)

احادیث سے تقلید کا ثبوت:

قرآن کریم کی طرح بہت سی احادیث سے بھی تقلید کا جواز ثابت ہوتا ہے، نمونے کے طور پر چند درج ذیل ہیں:

(۱) عَن حُذَيفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِندَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنِّي لَا أَدرِي مَا بَقَائِي فِيكُم فَاقتَدُوا بِاللَّذَينِ مِن بَعدِي وَأَشَارَ إِلَى أَبِي بَكرٍ وَعُمَرَ.(۲)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ میں کتنی مدت تک تمہارے درمیان زندہ رہوں گا۔ پس تم (میرے بعد) اُن کی اقتدا کرو جو میرے بعد ہوں گے آپ ﷺ نے (یہ ارشاد فرماتے ہوئے) ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ فرمایا۔

(۲) ایک دوسری حدیث کا ترجمہ ہے:

''عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ علم کو اس دنیا سے اس طرح نہیں اُٹھائے گا کہ اُسے بندوں کے دل سے سلب کرلے بلکہ علم کو اس طرح اُٹھائے گا کہ علما کو اپنے پاس بلالے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، ان سے سوالات کیے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے، خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے''۔(۳)

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ایک ایسے زمانے کی خبر دی ہے جس میں علما مفقود ہو جائیں گے اور جاہل لوگ فتوے دینے شروع کریں گے۔ اب ایسے دور میں احکام شریعت پر عمل کرنے کے لیے اِس کے سواء اور کیا صورت ہو سکتی ہے کہ وہ لوگ گزرے ہوئے علما کی تقلید کریں، کیونکہ جب زندہ لوگوں میں کوئی عالم نہیں بچا تو قرآن و حدیث سے احکام مستنبط کرنے کی بس یہی صورت رہ گئی کہ نااہل لوگوں کو مجتہد سمجھ کر ان کے فتوؤں پر عمل کرنے کی بجائے گزشتہ علما

(۱) روح المعاني، سورة نحل: ۱۴/۱۴۸ (۲) سنن الترمذي، في مناقب أبي بكر وعمر: ۲/۲۰۷

(۳) صحيح البخاري، العلم، كيف يقبض العلم: ۱/۲۰

میں سے کسی کی تقلید کی جائے۔

(۳) آپ ﷺ کا فرمان ہے:

’’جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دے گا اُس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔‘‘(۱)

یہ حدیث بھی تقلید کے جواز پر بڑی واضح دلیل ہے اس لیے کہ اگر تقلید جائز نہ ہوتی اور کسی کے فتویٰ پر دلیل کی تحقیق کیے بغیر عمل جائز نہ ہوتا تو مذکورہ صورت میں سارا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہی کیوں ہوتا؟ بلکہ جس طرح مفتی کو بغیر علم کے فتویٰ دینے کا گناہ ہوتا اسی طرح سوال کرنے والے کو اس بات کا گناہ ہونا چاہئے تھا کہ اس نے فتویٰ کی صحت کی تحقیق کیوں نہیں کی ہے۔

(۴) آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا:

"ائتموا بي وليأتم بكم من بعد كم". (۲)

’’تم مجھے دیکھ کر میری اقتدا کرو اور تمہارے بعد والے لوگ تمہیں دیکھ کر تمہاری اقتدا کریں‘‘۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

بعض حضرات نے اس حدیث کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تم مجھ سے احکام شریعت سیکھ لو اور تمہارے بعد آنے والے تابعین تم سے یہ سیکھ لیں اور ان سے اُن کے متبعین سیکھ لیں اور یہ سلسلہ دنیا کے خاتمے تک چلتا رہے۔(۳)

صحابہ کے دور میں تقلید کا حال:

عہدِ صحابہ میں بکثرت تقلید پر عمل ہوتا رہا ہے یعنی جو حضرات صحابہ تحصیلِ علم میں زیادہ وقت صرف نہیں کر سکتے تھے، یا کسی خاص مسئلے میں اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے تھے تو وہ دوسرے فقہا صحابہ سے پوچھ پوچھ کر عمل کیا کرتے تھے اور ان حضرات میں تقلیدِ مطلق اور تقلیدِ شخصی دونوں کا ذکر ملتا ہے۔(۴)

تقلیدِ شخصی کی ضرورت:

تقلید پر عمل کرنے کے لیے تقلید مطلق یا تقلیدِ شخصی میں سے جس پر بھی عمل کرلیا جائے، اصلاً جائز ہونا چاہیے،

(۱) مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثانى :ص٣٦

(۲) صحيح البخارى، كتاب لأذان، باب الرجل يأتم بالإمام ويأتم الناس بالماموم: ۱/۹۹

(۳) فتح الباري، كتاب الأذان، باب نمبر ٦٨، رقم :٧١٣، ص:٢/٤٤٠

(٤) مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو "تقلید کی شرعی حیثیت"، مفتی محمدتقی عثمانی : ص ٦٠-٣٣

لیکن آفرین ہو اس امت کے نبض شناس اور دوررس نگاہوں کے حامل فقہائے کرام پر جنہوں نے زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کو دیکھ کر ایک زبردست انتظامی مصلحت کے تحت مذکورہ دونوں قسموں میں سے صرف تقلیدِ شخصی کو عمل کے لیے اختیار فرمالیا اور یہ فتویٰ دے دیا کہ اب لوگوں کو صرف تقلیدِ شخصی پر عمل کرنا چاہیے اور کبھی کسی امام کی تقلید کے بجائے کسی ایک مجتہد کو معین کر کے اسی کے مذہب کی پیروی کرنی چاہیے۔

فقہائے کرام نے محسوس فرمایا کہ لوگوں میں دیانت کا معیار روز بروز گھٹ رہا ہے، احتیاط اور تقویٰ اُٹھتے جارہے ہیں، ایسی صورت میں اگر تقلیدِ مطلق کا دروازہ چوپٹ کھلا رہا تو بہت سے لوگ جان بوجھ کر اور بہت سے غیر شعوری طور ہر خواہش پرستی میں مبتلا ہو جائیں گے، ایک شخص کے سردی کے موسم میں خون نکل آیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا وضو ٹوٹ گیا اور امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹا، وہ اپنی تن آسانی کی وجہ سے اس وقت امام اشافعیؒ کی تقلید کر کے بلا وضو نماز پڑھ لے گا پھر اس کے تھوڑی دیر بعد اگر اس نے کسی عورت کو چھولیا تو امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا وضو جاتا رہا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک برقرار ہے۔تن آسانی اس موقع پر اسے امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کا سبق دے گی، غرض جس امام کے قول میں اُسے آرام اور فائدہ نظر آئے گا اُسے اختیار کرے گا اور جس قول میں کوئی مضرت نظر آئے یا خواہشات کی قربانی دینی پڑے، اُسے چھوڑ دے گا اور وہ بالکل غیر شعوری طور پر خواہش پرستی میں مبتلا ہو گا۔ظاہر ہے کہ اس قسم کی باتوں کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ احکامِ شرعیہ نفسانی خواہشات کا ایک کھلونا بن کر رہ جائیں گے اور یہ وہ چیز ہے جس کے حرامِ قطعی ہونے میں آج تک کسی مسلمان کا اختلاف نہیں ہوا۔

صحابہ اور تابعین کے زمانے میں چونکہ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کا غلبہ تھا، اس لیے اس دور میں تقلیدِ مطلق سے یہ اندیشہ نہیں تھا کہ لوگ اپنی خواہشات کے تابع بن کر آسانیاں ڈھونڈتے رہیں گے، اس لیے اس دور میں تقلیدِ مطلق پر بے روک ٹوک عمل ہوتا رہا، لیکن بعد کے فقہا نے جب دیکھا کہ لوگوں پر نفسانیت غالب آتی جارہی ہے تو اُنہوں نے تقلیدِ مطلق ترک کرنے کا انتظامی فتویٰ صادر فرمایا۔صحیح مسلم کے شارح شیخ الاسلام علامہ نوویؒ تقلیدِ شخصی کے وجوب کی وجہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تقلیدِ شخصی کے لازم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس بات کی اجازت ہو کہ انسان جس فقہی مذہب کی چاہے، پیروی کر لیا کرے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہر مذہب سے آسانیاں تلاش کر کے اپنی خواہشاتِ نفس کے مطابق اُن پر عمل کیا کریں گے، حلال وحرام اور واجب وجائز کے احکام کا سارا اختیار خود لوگوں کو مل جائے گا اور بالآخر شرعی احکام کی پابندیاں بالکل کھل کر رہ جائیں گی، البتہ پہلے

زمانے میں تقلید شخصی اس لیے ممکن نہ تھی کہ فقہی مذاہب مکمل طور پر مدوّن اور معروف ومشہور نہ تھے، لہٰذا اب (جب کہ مذاہب فقہیہ مدوّن ومشہور ہو چکے) ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ کوشش کر کے کوئی ایک مذہب چُن لے اور متعین طور پر اسی کی تقلید کرلے۔"(۱)

تقلیدِ شخصی کو لازم کرنے کی ایک واضح نظیر:

خواہشات کے اتباع اور شدید فتنوں سے بچنے کے لیے فقہائے کرام نے جس طرح تقلید شخصی کو لازم قرار دیا ہے اس کی ایک واضح نظیر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جمع قرآن کا واقعہ ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کے سات حروف (قراءات یا رسم الخط یا ترتیب) میں سے چھ حروف کو ختم فرما کر صرف حرفِ قریش کو باقی رکھا تھا اور جتنے مصاحف حرفِ قریش کے خلاف تھے اُن کو نذرِ آتش کرا دیا تھا، یعنی عہدِ رسالت اور شیخین کے عہدِ خلافت تک ہر شخص کے لیے جائز تھا کہ وہ قرآن کریم کے سات حروف میں سے کسی بھی حرف پر تلاوت کرے لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اگر اس اجازت کو برقرار رکھا گیا تو زمانے کے تغیر سے فتنے کا اندیشہ ہے تو اُنہوں نے چھ حروف کو ختم فرما کر صرف حرفِ قریش پر قرآن کی تلاوت کو لازم کر دیا۔

حافظ ابن جریر طبری فرماتے ہیں:

"ان حضرات پر واجب وہی کام تھا جو انہوں نے کیا، اس لیے کہ جو کچھ انہوں نے کیا وہ اسلام اور اہل اسلام کی مصلحت بینی کے لیے کیا، لہٰذا اپنے اس فریضہ کی ادائیگی ان کے لیے زیادہ بہتر تھی بہ نسبت اس فعل کے (ساتوں حروف کو باقی رکھنے کے) جس کے ذریعے اسلام اور اہلِ اسلام کو فائدہ کے بجائے نقصان پہنچنے کا احتمال زیادہ تھا۔"(۲)

مذاہب اربعہ کی تخصیص:

یہ شبہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ امت میں دوسرے بہت سے مجتہدین گزرے ہیں، ان میں سے کسی کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات کی تقلید نہ کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ ان کے مذاہب میں کوئی کمی یا نقصان ہے یا ائمہ اربعہ کے مقابلہ میں وہ کم درجہ کے مالک ہیں، بلکہ اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ ایک مجبوری

(۱) المجموع شرح المهذب، مقدمه، فصل في آداب المستفتي، مسئله نمبر۳: ۱/۹۸، دار الکتب العلمية تقلید کی شرعی حیثیت: ص ۷۲۔۶۰

(۲) تفسیر طبري، مقدمة، القول في الفقه التي نزل بها القرآن: ۱/۴۷، تقلید کی شرعی حیثیت: ۷۸۔۷۵

ہے اور وہ مجبوری یہ ہے کہ ان حضرات کے فقہی مذاہب مدون شکل میں محفوظ نہیں رہ سکے۔ اگر ان حضرات کے مذاہب بھی اس طرح مدون ہوتے جس طرح ائمہ اربعہ کے مذاہب مدون ہیں تو بلاشبہ ان میں سے کسی کو بھی تقلید کے لیے اختیار کیا جاسکتا تھا، لیکن نہ تو ان حضرات کے مذاہب کی مفصل کتابیں مدون ہیں اور نہ ان مذاہب کے علما پائے جاتے ہیں۔ اس لیے اب ان کی تقلید کے لیے کوئی راستہ نہیں۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام اور قرون اولی کے اکابر اگر چہ درجہ کے اعتبار سے بعد کے فقہاء سے بلند و برتر ہیں، لیکن انہیں اتنا موقع نہیں ملا کہ وہ اپنے علم اور اور اس کے اصول اور فروع مدون اور منضبط کر سکتے، اس لیے کسی شخص کے لیے ان کے فقہی مذہب کی تقلید جائز نہیں، کیونکہ ان میں سے کسی کا مذہب مدون نہ ہوسکا، نہ وہ لکھی ہوئی شکل میں موجود ہے اور نہ متعین طور پر اس کی نشان دہی کی جاسکتی ہے''۔ (۱)

یہی بات علامہ ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہؒ نے بھی فرمائی ہے، حالانکہ یہ دونوں بزرگ ان حضرات کی نظر میں بھی علم اور دیانت کے اعتبار سے بلند مقام رکھتے ہیں جو تقلید کے قائل نہیں ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اعلم أن في الأخذ بهذه المذاهب الأربعة مصلحة عظيمة وفي الإعراض عنها كلها مفسدة كبيرة ونحن نبين ذلك بوجوه......."(۲)

تقلید کے مختلف درجات:

تقلید کرنے والے کے لحاظ سے تقلید کے مختلف درجات ہوتے ہیں۔ ان مختلف درجات میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ تقلید پر وارد ہونے والے بیشتر اعتراضات اسی فرقِ مراتب کو نہ سمجھنے یا اس سے صرفِ نظر کر لینے کا نتیجہ ہیں۔ ان درجات کی تفصیل یہ ہے:

(۱) عوام کی تقلید:

تقلید کا سب سے پہلے درجہ ''عوام کی تقلید'' کا ہے۔ عوام سے مراد درج ذیل اقسام کے حضرات ہیں:

(۱) خلاصة التحقيق، عبد الغني نابلسي، مقدمة ص ٤، ٣، المجموع شرح المهذب، فصل في آداب المستفتي: ٤٩٩/١

(۲) تقليد كى شرعى حيثيت: ص ٨٤-٧٨، عقد الجيد في أحكام الاجتهاد والتقليد، باب نمبر٣، باب تاكيد الأخذ بهذه المذاهب الأربعة: ص ٣١

☆......وہ حضرات جو عربی زبان اور اسلامی علوم سے بالکل ناواقف ہوں، خواہ وہ دوسرے فنون میں کتنے ہی تعلیم یافتہ اور ماہر و محقق ہوں۔

☆......وہ حضرات جو عربی زبان جانتے اور سمجھتے ہوں، لیکن انہوں نے تفسیر، حدیث، فقہ اور متعلقہ دینی علوم کو باقاعدہ اساتذہ سے نہ پڑھا ہو۔

☆......وہ حضرات جو رسمی طور پر اسلامی علوم سے فارغ التحصیل ہوں، لیکن تفسیر، حدیث، فقہ اور ان کے اصولوں میں اچھی استعداد اور بصیرت پیدا نہ ہوئی ہو۔ اس قسم کے عوام کو تقلید محض کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ ان میں اتنی استعداد نہیں کہ وہ براہ راست کتاب وسنت کو سمجھ سکیں یا اس کے متعارض دلائل میں تطبیق وترجیح کا فیصلہ کرسکیں۔

(۲) متبحر عالم کی تقلید:

متبحر عالم سے مراد ایسا شخص ہے جو اگرچہ رتبہ اجتہاد تک نہ پہنچا ہو، لیکن اسلامی علوم کو باقاعدہ ماہر اساتذہ سے حاصل کرنے کے بعد اپنے علوم کی تدریس وتصنیف کی خدمت میں اکابر علما کی زیر نگرانی عرصہ دراز تک مشغول رہا ہو، تفسیر، حدیث، فقہ اور ان کے اصول اسے متحضر ہوں اور وہ کسی مسئلے کی تحقیق میں اسلاف کے افادات سے بخوبی فائدہ اٹھا سکتا ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ایسے شخص کو تبحر فی المذہب کے نام سے یاد فرماتے ہیں۔ ایسا شخص اگر چہ رتبۂ اجتہاد تک نہ پہنچنے کی وجہ سے مقلد ہی ہوتا ہے، لیکن وہ اپنے مذہب کا مفتی بن سکتا ہے، اس لیے کہ وہ اپنے مذہب کے دلائل سے بھی کم از کم اجمالی طور پر واقف ہوتا ہے اور اپنے مذہب کے مختلف اقوال میں سے اپنے زمانے اور عرف کے مطابق کسی ایک قول کو اختیار کرنے یا مذہب کی تشریح کا اہل ہوتا ہے نیز جن مسائل کی تصریح کتبِ مذہب میں نہیں ان کا جواب مذہب ہی کے اصول وقواعد سے نکال سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض معاملات میں وہ اپنے امام کے بجائے کسی دوسرے مجتہد کے قول کو اختیار کر کے اس پر فتوی دے سکتا ہے جن کی شرائط اصولِ فقہ واصولِ فتوی کی کتابوں میں موجود ہیں، یعنی دوسرے مذاہب سے استفادہ کرتا ہے۔

(۳) مجتہد فی المذہب کی تقلید:

یہ تقلید کا تیسرا درجہ ہے، مجتہد فی المذہب ان حضرات کو کہتے ہیں جو استدلال واستنباط کے بنیادی اصولوں میں کسی مجتہدِ مطلق کے طریقے کے پابند ہوتے ہیں، لیکن ان اصول وقواعد کے تحت جزوی مسائل کو براہ راست قرآن وسنت اور آثارِ صحابہ وغیرہ سے مستنبط کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں، چنانچہ ایسے حضرات اپنے مجتہدِ مطلق امام سے بہت سے فروعی

احکامات میں اختلاف رکھتے ہیں، لیکن اصول کے لحاظ سے اُن کے مقلد کہلاتے ہیں، مثلاً: فقہ حنفی میں امام یوسف اور امام محمدؒ، فقہ شافعی میں امام مزنی اور امام ابوثور، فقہ مالکی میں سحنون اور ابن القاسم اور فقہ حنبلی میں ابراھیم الحربی اور ابوبکر الاثرم۔(۱)

(۴) مجتہد مطلق کی تقلید:

یہ تقلید کا آخری درجہ ہے۔ ''مجتہد مطلق'' وہ شخص ہے جس میں تمام شرائطِ اجتہاد پائی جاتی ہوں اور وہ اپنے علم وفہم کے ذریعے اصول استدلال بھی خود قرآن وسنت سے وضع کرنے پر قادر ہو اور ان اصول کے تمام احکام شریعت کو قرآنِ کریم سے مستنبط بھی کرسکتا ہو، جیسے: امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک واحمد وغیرہ، یہ حضرات اگرچہ اصول وفروع دونوں میں مجتہد ہوتے ہیں، لیکن ایک طرح کی تقلید ان کو بھی کرنی پڑتی ہے اور وہ اس طرح کہ جن مسائل میں قرآنِ کریم یا سنتِ صحیحہ میں کوئی تصریح نہیں ہوتی وہاں یہ حضرات اکثر وبیشتر اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ خالصۃً اپنی رائے اور قیاس سے فیصلہ کرنے کے بجائے صحابہ وتابعین میں سے کسی کا قول یا فعل مل جائے، چنانچہ اگر ایسا کوئی قول یا فعل مل جائے تو یہ حضرات بھی اس کی تقلید کرتے ہیں۔

تقلید میں جمود:

جس طرح تقلید کی مخالفت اور شرعی مسائل میں خودرائی قابل ملامت ہے، اسی طرح تقلید میں جمود اور غلو بھی قابل مذمت ہے۔ مندرجہ ذیل صورتیں سب کی سب اسی جمود اور غلو میں داخل ہیں:

(۱)......ائمہ مجتہدین کے بارے میں یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ معاذ اللہ شارع ہیں یا وہ معصوم اور خطاؤں سے پاک ہیں۔

(۲)......کسی صحیح حدیث پر عمل کرنے سے محض اس بنا پر انکار کیا جائے کہ اس بارے میں ہمارے امام سے کوئی حکم ثابت نہیں ہے۔

(۳)......احادیث نبوی کو توڑ مروڑ کر اپنے امام کے مذہب کے مطابق بنانے کے لیے ان میں ایسی دوردراز کی تاویلات کی جائیں جن پر خود ضمیر مطمئن نہ ہو۔

(۴)......ایک متبحر عالم کو بشہادتِ قلب یہ ثابت ہوجائے کہ امام کا قول صحیح حدیث کے خلاف ہے اور اس حدیث کے معارض کوئی دلیل بھی نہیں ہے اس کے باوجود وہ حدیث کو قابلِ عمل نہ سمجھے۔

---

(۱) شرح عقود رسم المفتی لابن عابدین: ص، ۲۸۔۲۹

(۵) اسی طرح یہ اعتقاد رکھنا بھی بدترین غلو ہے کہ صرف ہمارے امام کا مسلک حق ہے اور دوسرے مجتہدین کے مذاہب معاذ اللہ باطل ہیں۔

(۶) ائمہ مجتہدین کے باہمی اختلافات کو حد سے بڑھا کر پیش کرنا سخت غلطی ہے۔

(۷) اور جہاں ائمہ مجتہدین کے درمیان جائز اور ناجائز کا اختلاف ہو وہاں بھی اس اختلاف کو خالص علمی حدود ہی میں رکھنا ضروری ہے، ان اختلافات کو نزاع وجدال اور جنگ و پیکار کا ذریعہ بنالینا کسی بھی امام کے مذہب میں جائز نہیں۔(۱)

موجودہ دور کے حوالے سے ایک اہم مسئلے کی وضاحت:

موجودہ غیر مقلدین کی اقتدا میں نماز پڑھنے سے متعلق تفصیل یہ ہے کہ اگر غیر مقلد امام، غیر متعصب اور سلف صالحین وائمہ کرام کا گستاخ نہ ہو، نیز سنن وفرائض میں دوسرے مذاہب کی رعایت کرتا ہو اور اس کا مقصد مذاہب اربعہ کی آسانیوں پر عمل کرنا نہ ہو بلکہ اپنے زعم میں حق کی اتباع ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

البتہ اگر وہ متعصب اور ائمہ کرام میں سے کسی ایک کا گستاخ ہو یا دوسرے مذاہب کے مسائل کی رعایت نہ رکھتا ہو، بلکہ خواہشات اور نفس کی تابع داری میں نصوص کی تاویل کا مرتکب ہو یا کسی ایسے فعل کا مرتکب ہو جس سے ہمارے نزدیک نماز میں فساد آتا ہو تو ایسے امام کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔(۲)

ان سے علم حاصل کرنے، ترجمہ قرآن سیکھنے اور تعلق رکھنے سے متعلق وضاحت یہ ہے کہ علماءِ حق اور راسخین فی العلم اکابر کی موجودگی میں ان کے پاس جا کر علم حاصل کرنے سے احتراز کرنا چاہیے اور ان سے ایک عام مسلمان کے تعلق اور سلام وکلام کرنے کے علاوہ گہرے مراسم اور تعلقات قائم کرنے سے دور رہنا چاہیے، کیونکہ ہوائے نفس میں مبتلا اور سلف کے حق میں گستاخانہ روش اختیار کرنے والوں سے دور رہنا شریعت کا حکم ہے، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"ومن وقع في الشبهات كراعٍ حول الحمى يوشك أن يواقعه"(۳).

جس نے اپنے آپ کو مشتبہات میں ڈال دیا اس کی مثال ایسے چرواہے کی ہے جو سرکاری چراہ گاہ کے اردگرد چرا رہا ہو، عنقریب وہ جانور کو اس چراہ گاہ میں داخل کردے گا۔

❁❁❁

(۱) تقلید کی شرعی حیثیت،ص۱۵۸۔۱۵۶

(۲) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة، مطلب في الاقتداء بشافعي ونحوه هل يكره أم لا: ۳۰۲/۲

(۳)صحيح البخاري، باب فضل من استبرأ لدينه: ۱۳/۱، ایچ۔ایم سعید

مسائل کتاب التقلید

مذہب حنفی پر ہونا مذہب محمدی کے عین مطابق ہے

سوال نمبر (120):

مجھے ایک دوست نے کہا کہ تمہاری شریعت "شریعتِ حنفی" کہلاتی ہے۔ میں نے کہا: جی ہاں! پھر اس نے یہ کہا کہ "شریعتِ محمدی" کیوں نہیں کہلاتی، جو اہل حدیث ہیں؟ برائے مہربانی وضاحت فرمائیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سوال کے جواب سے قبل اس بات کو بطورِ تمہید و مقدمہ سمجھیں کہ قرآن مجید میں ہے ﴿فَسْئَلُوْآ اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ یعنی: تمہیں علم نہ ہو تو اہل علم سے دریافت کرو۔

اہلِ علم میں حضرات ائمہ مجتہدین بدرجہ اولی داخل ہیں، ان کی تقلید کرنا اس بنا پر ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے عالم اور ماہر اور مجتہد ہیں۔ وہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے۔ اس لیے ان کی کوئی بات بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہرگز نہیں ہوسکتی۔

ان ماہرین اور مجتہدین علمائے دین میں سے ایک امام ابوحنیفہؒ بھی ہیں۔ جنھوں نے احسن طریقے سے قرآن وحدیث کی تشریح کرکے دین کے مسائل کا استخراج اور استنباط کیا ہے، جن کو کمزور اور ناقابل اعتبار سمجھنے کی گنجائش نہیں۔

جس طرح رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کوئی محدث سو برس کے بعد، کوئی دوسو برس کے بعد پیدا ہوئے اور اس کے بعد انہوں نے حدیث کی کتابیں لکھیں، مگر اس سے ان کی کتابیں کمزور اور ناقابل اعتبار نہیں سمجھی گئیں۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں عالم و مجتہد اور امام کا مرتبہ بخشا اور ساتھ ہی تابعیت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ انھوں نے قرآن وحدیث سے دین کے مسائل کا استنباط کیا تو اس میں اعتراض کی گنجائش نہیں۔

واضح رہے کہ ہم بلاشک وریب شریعتِ محمدی کے تابع ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہم مذاہب اربعہ کو مانکر ان مذاہب میں امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں۔ انھوں نے کسی نئی شریعت کو ایجاد نہیں کیا، جس کے اتباع سے العیاذ باللہ شریعتِ محمدی کا اتباع چھوٹ جاتا ہے۔ اس طرح امام ابوحنیفہؒ نے ایک عالم اور مجتہد کی حیثیت سے شریعتِ محمدی کی تشریح کی ہے جس کے بغیر ہمارے لیے قرآن وحدیث کا سمجھنا مشکل ہے۔ گویا کہ ہم شریعتِ محمدی کا اتباع ابوحنیفہؒ کی

تشریح کی روشنی میں کرتے ہیں۔تو آپ کی تشریح بعینہٖ شریعت محمدی ہے اور ہم شریعت محمدی میں مذہبِ حنفی کے پیروکار ہیں اور امام صاحبؒ کی تشریح کے بغیر ہم قرآن وحدیث کے سمجھنے میں ﴿فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ کا مصداق ہیں۔اگر ہم خیر القرون اور تابعیت کے شرف سے نوازے ہوئے شخص کی کی ہوئی تشریح کی بجائے موجودہ دور کے کسی ایسے شخص کی تشریح پر اعتماد کریں جس کی حیثیت اُس سے کہیں زیادہ کم ہو، یقیناً یہ دانشمندی نہیں ہوگی۔

والدّلیل علی ذلك :

﴿فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾. (۱)

ترجمہ:

سو اگر تم کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ لو۔

والأصح كما في السراجية وغيرها أنه يفتي بقول الإمام على الإطلاق.وفي ردالمحتار :(بقول الإمام) قال عبدالله بن المبارك:لأنه رأى الصحابة وزاحم التابعين في الفتوىٰ، فقوله أشد وأقوىٰ مالم يكن اختلاف عصر وزمان.(۲)

ترجمہ:

اور سب سے زیادہ صحیح قول جیسا کہ سراجیہ میں ہے اور اس کے علاوہ فتاویٰ میں بھی ہے کہ امام صاحب کے قول پر علی الاطلاق فتویٰ دیا جائے گا اور شامی میں (بقول الامام) کی تشریح کرتے ہوئے عبداللہ بن مبارک کا قول ہے کہ:''چونکہ امام صاحبؒ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیکھا اور فتویٰ کے میدان میں تابعین کے ساتھ مناظرہ کیا، پس جب تک زمانے کا اختلاف نہ ہو تو امام صاحب کا قول ہی مضبوط اور قوی متصور ہوگا۔(ہاں اگر زمانہ کے حالات بدل گئے تو بعض اوقات اس کے ساتھ مسائل بھی بدل جاتے ہیں'')

❀❀❀

غیر حنفی ائمہ کے مقلدین کا احناف کو دعوت وتبلیغ دینا

سوال نمبر(121):

یہ بات ہمارے مشاہدہ میں ہے کہ بیرونی تبلیغی جماعتیں جب پاکستان میں دعوت وتبلیغ کا کام کرتیں رہتی ہیں

(۱) النحل/٤٣ (۲) ردالمحتار على الدرالمختار، المقدمة، مطلب إذا تعارض التصحيح:۱/۱۷۱

توان میں سے بعض شافعی المسلک یادوسرے مسلک والے ہوتے ہیں تو غیر حنفی ائمہ کے مقلدین کا احناف کو دین کی دعوت دینا کیسا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ تبلیغی جماعت کی محنت کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ، اصلاح نفس اور تعلیم وتعلم ہے جس کا حصول ہر مسلمان مرد وعورت کی شرعی ذمہ داری ہے۔ جہاں تک غیر حنفی ائمہ کے مقلدین کا احناف کو دعوت دینے کی بات ہے تو اس سے دعوت وتبلیغ پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ بنیادی عقائد سب آئمہ کرام کے ایک ہیں۔ فروعی مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے اور تبلیغی جماعت کے اُصول میں سے یہ بھی ہے کہ دعوت وتبلیغ کے کام میں فروعی مسائل کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ ہر شخص اپنے امام کی تقلید کرتے ہوئے مسائل پر عمل کرے اور ایک دوسرے سے فروعی مسائل میں بحث سے اجتناب کرے کیونکہ ائمہ کرامؒ کا یہ اختلاف ایک رحمت ہے جس میں ہر امام نے حضورﷺ کے ایک طریقے کو محفوظ کیا ہے۔ اس وجہ سے ایک امام کے مقلد کا دوسرے امام کے مقلد کو دعوت دینا درست ہے، جس سے ایک دوسرے کی تقلید پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ والمراد من الدعاء إلی الخیر الدعا إلیٰ ما فیه صلاح دیني أو دنیوي .(۱)

ترجمہ: اور چاہیے کہ تم میں سے ایک گروہ ہو جو بھلائی کی طرف دعوت دیں اور نیکی کا حکم کریں۔۔۔۔ اور بھلائی کی طرف بلانے سے مراد اس چیز کی طرف بلانا ہے جس میں دین یا دنیا کا فائدہ ہو۔

❁❁❁

صرف چار مذاہب کی ترویج کی وجہ

سوال نمبر(122):

ایک شخص کا کہنا ہے کہ مذاہب چار ہیں۔ اس سے زیادہ کیوں نہیں بن سکتے؟ جب کہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے بعد اختلاف کر کے دو مذاہب اور وجود میں لے آئے تو ان کے بعد آنے والے اختلاف

(۱) تفسیر روح المعانی، آل عمران: ۱۰۴، ۲۱/۴

کر کے کیوں اور مذاہب وجود میں نہیں لا سکتے؟ حالانکہ ہم اہل حدیث سے کہتے ہیں کہ مذاہب چار ہیں اور ان سے باہر کسی اور مذہب کا ہونا خسارہ ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قرآن پاک میں وہ احکامات جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہیں، ان میں کسی قسم کے ابہام نہ ہونے کی وجہ سے کسی تقلید واجتہاد کی ضرورت نہیں، لیکن کئی ایسے مسائل ہیں جو مبہم ہونے کی وجہ سے جب تک ان کی وضاحت نہ کی جائے تو نا قابل عمل ہیں۔ ان کو قابل عمل بنانے کے لیے یا تو اپنی عقل وعلم پر اعتماد کرتے ہوئے ایک جانب کو متعین کرنا ہوگا یا کسی معتبر عالم مجتہد و معتمد شخصیت کے قول پر عمل کرنا ہوگا، اسی دوسرے راستے کا نام تقلید ہے۔ گویا مجتہد اللہ تعالیٰ کے احکام کی تشریح کرتا ہے، ثابت نہیں کرتا اور اسی تقلید کا قرآن پاک نے حکم دیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں تقلید مطلق اور تقلیدِ شخصی دونوں موجود تھے، لیکن تقلید شخصی واجب نہ تھی۔ ہر فقیہ صحابی اپنے اپنے علاقہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے، لیکن بعد میں علمائے کرام نے مطلق تقلید میں مختلف قسم کے ایسے خطرات محسوس کیے، جو اس سے قبل قرون میں نہیں تھے، مثلاً: ''اتباعِ ھویٰ'' جو کہ ایک خطرناک روحانی مرض ہے، بڑھنے لگا جس سے ایک قوی خطرہ یہ پیدا ہو گیا کہ اگر مطلق تقلید جاری رہی تو ہر شخص اپنی خواہشات کے مطابق جس امام کے قول میں سہولت دیکھے گا اس کو اپنا دین بنائے گا، لہٰذا چوتھی صدی ہجری میں شخصی تقلید کو واجب قرار دیا گیا اور شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ آج کل کے زمانے میں تقلید واجب ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن کی کتابت میں رسم الخط کے مختلف طرق کو نا جائز قرار دیکر صرف ایک کو جائز قرار دیا۔ فتنہ کو روکنے کے لیے صحابہؓ کا اجماع منعقد ہو گیا بالکل یہی مثال تقلیدِ شخصی کی ہے۔ تقلید شخصی ان چار میں کیوں منحصر ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں جب مسائل بڑھنے لگے اور مختلف قوموں کا اسلام میں داخل ہونے سے نت نئے مسائل پیدا ہونے لگے تو جو مسائل مجتہدین قرآن وحدیث سے مستنبط کرتے تھے وہ ایک مستقل مذہب کے نام سے منسوب ہونے لگے۔ اسی طرح تکوینی طور پر یہ چار مذاہب وجود میں آگئے۔

یہ ائمہ اربعہ کا امت پر بڑا احسان ہے کہ انہوں نے بالاستیعاب ایسے اصول مستنبط کیے جو مقلد کی تمام تقلیدی ضروریات کے لیے کافی تھے۔ حالانکہ ائمہ اربعہ کے علاوہ اور ائمہ بھی موجود تھے، لیکن ان کے اصول بالاستیعاب تمام جزئیات پر محیط نہیں تھے، لہٰذا ایک مقلد کے پیاس بجھانے کے لیے کافی نہیں تھے۔ اب ائمہ اربعہ کے بعد نہ تو کسی نئے مذہب کی ضرورت ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ ایک مجتہد بالاستیعاب تمام شرعی مسائل کے لیے اصول قرآن وحدیث سے

مستنبط کر سکے۔یہی وجہ ہے کہ حق ان چار مذاہب میں منحصر ہو کر رہ گیا۔اب جو شخص ان چار مذاہب کے علاوہ کسی اور مذہب کی پیروی کرے گا تو لازماً اس کی یہ پیروی خواہشات کی پیروی ہوگی، نہ کہ شریعت کی اور جو شخص خود مجتہد بن کر احکامات نکالے گا تو استعداد نہ ہونے کی وجہ سے نفس پرستی میں مبتلا ہوگا،لہٰذا کسی کو اس بات کی اجازت دینا اس کے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہوگا کہ وہ ان چار مذاہب سے نکل کر دین اسلام کا اتباع کرے اور پھر یہ اعتراض کرے کہ چار میں کیوں منحصر ہے، یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص کے آٹھ بیٹوں میں سے چار بیٹے مرجائیں پھر چار کو میراث جب دیا جائے تو لوگ اعتراض کریں۔

والدّلیل علی ذالك:

ویجب علینا أن نعتقد أن الأئمة الأربعة والسفیانین والأوزاعي وداؤد الظاهري وإسحاق بن راهویه وسائر الأئمة علی هدی ...... وعلی غیر المجتهد أن یقلد مذهبا معینا...... لکن لا یجوز تقلید الصحابة وکذا التابعین، کما قاله إمام الحرمین من کل من لم یدّون مذهبه، فیمتنع تقلید غیر الأربعة في القضاء والافتاء؛ لأن المذاهب الأربعة انتشرت وتحررت حتی ظهر تقیید مطلقها، وتخصیص عامها بخلاف غیرهم لإنقراض اتباعهم، وقد نقل الإمام الرازي رحمه الله تعالی إجماع المحققین علی منع العوام من تقلید أعیان الصحابة وأکابرهم.(۱)

ترجمہ:

ہم پر یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ ائمہ اربعہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، امام اوزاعی، داؤد ظاہری، اسحاق بن راہویہ سب ہدایت پر ہیں۔۔۔۔۔اور جو شخص مجتہد نہ ہو اس کو چاہیے کہ کسی معین مجتہد کی تقلید کرے۔۔۔۔امام الحرمین کے بقول صحابہؓ اور تابعین کی تقلید جائز نہیں، جن کے مذاہب مدون نہیں ہوئے،لہٰذا قضا اور فتویٰ میں ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی اور کی تقلید ناجائز ہے، اس لیے کہ مذاہب اربعہ مدون ہو کر پھیل چکے ہیں اور ان کے مطلق الفاظ کی قیود اور عام الفاظ کی تخصیصات واضح ہو چکی ہیں، بخلاف دوسرے مذاہب کے کہ ان کے متبعین ختم ہو چکے ہیں اور امام رازیؒ نے اس بات پر محققین کا اجماع نقل کیا ہے کہ عوام کو مشاہیر صحابہؓ اور دوسرے اکابر کی تقلید سے روکنا چاہیے۔

❁❁❁❁❁

(۱) فیض القدیر شرح لجامع الصغیر، تحت حدیث (اختلاف امتی رحمة):۱/۲۷۲، دارالکتب العلمیة، بیروت

کتاب الطهارة

باب الأنجاس والطهارة عنها

(نجاسات اوران سے پاکی حاصل کرنے کا بیان)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

کائنات کے ذرے ذرے میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ربِّ کائنات نے اس نظام کی پاکیزگی اور نظافت کے کیسے کیسے عجیب وغریب انتظامات کیے ہیں جو ہر باشعور انسان کے لیے زینۂ عبرت سے کم نہیں، بلکہ اس ذمہ داری کو نبھانے کے لیے وحی الہی کے ایک معتد بہ حصے کے ذریعے انسان کو بھی مکلف بنا کر اسی موضوع کی اہمیت و ضرورت اجاگر کی گئی، چنانچہ ایمانیات کا جائزہ لیں تو اس کا اصل بھی تزکیہ نفس اور طہارتِ باطن ہی ہے، معاشرت اور معاشرت کے آداب میں طہارت کی قدر ومنزلت بدر جہاعیاں ہے اور پھر عبادات کا اصل لپ لباب اور اولین زینہ ہی طہارت ہے، اسی کے پیشِ نظر طہارت، صفائی اور پاکیزگی ایک سلیم الطبع شخص کی نہ صرف معاشرتی اور ماحولیاتی ضرورت ہے، بلکہ دینِ مبین کے اکثر احکامات کی بجا آوری کا ایک اہم اور کثیر الجہتی شرعی تقاضا بھی ہے جس کے متعلق آگاہی اور پھر اس پر صحیح طریقے سے عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

طہارت کا لغوی معنی:

لغت کے اعتبار سے طہارت کا معنی ''نظافت اور پاکیزگی'' ہے۔(۱)

لغوی اعتبار سے طہارت کے لفظ میں کافی توسع ہے، اگر ایک طرف اس کا اطلاق ''النظافة عن الأقذار والدنس'' یعنی ظاہری نجاست وخباثت سے پاکیزگی پر ہوتا ہے، تو دوسری طرف کفر وشرک اور اعمال بد سے دل ودماغ اور جوارح کو محفوظ رکھنا بھی طہارت ہی کی ایک قسم (طہارتِ باطنی) ہے، اسی وجہ سے خمر اور میسر کو ''رجس'' (مائدۃ:۹۰) اور مشرکین کو ''نجس'' (توبۃ:۲۸) قرار دیا گیا، اسی بناء پر داعیٔ حق اور پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کے فرائض منصبی میں ﴿ویزکیھم﴾ (البقرۃ:۱۲۹) کا واضح تذکرہ بھی موجود ہے۔

(۱) الكاساني، علاؤ الدين أبو بكر بن مسعود، بدائع الصنائع، كتاب الطهارة: ۱/۹۰)

طہارت کا اصطلاحی معنیٰ:

اصطلاحِ فقہ میں طہارت سے مراد طہارتِ ظاہری ہے، چنانچہ علامہ چلپیؒ فرماتے ہیں:

"وشرعاً إزالة النجاسة الحقيقية كطهارة الثوب، والبدن، والمكان عنها، والحكمية التي هي الحدث الأصغر، والأكبر بالوضوء، والغسل، والتيمم". (۱)

شریعت میں طہارت کے معنی "نجاست حقیقی کا زائل کرنا، جیسے: کپڑے، بدن اور مکان سے نجاستِ حقیقی دور کرنا، اور نجاستِ حکمی یعنی حدثِ اصغر (بے وضو ہونا) اور حدثِ اکبر (جنابت، حیض، نفاس) کو وضو، غسل یا تیمم کے ذریعے زائل کرنا ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ:

"هي رفع حدث، أو إزالة نجس، أو ما في معناهما، أو على صورتهما". (۲)

طہارت، حدث کو دور کرنا یا نجاست کو زائل کرنا یا جو انہی دونوں مقاصد کے لیے یا ان کی صورت پر ہو۔ "جو انہی دو مقاصد یا ان کی صورت پر ہو" سے مراد مسنون و مستحب وضو اور غسل اور ان کے مسنون افعال ہیں کہ ان سے نجاست یا حدث کا ازالہ نہیں ہوتا، لیکن پھر بھی طہارت کہلاتے ہیں۔

باب سے متعلقہ اصطلاحات:

(۱) حدث یا نجاستِ حکمی......: اس حالت کو کہتے ہیں جو شرعی طہارت یعنی وضو اور غسل کو ختم کرے، یعنی ایسی کیفیت جو وضو یا غسل کی حالت میں انسان کو عارض ہو جائے تو اس کا وضو یا غسل جاتا رہتا ہے، اس کو نجاستِ حکمی بھی کہتے ہیں۔

(۲) خبث، نجس یا نجاست حقیقی......: خبث اور نجس اس نجاست کو کہتے ہیں جو کسی شخص، کپڑے یا مکان وغیرہ کے ساتھ لگی ہوئی ہو، اس کو نجاست حقیقی بھی کہتے ہیں۔

(۳) طہارتِ حکمی......: حدث یعنی نجاست حکمی کو وضو، غسل یا تیمم کے ذریعے زائل کرنے کا نام طہارتِ حکمی ہے۔

(۴) طہارتِ حقیقی......: خبث، نجس یا نجاستِ حقیقی کو پانی وغیرہ کے ذریعے بدن، کپڑے یا مکان وغیرہ سے پ ک کرنے

---

(۱) رام فوري، ناصر الإسلام، محمد عمر، حاشية على البناية في شرح الهداية، كتاب الطهارات: ۱/۷۷، مكتبة رشيدية، كوئته

(۲) النووي، محي الدين، أبو زكريا يحيىٰ بن شرف، المجموع شرح المهذب، كتاب الطهارة، باب ما تجوز به الطهارة من المياه وما لا تجوز: ۲/۱۱، دار الكتب العلمية، بيروت

کا نام طہارتِ حقیقی ہے۔(۱)

(۵) نجاستِ مرئیہ......: یہ خبث، نجس یا نجاستِ حقیقی کی پہلی قسم ہے۔ نجاست مرئی وہ نجاست ہے جو خشک ہونے کے بعد بھی نظر آئے اور اس کی ظاہری جسم اور شکل (جرم) بھی ہو۔

(۶) نجاستِ غیر مرئیہ......: یہ وہ نجاستِ حقیقی ہے جو خشک ہونے کے بعد نظر نہ آئے اور ظاہری طور پر اس کا کوئی جسم اور تہہ وغیرہ نہ ہو۔(۲)

طہارتِ حکمی اور طہارتِ حقیقی کی مشروعیت:

طہارتِ حکمی (حدثِ اصغر و اکبر سے پاکی) کی مشروعیت قرآنِ کریم کی درج ذیل آیت اور حدیث مبارک سے ثابت ہے:

(۱) ﴿يَاۤ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ ...... إلخ﴾ (مائدۃ:٦)

(۲) لاتقبل صلوة بغیر طهور...... (الحديث)(۳)

جب کہ طہارتِ حقیقی (بدن، کپڑے اور مکان کو ظاہری نجاسات سے پاک کرنے) کی مشروعیت کے لیے درج ذیل آیات اور احادیث وارد ہیں:

(۱) ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ (المدثر:٤)

(۲) ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ (المائدۃ:٦)

(۳) ﴿وَعَهِدْنَاۤ إِلٰۤى إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْمٰعِيْلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ......﴾ (البقرة: ١٢٥)

(۴) فاغسلي عنك الدم وصلّي......... (الحديث)(٤)

---

(۱) الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة طهارت، تقسيم الطهارة: ٩٣/٢٩، وزارة الأوقاف، كويت، بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في بيان أنواع الطهارة: ٩١/١

(۲) ابن عابدين، محمد أمين، ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ٥٣٦/١، مكتبة امدادية، ملتان

(۳) الترمذي، أبوعيسىٰ محمد بن عيسى، جامع الترمذى، أبواب الطهارة، باب ماجاء لاتقبل صلوة بغير طهور: ٣/١، الميزان

(٤) أبوعبدالله، محمد بن يزيد، سنن ابن ماجه، ماجاء في المستحاضة التي قدعدت ايام اقرائها، ص: ٤٥، الميزان، لاهور

طہارت کا رکن، شرطِ وجوب، سبب اور حکم:

نجاست کو زائل کرنے والی چیز کو استعمال کر کے نجاست زائل کر لینا طہارت کا رکن ہے، جب کہ حدث (بے وضو یا جنبی ہونا) یا خبث کا پایا جانا طہارت کے وجوب کے لیے شرط ہے۔

نماز کا وجوب طہارت کے لیے سبب ہے، جب کہ طہارت کا حکم، نماز اور دوسری عبادات (جو وضو کے بغیر نا جائز ہوں) کا مباح ہونا ہے۔(۱)

طہارت کی قسمیں:

طہارت کی دو قسمیں ہیں: طہارتِ حکمیہ اور طہارتِ حقیقیہ۔ طہارتِ حکمیہ حدث (اصغر ہو یا اکبر) کو زائل کرنے کا نام ہے جب کہ طہارتِ حقیقیہ خبث اور نجاست کو بدن، کپڑے یا مکان سے دور کرنے کا نام ہے۔ ہر ایک کی اقسام درج ذیل ہیں:

طہارتِ حکمیہ کی قسمیں:

طہارتِ حکمیہ کی تین قسمیں ہیں: وضو، غسل اور تیمم۔(۲)

طہارتِ حقیقیہ کی قسمیں:

طہارتِ حقیقیہ کی قسمیں جاننے سے پہلے نجاستِ حقیقیہ کے جملہ انواع کا جاننا ضروری ہے، جس کے بعد ہر ایک قسم سے صفائی حاصل کرنے کو طہارتِ حقیقیہ کی اقسام میں سے شمار کیا جائے گا۔

نجاستِ حقیقیہ کی دو قسمیں ہیں: نجاستِ غلیظہ اور نجاستِ خفیفہ، پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں: نجاستِ مرئیہ اور نجاستِ غیر مرئیہ؛ ذیل میں ہر ایک کا حکم، اقسام اور ان سے صفائی کا طریقہ پیش کیا جا رہا ہے۔

نجاستِ غلیظہ کا حکم اور اس کی قسمیں:

نجاستِ غلیظہ کا حکم (حکم سے تعریف بھی معلوم ہو رہی ہے) یہ ہے کہ اگر یہ بدن یا کپڑے وغیرہ کو لگ جائے تو ٹھوس جسم رکھنے کی صورت میں ایک درہم کے وزن (یعنی ساڑھے چار ماشہ یا ۴٫۳۷۴ گرام) کے بقدر معاف ہے، جب کہ ٹھوس نہ ہونے کی صورت میں ایک درہم کی مساحت یعنی ہتھیلی کے درمیان کی چوڑائی کے بقدر حصہ

(۱) البابرتي، أكمل الدين، محمد بن محمود، العناية علىٰ فتح القدير، كتاب الطهارات: ۹/۱، مكتبة حقانية، پشاور

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في بيان أنواع الطهارات: ۹۱/۱

معاف ہے، اگر اس سے زیادہ ہو جائے اور دور کرنے پر قدرت ہو تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہیں۔ نجاستِ غلیظہ کی قسمیں درج ذیل ہیں:

انسانی بدن سے نکلنے والا کوئی بھی خون (حیض، نفاس اور استحاضہ کی صورت میں ہو یا کسی اور عضو سے خارج ہونے والا ہو)، پیشاب (اگرچہ نومولود یا شیر خوار بچے کا ہو)، پاخانہ، منی، مذی، ودی، زخم، دانہ یا پھوڑے پھنسی سے نکلنے والا پیپ یا خون وغیرہ، منہ بھر کے قی، حرام جانوروں کے بول و براز، زمین پر چلنے والے تمام پرندوں کی بیٹ، دمِ مسفوح (یعنی بہنے والا خون)، خشکی کے مردہ اور مردار جانوروں کا گوشت، خنزیر اور کتے کا جوٹھا اور شراب وغیرہ حنفیہ کے ہاں نجاستِ غلیظہ کی قسمیں ہیں۔

نجاست خفیفہ کا حکم اور اس کی قسمیں:

نجاستِ خفیفہ کا حکم (حکم سے تعریف بھی معلوم ہو رہی ہے) یہ ہے کہ اگر یہ بدن یا کپڑے کے چوتھائی حصے سے کم ہو تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ یاد رہے کہ چوتھائی حصے سے مراد بدن یا کپڑے کے اس حصے کا چوتھائی ہے جس پر نجاست لگی ہو، جیسے بدن میں: ہاتھ، پاؤں، پیٹ، ران وغیرہ اور کپڑے میں آستین، دامن، اور پائنچہ وغیرہ پر نجاست لگنے کی صورت میں انہی اشیاء کے چوتھائی حصے کا اعتبار ہوگا۔

حلال جانوروں کا پیشاب اور گوبر، گھوڑے کا پیشاب اور حرام پرندوں کی بیٹ؛ حنفیہ (صاحبینؒ) کے ہاں استحساناً نجاستِ خفیفہ کی قسمیں ہیں۔(١)

نجاستِ غلیظہ وخفیفہ سے پاکی حاصل کرنے کا طریقہ:

نجاستِ حقیقیہ (غلیظہ یا خفیفہ) اگر مرئی ہو، یعنی شکل وصورت اور ظاہری تہہ والی ہو تو اس کی صفائی یہ ہے کہ اس نجاست کو زائل کر دیا جائے، چاہے ایک مرتبہ دھونے سے زائل ہو جائے یا کئی مرتبہ دھونے سے، البتہ اگر اس کا اثر انتہائی مشقت سے بھی زائل نہ ہو (بلکہ مزید دھونے اور رگڑنے سے کپڑے وغیرہ یا انسانی جلد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو)

(١) بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في بيان الطهارة الحقيقية: ١/ ٣٧٩ـ ٣٦١، شيخ نظام و جماعة من علماء الهند، الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة، الفصل الثاني في الأعيان النجسة: ١/ ٤٥، ٤٦، مكتبة رشيدية، كوئته، الشرنبلالي، حسن بن عمار بن علي، مراقي الفلاح على صدر حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس والطهارة عنها، ص: ١٢٠ـ ١٢٥، نور محمد كارخانه تجارت كتب، آرام باغ، كراچي، مفتي، محمد شفيع، اوزانِ شرعيه، رائج الوقت اوزان کے مطابق نقشه، ص: ٦٣، ادارة المعارف، كراچي

تو معمولی اثر کا باقی رہنا معاف ہے۔

اور اگر نجاست غیر مرئی ہو تو اس کو تین مرتبہ دھونا اور ہر مرتبہ پوری قوت سے نچوڑنا ضروری ہے۔ جو اشیاء نچوڑنے کے قابل نہ ہوں تو ان کا خشک ہونا ایک مرتبہ دھونے کے قائم مقام ہے، لہٰذا تین مرتبہ دھوئے اور تین مرتبہ خشک کرے تو صفائی حاصل ہو جائے گی۔ اگر جاری اور بہتے ہوئے پانی میں کوئی کپڑا تین مرتبہ دھولیا جائے تو اس کا نچوڑنا شرط نہیں، بلکہ نچوڑنے کے بغیر بھی پاکی کا حکم کیا جائے گا۔(۱)

طہارتِ حکمیہ کے ذرائع:

طہارتِ حکمیہ کے ذرائع فقط دو ہیں: پانی اور مٹی یعنی پانی کی عدم موجودگی میں مٹی سے تیمم کیا جا سکتا ہے، چاہے وضو کے لیے ہو یا غسل کے لیے ہو۔

طہارتِ حقیقیہ کے ذرائع:

طہارتِ حقیقیہ چاہے نجاستِ غلیظہ سے حاصل کرنا مقصود ہو یا خفیفہ سے، اس کے لیے درج ذیل ذرائع ہیں:

(۱) پانی

(۲) ہر مائع اور پاک چیز، مثلاً: وضو و غسل میں استعمال شدہ پانی، پھلوں کا رس، سرکہ، گلاب کا پانی وغیرہ

(۳) مٹی، مثلاً: اس کے ذریعے استنجا کرنا یا جوتے وغیرہ سے نجاست دور کرنا

(۴) مسح کرنا یعنی کسی کپڑے وغیرہ سے پونچھنا، مثلاً: تلوار یا آئینے پر نجاست لگ جائے تو کسی کپڑے سے پونچھ کر اسے پاک کیا جا سکتا ہے۔

(۵) فرک یعنی کھرچنا، منی اگر گاڑھی ہو اور خشک ہو یا کوئی اور نجاست اس جیسی ہو تو اس کا کھرچنا کافی ہے۔

(۶) الحتّ والدلك یعنی رگڑنا، اگر نجاست ذی جرم و ذی جسم ہو اور رگڑنے سے دور ہو جائے تو رگڑنا کافی ہے۔

(۷) خشک ہونے سے اثر زائل ہو جانا، جیسے: زمین پر پیشاب وغیرہ خشک ہو جائے اور اس کا اثر ختم ہو جائے تو زمین پاک ہو جاتی ہے۔

(۸) احراق یعنی جلانا، مثلاً: گوبر وغیرہ کو جلا کر راکھ کر دیا جائے یا گندی مٹی کو جلا کر برتن بنا دیے جائیں تو پاکی کا حکم

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة واحكامها، الفصل الأول في تطهير الأنجاس: ۱/۴۲، ۴۱، الطحطاوي، سيد أحمد، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب الأنجاس والطهارة عنها، ص: ۱۲۷-۱۲۹

کیا جائے گا۔

(۹) استحالہ یعنی تبدیلی حقیقت، مثلاً: شراب سرکہ بن جائے تو پاک ہو جاتا ہے۔

(۱۰) دباغت: چمڑے کو دباغت کے ذریعے پاک کیا جاسکتا ہے۔

(۱۱) ذبح: سور کے علاوہ تمام حرام جانور ذبح کرنے کی وجہ سے پاک ہو جاتے ہیں۔

(۱۲) النزح یعنی کنویں کا پانی نکال دینے سے کنواں اور ڈول خود بخود پاک ہو جاتے ہیں۔

(۱۳) تقسیم: دھان اور گندم وغیرہ میں گاہنے کے دوران نجاست گر جائے تو اس کی صفائی کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی حصہ الگ کر کے اس کو دھولیا جائے اور پھر تمام گندم میں ملا دیا جائے تو تمام گندم پاک ہو جاتا ہے۔

(۱۴) ناپاک روئی دھن دی جائے تو پاک ہو جائے گی۔

(۱۵) ناپاک قلعی کو پگھلا دیا جائے تو پاک ہو جائے گا۔(۱)

جواز وعدم جواز کے اعتبار سے پانی کی قسمیں:

طہارتِ حکمیہ وحقیقیہ کے لیے کافی ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے پانی کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) طاہر مطہر وغیر مکروہ:

یعنی وہ پانی جو خود بھی پاک ہو، حدث اور خبث کو بھی پاک کر سکتا ہو اور اس کے استعمال میں کسی قسم کی کراہت بھی نہ ہو۔ یہ ماءِ مطلق ہے، یعنی وہ پانی جس کے ساتھ کوئی اور شئی خلط نہ ہوئی ہو، یہ پانی سات قسم کی ہوسکتی ہے: بارش کا ہو یا سمندر، دریا، نہر، کنویں، برف، اولوں یا چشموں کا؛ بہر صورت طاہر مطہر اور غیر مکروہ ہے بشرطیکہ کسی نجس شئی سے اختلاط نہ آیا ہو۔

(۲) طاہر، مطہر اور مکروہ پانی:

وہ پانی جس سے گھریلو بلی، مرغی، گوشت خور پرندہ، چوہا یا سانپ وغیرہ پی لے اور وہ قلیل مقدار میں ہو تو اس کا استعمال مکروہ ہو جاتا ہے۔

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة وأحكامها، الفصل الأول في تطهير الأنجاس: ۴۱/۱-۴۵، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب الأنجاس والطهارة عنها، ص:۱۲۹-۱۳۲

19

(۳) طاہر غیر مطہر پانی (ماءِ مستعمل):

یعنی خود تو پاک ہو لیکن نجاستِ حکمی (حدثِ اصغر و اکبر) کو زائل کرنے کی صلاحیت اس میں نہ ہو، اگر چہ نجاستِ حقیقی کو زائل کر سکتا ہو۔ یہ وہ پانی ہے جو وضو یا غسل کے لیے استعمال کیا جائے یا قربت کی نیت سے اس سے دوبارہ وضو کر لیا جائے۔ حنفیہ کے راجح قول کے مطابق بدن سے جدا ہونے کے فوراً بعد پانی مستعمل بن جاتا ہے، کسی خاص جگہ ٹھہرنا ضروری نہیں۔

(۴) ماءِ نجس:

یہ وہ قلیل پانی ہے جس میں نجاست گر جانے کا یقین یا غلبہ ظن ہو، اگر چہ اس نجاست کا کوئی اثر اس میں ظاہر نہ ہو۔

(۵) ماءِ مشکوک:

یعنی وہ پانی جو خود تو پاک ہو، لیکن اس کے مطہر ہونے میں شک ہو، گدھے یا خچر کا جوٹھا مذکورہ قسم میں داخل ہے۔(۱)

سؤر یعنی جوٹھے کا حکم:

جوٹھے کی چار قسمیں ہیں:

(۱) طاہر مطہر……: انسان کا جوٹھا طاہر مطہر ہے، اگر چہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، البتہ شراب کے فوراً بعد اگر پانی پی لیا تو نجس ہوگا، اسی طرح گھوڑے اور حلال جانوروں کے جوٹھے کا بھی یہی حکم ہے۔

(۲) نجس……: کتے، خنزیر اور گوشت خور جانوروں کا جوٹھا نجس ہے۔

(۳) مکروہ……: بلی، مرغی، گوشت خور پرندوں اور سواکن البیوت (گھروں میں رہنے والے موذی جانور جیسے سانپ، چوہے وغیرہ) کا جوٹھا مکروہِ تنزیہی ہے، بشرطیکہ غیر مکروہ پانی موجود ہو۔ اگر غیر مکروہ پانی موجود نہ ہو تو اس کا استعمال بلا کراہت جائز ہے۔

(۴) مشکوک……: گدھے اور خچر کا جوٹھا مشکوک ہے، اگر دوسرا کوئی پانی نہ ہو تو پہلے مذکورہ پانی سے وضو کر لے اور پھر تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔(۲)

---

(۱) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، ص:۱۵۔۲۲

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في بيان الطهارة الحقيقية:۱/۳۷۹۔۳۸۲، داماد آفندي، عبدالله بن الشيخ محمد بن سليمان، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الطهارة، فصل تنزح البئر:۱/۳۳ دار أحياء التراث العربي، بيروت

کنویں (بئر) کے بارے میں بنیادی قواعد:

قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ کنویں میں نجاست گرنے کے بعد اس کی صفائی ممکن نہ رہے، تاہم آثار صحابہؓ کی وجہ سے قیاس کو چھوڑا جائے گا، اسی وجہ سے فقہاءِ کرام کے ہاں یہ قاعدہ مشہور ہے کہ "مسائل الابار مبنیة علی اتباع الاثار".

کن صورتوں میں کنویں کا سارا پانی نکالنا ضروری ہے؟

چھوٹے کنویں میں اگر درج ذیل اشیاء گر جائیں تو وہ ناپاک ہو جائے گا، لہٰذا اس کا تمام پانی نکالنا ضروری ہوگا۔

(۱) نجاستِ مرئی (دیدنی نجاست) کے گرنے سے، چاہے نجاست غلیظہ ہو یا خفیفہ

(۲) خنزیر کے گرنے سے، اگر چہ وہ زندہ نکل آئے اور اس کا لعاب پانی کو نہ چھوئے۔

(۳) کتے کے گرنے سے، بشرطیکہ اس کا لعاب پانی کو چھولے۔

(۴) بکری کے برابر جسامت والے جانور کے کنویں میں مرنے سے

(۵) کسی آدمی کے مرنے سے

(۶) کنویں کے اندر خشکی کا جانور گر کر پھول پھٹ جانے اور خراب ہونے سے، اگر چہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔

(۷) نجس اور مشکوک جوٹھار کھنے والے جانوروں کے گرنے اور پانی میں جوٹھا مل جانے سے

(۸) بلی یا کتے سے بھاگنے والے زخمی یا نجس چوہے کے گرنے سے یا درندے سے بھاگنے والی بکری وغیرہ کے گرنے سے، اگر چہ زندہ نکل آئے۔

(۹) جنبی آدمی کے گرنے سے، اگر چہ زندہ نکل آئے۔

(۱۰) کافر یا مردہ شخص کے گر جانے سے

بعض مستثنیٰ صورتیں:

کنویں میں جانور اور نجاست گرنے والی صورتوں میں سے بعض صورتیں فقہاءِ کرام کے ہاں استحساناً مستثنیٰ ہیں جن کے پیش آنے سے کنویں کا پانی ناپاک شمار نہیں ہوگا، ان کی اجمالی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) معمولی مقدار میں مینگنیاں، گوبر اور لید گرنے سے، یعنی جو مقدار مبتلیٰ بہ اور ارباب بصیرت لوگوں کو کم نظر آئے یا پانی کی سطح کا ایک چوتھائی سے کم حصہ گھیر لے۔

(۲) کبوتر اور چڑیا کی بیٹ سے

(۳) حشرات وغیرہ اوران اشیاء کے مرنے سے جن میں دمِ مسفوح نہ ہو۔

(۴) حلال جانوروں کے گرنے سے، بشرطیکہ ان کے بدن پر ظاہری نجاست نہ ہو۔

(۵) پاک اور مسلمان انسان کے گر جانے سے

(۶) گدھے اور خچر کے گر جانے سے، بشرطیکہ ان کا لعاب پانی کو نہ چھولے۔

(۷) غیر حلال جانوروں کے گر جانے سے، بشرطیکہ ان کے جسم پر نجاست نہ ہو اور منہ پانی میں ڈالے بغیر زندہ نکل آئیں۔

(۸) جن جانوروں کا جوٹھا مکروہ ہے ان کے گر جانے سے، جیسے: بلی، مرغی، گوشت خور پرندے اور سواکن البیوت، بشرطیکہ مذکورہ جانور زندہ نکل آئیں۔

(۹) آبی جانوروں کے مرجانے سے

چھوٹے جانوروں کے مرجانے کا حکم:

چھوٹے جانور اگر صرف مرجائیں یا مرنے کے بعد گر جائیں اوران کے پھولنے پھٹنے کی نوبت نہ آئی ہو تو پورا پانی نکالنے کی ضرورت نہیں، بلکہ چوہے، چڑیا اور چھپکلی جیسے جسم کے جانوروں کے لیے بیس ڈول نکالنے واجب ہیں اور تیس مستحب ہیں۔ مذکورہ جانوروں کی تعداد اگر چار تک پہنچ جائے تب بھی یہی حکم ہوگا۔

متوسط جانوروں کے مرجانے کا حکم:

متوسط جانوروں سے مراد کبوتر، مرغی اور بلی جیسے جسم کے جانور ہیں۔ مذکورہ جسم کے جانور اگر کنویں میں گر کر مرجائیں تو چالیس ڈول وجوبا اور ساٹھ ڈول استحبابا نکالنا ضروری ہے۔ پانچ سے لے کر نو کے عدد تک چھوٹے جانور، یعنی چوہے وغیرہ متوسط جانور کے حکم میں ہیں۔ دو متوسط جانور، مثلاً: دو بلیاں بڑے جانور کے حکم میں ہوں گی، لہٰذا ان کے مرنے سے تمام پانی نکالنا ہوگا۔

اگر پورا پانی نکالنا ناممکن ہو تو کیا کرے؟

جن صورتوں میں کنویں کا پورا پانی نکالنا واجب ہے ان میں اگر چشمہ وغیرہ کی وجہ سے مکمل پانی کا اخراج ناممکن ہو جائے تو اس کے لیے حنفیہ کے ہاں دوسری تدابیر اختیار کی جائیں گی، مثلاً:

(۱) پانی نکالتا رہے، یہاں تک کہ یقین ہو جائے کہ کنویں میں موجود پانی کے بقدر نکل گیا۔

(۲) کنویں میں موجود پانی کی گہرائی اور چوڑائی کی مقدار گڑھا کھود لے اور پانی نکال کر اس کو بھر دے۔

(۳) کسی لکڑی یا بانس کے ذریعے پانی کی مقدار ناپ کر اس کے بقدر پانی نکال دے۔

(۴) دو سو (۲۰۰) سے تین سو (۳۰۰) ڈول کی مقدار پانی نکال دے، حنفیہ کے ہاں اسی پر فتوی ہے۔

(۵) دو تجربہ کار افراد کی رائے پر عمل کر کے پانی نکال دیں، یہ قول فقہ کے اصول وقواعد سے زیادہ موافق اور ہم آہنگ ہے۔

پانی نکالنا کب مستحب ہے؟

اگر پانی میں چھوٹا جانور یا متوسط جانور گر کر زندہ نکل آئے اور اس کے جسم پر نجاست نہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ بیس ڈول نکال دیئے جائیں، یہی حکم بکری وغیرہ کے گرنے اور زندہ نکل آنے کا بھی ہے۔

متفرق احکام:

(۱) جانور کے کنویں میں گرنے کا وقت اگر معلوم ہو تو پانی کی نجاست کا حکم اس معین وقت سے ہوگا، تاہم اگر وقت معلوم نہ ہو اور جانور پھولا پھٹا بھی نہ ہو تو گزشتہ ایک دن اور ایک رات سے پانی ناپاک شمار کرے اور اگر پھولا پھٹا ہو تو تین دن اور تین رات سے پانی کو نجس شمار کر کے احکام کا اعادہ کر لیں، امام ابو حنیفہؒ کی یہی رائے ہے۔ صاحبین کے قول میں پانی نجاست نکلنے کے وقت سے نجس متصور ہوگا اور اُس سے پہلے پاک، لہٰذا گزشتہ نمازوں کا اعادہ ضروری نہیں، سہولت کی خاطر اسی قول کو فتویٰ کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔

(۲) پانی کی معینہ مقدار نکالنے سے ڈول، رسی، کنواں اور نکالنے والے کے ہاتھ وغیرہ بھی پاک متصور ہوں گے۔

(۳) ڈول سے ٹپکنے والے قطرات کا واپس کنویں میں گرنا استحساناً معاف ہے۔

(۴) ڈول سے اوسط درجے کا زیرِ استعمال ڈول مراد ہوتا ہے، یعنی جو ڈول کنویں کے حجم کے مناسب ہو وہی مراد ہے۔(۱)

❁❁❁❁❁

---

(۱) مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الطهارة، فصل تنزح البئر: ۱/۳۳ـ۳۵، مراقي الفلاح على صدر حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل في مسائل الآبار، ص: ۲۸ـ۳۳

فصل فی الأنجاس

نجاستوں کا بیان

خون کی تھیلی (Bag) جیب میں رکھ کر نماز پڑھنا

سوال نمبر (123):

میں بلڈ بینک میں ملازم ہوں، لیبارٹری آتے جاتے ہوئے عصر کی نماز کے وقت جہاں کہیں جماعت ہورہی ہوتی ہے اس میں شامل ہوجاتا ہوں، حالانکہ کبھی کبھار خون کے ایک دو تھیلے میری جیب میں ہوتے ہیں، تو کیا خون کے تھیلوں کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہے یا ان کو ہٹانا ضروری ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

نمازی کے پہنے ہوئے کپڑے ہوں یا اس کی جیب میں پڑی ہوئی کوئی چیز ہو اگر اس میں نجاست غلیظہ قدر درہم سے زائد لگی ہو تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا درست نہیں۔ خون چونکہ پلید ہے، اس لیے خون سے بھری تھیلی اگر نمازی کی جیب میں پڑی رہے تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

رجل صلیٰ، وفي كمه قارورةفيهابول، لاتجوزالصلوة، سواء كانت ممتلئة، أو لم تكن؛لأن هذاليس في مظانه ومعدنه بخلاف البيضة المذرة؛ لأنه في معدنه، ومظانه.(۱)

ترجمہ:

ایک آدمی نماز پڑھ لے اور اس کی آستین (کی جیب) میں ایک شیشی ہو جس میں پیشاب ہو تو نماز جائز نہیں، چاہے وہ شیشی بھری ہوئی ہو یا بھری ہوئی نہ ہو، کیونکہ یہ پیشاب اپنی اصلی اور خلقی جگہ (مثانہ) میں نہیں۔ بخلاف گندے انڈے کے کہ اس کی گندگی اپنی اصلی اور خلقی جگہ (خول) ہی میں ہے۔ (اس لیے اگر گندہ انڈہ کسی کی جیب میں ہوگا تو اس کی نماز ہوجائے گی)۔

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلوة، الفصل الثاني: ۱/۶۲

کپڑوں پرنامعلوم وقت سے منی کے اثرات

سوال نمبر(124):

ایک شخص کواحتلام ہوا،صبح منی لگے ہوئے کپڑے دھولیے،غسل کیا،دودن بعدصبح کی نماز کے بعدجب کپڑے تبدیل کرنے لگاتوان پرمنی کے اثرات نظرآئے،گزشتہ احتلام کے بعددوسرااحتلام یادنہیں،چونکہ ان کپڑوں میں نمازیں پڑھ چکاہے،اب یہ شخص پڑھی گئی نمازوں کااعادہ کرے گایانہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہ کاقاعدہ یہ ہے کہ کسی شيء کوحتی الامکان قریبی وقت کی طرف منسوب کیاجائے،چنانچہ اس قاعدے کے مطابق جس شخص کواحتلام ہوا،اورغسل کرکے کپڑے بھی دھولیے،پھردوسری رات گزرنے کے بعدکسی وقت اس نے کپڑوں پرمنی کے اثرات اورنشانات دیکھ لیےتویہی سمجھاجائے گاکہ یہ نشانات اس گزشتہ آخری رات کے ہیں،پس اس پردوبارہ غسل فرض ہوگا،اگرچہ احتلام یادنہ ہو؛اوراس گزشتہ رات کے بعددوبارہ غسل سے پہلے جتنی نمازیں پڑھی ہیں، ان کااعادہ کرناضروری ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

الأصل إضافة الحادث إلیٰ أقرب أوقاته، منها:ماقدمناه فیمالورأی في ثوبه نجاسة وقدصلیٰ فیه، ولایدري متیٰ أصابته یعیدهامن آخرحدث أحدثه، والمني من آخررقدة، ویلزمه الغسل في الثانیة عندأبي حنیفة ومحمدرحمهمااللّٰه، وإن لم یتذ کراحتلاما، وفي "البدائع":یعیدمن آخر مااحتلم.(۱)

ترجمہ:

قاعدہ یہ ہے کہ اشیاءکوقریب تراوقات کی طرف منسوب کیاجائے گا،اسی کے تحت یہ مسئلہ ہے جوہم پہلے ذکرکر چکے ہیں کہ اگرایک شخص اپنے کپڑوں پرنجاست دیکھ لےاوران ہی کپڑوں میں اس نے نماز پڑھی ہو،لیکن وہ نہیں جانتا کہ یہ نجاست کب لگی ہےتوپیش آنے والے آخری حدث کے بعدسے نمازوں کااعادہ کرے گا،اسی طرح منی (احتلام) بھی

(۱)علامہ حموي، غمزعیون البصائر، شرح الأشباه والنظائر، القاعدةالثالثة، الیقین لایزول بالشك:۲۰۳/۱۔ مطبع:ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة، کراچي

آخری نیند کی طرف منسوب ہوگی، چنانچہ طرفین کے نزدیک اس پر دوسری مرتبہ غسل دوسرے احتلام کی وجہ سے واجب ہوگا، اگرچہ احتلام یاد نہ ہو۔ بدائع میں یہ بھی ہے کہ آخری احتلام کے بعد سے نمازوں کا اعادہ کرے گا۔

❁❁❁

نماز کے دوران دوسرے نمازی کے گندہ کپڑوں سے لگنا

سوال نمبر(125):

اگر صف میں ایسا آدمی کھڑا ہے جس کے کپڑے ناپاک ہیں اور یہ ناپاک کپڑے دوسرے نمازی کے کپڑوں کے ساتھ لگ رہے ہوں تو پاک کپڑوں والے نمازی کی نماز کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر کسی نمازی کے پلید کپڑے دوسرے نمازی کے بدن کے کسی حصے پر ایک رکن کے برابر تک پڑے رہیں یا نمازی کے اوپر کوئی پلید کپڑا اس طرح معلق رہے کہ نمازی کی حرکت سے وہ کپڑا بھی حرکت کر رہا ہے تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر کسی نمازی کے پلید کپڑے دوسرے نمازی کے بدن کے کسی حصہ پر ایک رکن کی مقدار کے برابر نہیں پڑے ہیں، بلکہ لٹک رہے ہیں، اس کی حرکت سے حرکت نہیں کرتے، پاک کپڑوں یا بدن سے صرف لگ رہے ہیں تو اس سے پاک کپڑوں والے نمازی کی نماز پر اثر نہیں پڑتا۔

والدلیل علیٰ ذلک:

ولو كان الثوب المتنجس معلقافوق رأسه إذاقام المصلي يصير علىٰ كتفه، فصلىٰ ركنامعه تفسدصلوته، و كذالو وضع عليه قباء نجس، هكذافي الخلاصة.(١)

ترجمہ:

اگر ناپاک کپڑا نمازی کے سر پر لٹک رہا ہے، اس طور پر کہ جب نمازی کھڑا ہوجائے تو وہ اس کے کندھے پر آجائے، اور وہ ایک رکن کی مقدار کے برابر اس کے ساتھ نماز پڑھ لے تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی، اسی طرح نمازی کے اوپر اگر ناپاک جُبّہ ڈال دیا جائے تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

---

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلوة، الفصل الثاني:١/٦٣

قضائے حاجت کے دوران قبلہ کی طرف منہ کرنا

سوال نمبر(126):

ہمارے گھر میں ایک لیٹرین اتفاقاً اس طرح بنی ہے جس کا کموڈ شرقاً غرباً لگا ہوا ہے، چنانچہ قضائے حاجت کے وقت منہ قبلے کی طرف آتا ہے، اس کموڈ کو تبدیل کریں یا اسی طرح چھوڑ دیا جائے ؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

خانۂ خدا (کعبہ شریف) چونکہ اللہ جلّ جلالہ کی عظمت وکبریائی کا مظہر اور اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ایک اہم شعار ہے، چنانچہ شریعت اس کی عظمت کا لاج رکھتے ہوئے حتی الامکان ادب واحترام ہر مسلمان کے لیے لازم قرار دیتی ہے، چنانچہ قضائے حاجت کے دوران دیدہ ودانستہ قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے کو فقہائے کرام نے مکروہ تحریمی لکھا ہے، لہٰذا اگر ممکن ہو تو کموڈ کا رخ تبدیل کیا جائے یا پھر قضائے حاجت کے وقت بیٹھنے میں ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ بیٹھنے کی حالت میں قبلہ کی طرف نہ منہ آئے اور نہ پیٹھ۔

والدّلیل علی ذلک:

عن أبي أيوب الأنصاري قال: قال رسول الله ﷺ : إذا أتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة بغائط ولا بول، ولا تستدبروها، ولكن شرقوا، أو غربوا. قال أبو أيوب: فقدمنا الشام، فوجدنا مراحيض قد بنيت مستقبل القبلة، فننحرف عنها، ونستغفر الله. (۱)

ترجمہ: ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"جب تم بیت الخلاء کی طرف آو، تو پاخانہ اور پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کرو، نہ پشت، بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ یا پشت کرو"(یہ حکم مدینہ منورہ کے باشندوں کے لیے ہے کہ وہاں قبلہ جنوب کی طرف ہے، اس لیے مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنے سے قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ نہیں آتی)۔حضرت ابوایوب فرماتے ہیں کہ:"ہم شام آئے تو دیکھا کہ یہاں بیت الخلا قبلہ رُخ بنے ہوئے ہیں تو ہم اِن میں رُخ تبدیل کر کے بیٹھتے تھے، اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے تھے۔"

---

(۱) الترمذي، محمد بن عيسى، أبو عيسى، سنن الترمذي، كتاب الطهارة، باب في النهي عن استقبال القبلة بغائط وبول: ۱/۸، الميزان

کھڑے ہوکر پیشاب کرنا

سوال نمبر(127):

آج کل ائیرپورٹ، ریلوے اسٹیشن اور بعض ایسے دیگر مقامات پر پیشاب کے لیے ایسا فلش سسٹم ہوتا ہے جہاں کھڑے ہوکر پیشاب کرنا پڑتا ہے، تو کیا بغیر عذر کے کھڑے ہوکر پیشاب کرنا جائز ہے؟ احادیث کی روشنی میں جواب سے مستفید فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

احادیث میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کے بارے میں جواز اور عدم جواز کا تذکرہ اگرچہ موجود ہے، لیکن جواز کی احادیث عذر پر محمول کی جاتی ہیں، جب کہ عدم جواز کی احادیث کا اطلاق عام حالات پر ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عام حالات میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کو فقہاء کرام مکروہ سمجھتے ہیں۔ موجودہ حالات میں چونکہ یہ بھی کفار کا شعار بن چکا ہے اس لیے ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں۔ خصوصاً جب بدن اور کپڑوں کے تلویث (ناپاک ہونے) کا بھی خطرہ ہو، البتہ اگر کہیں بیٹھ کر پیشاب کرنے کی سہولت موجود نہ ہو یا کوئی بیماری اس امر سے مانع ہو تو ایسے حالات میں گنجائش ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن ابن عمرؓ، قال:رآني النبي ﷺ أبول قائما، فقال: یاعمر، لاتبل قائما، فمابلت قائمابعد.(۱)

ترجمہ: حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے مجھے کھڑے ہوکر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا، تو فرمایا: ”اے عمر! کھڑے ہوکر پیشاب نہ کرو۔“ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: ”اس کے بعد میں نے کبھی کھڑے ہوکر پیشاب نہیں کیا۔“

وفي معارف السنن تحت بحث الرخصة:ثم إن البول قائماوإن کانت فیه رخصة، والمنع للتأدیب لاللتحریم کماقاله الترمذي ولکن الیوم الفتویٰ علیٰ تحریمه أولیٰ، حیث أصبح شعاراً لغیرالمسلمین

(۱)سنن الترمذي، أبواب الطهارة، باب النهي عن البول قائما:۹/۱، المیزان

من الكفار وأهل الأديان الباطلة.(۱)

ترجمہ: اورمعارف السنن میں جواز کی بحث کے تحت مصنف یوں رقمطراز ہیں کہ:''کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مرخص ہے اور یہ ممانعت تحریمی نہیں تادیبی ہے، جس طرح کہ امام ترمذیؒ نے بیان کیا ہے، لیکن کھڑے ہوکر پیشاب کرنا چونکہ آج کل غیر مسلموں کا شعار بن چکا ہے، اس لیے اس کی حرمت کا فتوی دینا بہتر ہے۔''

❁❁❁

ودی کے قطروں کا بدن یا کپڑوں پر لگنا

سوال نمبر(128):

ودی کے قطرات بدن یا کپڑے پر لگ جائیں تو کیا ان کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہے یا ان کا دھونا ضروری ہے، نیز اگر بھول کر اس میں نماز پڑھ لے تو کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نماز میں بدن اور کپڑے کا پاک ہونا ضروری ہے۔ودی نجاست غلیظہ ہے اور نجاستِ غلیظہ اگر بدن یا کپڑے پر قدرِ درہم سے زائد حصہ کو لگا ہو تو اس کا دھونا لازمی ہے اور اگر اس نجاست کے ساتھ نماز پڑھی گئی تو وہ درست نہیں اس لیے دوبارہ پڑھنا ضروری ہوگا۔اور اگر قدرِ درہم سے کم حصہ پر ہو تو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں، نماز ہوجائے گی، لیکن حتی الوسع اس سے بھی بچنا ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وَعَفَا الشَّارِعُ عَنْ قَدْرِ دِرْهَمٍ وَإِنْ كُرِهَ تَحرِيمًا فَيَجِبُ غَسلُهُ وَمَا دُونَهُ تَنزِيهًا فَيُسَنُّ وَفَوقَهُ مُبطِلٌ فَيُفرَضُ...وَهُوَ مِثقَالٌ عِشرُونَ قِيرَاطًا فِي نَجِسٍ كَثِيفٍ لَهُ جِرمٌ وَعَرضِ مُقَعَّرِ الكَفِّ وَهُوَ دَاخِلُ مَفَاصِلِ أَصَابِعِ اليَدِ فِي رَقِيقٍ مِن مُغَلَّظَةٍ(۲)

---

(۱)البنوري، محمد یوسف، معارف السنن، باب النهي عن البول قائما:۱/۱۰۶، ایچ۔ ایم۔سعید، کراچی

(۲)ردالمحتار:۱/۵۲۰

ترجمہ:

شارع نے مقدارِ درہم کو معاف فرمادیا ہے۔ اگر چہ مکروہِ تحریمی پھر بھی ہے، اِس لیے اِس کا دھونا بھی واجب ہے۔ اور درہم سے کم مکروہِ تنزیہی ہے اِس لیے اُس کا دھونا مسنون ہے اور درہم سے زیادہ سے نماز نہیں ہوتی اِس لیے اُس کا دھونا فرض ہے۔۔۔۔ نجاست اگر ٹھوس ہو تو درہم کا وزن (معتبر ہوگا جو کہ) ایک مثقال/بیس قیراط ہے۔ اور اگر نجاست مائع ہو تو (پھیلاؤ میں درہم کی مقدار معتبر ہے جس کا اندازہ یہ ہے کہ) ہاتھ کی انگلیوں کے جوڑوں سے نیچے ہتھیلی کے گہراؤ کے برابر جگہ درہم کے برابر ہے۔

❁❁❁

ناپاک کپڑوں میں پڑھی ہوئی نمازوں کا حکم

سوال نمبر(129) :

زید کے پاس چند جوڑوں میں ایک جوڑا ناپاک تھا جس کا اس کو علم نہیں تھا، اس لیے وہ سب جوڑوں میں نماز پڑھتا تھا، بعد میں پتہ چلا کہ ایک جوڑا ناپاک تھا جس میں وہ کئی نمازیں پڑھ چکا ہے، ان نمازوں کی صحت کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

کوئی شخص اپنے کپڑے پر نجاست غلیظہ کا اثر دیکھ لے اور اسے یہ علم نہ ہو کہ یہ نجاست کب لگی ہے اور اس میں وہ نمازیں پڑھ چکا ہو تو ایسی صورت میں اس پر گزشتہ نمازوں کی قضا لازم نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

إن وجد في ثوبه نجاسة مغلظة أكثر من قدر الدرهم، ولا يدري متیٰ أصابته لا يعيد شيئامن صلوته بالإجماع، وهو الأصح.(۱)

ترجمہ: اگر کوئی اپنے کپڑوں پر نجاست غلیظہ کا اثر ایک درہم سے زائد دیکھ لے اور اسے یہ علم نہ ہو کہ کب لگی ہے تو بالاجماع اس پر کسی نماز کا اعادہ نہیں اور یہی اصح ہے۔

(۱)الفتاوی الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلوة، الفصل الثاني: ۱/ ۶۰، ۶۱

قالین کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال نمبر(130) :

مسجد کے قالین پر کسی بچے نے پیشاب کردیا ہے جوتقریباً دو مربع فٹ پر پھیل کر ایسا جذب ہوگیا کہ اس کا کوئی اثر نظر نہیں آتا، اس قالین کو کس طرح صاف کیا جائے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قالین کی صفائی کے دو طریقے ہیں:

(۱):......قالین کو کسی بڑے برتن یا حوض میں ڈال کر دھویا جائے اگر اس کا نچوڑنا دشوار ہو تو اس کو تین دفعہ اس طرح دھویا جائے کہ ہر مرتبہ پانی ٹپکنا رک جائے اور اگر نچوڑنا دشوار نہ ہو تو تینوں بار نچوڑنا بھی ضروری ہے۔

(۲):......ناپاک جگہ کے اوپر تین بار اتنا پانی بہادیا جائے جتنا کسی بڑے برتن یا چھوٹے حوض میں تین دفعہ قالین کو ڈبوکر اس میں دھونے کے لیے ضروری ہو، اس طرح پانی بہادینے کے بعد نہ تین بار دھونا شرط ہے اور نہ ہی نچوڑنا، بلکہ صرف پانی بہادینا کافی ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

(وقدر بغسل وعصر ثلاثا فیما ینعصر، وبتثلیث جفاف) أي انقطاع تقاطر (في غیرہ) أي غیر منعصر مما یتشرب النجاسة...... وهذا كله إذا غسل في إجانة، أما لو غسل في غدیر، أو صب علیه ماء كثیر، أو جری علیه الماء طهر مطلقا بلا شرط عصر، وتجفیف، وتكرار غمس هو المختار. (۱)

ترجمہ:

جو چیز نچوڑی جاسکتی ہو، اس کو تین بار دھوکر نچوڑا جائے گا اور جو چیز نجاست کو جذب کرلے، لیکن اس کو نچوڑا نہیں جاسکتا ہو تو اس کو تین مرتبہ (دھویا جائے گا اور ہر مرتبہ) دھونے کے بعد اس قدر انتظار کیا جائے گا کہ اس کا پانی ٹپکنا بند ہوجائے۔ یہ تفصیل اس وقت ہے جب اس کو کسی بڑے برتن یا چھوٹے حوض میں دھویا جائے اور اگر کسی بڑے حوض میں دھولیا جائے یا اس پر کثیر مقدار میں پانی بہادیا جائے یا بہتے پانی میں رکھا جائے اور پانی اُس پر بہے تو

(۱) الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/ ۵۴۰_۵۴۳

پاک ہوجائے گا اور اس صورت میں اس کا نچوڑنا، تقاطر کا بند ہونا اور بار بار پانی میں ڈبو دینا ضروری نہیں، یہی قول مختار ہے۔

❀❀❀

گیلے بدن پر منی لگے ہوئے کپڑے پہننا

سوال نمبر(131):

کسی شخص کے کپڑوں پر منی لگی ہوئی ہو اور غسل کے بعد گیلے بدن پر وہ نجس کپڑے پہن لے، اگر وہ کپڑے بدن کی تری سے لگ جائیں تو بدن ناپاک ہوگا یا نہیں اور کیا اس حالت میں نماز پڑھنا درست ہوگا؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

منی لگے ہوئے کپڑے اگر گیلے بدن پر پہن لیے جائیں اور وہ بدن کی تری کے ساتھ لگ جائیں تو بدن ناپاک ہوجائے گا، چنانچہ یہ ناپاکی اگر بدن یا کپڑوں پر قدر درہم سے زائد حصہ پر لگ چکی ہو تو ان میں نماز پڑھنا صحیح نہیں اور اگر قدر درہم سے کم ہو تو نماز درست ہوگی، لیکن اس کو بھی دھونا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

وكذاإن نام علىٰ فراش نجس فعرق وابتل الفراش مع عرقه فإنه إن لم يصب بلل الفراش بعدابتلاله بالعرق جسده لايتنجس جسده......وكذاإن مشىٰ علىٰ أرض نجسة بعدماغسل رجليه فابتلت الأرض من بلل رجليه واسودوجه الأرض أي بالنسبة إلىٰ لونه الأول لكن لم يظهرأثرالبلل المتصل بالأرض في رجله لم تتنجس رجله.(۱)

ترجمہ:

اور اسی طرح اگر وہ نجس بستر پر سوئے اور اس کو پسینہ آجائے، اور بستر اس کے پسینے کی وجہ سے گیلا ہوجائے تو ایسی صورت میں اگر اس کے پسینے سے گیلے ہوئے بستر کی تری (گیلا پن) اس کے بدن تک نہ پہنچے تو اس کا بدن نجس نہ ہوگا۔۔۔اسی طرح اگر وہ پاؤں دھونے کے بعد نجس زمین پر (ننگے پاؤں) چلے اور زمین اس کے پاؤں کی تری سے گیلی

(۱) ابراهيم، الحلبي، غنية المستملي، المعروف بالحلبي الكبيري، فصل في الآثار: ص:۱۵۳، مكتبة نعمانية، كوئٹه

ہو جائے اور زمین اپنے پہلے رنگ کی بنسبت سیاہ محسوس ہو، لیکن زمین کے گیلے پن کا اثر اس کے پاؤں پر ظاہر نہ ہو تو اس کے پاؤں نجس نہ ہوں گے۔

وفي الحلبي الكبيري:

وكذا حكم الثوب إذا أصابه مني ففرك، ثم أصابه المآء في رواية يعود نجسا وفي رواية لا.(١)

ترجمہ: اور کپڑے کا بھی یہی حکم ہے جب اس پر منی لگے اور اس کو کھرچنے کے بعد اسے پانی پہنچے تو ایک روایت میں ہے کہ وہ نجس ہوگا، جب کہ دوسری روایت میں ہے کہ وہ نجس نہیں ہوگا۔

❁❁❁

گندے انڈے کی رطوبت کے ساتھ نماز

سوال نمبر(132):

میری جیب میں انڈہ پڑا تھا، جب میں نماز کے دوران سجدے میں چلا گیا تو وہ ٹوٹ گیا۔ سلام پھیرنے کے بعد دیکھا تو انڈہ خراب تھا تو کیا نماز ہوگئی ؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

گندہ انڈہ اگر صحیح سالم ہے، ٹوٹا ہوا نہیں، اور اِس کے اندر کے رطوبتی مواد بہہ کر بقدر درہم بدن یا کپڑوں کو نہیں لگا ہے تو اس کے ساتھ نماز صحیح ہے اور اگر گندے انڈے کے مواد بقدر درہم بدن یا کپڑوں کو لگ چکے ہوں تو نماز دوبارہ لوٹانا ضروری ہے کیونکہ یہ مواد پلید ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں دورانِ سجدہ جب سائل کے جیب میں گندہ انڈہ ٹوٹ کر اُس کا مواد کپڑوں کو لگ چکا ہے تو قدرِ درہم سے زیادہ کی صورت میں نماز کا لوٹانا ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

إذا صلىٰ، وفي كمه بيضة مذرة قد حال مخّها دما، جازت صلوته، وكذا البيضة التي فيها فرخ ميت.(٢)

---

(١) الحلبي الكبيري، فصل في الأنجاس: ص١٣٦

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلوة: ١/٦٢

ترجمہ:

جب کوئی نماز پڑھ لے اور اس کی آستین (جیب وغیرہ) میں گندہ انڈہ تھا جس کا گودا (اندر کا مواد) خون میں تبدیل ہو چکا تھا تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔اسی طرح اس انڈے کے ساتھ بھی نماز جائز ہے جس کے اندر مردہ چوزہ پڑا ہو۔(لیکن دونوں صورت میں انڈہ ٹوٹ نہ چکا ہو بلکہ سالم ہو)

❁❁❁

شیر خوار بچے کی قے نجس ہے یا نہیں؟

سوال نمبر(133) :

شیر خوار بچے کی قے اگر کپڑوں یا بدن پر لگ جائے تو اس کے ساتھ نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

واضح رہے کہ جو قے معدہ سے ہو وہ اندرونی گندگی اور نجاست پر مشتمل ہوتی ہے، اس لیے وہ نجس ہے، چنانچہ اگر کوئی چیز کھانے یا پینے کے فوراً بعد معدہ تک پہنچنے سے پہلے پہلے قے ہو جائے ہو، تو یہ نہ ناقضِ وضو ہے نہ نجس۔ لہٰذا شیر خوار بچے اگر دودھ پینے کے فوراً بعد قے کرلیں تو یہ ناپاک نہیں ہے اور اگر دودھ پی کر تھوڑا وقفہ گزرنے کے بعد قے کرلیں اور یہ اندازہ ہو سکے کہ یہ منہ بھر کے ہے تو نجس شمار ہوگا اور کپڑوں یا بدن پر قدرِ درہم سے زیادہ لگ جائے تو ان کا دھونا فرض ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

قال الحسن:إذاتناول طعاما، أوماًء، ثم قاء من ساعته لاينقض؛ لأنه طاهر؛حيث لم يستحل، وإنمااتصل به قليل القيء، فلايكون حدثا، فلايكون نجسا، و كذاالصبي إذاارتضع وقاء من ساعته، وصححه في المعراج وغيره .(۱)

(۱)البحرالرائق، كتاب الطهارة، قوله:(ولو مرة، أوعلقا، أوطعاما):۱/۶۷

ترجمہ:

امام حسنؒ فرماتے ہیں کہ:''جب کوئی کھانا کھا کر یا پانی پی کر اسی وقت قے کر لے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، اس لیے کہ متغیر نہ ہونے کی وجہ سے یہ پاک ہے، اور اس کے ساتھ تھوڑا سا قے لگا ہو گا لہٰذا یہ حدث نہیں، اور جب حدث نہیں تو ناپاک بھی نہ ہو گا۔ اسی طرح (شیر خوار) بچہ جب دودھ پی لے اور اسی وقت قے کر لے تو بھی یہی حکم ہے۔''

❁❁❁

کتے کے جسم کی چھینٹیں کپڑوں پر لگ جائیں

سوال نمبر (134):

ایک آدمی کتا نہلا رہا تھا، جب میں قریب سے گزرنے لگا تو کتے نے جھرجھری لے کر اپنے بدن پر سے پانی کو جھڑ دیا جس کی وجہ سے میرے بدن اور کپڑوں پر بہت ساری چھینٹیں لگ گئیں، ان کپڑوں میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کتے کے نجس العین ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:''کتا نجس العین نہیں'' یہی معتبر قول ہے، اس لیے کتے کے بدن کی چھینٹیں لگ جانے سے کپڑے ناپاک نہیں ہوتے، لہٰذا ان کپڑوں میں نماز پڑھنا درست ہے۔ بشرطیکہ وہ پانی پاک ہو جس کے ساتھ کتا نہلایا جا رہا ہے اور کتے کا لعاب اُس کے ساتھ نہ لگا ہو۔

والدّلیل علی ذلک:

واعلم أنه (ليس الكلب بنجس العين) عندالإمام، وعليه الفتوىٰ. قال ابن عابدينؒ: وهو الصحيح والأقرب إلى الصواب. بدائع، وهو ظاهر المتون. بحر، ومقتضىٰ عموم الأدلة. فتح. وفي الدرالمختار: ولو أخرج حيا ولم يصب فمه المآء لايفسد ماء البئر، ولاالثوب بانتقاضه. (۱)

ترجمہ: جان لو کہ امام صاحب کے نزدیک کتا نجس العین نہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ علامہ شامی بدائع کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:'' یہی قول صحیح اور حق کے زیادہ قریب ہے'' بحر کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ:''یہی ظاہر المتون ہے'' اور فتح القدیر کے حوالہ سے کہتے ہیں:''یہ

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الطھارۃ، باب المیاہ: ۱/۳۶۲

20 یہی عموم ادلہ کا تقاضا ہے'' چنانچہ آگے لکھتے ہیں کہ:'' کتا کنویں میں گر گیا اور کنویں سے ایسی حالت میں زندہ نکال دیا گیا کہ اس کا منہ پانی کو نہیں لگا تھا تو نہ پانی ناپاک ہے اور نہ اس کے اس بدن جھڑنے سے کپڑا ناپاک ہے۔''

❁❁❁

ناپاک رضائی کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال نمبر(135):

گھریلو استعمال کے اوڑھنے بچھونے کی عام رضائیاں اگر ناپاک ہو جائیں، مثلاً: چھوٹے بچے ان پر پیشاب کریں یا کسی اور وجہ سے، تو ان کے پاک کرنے کے لیے کیا طریقہ اپنایا جائے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

اوڑھنے بچھونے کی چیزیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں: جو چیزیں دھونے سے خراب نہیں ہوتیں، انہیں عام طریقے سے دھولیا جائے، مثلاً: چادر، کمبل وغیرہ، لیکن روئی کی رضائیاں جن کا عام طریقے سے دھونا مشکل ہوتا ہے اور دھونے سے ناقابل استعمال ہونے کا خطرہ بھی یقینی ہوتا ہے، تو اس کی پاکی کا طریقہ یہ ہے کہ جب اسے کھولا جائے تو روئی الگ کر کے اُسے دھن لیا جائے، دھنائی سے روئی پاک ہو جائے گی اور کپڑے کو دھولیا جائے۔ اِس کے بغیر ناپاک رہے گی۔

والدلیل علیٰ ذلک :

تصرفها في البعض ندف، ونزحها.(۱)

ترجمہ:

پاکی کے لیے بعض چیزوں میں ندف (دھننے) کا طریقہ ہے اور بعض چیزوں میں (مثلاً: کنویں میں موجود) پانی کا نکالنا ہے۔

❁❁❁

(۱) الدر المختار علی صدر رد المحتار، کتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۵۱۸/۱

مانعِ صلوۃ نجاست کے ساتھ پڑھی گئی نماز

سوال نمبر(136):

اگر کسی کے کپڑوں پر گندگی اتنی مقدار میں لگی ہو جس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہ ہو، اور کسی نے بھول کر اس میں نماز ادا کر لی، بعد میں معلوم ہونے پر اس نماز کا لوٹانا ضروری ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے نماز کے شرائط میں سے ایک شرط لباس کا نجاست سے پاک ہونا بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے ایسے کپڑوں میں نماز ادا کی جس پر نجاست غلیظہ، جیسے: بول، خون وغیرہ ایک درہم سے زیادہ مقدار میں لگی ہوئی ہو تو اس کی نماز نہیں ہوئی۔ از سر نو نماز پڑھنا ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

فإذا أصاب الثوب أكثر من قدر الدرهم، يمنع جواز الصلوة. (١)

ترجمہ:

جب (نجاست) کپڑے کو ایک درہم کی مقدار سے زیادہ لگ جائے تو یہ نماز کے جائز ہونے کے لیے مانع ہوگی۔

❁❁❁

خشک منی والے کپڑے کے ساتھ پاک گیلے کپڑے کا لگنا

سوال نمبر(137):

اگر کسی کپڑے پر خشک منی لگی ہو، اور اس کے ساتھ گیلا کپڑا لگ جائے تو کیا اس سے یہ گیلا کپڑا نجس ہو جائے گا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الطهاره، الباب السابع في النجاسة واحكامها، الفصل الثاني في الأعيان النجسة: ٤٦/١

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

صورتِ مسئولہ میں اگر منی سے نجس خشک کپڑے کے ساتھ، پاک گیلا کپڑا لگ جائے، اور اس خشک کپڑے میں گیلے کپڑے سے اتنی تری آگئی ہو کہ اس تری کے اثرات گیلے کپڑے پر نظر آرہے ہوں تو اس سے پاک کپڑا ناپاک ہوجائے گا، البتہ اثرات ظاہر نہ ہونے کی صورت میں کپڑا ناپاک نہیں ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

وإن كان اليابس هو النجس، والطاهر هو الرطب لايتنجس؛لأن اليابس هو النجس يأخذ من الطاهر، ولايأخذ الرطب من اليابس شيئا. (١)

ترجمہ:

اور اگر خشک (کپڑا) نجس ہو، اور پاک گیلا (کپڑا) ہو، تو یہ (پاک گیلا کپڑا) نجس نہ ہوگا، کیونکہ خشک کپڑا جو کہ نجس ہے، یہ پاک کپڑے سے تو تری لیتا ہے، لیکن گیلا کپڑا اس خشک کپڑے سے کوئی چیز اخذ نہیں کرتا۔

❁❁❁

غیر انسان کے بول سے عذابِ قبر کی وعید

سوال نمبر(138):

ہم زمیندار لوگ ہیں، مویشی پالتے ہیں، اور عورتیں ان کا گوبر خشک کر کے ان سے ایندھن کا کام لیتی ہیں۔ گوبر میں مویشی کا بول بھی خلط ہوتا ہے جس کے ساتھ عورتوں کے ہاتھ لگتے رہتے ہیں، حالانکہ اس پر عذابِ قبر کی وعید آئی ہے، تو کیا عذابِ قبر انسان کے بول سے ہوتا ہے یا مویشی کا بول بھی اس وعید میں داخل ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ احادیث میں جو بول وغیرہ سے نہ بچنے پر عذابِ قبر کی وعیدات آئی ہیں، ان سے مراد انسان

---

(١)الشيخ محمد بن حسين بن علي الطوري، تكملة البحرالرائق، كتاب الخنثیٰ، تحت قوله:(لف ثوب نجس رطب ......: ٩/٣٤٦، دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان

کا پیشاب ہے، مویشی وغیرہ کے بول اس میں شامل نہیں ہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

وقال النبي ﷺ لصاحب القبر: کان لایستتر من بوله، ولم یذکر سوی بول الناس. (۱)

قال العلامة العیني: وقد قلنا أنه أراد به الإشارة إلیٰ أن المراد من البول المذکور هو بول الناس، لاسائر الأبوال، فلذلك قال: ولم یذکر سوی بول الناس. (۲)

ترجمہ:

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاحب قبر (جس کو عذاب قبر ہو رہا تھا) کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: ''وہ اپنے پیشاب سے اپنے بدن اور کپڑوں کو محفوظ نہ رکھتا تھا'' اور نبی علیہ السلام نے سوائے انسانوں کے اور کسی چیز کے پیشاب کا ذکر نہیں فرمایا۔

شارحِ بخاری علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: ''ہم کہتے ہیں کہ: امام بخاری کا اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ حدیث پاک میں جو بول کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد صرف انسانوں کا پیشاب ہے، نہ کہ تمام چیزوں کا پیشاب، اسی وجہ سے امام بخاریؒ نے فرمایا کہ: ''نبی علیہ السلام نے سوائے انسانوں کے باقی چیزوں کے پیشاب کا ذکر نہیں فرمایا۔''

❁❁❁

ایک ہاتھ سے معذور شخص کے استنجا کا طریقہ

سوال نمبر (139):

ایک ہاتھ سے معذور شخص کا پانی سے استنجا کرتے وقت کپڑے ناپاک ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے، اس خطرہ کی وجہ سے کیا یہ شخص پتھر سے استنجا کرنے پر اکتفا کر سکتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

---

(۱) البخاري، محمد بن إسماعیل، صحیح البخاري، کتاب الطهارة، باب ماجاء في غسل البول: ۱/۳۵، قدیمی کتب خانه، کراچی

(۲) العینيؒ، بدر الدین أبو محمد محمود بن أحمد، عمدة القاري، کتاب الطهارة، باب ماجاء في غسل البول: ۳/۱۲۱، دارأحیاء التراث العربي، بیروت لبنان

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ جو شخص ایک ہاتھ سے معذور ہو یا اس کا ایک ہاتھ بالکل نہ ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر وہ پانی کے ساتھ استنجا کسی طرح بھی خود کر سکتا ہو، یا بیوی کی مدد سے کپڑوں کو ناپاک کیے بغیر پانی سے استنجا پر قادر ہو تو پانی کے ساتھ استنجا کرنا چاہیے، ورنہ اس کے لیے صرف ڈھیلے کے ساتھ استنجا جائز ہے، لیکن صفائی حاصل کرنے میں خوب احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

وفي "الحجة": رجل شلت يده اليسرى، ولم يجد من يصب عليه المآء عند الاستنجاء لا يستنجي، ولوقدر على المآء الجاري يستنجي بيمينه. (۱)

ترجمہ:

جس آدمی کا بایاں ہاتھ شل ہو اور استنجا کرتے وقت پانی ڈالنے کے لیے کوئی (بیوی/ باندی) موجود نہ ہو تو یہ استنجا نہیں کرے گا، اور اگر جاری پانی پر اس کو قدرت ہو جائے تو پھر دائیں ہاتھ سے ہی استنجا کرے۔

وإن كانت النجاسة على موضع الاستنجاء أكثر من قدر الدرهم فاستجمر ولم يغسلها. ذكر في شرح الطحاوي: أن فيه اختلافا، بعضهم قالوا: إن مسحه بثلاثة أحجار وأنقاه جازت قال:وهو الأصح، وبه قال الفقيه أبو الليث، كذا في المحيط۔(۲)

ترجمہ:

اگر مقام استنجا پر نجاست قدر درھم سے زیادہ تھی اور اس نے پتھروں سے صفائی کر لی اور پانی سے نہ دھویا تو (اس کے متعلق) شرح طحاوی میں لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے: بعض فقہا نے کہا ہے کہ ”اگر اس جگہ سے نجاست کو تین پتھروں سے صاف کیا اور خوب صاف کر دیا تو (ایسے استنجا کے ساتھ نماز) جائز ہے اور شارح نے کہا ہے کہ: ” یہی حکم زیادہ صحیح ہے“ اور فقیہ ابو اللیثؒ کے ہاں بھی یہی حکم ہے۔ اسی طرح محیط میں ہے۔

❀❀❀

(۱) الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، نوع منه في بيان سنن الوضوء وآدابه: ۷۷/۱

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة وأحكامها، الفصل الثالث: ۴۸/۱، ۴۹

مستعمل پانی سے تر کپڑے میں نماز

سوال نمبر (140):

ایک شخص وضو کرنے کے بعد رومال سے اعضا کو خشک کرتا ہے جس سے وہ خوب گیلا ہوجاتا ہے۔ کیا اس رومال کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ مستعمل پانی مفتی بہ قول کے مطابق پاک ہے، اگرچہ پاکی لانے والا نہیں، اس وجہ سے اگر کوئی شخص وضو کرنے کے بعد کپڑے یا رومال وغیرہ سے اعضا کو خشک کردے، جس سے وہ خوب گیلا ہوجائے تو اس سے رومال ناپاک نہیں ہوگا لہٰذا اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

إذا مسح أعضائه بالمنديل وابتل، حتیٰ صار كثيراً، أوتقاطر المآء من أعضائه علیٰ ثوب مقدار الكثير الفاحش جازت الصلوٰة معه؛ لأن المآء المستعمل طاهرعند محمدؒ، وهو المختار، وعندهما وإن كان نجساً لكن سقط اعتبارنجاسته ههنا لمكان الضرورة. هكذا في البدائع . ويكره شرب المآء المستعمل.(١)

ترجمہ:

اگر کسی نے اپنے اعضا رومال سے پونچھے اور رومال کثیر مقدار میں تر ہوا، یا اس کے اعضا سے پانی ٹپک کر کپڑے پر بہت زیادہ مقدار میں پڑ گیا تو اس کپڑے کے ساتھ نماز جائز ہے، اس لیے کہ مستعمل پانی امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہے اور یہی قول مختار ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے ہاں اگرچہ مستعمل پانی ناپاک ہے، لیکن یہاں ضرورت کی وجہ سے اس کی نجاست کا اعتبار ساقط ہے، اسی طرح بدائع میں ہے۔ البتہ مستعمل پانی کا پینا مکروہ ہے۔

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه، الفصل الثاني في مالايجوزبه التوضؤ: ١/ ٢٥

قدرِ درہم سے کم نجاست کا دھونا

سوال نمبر (141):

ایک شخص کے کپڑے پر نجاستِ غلیظہ قدرِ درہم سے کم لگی ہوئی ہے، یہ جاننے کے باوجود کہ کپڑوں کے ساتھ نجاست لگی ہوئی ہے، اگر کوئی ان کپڑوں میں نماز پڑھ لے تو کیا نماز درست ہو جائے گی یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعت مطہرہ کی رو سے بدن، کپڑے اور مکان کا پاک ہونا نماز کی صحت کے لیے شرط ہے۔ فقہائے کرام نے اس نجاست کی مقدار میں تفصیل اس طرح بیان کی ہے کہ نجاستِ غلیظہ قدرِ درہم سے زیادہ ہو تو اس کا دھونا فرض ہے، برابر ہونے کی صورت میں واجب اور کم ہونے کی صورت میں سنت ہے۔ یہ جاننے کے باوجود کہ قدرِ درہم سے کم نجاست لگی ہے، اگر اس کو زائل نہ کرے، بلکہ اسی حالت میں نماز ادا کرے تو نماز ہو جائے گی، لیکن کراہت تنزیہی سے خالی نہ ہوگی۔ اس لیے جب معلوم ہو تو چاہیے کہ نجاست دھو کر نماز پڑھی جائے، چاہے نجاست قدرِ درہم ہو یا اس سے کم۔

والدّلیل علی ذلک:

النجاسة إن كانت غليظة وهي أكثر قدرالدرهم، فغسلها فريضة والصلوة بها باطلة، وإن كانت مقدار درهم فغسلها واجب والصلوة معها جائزة، وإن كانت أقل من قدرالدرهم، فغسلها سنة.(۱)

ترجمہ:

اگر نجاستِ غلیظہ ایک درہم کے اندازے سے زیادہ ہو تو اس کا دھونا فرض ہے اور اس کے ساتھ نماز پڑھنا باطل ہے۔ اور اگر ایک درہم کی بقدر ہو تو اس کا دھونا واجب ہے اور اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور اگر قدرِ درہم سے کم ہے تو اس کا دھونا سنت ہے۔

❁❁❁

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلوة، الفصل الأول في الطهارة:۱/۵۸

شیر خوار بچوں کے پیشاب کا حکم

سوال نمبر (142):

شیر خوار بچہ جس کی عمر تقریباً ایک سال ہو، اگر اپنی ماں کے کپڑوں پر پیشاب کرے تو اس سے کپڑے ناپاک ہوجاتے ہیں یا نہیں اور اس کے ساتھ نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ایک عام بات مشہور ہے کہ بچے کا پیشاب پاک ہوتا ہے، کیا یہ بات درست ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

چھوٹا بچہ یا بچی خواہ دودھ پینے والا ہی ہو، اس کا بول نجاست غلیظہ کے حکم میں ہے، اور اس کا کپڑوں پر لگ جانے سے کپڑے نجس ہوجاتے ہیں جس کے ساتھ نماز ادا کرنا جائز نہیں۔ احادیث میں جہاں بچوں کے پیشاب کے بارے میں خفت معلوم ہوتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دھونے میں زیادہ مشقت سے کام نہ لے، اس سے بول کی طہارت مراد نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

كل مايخرج من بدن الإنسان ممايوجب خروجه الوضوء أو الغسل فهو مغلظ ...... وكذلك بول الصغير والصغيرة أكلا أولا. (١)

ترجمہ:

انسان کے بدن سے نکلنے والی ہر وہ چیز جس سے وضو اور غسل واجب ہوجاتا ہے وہ نجاست غلیظہ ہے۔ اسی طرح (یعنی دیگر نجاستوں کی طرح) چھوٹے بچے اور چھوٹی بچی کے پیشاب کا بھی یہی حکم ہے، خواہ وہ کھانا کھاتا ہو یا نہ کھاتا ہو (اس کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے)۔

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة وأحكامها، الفصل الثاني في الأعيان النجسة: ١/٤٦

فصل في المياه والبئر والحوض

(پانی کی مختلف قسموں، کنویں اور حوض کے احکام کا بیان)

گٹر لائن پھٹ جانے سے کنویں کا متاثر ہونا

سوال نمبر(143):

پانی کے کنویں اور گٹر کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟ ایک جگہ کنواں کھودا گیا، اتفاقاً اس کے قریب گٹر پایا گیا، اب کنویں کے پانی کے استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

چونکہ زمین کی سختی اور نرمی ہر جگہ یکساں نہیں رہتی، اس لیے علما کا اس میں اختلاف رہا ہے کہ زمین میں گندگی کی سرایت اور عدم سرایت کی بنا پر تحدید کیسے کی جائے، چنانچہ بعض علما نے پانچ گز اور بعض نے سات گز کا قول کیا ہے۔ تاہم حتمی فیصلہ یہی ہے کہ فاصلہ کم ہو یا زیادہ، پانی میں رنگ، بو اور ذائقہ کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر پانی میں گندگی کے تین آثار: رنگ، بو اور ذائقہ میں سے کوئی ظاہر ہو جائے تو اس کا استعمال کرنا صحیح نہیں اور اگر گندگی کے آثار ظاہر نہ ہوں تو فاصلہ کم ہونے کے باوجود بھی اس کا استعمال بلا کراہت جائز ہے۔

والدّليل على ذلك:

اختلف في مقدار البعد المانع من وصول نجاسة البالوعة إلى البئر، ففي رواية: خمسة أذرع، وفي رواية: سبعة. وقال الحلواني: المعتبر الطعم، أو اللون، أو الريح، فإن لم يتغير جاز، وإلا ولو كان عشرة أذرع...... والحاصل أنه يختلف بحسب رخاوة الأرض وصلابتها، ومن قدّره اعتبر حال أرضه.(١)

---

(١) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في الفرق بين الروث والخثي والبعر والخرء......: ١/ ٣٨١

ترجمہ:

گندے نالے سے پانی کے کنویں تک نجاست سے مانع فاصلہ کی مقدار میں اختلاف ہے، ایک روایت میں پانچ گز اور دوسری روایت میں سات گز ہے اور علامہ شمس الائمہ حلوائی فرماتے ہیں کہ: ''اعتبار ذائقہ، رنگ و بو کا ہے، پس اگر کنویں کے پانی کے ان اوصاف میں تغیر نہ آیا ہو تو اس کا استعمال جائز ہے اور تغیر آ جائے تو جائز نہیں، اگرچہ فاصلہ دس گز ہی کیوں نہ ہو۔'' حاصل یہ کہ ہوا کہ مقدار زمین کی نرمی اور سختی کی وجہ سے مختلف ہوتی رہتی ہے، فقہا میں سے جنہوں نے مانع نجاست فاصلہ کی مقدار مقرر کی ہے اس نے اپنے علاقے کی زمین کا اعتبار کیا ہے۔

❁❁❁

کنویں میں اگر چوہا گل سڑ جائے

سوال نمبر (144):

کنویں میں چوہا گر کر مر گیا، کافی تلاش کے باوجود بھی نہیں پایا گیا، چنانچہ مشین کے ذریعہ کافی پانی نکالا گیا، اب اس کنویں کے پانی کا استعمال کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کنویں میں چوہا گر کر مر جائے اور پھر غائب ہو جائے جس کی وجہ سے نکالا نہ جا سکے۔ تو اس کنویں کا پانی اس وقت تک استعمال کرنا درست نہیں جب تک اُس کے گل سڑ کر مٹی اور گارا ہونے کا یقین نہ آئے۔

والدّلیل علی ذلک:

لو وقع عصفور فیها، فعجزوا عن إخراجه، فمادام فیها، فنجسة، فتترك مدة یعلم أنه استحال، وصار حماة. (۱)

ترجمہ:

اگر چڑیا کنویں میں گر جائے اور لوگ اس کے نکالنے سے عاجز ہو جائیں تو جب تک وہ چڑیا اس

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطهارة، باب المیاه، فصل في البئر: ۳٦۸/۱

کنویں میں رہے، کنواں ناپاک ہوگا، یہاں تک کہ اس چڑیا کے ختم ہوجانے اور گل سڑ کر گارا ہونے کا یقین ہوجائے۔۔

❁❁❁

کنویں میں نامعلوم وقت سے نجاست کا پایا جانا

سوال نمبر(145):

کنویں میں چوہا گر گیا ہو، لیکن یہ پتہ نہ ہو کہ کب گرا ہے تو نمازوں کا اعادہ لازمی ہوگا یا نہیں؟ برائے کرم تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں تاکہ تشفی ہو۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کسی کنویں سے مردہ حیوان برآمد ہوجائے اور اس کے گرنے کا وقت معلوم نہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں وہ حیوان اگر پھول کر گل سڑ گیا ہو تو گذشتہ تین دنوں سے کنواں نجس سمجھا جائے گا، چنانچہ اس کنویں کے پانی سے وضو کرنے والا تین دنوں کی نمازوں کا اعادہ کرے گا، اور اگر پھولا پھٹا نہ ہو تو ایک دن سے نجس متصور ہوگا، لہٰذا ایک دن کی نمازوں کا اعادہ ضروری ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک کنویں کا پانی اِس مردہ حیوان کے نکلنے کے وقت سے نجس سمجھا جائے گا کیوں کہ ابھی تک اس پانی کی طہارت یقینی تھی، ابھی شک کی وجہ سے وہ یقین متاثر نہیں ہوگا، لہٰذا گذشتہ نمازوں کا اعادہ ضروری نہیں۔

فقہ حنفی کے متون نے عموماً امام ابوحنیفہؒ کا قول نقل کیا ہے۔ علامہ شامیؒ نے بھی اِسی کو استحسان کہہ کر ترجیح دی ہے، لیکن چونکہ صاحبین کے قول میں مشقت کی بجائے سہولت اور آسانی ہے، اِس لیے عموماً فقہاے کرام فتویٰ کے لیے اِس قول کو راجح قرار دیتے ہیں۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں بھی اِسی قول کو فتویٰ کے لیے منتخب کیا گیا ہے، چنانچہ اگر حیوان گرنے کا یقینی وقت معلوم نہ ہو تو محض شک کی بنیاد پر گزشتہ نمازوں کا اعادہ ضروری نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

قوله: (قيل وبه يفتى) قائله صاحب الجوهرة، وقال العلامة قاسم في تصحيح القدوري: قال في فتاوى العتابي: قولهما هو المختار.(١)

---

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب المياه: ١/ ٣٧٨

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ فتوی اسی (صاحبین کے قول) پر ہے۔ اس کے قائل صاحب جوہرہ ہیں۔ علامہ قاسم نے تصحیح القدوری میں کہا ہے کہ فتاوی عتابی میں کہا ہے کہ: صاحبین کا قول (فتوی کے لیے) اختیار کیا گیا ہے۔

❁❁❁

مستعمل پانی پینا اور اس سے وضو کرنا

سوال نمبر (146):

جس پانی سے وضو کیا جائے اگر وہ کسی برتن میں جمع ہو تو اس سے دوبارہ وضو کیا جاسکتا ہے یا نہیں، نیز اس پانی کا پینا جائز ہے یا نہیں ؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جس پانی سے ایک مرتبہ طہارت حاصل کی جائے وہ ماءِ مستعمل کہلاتا ہے۔ ماء مستعمل مفتی بہ قول کے مطابق پاک ہے، البتہ اس سے دوبارہ پاکی حاصل نہیں کی جاسکتی، اس لیے اس پانی سے دوبارہ وضو کرنا درست نہیں۔ جہاں تک اس پانی کے پینے کا تعلق ہے تو فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق اس کا پینا کراہت سے خالی نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

اتفق أصحابنا رحمهم الله أن الماء المستعمل ليس بطهور حتى لا يجوز التوضؤ به، واختلفوا في طهارته قال محمد رحمه الله : هو طاهر، وهو رواية عن أبي حنيفة رحمه الله، وعليه الفتوى .(۱)

ترجمہ: ہمارے ائمہ رحمہم اللہ کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ ماءِ مستعمل پاک کرنے والا نہیں، اِس لیے اِس سے وضو کرنا جائز نہیں۔ پھر اِس کی پاکی میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ’’ماءِ مستعمل خود پاک ہے‘‘ (اگرچہ پاک کرنے والا نہیں) امام ابوحنیفہ رَحمہ اللہ سے بھی یہ قول روایت کیا گیا ہے، فتویٰ بھی اِسی پر ہے۔

ویکره شرب الماء المستعمل.(۲)

ترجمہ: اور مستعمل پانی کا پینا مکروہ ہے۔

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه، الفصل الثاني في مالايجوزبه التوضو:۱/۲۲

(۲) أيضاً:۱/۲۵

جنبی اور محدث کا ضرورتاً پانی میں ہاتھ داخل کرنا

سوال نمبر(147):

کیا کوئی جنبی، حائضہ، یا بے وضو شخص کسی برتن میں رکھے گئے پانی سے ہاتھ دھوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ ناپاک ہاتھ پانی میں داخل کرلے تو پانی مستعمل ہوکر ناپاک ہوگا یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عام قاعدہ اگرچہ یہی ہے کہ بے وضو شخص جب تھوڑے پانی میں ہاتھ ڈالے تو وہ پانی مستعمل ہونے کی وجہ سے طہارت کے قابل نہیں ہوگا، لیکن بعض اوقات مخصوص وجوہات کی بنا پر بعض مسائل مستثنیٰ ہوتے ہیں جن میں ضرورت بھی داخل ہے۔ اسی ضرورت کو مدنظر رکھ کر فقہائے کرام نے ایسے پانی کو جس میں کسی بے وضو شخص (خواہ وہ جنبی ہو یا حائضہ اور نفاس والی عورت ہو) نے پاکی حاصل کرنے کی نیت سے ہاتھ ڈالا ہو، پاک کہا ہے، بشرطیکہ اس کے ہاتھ پر کوئی ظاہری نجاست لگی ہوئی نہ ہو۔

لہٰذا برتن میں رکھے ہوئے پانی میں ہاتھ ڈالنے یا اس سے وضو کرنے کی صورت میں اگر برتن ہی میں ہاتھ ملنا شروع کردے یا وضو کرے، پھر تو یہ پانی مستعمل شمار ہوگا اور اگر برتن سے صرف ہاتھ کے ذریعے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر اعضا باہر دھوئے جائیں تو پھر بنا برضرورت برتن کا پانی مستعمل نہیں ہوگا، تاہم اگر برتن سے وضو کرنے کے علاوہ کوئی اور ذریعہ مثلاً: لوٹا گلاس وغیرہ ہو کہ اُس سے پانی نکالا جائے یا نلکا سے پہلے ہاتھ دھوسکتا ہو تو پھر برتن میں ہاتھ نہیں ڈالنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

لو أدخل الجنب، أو الحائض، أو المحدث يده في المآء لايصير مستعملاللضرورة.(١)

ترجمہ: جب کوئی جنبی، حائضہ یا بے وضو شخص پانی میں ہاتھ داخل کردے تو ضرورت کی وجہ سے پانی مستعمل نہیں ہوگا۔

❁❁❁

(١) البحرالرائق، كتاب الطهارة، قوله:(والماء المستعمل لقربة أورفع حدث الخ): ١/١٦٥

نجس کنویں کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال نمبر(148):

کنویں میں نجاست گر جائے تو اس سے کتنا پانی نکالنا ضروری ہے؟ کنواں چشمہ دار ہو یا چشمہ دار نہ ہو، دونوں صورتوں کا جواب عنایت فرمائیں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کنویں میں نجاست گر جائے تو کنواں اگر چشمہ دار نہ ہو تو اولاً اگر ممکن ہو تو نجاست نکال لیں، پھر اگر نجاست پانی میں رَل مل گئی ہو تو پھر نجاست سمیت سارا پانی نکالا جائے گا اور کنواں اگر چشمہ دار ہو تو کنویں میں موجود پانی کے اندازے کے مطابق اس کا سارا پانی نکالا جائے گا، لیکن یہ اندازہ اگر مشکل ہو تو دو سو سے تین سو تک متوسط ڈول نکالنے کے بعد کنواں پاک شمار ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

(إذا وقعت نجاسة في بئر دون القدر الكثير... ينزح كل مائها... وإن تعذر فبقدر مافيها يؤخذ ذلك بقول رجلين عدلين لهما بصارة بالمآء) به يفتىٰ، وقيل: يفتىٰ بمأتين إلىٰ ثلاثمأة، وهذاأيسر، وذاك أحوط.(۱)

ترجمہ:

ایسے کنویں میں نجاست گر جائے جس میں پانی زیادہ نہ ہو۔۔۔تو اس کا سارا پانی نکالا جائے گا۔۔۔اور اگر اس کا تمام پانی نکالنا متعذر ہو تو کنویں میں موجود پانی کے اندازے کے مطابق نکالا جائے گا اور یہ اندازہ ایسے دو عادل آدمی لگائیں گے جن کو پانی کا اندازہ لگانے کا خوب تجربہ ہو، اسی پر فتویٰ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: دو سو سے تین سو تک ڈول نکالنے پر فتویٰ دیا جائے۔ اِس رائے میں سہولت ہے اور دو ماہر آدمیوں کے قول کو اعتبار دینے میں احتیاط ہے۔

(۱) الدر المختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب المياه: ۱/۳۶۶۔۳۶۸، ۳۷۰۔۳۷۲

ٹینکی میں نجاست کا گرنا

سوال نمبر(149):

ہمارے ہاں پانی سے بھری ہوئی ٹینکی میں ناپاک اینٹ گری ہے۔جس سے اینٹ کی نجاست پانی میں سرایت کرگئی ہے۔ایسی حالت میں ٹینکی کے پانی کا کیا حکم ہے؟ اس پانی سے وضو وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق کم پانی میں نجاست گرنے سے سارا پانی ناپاک ہو جاتا ہے جب کہ زیادہ پانی نجاست گرنے سے اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا جب تک پانی کے تین اوصاف: رنگ، بو اور ذائقہ تبدیل نہ ہوئے ہوں۔اور پانی کی قلت و کثرت کا اعتبار خود مبتلیٰ بہٖ شخص کی رائے پر ہے۔
لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر مبتلیٰ بہ کی رائے میں یہ ٹینکی چھوٹی ہو تو نجاست گرنے سے ٹینکی کا پانی ناپاک ہوگا جس کی بنا پر اس پانی کا استعمال درست نہیں، تاہم اگر مبتلیٰ بہ اُس ٹینکی کو بڑا سمجھتا ہو تو پھر جاری پانی کے حکم میں ہونے کی وجہ سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

وفي الینا بیع: قال أبو حنیفة: الغدیر العظیم: هو الذي لایخلص بعضه إلیٰ بعض، ولم یفسره في ظاهر الروایة، وفوضه إلیٰ رأي المبتلیٰ به وهو الصحیح، وبه أخذ الکرخي.(۱)

ترجمہ:

بڑا تالاب وہ ہے جس کا بعض حصہ بعض سے جدا نہ ہوتا ہو، اور ظاہر الروایۃ میں اس کی وضاحت نہیں کی ہے،، اور اس کو مبتلیٰ بہ کی رائے کے سپرد کیا ہے، یہی صحیح ہے اور امام کرخی نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

❁❁❁

(۱) البحرالرائق، کتاب الطهارة، تحت قوله:(أوبماء دائم فیه نجس الخ):۱/۱۳۸،

ماء کثیر (زیادہ پانی) کی تحدید

سوال نمبر (150):

آج کل تالابوں میں قلت وکثرت کی تحدید کے بارے میں مفتی بہ قول کونسا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ماءِ کثیر اور حوضِ کبیر (بڑے تالاب) کی تحدید میں فقہائے کرام سے مختلف اقوال منقول ہیں، بعض حضرات نے دَہ دردَہ کا قول نقل کیا ہے، یعنی اُس کی چوڑائی ولمبائی کم از کم دس گز ہو۔ بعض کے ہاں ایک جانب پانی کو حرکت دینے سے دوسری جانب تک لہر نہ پہنچنا حوضِ کبیر کی علامت ہے، تاہم اِن میں سب سے راجح قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔ آپؒ کے ہاں کسی مخصوص اور محدود مقدار کی بجائے ماءِ کثیر کی مقدار میں مبتلیٰ بہ کی رائے سب سے زیادہ معتبر ہے، کیونکہ پانی کے استعمال اور تحدید کے حوالہ سے اس قول میں آسانی پائی جاتی ہے، لہٰذا احناف کے مفتی بہ قول کے مطابق پانی کی قلت وکثرت یا حوضِ کے کبیر وصغیر ہونے میں خود مبتلیٰ بہ کی رائے معتبر ہوگی۔ مسئلہ میں مبتلا شخص جس پانی کو کثیر جانے وہ کثیر متصور ہوگا اور جس کو قلیل کہے وہ قلیل کہلائے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

وفي الينابيع قال أبو حنيفة الغدير العظيم هو الذي لا يخلص بعضه إلىٰ بعض، ولم يفسره في ظاهر الرواية، وفوضه إلىٰ رأي المبتلىٰ به وهو الصحيح، وبه أخذ الكرخي. وهكذا في أكثر كتب أئمتنا فثبت بهذه النقول المعتبرة عن مشائخنا المتقدمين مذهب إمامنا الأعظم أبي حنيفة، وأبي يوسف، ومحمدؒ. (۱)

ترجمہ: بڑا تالاب وہ ہے جس کا بعض حصہ بعض سے جدا نہ ہوتا ہو اور ظاہر الروایۃ میں اس کی وضاحت نہیں کی ہے اور اس کو مبتلیٰ بہ کی رائے کے سپرد کیا ہے، یہی صحیح ہے اور امام کرخی نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ اور اسی طرح ہمارے ائمہ کی اکثر کتابوں میں موجود ہے۔ پس امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد کا مذہب متقدمین مشائخ سے نقل شدہ معتبر اقوال سے ثابت ہوا۔

---

(۱) البحر الرائق، کتاب الطهارة، تحت قوله: (أو بماء دائم فيه نجس الخ): ۱/۱۳۸، ۱۳۹

21

جس گھریلو ٹینکی کا پانی زیادہ استعمال ہوتا ہو، کیا وہ جاری پانی کے حکم میں ہے؟

سوال نمبر(151):

آج کل مکان کی چھت پر پانی جمع کرنے کے لیے ایک ٹینکی بنائی جاتی ہے جس سے تمام گھر کو پانی پہنچایا جاتا ہے۔ یہ واٹر پمپ یا ہینڈ پمپ کے ذریعے سے بھرا جاتا ہے۔ آیا اس ٹینکی میں موجود پانی جاری پانی کے حکم میں ہے یا نہیں؟ شریعت مطہرہ کی رو سے وضاحت فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

پانی کے لیے مکان کے اوپر جو ٹینکی بنائی جاتی ہے، اس میں جمع شدہ پانی کو جاری پانی کہنا مشکل ہے، کیونکہ جاری پانی کی تعریف فقہائے کرام نے یہ کی ہے کہ ماء جاری اس کو کہا جاتا ہے جس کو لوگ جاری شمار کرتے ہوں یا جو تنکے کو بہا کر لے جاسکے وغیرہ۔ یہ تعریف ٹینکی میں جمع شدہ پانی پر صادق نہیں آتی، کیونکہ اس میں پانی کا مسلسل بہاؤ نہیں ہوتا اور نہ عام حالات میں اس میں پانی کی اتنی کثرت ہوتی ہے جس پر جاری پانی کا حکم لگایا جاسکے، لہٰذا اگر کہیں اس میں نجاست گر جائے تو اوصاف نہ بدلنے کے باوجود بھی اس کا پانی نجس رہے گا۔ تاہم اگر ٹینکی بڑی ہو جسے مبتلیٰ بہ کثیر سمجھتا ہو تو اُس کا پانی ماءِ جاری کے حکم میں ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

الماء الجاري :وهو مايذهب بتبنة، كذا في الكنز والخلاصة...... وقيل: مايعده الناس جاريا، وهو الأصح، كذا في التبيين.(١)

ترجمہ:

جاری پانی وہ ہے جو تنکا بہا کر لے جائے۔ یہی تعریف کنز اور خلاصہ میں بھی مذکور ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ جاری پانی وہ ہے جسے لوگ جاری سمجھیں اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ اسی طرح تبیین الحقائق میں بھی ہے۔

❁❁❁❁❁

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه: ١٦/١

باب الاستنجاء

(استنجا کا بیان)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

جاندار ہونے کے ناطے انسان کے ساتھ بہت سے ایسے تقاضے جڑے ہوئے ہیں جن کو پورا کرنا اس کی صحتِ جسمانی کے لیے ناگزیر ہیں من جملہ ان حاجاتِ طبعیہ میں سے فاضل مادوں کا اخراج بھی ہے۔ قضاءِ حاجت اور فضلات کے اخراج سے اگرچہ طبیعتِ انسانی کو سکون اور نشاط مل جاتا ہے، لیکن اس کے بعض آثار ایسے بھی ہیں جو جسم کے ساتھ ساتھ طبیعت اور روح پر بھی منفی اثر چھوڑ دیتے ہیں، اس لیے شریعتِ مطہرہ نے استنجا کی صورت میں ان آثار کو ختم کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ انسان کو طبعی نشاط وسرور ملنے کے ساتھ ساتھ ظاہری وباطنی نظافت وصفائی بھی حاصل ہو جائے اور وہ دوسرے حیوانات سے ممتاز ہو کر ''اشرف المخلوقات'' کی حیثیت سے زندگی گزار سکے۔

استنجا کا لغوی واصطلاحی معنی:

استنجا کا اصل مادہ ''نجو'' ہے جس کے معنی ''پیٹ سے نکلنے والی نجاست'' یا ''کاٹنا اور ختم کرنا'' ہے، لہٰذا استنجا کا معنی نجاست کی جگہ کو صاف کرنا اور اس سے گندگی کو ختم کرنا ہے۔

علامہ ازہریؒ فرماتے ہیں کہ: ''استنجا ''نجوۃ'' سے ہے، نجوۃ بلند جگہ کو کہتے ہیں۔ چونکہ عام طور پر قضاءِ حاجت اور اس سے صفائی حاصل کرنے کے لیے بلند جگہ یا عمارت وغیرہ کے ذریعے پردہ حاصل کیا جاتا ہے، اس لیے اس کو استنجا کہتے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں ''پتھروں، ڈھیلوں یا پانی کے ذریعے نجاست صاف کرنے کو استنجا کہتے ہیں۔''(۱)

باب سے متعلقہ اصطلاحات:

(۱) استنجاء ......: ڈھیلے، پتھر یا پانی کے ذریعے گندگی دور کرنا استنجا کہلاتا ہے۔

(۲) استبراء......: قضاءِ حاجت کے بعد اور استنجا سے قبل نجاست کے مکمل خروج کو یقینی بنانے اور دل کو مطمئن کرنے کے لیے مختلف حرکات کا سہارا لینا استبرا کہلاتا ہے۔ استبرا کے مختلف طریقے ہیں، مثلاً: کھڑے ہو جانا، زمین پر پاؤں مارنا،

---

(۱) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء، ص:۳۳

دو تین قدم لینا، کھانسنا، شرم گاہ کو حرکت دینا، بائیں طرف پر زور دینا وغیرہ؛ تاہم استبرا کے طریقوں کی تعیین میں لوگوں کی عادات اور صحت وغیرہ کا اعتبار ضروری ہے۔ عورتوں کے لیے مذکورہ طریقوں کی بجائے تھوڑی دیر کے لیے انتظار کر لینا کافی ہے۔

استبرا کا حکم:

استبرا کا حکم یہ ہے کہ جب تک پیشاب ختم ہونے کا قطعی یقین نہ ہو، استنجا یا وضو شروع کرنا جائز نہیں، بلکہ دل مطمئن ہونے تک استبرا فرض ہے، البتہ قطرات ختم ہونے کا یقین ہو جانے کے بعد مزید مبالغہ کے طور پر استبرا مستحب ہے۔ شک اور وسوسہ میں مبتلا شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ استبرا کے بعد اپنی شلوار میں پانی کے چھینٹے مارے تاکہ مزید شک اور وسوسے سے بچ جائے۔

(۳) استنقا......: پتھر یا ڈھیلے سے استنجا کرتے وقت پاکی حاصل کرنے میں مبالغہ کے طور پر پتھر یا ڈھیلے کو اور پانی سے استنجا کرتے ہوئے انگلیوں کو شرم گاہ پر بار بار رگڑنا اور ملنا استنقا کہلاتا ہے۔(۱)

(۴) استجمار......: سبیلین پر موجود نجاست کو زائل کرنے کے لیے پتھروں کا استعمال استجمار کہلاتا ہے۔

(۵) استطابۃ......: استطابۃ اور استنجا باہم مترادف الفاظ ہیں۔(۲)

استنجا کی مشروعیت:

استنجا کی مشروعیت احادیثِ قولیہ اور فعلیہ دونوں سے ثابت ہے اور عقل وقیاس بھی اس کی مشروعیت کا مقتضی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

"من استجمر فليوتر، من فعل فقد أحسن، ومن لا فلا حرج". (۳)

جو شخص استنجا کرے تو وہ طاق عدد میں پتھر استعمال کرے اگر ایسا کرے تو بہتر ہے اور نہ کرے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

---

(۱) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء، ص:۳۳-۳٤، ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، فصل الاستنجاء، مطلب في الفرق بين الاستبراء والاستنقاء: ۱/۵۵۸

(۲) ابن قدامه، أبو محمد عبدالله بن أحمد، المغني على الشرح الكبير، باب الاستطابة والحدث، المكتبة التجارية، المكة المكرمة: ۱/۱۷۱

(۳) سنن ابن ماجه، ابواب الطهارة وسننها، باب الارتياد للغائط والبول، ص:۲۸

استنجا کا حکم:

فقہائے کرام کے ہاں حکم کے اعتبار سے استنجا کی کئی قسمیں ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) فرض......: چار صورتوں میں استنجا کرنا فرض ہے:

(۱،۲،۳) جنابت، حیض یا نفاس سے غسل کرتے وقت مخرج نجاست کو دھونا فرض ہے تاکہ نجاست پورے بدن پر پھیلنے نہ پائے۔

(۴) نجاست اپنے مخرج سے تجاوز کر جائے تو امام محمدؒ کے ہاں مخرج کو ملا کر اگر نجاست ایک درہم سے زیادہ ہو جائے تو دھولینا فرض ہے، جب کہ شیخینؒ کے ہاں مخرج پر موجود نجاست باطن کے حکم میں ہونے کی وجہ سے معاف ہے، اگرچہ درہم سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، لہٰذا ان حضرات کے ہاں مخرج سے متجاوز نجاست اگر درہم سے بڑھ جائے تو دھونا فرض ہوگا۔ علامہ حصکفیؒ نے صرف شیخین کا قول لیا ہے اور علامہ شامیؒ نے بھی اس کو صحیح کہا ہے، تاہم آگے جاکر "الاختیار" کے حوالے سے امام محمدؒ کے قول کو احوط کہا ہے۔(۱)

(۲) سنتِ مؤکدہ......: اگر نجاست اپنے مخرج سے متجاوز نہ ہو تو استنجا کرنا سنتِ مؤکدہ ہے۔

(۳) مستحب......: اگر صرف پیشاب کرلے تو استنجا کرنا مستحب ہے۔

(۴) بدعت......: نیند یا خروجِ ریح کی وجہ سے استنجا کرنا بدعت ہے۔(۲)

(۵) حرام......: کشفِ عورت کے ساتھ استنجا کرنا حرام اور سببِ فسق ہے، اس لیے فقہائے کرام فرماتے ہیں اگر کہیں ایسا موقع ہو کہ لوگوں کی نظروں سے چھپ کر استنجا کرنے کی کوئی صورت نہ بنتی ہو تو استنجا چھوڑ دیا جائے، اگرچہ نجاست درہم کی مقدار سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔(۳)

(۶) مکروہِ تحریمی......: فقہائے کرام نے استنجا کی جن صورتوں کے بارے میں مکروہِ تحریمی ہونے کا قول کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

کھانے کی اشیاء، محترم اور قابلِ انتفاع اشیاء، گندہ اور نجس اشیاء اور بدن کو نقصان پہنچانے والی اشیاء سے استنجا کرنا، دائیں ہاتھ سے استنجا کرنا، کسی کے مملوک اور محفوظ پتھروں یا دیوار کے ڈھیلوں سے استنجا کرنا، کھڑے ہوئے

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الأنجاس، فصل الاستنجاء: ۱/ ۵۵۰، ۵۵۱

(۲) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، کتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء، ص: ۳٤، ردالمحتار على الدرالمختار، باب الأنجاس، فصل الاستنجاء: ۱/ ٥٤٦، الفتاویٰ التاتارخانية، کتاب الطهارة، نوع في بيان سنن الوضوء وآدابه: ۱/ ۷۳

(۳) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الأنجاس، فصل الاستنجاء: ۱/ ٥٤۹

پانی میں استنجا کرنا، نہر کنویں حوض یا چشمے کے کنارے، پھل دار یا سایہ دار درخت کے نیچے، لوگوں کے ٹھہرنے کی جگہ، راستہ اور قبرستان میں، کسی جانور اور کیڑے مکوڑے کے بل اور مسکن میں یا قبلہ کی طرف رخ یا پشت کر کے قضاءِ حاجت اور استنجا کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔(۱)

(۷) مکروہِ تنزیہی......: صرف استنجا کی حالت میں قبلہ کی طرف رخ یا پشت کرنا یا اس دوران اپنی نجاست یا شرم گاہ کو بلاضرورت دیکھنا، بلاوجہ کھانسنا، باتیں کرنا، زیادہ دیر تک بیٹھے رہنا مکروہِ تنزیہی ہے۔ مکروہات تنزیہیہ کی کچھ بحث آگے بھی آرہی ہے۔(۲)

استنجا کرنے والے سے متعلق بعض احکام:

(۱) مرض اور عذر کے وقت میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے استنجا کر سکتے ہیں، میاں/ بیوی نہ ہو تو استنجا کا حکم ساقط ہو جائے گا۔

(۲) فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جس شخص کا بایاں ہاتھ شل ہو تو وہ بہتے ہوئے پانی میں دائیں ہاتھ سے استنجا کر سکتا ہے۔

(۳) بچوں کو استنجا کراتے اور سکھاتے وقت یہ خیال رہے کہ قبلہ بچے کے سامنے یا اس کی پشت پر نہ رہے۔(۳)

جن چیزوں سے استنجا جائز ہے:

جن چیزوں سے استنجا کرنا جائز ہے ان میں سرفہرست پانی ہے، پانی کے علاوہ کوئی بھی ایسی چیز جس میں نجاست کو دور کرنے کی صلاحیت ہو اور وہ خود پاک ہو، جیسے: پتھر، مٹی کا ڈھیلا، اینٹ، لکڑی اور معمولی کپڑا وغیرہ، تو ان سے بھی استنجا کرنا جائز ہے، البتہ قابلِ احترام اور قیمتی اشیاء، کھانے کی اشیاء، جانوروں کے چارہ، انسانی جلد اور صحت کے لیے مضر اشیاء (جیسے: چونا، کوئلہ، شیشہ، لوہا، نوک دار پتھر اور ہڈی وغیرہ) اور نجس اشیاء سے استنجا کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔

سنت یہ ہے کہ استنجا اولاً پتھر یا ڈھیلے سے کیا جائے پھر اس کے بعد پانی سے بھی استنجا کر لیا جائے، یعنی پتھر اور پانی کو جمع کرنا سنت ہے، اس کے بعد درجہ صرف پانی سے استنجا کا ہے اور سب سے آخری درجہ صرف پتھر اور ڈھیلے وغیرہ سے استنجا کا ہے۔

پتھر یا ڈھیلے سے استنجا کا جواز اس صورت میں ہے جب نجاست مخرج سے ایک درہم کے بہ قدر متجاوز نہ ہو،

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الأنجاس، فصل الاستنجاء: ۵۵۱/۱-۵۵۷

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة واحكامها، الفصل الثالث في الاستنجاء: ۵۰/۱

(۳) الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة واحكامها، الفصل الثالث في الاستنجاء: ۴۹/۱، ۵۰

ایک درہم سے متجاوز نجاست کی صفائی کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے اس کو پانی سے دھو لینا، یعنی پتھر اور ڈھیلے کا استعمال مخرج اور مخرج سے متجاوز ایک درہم سے کم نجاست کی صورت میں ہے۔

زمین یا دیوار کے ساتھ شرم گاہ کو رگڑنے سے بھی استنجا کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں ڈھیلوں کی تعداد متعین نہیں، البتہ بہتر یہ ہے کہ تین ڈھیلے استعمال کرے یا ایسا ڈھیلا جس کے تین کونوں سے با آسانی استنجا ہو سکتا ہو۔ پانی کے استعمال کی صورت میں بھی کوئی مقدار متعین نہیں، اگرچہ تین مرتبہ پانی سے دھونا افضل ہے، لیکن اتنا پانی استعمال کرے کہ طبیعت مطمئن ہو جائے تو بھی کافی ہے۔

پتھر اور ڈھیلے وغیرہ میں یہ خیال رہے کہ وہ پانی سے تر یا اتنا ہموار نہ ہو کہ نجاست کو مزید پھیلانے کا ذریعہ بن جائے۔(۱)

استنجا کی کیفیت، مستحبات اور آداب:

استنجا کی کیفیت یہ ہونی چاہیے کہ جسم کو پوری طرح ڈھیلا کرے اور بائیں ہاتھ سے استنجا کرے، ہاں اگر روزے سے ہو تو جسم کو ڈھیلا نہ رکھے، بہتر یہ ہے کہ تین سے زیادہ انگلیاں استنجا میں استعمال نہ کرے اور انگلیوں کی چوڑائی کے حصے سے استنجا کرے، نہ کہ انگلیوں کے پوروں سے۔ مردوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ بائیں حصے پر ٹیک لگا کر بیٹھیں، پہلے اگلے حصے کو اور پھر پچھلے حصے کو دھوئے (یہ صاحبین کا قول ہے اور اسی کو اہلِ علم نے ترجیح دی ہے)، استنجا کرتے وقت جسم پر نرمی سے پانی ڈالے اور نرمی کے ساتھ جسم کو ملے، اگر استنجا کے وقت عضو مخصوص کو پکڑنا پڑے تو اس کے لیے بایاں ہاتھ استعمال کرے۔

جانوروں کے درمیان یا ہوا کے بہاؤ کی طرف رخ کر کے قضاءِ حاجت یا استنجا کرنا مکروہ ہے، اسی طرح بلا عذر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بھی مکروہ ہے۔ استنجا کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ داخل ہوتے وقت تسمیہ اور یہ دعا پڑھے:

"اللّٰهم إني أعوذ بك من الخبث والخبائث".

اے اللہ! میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں خبیث جنوں سے، مرد ہوں یا عورت۔

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة واحكامها، الفصل الثالث في الاستنجاء: ۴۸/۱، ۴۹، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء، ص: ۳۵، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، فصل الاستنجاء: ۵۴۷/۱-۵۵۳

اور جب استنجا سے فارغ ہوکر باہر نکلے تو یہ دعا پڑھے:

"الحمدلله الذی أخرج عنی مایؤذینی وابقیماینفعنی".

تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے تکلیف دہ چیز کو نکال دیا اور نفع بخش چیز کو باقی رکھا۔

یا یہ دعا پڑھے:

"غفرانك الحمدلله الذی أذهب عني الأذی وعافاني."

اے اللہ! میں تجھ سے مغفرت کا سوال کرتا ہوں، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دینے والی چیز دور کی اور مجھے آرام دیا۔

استنجا خانے میں جاتے ہوئے پہلے بایاں پاؤں اور نکلتے ہوئے پہلے دایاں پاؤں رکھے، کھڑے ہوکر کپڑے نہ اتارے بلکہ سترِ عورت کی حتی الوسع کوشش کرے، قضاء حاجت اور استنجا کے دوران نہ بولے، نہ اللہ کا ذکر کرے، نہ سلام کا، نہ آذان کا اور نہ چھینکنے والے کا جواب دے، چھینک آئے تو دل ہی دل میں الحمدللہ کہے، بہتر یہ ہے کہ بیت الخلاء میں سر چھپا کر جائے اور وہ کپڑے نہ پہنے جس میں نماز پڑھتا ہو، البتہ اگر وہی کپڑے پہن کر قضاء حاجت اور استنجا کرنا چاہے تو اس کو نجاست اور استعمال شدہ پانی سے بچائے رکھے، اگر کوئی انگوٹھی وغیرہ پہنی ہو اور اس پر اللہ کا نام یا کوئی قرآنی آیت ہو تو اس کو اتار کر بیت الخلاء میں جائے۔

استنجا سے فارغ ہونے کے بعد ہاتھ دھولے، یہ ضروری ہے کہ ہاتھ اور مقامِ نجاست سے مکمل طور پر بدبو کا ازالہ ہوجائے، بہتر یہ ہے کہ مٹی سے رگڑ کر یا صابن سے ہاتھ دھولے، کھڑے ہونے کے بعد کپڑے سے اپنے شرم گاہ کو پونچھ لے تاکہ وسوسے کا شکار نہ ہوجائے، البتہ اگر وسوسہ پیدا ہوتا ہو تو شرم گاہ پر پانی کے چھینٹے کرے۔(۱)

❁❁❁❁❁

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة واحكامها، الفصل الثالث في الاستنجاء: ۱/۴۸۔۵۰، ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، فصل الاستنجاء، تتمه: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء وفصل في مايجوز......، ص:۳۸۔۴۰۔۴۳

ستر کھل جانے کے خوف سے ڈھیلوں سے استنجا پر اکتفا کرنا

سوال نمبر (152):

کیا ٹائلٹ پیپر یا ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد پانی کے ساتھ استنجا کرنا ضروری ہے؟ خصوصاً جب پردے کا انتظام نہ ہو اور ستر کھل جانے کا خطرہ ہو۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بول و براز سے فارغ ہو جانے کے بعد نجاست اگر اپنے محل سے تجاوز نہ کر چکی ہو تو ڈھیلوں کے ساتھ نجاست دور کرنا سنت ہے اور پردے کا انتظام موجود ہو تو پانی سے استنجا کرنا مستحب ہے اور نجاست اگر اپنے مخرج سے تجاوز کر کے درہم یا اس سے زائد مقدار میں پھیل چکی ہو تو باپردہ ہو کر پانی کے ساتھ استنجا کرنا واجب ہوگا، کیونکہ لوگوں کے سامنے ستر کھولنا شرعاً جائز نہیں، لیکن اگر پردے کا انتظام ممکن نہ ہو، تو نجاست کے قدرِ درہم یا اس سے زیادہ ہونے کی صورت میں صرف ڈھیلے پر اکتفا کرنا درست ہے، ستر کھولنے کی ضرورت نہیں۔

والدّليل على ذلك:

(والغسل بعده بلا كشف عورة) عندأحد، أمّامعه فيتركه.في ردالمحتار:أي الاستنجاء بالمآء وإن تجاوزت المخرج، وزادت على قدرالدرهم، ولم يجد ساترا، أولم يكفوابصرهم عنه بعد طلبه منهم، فحينئذيقللها بنحو حجر، ويصلي......لأن كشف العورة حرام، ومرتكب الحرام فاسق.(١)

ترجمہ:

ڈھیلوں کے استعمال کے بعد کسی کی موجودگی میں بغیر ستر کھولے نجاست کو دھولینا ضروری ہے، اگر کوئی موجود ہے اور اس کے پاس شرم گاہ ڈھانکنے کی کوئی چیز موجود نہیں یا اس کے مطالبہ کے بعد بھی وہ اپنی نظریں اس سے نہ ہٹائیں تو پانی کے ساتھ استنجا کو چھوڑے گا، بلکہ ڈھیلے وغیرہ سے نجاست کو کم کر کے نماز پڑھے گا، اگرچہ نجاست مخرج سے قدرِ درہم تجاوز کر چکی ہو، اس لیے کہ کشف عورت حرام ہے اور حرام کا مرتکب فاسق ہے۔

❁❁❁

(١) ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس:١/٥٤٩

پیشاب کیے بغیر استنجا کرنا

سوال نمبر (153):

کوئی شخص نیند سے اٹھے، پیشاب یا پاخانہ کی ضرورت نہ ہو تو پھر بھی پانی کے ساتھ استنجا کرنا ضروری ہے یا صرف وضو کافی ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ استنجا پیشاب وپاخانہ کے بعد ہوا کرتا ہے تاکہ حتی الامکان گندگی کو دور کرکے پاکی حاصل کی جائے، لہٰذا نیند سے اٹھنے کی صورت میں اگر پیشاب وپاخانہ کی حاجت نہ ہو تو استنجا کرنا ضروری نہیں، نیز یہ سنت بھی نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

الاستنجاء طلب طهارة القبل والدبر ممايخرج من البطن بماء أوتراب.(١)

ترجمہ:

استنجا پانی یا مٹی کے ساتھ شرمگاہ کو ہر اس چیز سے پاک کرنا ہے جو پیٹ سے نکلے۔

ولايسنّ الاستنجاء في حدث الريح والنوم.(٢)

ترجمہ:

ریح (ہوا) نکلنے اور نیند کے بعد استنجا مسنون نہیں۔

❁❁❁

---

(١)الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، نوع في بيان سنن الوضوء:١/٧٣

(٢)الفتاوى التاتارخانية، حواله بالا:١/٧٣

گتہ یا موٹے کاغذ سے استنجا کرنا

سوال نمبر(154):

ایسا گتہ یا کاغذ جس پر کسی قسم کی لکھائی نہ ہوئی ہو، استنجا کے لیے اس کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کاغذ چونکہ لکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس وجہ سے کاغذ قابل تعظیم واحترام ہے، لہٰذا ہر وہ کاغذ جو لکھائی کی غرض سے تیار کیا گیا ہو، چاہے موٹا ہو یا باریک، آلہ علم ہونے کی بنا پر قابل احترام ہے، اس سے استنجا جائز نہیں، البتہ گتہ عام طور پر لکھائی کے لیے استعمال نہیں ہوتا یا ایسا کاغذ جو لکھنے کے لیے نہ بنایا گیا ہو، ردی کے طور استعمال ہوتا ہو، تو ایسے کاغذ یا گتہ کے اوپر اگر کچھ لکھا گیا نہ ہو یا کسی باعزت مقصد کے لیے استعمال نہ ہوتا ہو تو اس سے استنجا کرنا درست ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

قوله:(وشيء محترم)......ويدخل أيضا الورق، قال في السراج: قيل: إنه ورق الكتابة، وقيل: ورق الشجر، وأيهما كان فإنه مكروه...... وكذا ورق الكتابة لصقالته وتقوّمه، وله احترام أيضا لكونه آلة لكتابة العلم .....وإذا كانت العلة في الأبيض كونه آلة الكتابة كما ذكرناه يؤخذ منها عدم الكراهة فيما لا يصلح لها إذا كان قالعا للنجاسة غير متقوّم .(۱)

ترجمہ:

شارح کے قول: اور محترم چیز (پر استنجا مکروہ تحریمی ہے، اِس میں) ورق بھی داخل ہے۔ السراج میں کہا ہے کہ: کہا گیا ہے کہ یہ محترم چیز لکھنے کا ورق ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ درخت کا پتہ مراد ہے، بہر حال ان میں سے جو بھی ہو، اس کے ساتھ استنجا کرنا مکروہ ہے.....لکھائی کے ورق پر اس کے ہموار ہونے اور متقوم ہونے کے علاوہ اس لیے بھی استنجا کرنا مکروہ ہے کہ یہ بوجہ آلہ کتابت علم ہونے کے قابلِ احترام ہے.....البتہ جب سفید کاغذ پر بوجہ آلہ کتابت ہونے کے استنجا مکروہ ہے تو اس سے یہ حکم اخذ کیا جائے گا کہ جو کاغذ لکھنے کے قابل نہ ہو، اگر وہ نجاست کو دور کرنے والا ہو اور

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب إذا دخل المستنجيء في ماء قليل: ۵۵۲/۱

قیمتی نہ ہو تو اس سے استنجا کرنا بلا کراہت درست ہوگا۔

❁❁❁

مستعمل ڈھیلے یا ٹائلٹ پیپر سے استنجا کرنا

سوال نمبر(155):

مستعمل ڈھیلے یا ٹائلٹ پیپر کا دوبارہ استعمال جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ جس چیز کے ساتھ استنجا کیا جاتا ہے، اس میں دیگر شرائط کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خود گندہ اور ناپاک نہ ہو، لہٰذا مستعمل ڈھیلے اور ٹائلٹ پیپر کے دوبارہ استعمال سے احتراز کرنا چاہیے، البتہ اگر ڈھیلا یا ٹائلٹ پیپر ایسا ہو کہ اس کا ایک طرف استعمال کرنے کے بعد دوسرا طرف مکمل صاف ہو اور اس کے استعمال سے گندگی پھیلنے یا بدن کے کسی حصہ سے لگنے کا خطرہ نہ ہو تو اس کے صاف طرف کا استعمال کرنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولا یستنجي بالأشیاء النجسة، وکذا لا یستنجي بحجر استنجي به مرة هو أو غیره، إلا إذا کان حجرا له أحرف، له أن یستنجي کل مرة بطرف لم یستنج به؛ فیجوز من غیر کراهة. کذا في المحیط.(۱)

ترجمہ:

ناپاک چیزوں سے استنجا نہ کیا جائے، اسی طرح ایسے پتھر (اور ڈھیلے) کے ساتھ بھی استنجا نہ کیا جائے، جس کے ساتھ خود اس نے یا کسی اور نے ایک مرتبہ استنجا کیا ہو، البتہ اگر ایسا ڈھیلا جو کناروں والا ہو تو اس کی ہر اس طرف کے ساتھ استنجا کرنا بغیر کراہت کے جائز ہے جس (طرف) کے ساتھ استنجا نہ کیا گیا ہو۔ اسی طرح محیط میں ہے۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة، الفصل الثالث في الاستنجاء: ۱/۵۰

استنجا میں دوسرے سے مدد لینا

سوال نمبر (156):

اگر کسی شخص کے دونوں ہاتھوں کی تمام انگلیاں بم دھماکے سے اڑگئی ہوں جس کی وجہ سے وہ استنجا کرنے اور دوسرے اعضا کے دھونے پر قادر نہ ہو تو کیا وہ کسی دوسرے سے تعاون حاصل کرسکتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جو شخص خود وضو کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ دوسرے سے مدد حاصل کرسکتا ہے، تاہم استنجا کا مسئلہ اس سے مختلف ہے، استنجا میں مرد کے لیے اپنی بیوی اور عورت کے لیے اپنے شوہر کے علاوہ دوسرے سے مدد حاصل کرنا جائز نہیں، صورتِ مسئولہ میں جو شخص انگلیاں نہ ہونے کی وجہ سے خود استنجا اور وضو سے قاصر ہے اگر اُس کی بیوی ہے تو وہ اِسے استنجا بھی کرائے اور وضو بھی۔ اور اگر بیوی نہیں تو بیٹے، بھائی، خادم وغیرہ کسی معاوِن سے وضو کروائے۔ اور استنجا خود جس حد تک کرسکتا ہے کرے، اُس سے آگے اس کے لیے معاف ہے کیونکہ بیوی نہ ہونے کی صورت میں کسی اور سے کروانا جائز نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک :

الرجل المريض إذالم يكن له امرأة ولا أمة، وله ابن أو أخ، وهو لايقدر على الوضوء، فإنّه يوضئه ابنه، أو أخوه غير الاستنجاء؛ فإنه لايمس فرجه، وسقط عنه الاستنجاء.(١)

ترجمہ:

اگر کسی بیمار آدمی کی نہ بیوی ہو اور نہ باندی، ہاں اس کا بیٹا یا بھائی موجود ہو اور وہ وضو کرنے پر خود قادر نہیں تو اس کا بیٹا یا بھائی اس کو (صرف) وضو کرائے گا، لیکن استنجا نہیں، کیونکہ شرعاً وہ اس کی شرم گاہ کو نہیں چھو سکتے، اس لیے اس سے استنجا ساقط ہوگا۔

(١) الفتاوی الهندية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة، الفصل الثالث في الاستنجاء: ١/ ٤٩، ٥٠

باب الوضوء

وضو کے احکام کا بیان

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

اسلام کا ہر ہر حکم فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ اور اعتدال پر مبنی ہے، اسی لیے اسلام نے باطنی پاکیزگی کی طرح ظاہری صفائی ستھرائی کو بھی بڑی اہمیت دی ہے، یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے نہ صرف یہ کہ پاک صاف رہنے کی تلقین فرمائی، بلکہ صفائی ستھرائی کا ایک پورا نظام مرتب فرمادیا۔ پیشاب اور پاخانہ کے بعد استنجا کا حکم دیا گیا، جسم پر کوئی ناپاکی لگ جائے تو اس کو دھونے کا حکم فرمادیا گیا، ہر نماز کے لیے وضو کو ضروری قرار دیا گیا اور اس میں ان اعضا کو دھونے کا حکم دیا جو بار بار غبار آلود ہو کر میل کچیل سے زیادہ ملابس ہوں اور ان کا بار بار دھونا صحت کے لیے مفید بھی ہو، پھر اسی وضو کے دوران منہ کی صفائی کے لیے مسواک کی بھی خاص طور پر تاکید کی گئی اور مزید ترغیب وتشویق کی خاطر یہ خصوصی پروانہ بھی دیا گیا کہ قیامت کے دن وضو کے اعضا روشن ہوں گے اور نبی اکرم ﷺ ان اعضا سے خصوصی طور پر اپنی امت کو پہچانیں گے۔(۱)

وضو کا لغوی واصطلاحی معنی:

وضوا گر واؤ کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ''وضو کرنا'' ہے اور اگر واؤ پر فتحہ ہو تو پھر اس کا اطلاق اس پانی پر بھی ہوتا ہے جس سے وضو کیا جائے۔ دراصل لفظ وضو ''وضائت'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی چمک، حسن اور نظافت کے ہیں، جو بدیہی طور پر عملِ وضو سے حاصل ہوتے ہیں۔(۲)

شریعت کی اصطلاح میں وضو چہرے، ہاتھ اور پاؤں کے دھونے اور سر کے مسح کرنے کا نام ہے۔ "غسل الاعضاء الثلثة و مسح الرأس".(۳)

باب سے متعلقہ اصطلاحات:

(۱) غَسل: غَسل کا معنی ہے عضو اور محل پر پانی بہانا، پانی بہانے کی کم از کم مقدار تقاطر یعنی دو تین قطرات کا ٹپکنا ہے۔

(۱) الصحیح للبخاري، کتاب الوضوء، باب فضل الوضوء والغر المحجلون من آثار الوضوء: ۱/۲۵

(۲) بدائع الصنائع، ۱/۹۰

(۳) مراقي الفلاح مع حاشیة الطحطاوي، کتاب الطهارة، فصل في احکام الوضوء، ص: ٤٤

(۲) مسح: مسح کا معنی ہے "إصابة الماء العضو "عضو تک پانی پہنچانا یا "امرار الید المبتلة بلاتسییل " پانی بہائے بغیر گیلے ہاتھ کو کسی عضو وغیرہ پر پھیرنا مسح کہلاتا ہے۔(۱)

مشروعیت:

وضو کی مشروعیت کے حوالے سے بنیادی ماٰخذ سورتِ مائدہ کی آیت نمبر ۶ ﴿یایها الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوة......﴾ ہے۔اسی طرح اس کی فرضیت نبی کریم ﷺ کے قول مبارک "لاتقبل صلوة بغیر طهور" سے بھی ثابت ہے۔(۲)

کتبِ حدیث میں اس کے علاوہ بھی بے شمار قولی وفعلی احادیث سے اس کی مشروعیت اور کیفیت ثابت ہے اور اسی پر اجماعِ امت بھی ہے۔اس کی مشروعیت اور فرضیت کا حکم مکہ مکرمہ میں ہوا تھا تاہم آیتِ مائدہ اس حکم کی تاکید کے لیے مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔(۳)

مختلف اعتبارات سے وضو کا حکم:

حکم کے اعتبار سے وضو کی چار قسمیں ہیں: فرض، واجب، سنت اور مستحب۔

(۱) فرض......: نماز کے لیے وضو کرنا فرض ہے، فرضِ عین ہو یا فرضِ کفایہ اور مکمل نماز ہو یا جزءِ نماز، جیسے: سجدہ تلاوت، ان صورتوں میں وضو کرنا فرض ہے، اسی طرح قرآن مجید چھونے کے لیے بھی حنفیہ کے راجح قول کے مطابق وضو کرنا فرض ہے۔

(۲) واجب......: طواف کے لیے وضو کرنا واجب ہے، بغیر وضو طواف کرنے سے دم واجب ہوتا ہے۔

(۳) سنت......: سونے کے لیے وضو کرنا مسنون ہے۔ نبی کریم ﷺ کا معمول مبارک یہی تھا۔

(۴) مستحب......: فقہاء کرام کے ہاں جن صورتوں میں وضو کرنا مستحب ہے وہ تیس سے بھی زیادہ ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں: جھوٹ، غیبت، قہقہہ، بے ہودہ شعر گوئی یا فحش گوئی، گناہ کے ارتکاب، اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد، دینی کتب،

(۱) الجرجاني، السيد الشريف، كتاب التعريفات، ماده مسح، ص:١٤٨، دار المنار للطباعة والنشر، بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في بيان انواع الطهارة:١/٩١، ٩٢

(۲) جامع الترمذي، أبواب الطهارة، باب ماجاء لاتقبل صلوة بغير طهور:١/٣

(۳) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في احكام الوضوء، ص:٤٤، الدر المختار على سدرد المحتار، كتاب الطهارة:١/١٩٨، ١٩٩)

فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ کی کتابیں چھونے کے لیے، نیند سے بیدار ہونے کے بعد، عبادتِ مقصودہ ادا کرنے کے بعد تجدیدِ وضو، میت کو غسل دینے اور جنازہ اٹھانے کے بعد، غسل جنابت سے پہلے کھانے، پینے یا دوبارہ ہم بستری کے لیے، غصہ دور کرنے کے لیے، قرآن وحدیث یا کوئی بھی علم شرعی زبانی پڑھنے پڑھانے کے لیے، غیر محرم عورت یا اپنی شرم گاہ کو چھونے کے بعد اور آذان، اقامت اور کسی بھی خطبہ یا ذکر اور زیارۃ النبی ﷺ کے لیے وضو کرنا مستحب اور مندوب ہے۔(۱)

وضو کا سبب وجوب اور ذاتی حکم:

وضو کے واجب اور لازم ہونے کے لیے سبب نماز کا واجب ہونا یا کسی ایسے فعل کو اپنے لیے جائز اور مباح کرنا ہے جو وضو کے بغیر ادا کرنا جائز نہ ہو جب کہ اس کا حکم یہ ہے کہ وضو کرنے کے بعد نماز اور وہ فعل کرنا جائز اور مباح ہو جاتا ہے۔(۲)

وضو کے ارکان یا فرائض:

وضو کے ارکان یا فرائض چار ہیں:

(۱) چہرہ دھونا......: پیشانی سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک کا حصہ اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک کا حصہ دھونا فرض ہے۔ گھنی داڑھی کا صرف ظاہری حصہ اور ہلکی داڑھی کا ظاہری وباطنی ہر حصہ دھونا فرض ہے، بشرط یہ کہ چہرے کے مذکورہ حدود کے اندر ہو۔

(۲) ہاتھ دھونا......: دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھونا، دھونے سے مراد یہ ہے کہ کم از کم دو تین قطرات پانی نیچے ٹپک جائے۔

(۳) سر کا مسح......: سر کے ایک چوتھائی حصہ کا مسح حنفیہ کے ہاں فرض ہے، جب کہ پورے سر کا مسح مسنون ہے۔ مسح میں کم از کم تین انگلیوں کو مکمل استعمال کرنا واجب ہے۔ مسح ایسے بالوں کے اوپر کرنا فرض ہے جن کے نیچے سر کا کوئی حصہ ہو، چہرے یا گردن پر بکھرے ہوئے بالوں پر مسح کرنا کافی نہیں۔

(۱) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل في أوصاف الوضوء، ص:٦٥-٦٨، الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الطهارة: ١/١٩٦-١٩٨

(۲) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل في أحكام الوضوء، ص:٤٨، الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الطهارة: ١/١٩٠-١٩١

(۴) پاؤں دھونا: دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا(۱)

وضو کی شرائط:

وضو کی شرائط دو قسم کی ہیں: وضو کے واجب ہونے کی شرطیں اور وضو کے صحیح ہونے کی شرطیں (شرائطِ وجوب وشرائطِ صحت)

وضو واجب ہونے کی شرطیں:

وضو واجب ہونے کی آٹھ شرائط ہیں: عقل، بلوغ، اسلام، اتنے پانی کے استعمال پر قدرت پانا جس سے وضو کیا جاسکے، حدث کی حالت میں ہونا، حیض ونفاس کا نہ ہونا، نماز کے وقت کا اتنا حصہ باقی رہ جانا کہ اگر وضو کر کے نماز ادا نہ کی جائے تو نماز قضا ہو جائے۔

علامہ شرنبلالیؒ نے مذکورہ تمام شرائط کو ایک ہی جملہ میں جمع کیا ہے "قدرة المكلف بالطهارة عليها بالماء" کہ مکلف پانی کے ذریعے پاکی حاصل کرنے پر قادر ہو۔

وضو صحیح ہونے کی شرطیں:

(۱) پاک (مطہر) پانی اعضائے وضو کے پورے چمڑے تک پہنچ جائے اور ایک سوئی کے سر کے بقدر بھی خشکی نہ رہ جائے۔

(۲) حیض ونفاس کی حالت نہ ہو اور وضو کے درمیان کوئی ناقض وضو پیش نہ آئے۔

(۳) ایسی کوئی چیز جسم پر نہ ہو جو پانی کے پہنچنے میں رکاوٹ ہو، جیسے: موم یا خشک آٹا وغیرہ، البتہ تیل یا میل کچیل پانی پہنچنے میں رکاوٹ نہیں بنتے۔(۲)

وضو کی کیفیت کا جاننا، نیت کرنا یا پانی کا مباح ہونا حنفیہ کے ہاں وضو کی شرائط میں سے نہیں۔(۳)

وضو کی سنتیں:

(۱) وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا۔

---

(۱) مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في احكام الوضوء، ص:٤٤ـ٤٨، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطهارة، الباب الاول في الوضوء، الفصل الاول فى فرائض الوضوء:١/٣ـ٦

(۲) مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في احكام الوضوء، ص:٤٨، ٤٩، الدرالمختارعلى صدرردالمحتار، كتاب الطهارة:١/١٩٣، ١٩٤

(۳) الموسوعة الفقيهة، ماده وضو:٤٣/٣٣٠، ٣٣١

(۲) تین دفعہ دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھونا۔

(۳) مسواک کرنا۔

(۴) تین مرتبہ کلی کرنا۔

(۵) تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالنا۔

(۶) غیر روزہ دار کے لیے مضمضہ اور استنشاق میں مبالغہ کرنا۔

(۷) گھنی داڑھی کا خلال کرنا بشرطیکہ احرام کی حالت میں نہ ہو۔

(۸) ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا۔

(۹) تمام سر کا مسح کرنا (صرف ایک مرتبہ)۔

(۱۰) کانوں کا مسح کرنا۔

(۱۱) ہر عضو تین بار دھونا۔

(۱۲) دھوتے وقت اعضا پر ہاتھ پھیرنا۔

(۱۳) دائیں عضو کو بائیں عضو پر مقدم کرنا اور ہاتھ پاؤں دھوتے وقت انگلیوں سے شروع کرنا۔

(۱۴) سر کے مسح میں اگلے حصے سے ابتداء کرنا۔

(۱۵) مسلسل اور پے در پے وضو کرنا یعنی اعضا خشک ہونے سے پہلے وضو ختم کرنا۔

(۱۶) وضو کی نیت کرنا یعنی دل میں صفائی، حکم کی بجا آوری اور استباحتِ صلوۃ کا عزم کرنا۔

(۱۷) ترتیب کی رعایت رکھنا۔ (۱)

وضو کے مستحبات اور آداب:

علامہ حصکفیؒ اور علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ مستحبات، مندوبات اور آداب ایک ہی چیز ہے، لہٰذا ان کو ایک ہی سیاق میں ذکر کیا ہے۔ پھر گردن کے مسح کرنے کو خصوصی طور پر مستحبات میں سے شمار کر کے آگے ساٹھ سے بھی زیادہ آداب کا تذکرہ فرمایا ہے، جن میں سے چند اہم آداب یہ ہیں:

اونچی جگہ پر بیٹھنا، قبلہ کی طرف رخ کرنا، بلا عذر دوسرے سے مدد نہ لینا، دنیوی اور بے مقصد گفتگو سے پرہیز

(۱) مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء، ص: ۵۰-۵۹، الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب الاول في الوضوء، الفصل الثاني في سنن الوضوء: ۱/۶-۸

(۲) تین دفعہ دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھونا۔

(۳) مسواک کرنا۔

(۴) تین مرتبہ کلی کرنا۔

(۵) تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالنا۔

(۶) غیر روزہ دار کے لیے مضمضہ اور استنشاق میں مبالغہ کرنا۔

(۷) گھنی داڑھی کا خلال کرنا بشرطیکہ احرام کی حالت میں نہ ہو۔

(۸) ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا۔

(۹) تمام سر کا مسح کرنا (صرف ایک مرتبہ)۔

(۱۰) کانوں کا مسح کرنا۔

(۱۱) ہر عضو تین بار دھونا۔

(۱۲) دھوتے وقت اعضا پر ہاتھ پھیرنا۔

(۱۳) دائیں عضو کو بائیں عضو پر مقدم کرنا اور ہاتھ پاؤں دھوتے وقت انگلیوں سے شروع کرنا۔

(۱۴) سر کے مسح میں اگلے حصے سے ابتداء کرنا۔

(۱۵) مسلسل اور پے در پے وضو کرنا یعنی اعضا خشک ہونے سے پہلے وضو ختم کرنا۔

(۱۶) وضو کی نیت کرنا یعنی دل میں صفائی، حکم کی بجا آوری اور استباحتِ صلوٰۃ کا عزم کرنا۔

(۱۷) ترتیب کی رعایت رکھنا۔ (۱)

وضو کے مستحبات اور آداب:

علامہ حصکفیؒ اور علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ مستحبات، مندوبات اور آداب ایک ہی چیز ہے، لہٰذا ان کو ایک ہی سیاق میں ذکر کیا ہے۔ پھر گردن کے مسح کرنے کو خصوصی طور پر مستحبات میں سے شمار کرکے آگے ساٹھ سے بھی زیادہ آداب کا تذکرہ فرمایا ہے، جن میں سے چند اہم آداب یہ ہیں:

اونچی جگہ پر بیٹھنا، قبلہ کی طرف رخ کرنا، بلا عذر دوسرے سے مدد نہ لینا، دنیوی اور بے مقصد گفتگو سے پرہیز

(۱) مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء، ص: ۵۰-۵۹، الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب الاول في الوضوء، الفصل الثاني في سنن الوضوء: ۱/ ۶-۸

کرنا، کان کا مسح کرتے وقت چھوٹی انگلی کو کان کے سوراخ میں داخل کرنا، دائیں ہاتھ سے کلی کرنا اوراس سے ناک میں بھی پانی ڈالنا، بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا، غیر معذور شخص کے لیے وقت داخل ہونے سے پہلے وضو کرنا، کشادہ انگوٹھی اور بالی وغیرہ کو حرکت دینا (اگر تنگ ہو تو حرکت دینا فرض ہے)، وضو کے دوران اور فارغ ہونے کے بعد مسنون دعائیں پڑھنا، وضو سے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر پینا، اعضا دھونے کی مقررہ حد سے پانی کو ذرا زیادہ پہنچانا اور وضو کے بعد دو رکعت ''تحیۃ الوضوء'' نفل ادا کرنا (بشرطیہ کہ مکروہ وقت نہ ہو) آداب میں سے ہے۔(۱)

مکروہاتِ وضو:

وضو میں جو کام مکروہ یا خلافِ ادب ہیں وہ یہ ہیں: چہرے پر تیزی سے پانی مارنا، ضرورت سے زیادہ پانی خرچ کرنا یا انتہائی کنجوسی کرنا کہ جسم سے پانی ٹپکنا بھی دشوار ہو جائے، نئے پانی سے تین مرتبہ مسح کرنا، عورت کے استعمال شدہ پانی سے وضو کرنا، ناپاک جگہ وضو کرنا، بلاضرورت دنیوی گفتگو کرنا، دائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا (امتخاط یا استنثار کرنا)، بائیں ہاتھ سے مضمضہ یا استنشاق کرنا، بلاعذر کسی سے مدد لینا، پانی میں تھوکنا یا اس میں ناک صاف کرنا، مسجد میں وضو کرنا (البتہ اگر الگ جگہ مخصوص ہو تو پھر کراہت نہیں) اور سنن وضو میں سے کسی سنت کو ترک کرنا مکروہ ہے۔(۲)

نواقضِ وضو:

ملک العلماء علامہ کاسانیؒ نے نواقضِ وضو کے بارے میں بہت دلچسپ تقسیم کی ہے جو انتہائی آسان، مدلل اور علمی نکات پر مشتمل ہے۔ فرماتے ہیں کہ وضو حدث کی وجہ سے ٹوٹتا ہے اور حدث کی دو قسمیں ہیں: حدثِ حقیقی اور حدثِ حکمی۔ ہر ایک کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

حدثِ حقیقی کی تفصیل:

حدثِ حقیقی کی تعریف میں فقہا کا اختلاف ہے اور یہی اختلاف فروعات میں اختلاف کا بنیادی سبب ہے۔

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار کتاب الطهارة، مطلب لافرق بين المندوب والمستحب والنفل والتطوع ومطلب في تتميم مندوبات الوضوء: ۱/۲۴۶-۲۵۶، مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل من آداب الوضوء، ص: ۵۶-۶۳، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطهارة، الباب الاول في الوضوء، الفصل الثالث في المستحبات: ۱/۸، ۹)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، : ۱/۲۵۷-۲۶۰، مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في المكروهات، ص: ۶۳-۶۵

(۸)......تھوک میں خون آنا، بشرطیکہ خون تھوک پر غالب ہو۔(۱)

حدث حکمی کی تفصیل:

حدثِ حکمی کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک وہ قسم ہے جس میں کسی سبب کو مسبب یعنی خروجِ نجاست کا قائم مقام قرار دے کر اس سے نقضِ وضو کا حکم کیا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ سبب غالباً اور اکثر خروجِ نجاست کا ذریعہ بنتا ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے جس میں کسی چیز کو محض تعبداً اور تمثیلاً لامر الشارع یعنی شارع علیہ السلام کے حکم کو پورا کرنے کے لیے ناقض مانا گیا ہے۔ ہر ایک کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

سبب کا مسبب کے قائم مقام بننے والی صورتیں:

(۱) بیوی سے مباشرتِ فاحشہ یعنی جماع کے علاوہ دوسرے افعال کا ارتکاب کرنا، اس حال میں کہ درمیان میں کوئی شے حائل نہ ہو۔ امام ابوحنیفہؒ وابویوسفؒ کے ہاں ایسا کرنا ناقضِ وضو ہے، بشرطیکہ جنسی ہیجان اور انتشار موجود ہو، بلا انتشار بیوی کے کسی بھی عضو یا خود اپنی شرم گاہ کو بلا حائل چھونا ناقض وضو نہیں۔

(۲) بے ہوشی، جنون اور ایسے نشے کا چھا جانا جو عقل کو وقتی طور پر زائل کردے۔

(۳) کروٹ کے بل، چت لیٹ کر یا ٹیک لگا کر اس طرح سو جانا کہ ٹیک دور کرنے سے گر جائے۔ نیند کے ناقض ہونے میں اصل علتیں دو ہیں: مفاصل یعنی جوڑوں کا ڈھیلا اور سست پڑ جانا اور بیداری کی قوت کا زائل ہو جانا، یہ دونوں علتیں جس حالت میں بھی پائی جائیں وہ ناقض وضو ہوگی۔

تعبد اور امتثال امر کے طور پر ناقض قرار دی جانے والی صورت:

رکوع اور سجدے والی نماز میں قہقہہ لگانے سے نماز اور وضو دونوں ٹوٹ جاتے ہیں۔ بظاہر اس میں وضو ٹوٹنے کا کوئی سبب نہیں پایا جاتا لیکن شارع علیہ السلام نے اِس سے وضو ٹوٹنے کا حکم فرمایا ہے اس لیے اِس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

اس کے علاوہ میت کو غسل دینے، کفن پہنانے یا جنازہ اٹھانے وغیرہ افعال سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ وضو کرنا یا کم از کم ہاتھ دھونا بہتر ہے، اسی طرح وضو کے بعد بال کاٹنے، ناخن تراشنے یا مونچھ وغیرہ کاٹنے سے نہ تو وضو ٹوٹتا ہے اور نہ ہی ان اعضا تک دوبارہ پانی پہنچانا ضروری ہے۔(۲)

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الطهارة، فصل واما بیان ماینقض الوضوء: ۱/۲۲۴-۲۳۶ (۲) أیضاً: ۱/۲۴۳-۲۶۲

فصل في فرائض الوضوء

(وضو کے فرائض کا بیان)

وضو اور غسل میں کٹے ہوئے ہاتھ یا پیر دھونے کا حکم

سوال نمبر(157):

اگر کسی شخص کا ہاتھ یا پاؤں آدھا یا اس سے زیادہ کٹ چکا ہو تو وضو یا غسل میں اس کا دھونا ضروری ہے یا نہیں؟ نیز اگر خود دھونے پر قادر نہ ہو تو دوسرے سے مدد لے سکتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

وضو اور غسل میں جن اعضا کا دھونا فرض ہے اگر ان میں سے کوئی عضو مکمل طور پر کٹ جائے تو اس کے دھونے کا حکم ساقط ہو جاتا ہے۔ اگر اس کٹے ہوئے عضو میں کچھ حصہ باقی ہے تو اس کو دھویا جائے گا، لہٰذا اگر پاؤں ٹخنوں سمیت کٹ چکا ہو تو دھونے کا حکم اس سے ساقط ہے اور اگر کچھ حصہ ٹخنوں کا یا اس سے نیچے کا باقی ہو تو اس کا دھونا فرض ہے۔ اس طرح اگر ہاتھ کہنیوں سمیت کٹ چکا ہو تو دھونے کا حکم ساقط ہے اور کچھ حصہ کہنیوں سے نیچے باقی ہو تو اس کا دھونا فرض ہے۔ اگر خود وضو کرنے پر قادر نہیں تو ضرورت کی بنا پر دوسرے سے مدد لے سکتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ولو قطعت یده أو رجله، فلم یبق من المرفق والكعب شيء سقط الغسل، ولو بقي وجب.(١)

ترجمہ:

اور اگر اس کا ہاتھ یا پاؤں اس طرح کٹ چکا ہو کہ کہنی اور ٹخنے میں سے کچھ باقی نہ رہے تو اس کا دھونا ساقط ہو جاتا ہے اور اگر کچھ حصہ باقی ہے تو اس کا دھونا ضروری ہے۔

---

(١) شیخ نظام وجماعة من علماء الهند، الفتاوی الهندیة، كتاب الطهارة، الفصل الأول في فرائض الوضوء: ١/٥، مكتبه رشیدیه، كوئٹه

وفي ردالمحتار:ويكره أن يستعين في وضوئه بغيره إلاعند العجز، ليكون أعظم لثوابه، وأخلص لعبادته.(۱)

ترجمہ:

وضو میں دوسرے سے مدد لینا مکروہ ہے الّا یہ کہ (خود کرنے سے) عاجز ہو، (دوسرے سے مدد اس لیے مکروہ ہے) تاکہ خود وضو کرنے والے کے لیے ثواب کے بڑے ہونے اور عبادت میں زیادہ اخلاص کا سبب بنے۔

❁❁❁

جسم کے کسی حصہ پر نام وغیرہ گدوانے کا وضو پر اثر

سوال نمبر(158):

جسم کے کسی حصے مثلاً ہاتھ، پاؤں یا سینہ پر سوئی کے ذریعے گدائی کرکے پکا نام لکھنا، تصویر یا پھول بنانا کیسا ہے اس کے ہوتے ہوئے وضو اور غسل ہو جاتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے جسم کے کسی حصہ کا گودنا، پکی لکھائی کرنا یا تصویر وغیرہ بنانا جائز نہیں، اس لیے کہ رسول کریم ﷺ نے اس سے ممانعت فرمائی ہے۔ جہاں تک اس کے ہوتے ہوئے وضو اور غسل کا تعلق ہے تو فقہ حنفی کی رو سے خشک ہونے کے بعد اس پر پانی بہا دینے سے یہ حصہ پاک ہو جاتا ہے اور جسم کا حصہ شمار ہوتا ہے، لہٰذا تر ہونے کی صورت میں اس سے وضو اور غسل متاثر نہیں ہوں گے۔

والدّليل على ذلك:

يستفاد ممامر حكم الوشم في نحو اليد، وهو أنه كاالاختضاب أو الصبغ باالمتنجس؛ لأنه إذاغرزت اليد أو الشفة مثلا بإبرة، ثم حشي محلها بكحل، أو نيلة ليخضرتنجس الكحل بالدم، فإذاجمد الدم والتأم الجرح بقي محله أخضر، فإذاغسل طهر؛ لأنه أثريشق زواله؛ لأنه لايزول إلابسلخ الجلد،

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، مطلب في مباحث الاستعانة في الوضوء بالغير: ۱/ ۲۵۱

اوجرحہ، فإذا کان لایکلف بإزالۃ الأثر الذي یزول بماء حارّ، أو صابون، فعدم التکلیف ھنا أولیٰ. (۱)

ترجمہ: گزرے ہوئے مسئلے سے ہاتھ وغیرہ گدوا کر نشان بنانے کا حکم معلوم ہوا، وہ اس طرح کہ اس کی مثال کسی ناپاک چیز سے رنگنے کی ہے، کیونکہ جب ہاتھ یا ہونٹ وغیرہ میں سوئی چبھو دی جائے پھر اس جگہ کو سرمہ یا نیل سے بھر دیا جائے تاکہ وہ سبز ہو جائے تو اس سے سرمہ خون کی وجہ سے ناپاک ہو جائے گا۔ پھر جب خون جم جائے اور زخم بھر جائے تو وہ جگہ سبز رہ جائے گی۔ اور جب اس کو دھویا جائے تو وہ پاک ہو جائے گی، کیونکہ اب اس اثر کا زائل کرنا مشکل ہے، کیونکہ یہ اثر کھال اتارنے یا زخمی کیے زائل نہیں ہوتا، اور مسئلہ یہ ہے کہ جب انسان ایسے اثر کے زائل کرنے کا مکلف نہیں جو گرم پانی یا صابن سے زائل ہوتا ہے تو یہاں پر مکلف نہ بنانا بطریقہ اولیٰ ثابت ہوگا۔

❀❀❀

وضو میں پاؤں دھونے کی فرضیت

سوال نمبر (159):

آیت کریمہ ﴿وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِکُمۡ وَاَرۡجُلَکُمۡ اِلَی الۡکَعۡبَیۡنِ﴾ کو بعض لوگ ''جر'' کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس سے استدلال یہ کرتے ہیں کہ وضو میں سر کی طرح پاؤں پر بھی مسح کرنا چاہیے۔ یہ بات کہاں تک درست ہے؟ کیا پاؤں پر مسح کرنے سے وضو مکمل ہو جاتا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

آیت ﴿وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِکُمۡ وَاَرۡجُلَکُمۡ اِلَی الۡکَعۡبَیۡنِ﴾ میں مشہور قراءت ''نصب'' کی ہے، ''جر'' کی قراءت " برؤوسکم " کی مجاورت کی وجہ سے ہے جو لفظی اتباع تو ہو سکتا ہے، معنوی اتباع کا اہل سنت میں سے کوئی بھی مجتہد قائل نہیں۔ جہاں تک اس سے استدلال کر کے پاؤں پر مسح کرنے کا تعلق ہے تو یہ فقہ جعفریہ کا تفرد ہے یا یہ جر کی قراءت اس صورت میں درست ہوگی جب موزے پہنے ہوں تو ان پر مسح درست ہوگا۔ چنانچہ آیت کریمہ کے علاوہ بے شمار صحیح احادیث سے خود حضور ﷺ اور کبار صحابہ کرامؓ کے عمل سے پاؤں کا دھونا مواظبت اور تواتر کے ساتھ ثابت ہے، لہٰذا جب موزے نہ پہنے ہوں تو پاؤں کا دھونا ہی فرض ہے، صرف مسح کرنے سے وضو نامکمل رہے گا اور نماز درست نہ ہوگی۔

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطھارۃ، باب الأنجاس، مطلب في حکم الوشم: ۵۳۸/۱

والدلیل علیٰ ذلک :

عن عبداللہ بن عمر رضي اللہ عنهما قال: تخلف النبي ﷺ عنافي سفرة سافرناها، فأدركنا وقد أرهقنا العصر، فجعلنانتوضاء ونمسح على أرجلنا، فنادىٰ بأعلىٰ صوته: "ويل للأعقاب من النار" مرتين، أو ثلاثاً.(١)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے، پھر آپ ﷺ نے ہم کو پالیا جب کہ عصر کا وقت ہم پر آپہنچا تھا، پس ہم وضو کرنے لگے اور پیروں پر مسح کرنے لگے تو آپ ﷺ نے بلند آواز سے دو یا تین بار یہ ارشاد فرمایا: ''(ان خشک رہ جانے والی) ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہے۔''

❁❁❁

وضو کے اعضا کا کوئی حصہ اگر خشک رہ جائے

سوال نمبر(160)

اگر پانی کی کمی کی وجہ سے یا بھول چوک سے اعضائے مغسولہ میں کہیں معمولی جگہ خشک رہ جائے تو کیا اس سے وضو متاثر ہوگا یا معمولی حصہ کا خشک رہ جانا وضو کے ہونے یا نہ ہونے پر اثر انداز نہیں ہوتا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

وضو کے دوران اعضائے مغسولہ کو جہاں تک دھونا فرض ہے، زخم یا پٹی کے عذر کے علاوہ کسی بھی وجہ سے اگر ان میں سے کچھ حصہ خشک رہ جائے تو وضو صحیح نہیں رہے گا جب تک اِس جگہ کو بھی نہ دھولے، اور چونکہ پے در پے اعضا کا دھونا فرض نہیں اس لیے بعد میں اس خشک جگہ کو دھولینے سے وضو مکمل ہو جائے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

عن عمربن الخطاب رضي اللہ عنه: أن رجلاتوضأ، فترك موضع ظفر علىٰ قدمه، فأبصره

(١)صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب غسل الرجلين ولا يمسح على القدمين: ٢٨/١

النبی ﷺ فقال: "ارجع فأحسن وضوءك" فرجع ثم صلّی.(۱)

ترجمہ:

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے وضو کیا اور اپنے پیر میں ناخن کے برابر جگہ چھوڑ دی، نبی کریم ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا: "جاؤ، اچھی طرح وضو کرو" پس وہ واپس ہوا (وضو کی) اور پھر نماز پڑھی۔

❁❁❁

وضو میں داڑھی دھونے کا حکم

سوال نمبر (161):

وضو میں چہرہ دھوتے وقت داڑھی کے دھونے یا مسح کرنے کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

وضو کے دوران اعضائے مغسولہ (ہاتھ، پاؤں اور چہرے) میں سے کسی جگہ کا خشک رہ جانے سے وضو مکمل نہیں ہوتا۔ ان اعضا میں چونکہ چہرہ بھی داخل ہے، لہٰذا داڑھی ہونے کی صورت میں بھی حتی الامکان چہرے تک پانی کا پہنچانا ضروری ہے، لیکن داڑھی گھنی اور لمبی ہونے کی صورت میں چہرے تک پانی پہنچانے میں حرج ہے اس لیے اس میں تفصیل یہ ہے کہ:

(۱)......: داڑھی ہلکی ہو اور مسترسلہ (لٹکی ہوئی رلمبی) نہ ہو، تو اس کا دھونا بالاتفاق واجب ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۲)......: جو داڑھی گھنی تو بہت ہو لیکن مسترسلہ نہ ہو، تو اس کے بارے میں خود احناف کے چھ اقوال ہیں، مفتی بہ اور مختار قول کے مطابق اس کا دھونا بھی واجب ہے۔

(۳)......: اور جو داڑھی مسترسلہ ہو، خواہ وہ گھنی ہو یا ہلکی اُس کا صرف وہ حصہ دھونا واجب ہے، جو چہرے کے چمڑے سے لگی ہوئی ہو، باقی کا دھونا سنت ہے۔

---

(۱) ابو الحسین مسلم بن الحجاج، القشيري، الصحيح لمسلم، كتاب الطهارة، باب وجوب استيعاب جميع أجزاء محل الطهارة: ۱/۱۲۵، قديمي كتب خانه، كراچي

والدّلیل علی ذلک:

(وغسل جمیع اللحیة فرض) یعني عملیا. قال ابن عابدین: وظاهر کلامهم أنّ المراد بها الشعر النابت علی الخدین من عذار وعارض والذقن. قوله: (ثم لاخلاف ان المسترسل) أي الخارج عن دائرة الوجه، وفسره ابن حجر في شرح المنهاج بمالومد من جهة نزوله لخرج عن دائرة الوجه. قال الحصکفيؒ: لایجب غسله ولامسحه بل یسن، وأن الخفیفة التي تریٰ بشرتها یجب غسل ماتحتها.(۱)

ترجمہ:

پوری داڑھی کا دھونا فرض ہے، یعنی فرضِ عملی ہے۔علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ: فقہا کی اس بات کا ظاہر مقصد وہ بال ہے جو چہرے پر اُگے ہوئے ہوں، البتہ جو داڑھی لٹکی ہوئی ہو، یعنی چہرے کی حدود سے خارج ہو جس کی تفسیر ابن حجرؒ شرح المنہاج میں یوں بیان کرتے ہیں کہ: اگر داڑھی کے بال نیچے کی طرف کھینچ لیے جائیں اور وہ چہرہ کی حدود میں سے نکل جائیں۔علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا نہ دھونا واجب ہے اور نہ مسح کرنا، بلکہ اس کا دھونا سنت ہے اور ہلکی داڑھی جس کے نیچے کھال نظر آتی ہو، اس کے نیچے کھال کا دھونا واجب ہے۔

ٹوپی یا پگڑی پر مسح کرنا

سوال نمبر(162):

کیا وضو کے دوران ٹوپی یا پگڑی پر مسح کرنا درست ہے جیسا کہ حدیث میں مسح علی العمامۃ کا ذکر ہے؟ وضو کرتے وقت ٹوپی وغیرہ اتارنا ضروری ہے یا ان کے ہوتے ہوئے بھی مطلوبہ مقدار کے برابر مسح کیا جاسکتا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ فقہ حنفی کی رو سے مسح کا حکم سر کے علاوہ صرف موزوں اور زخم وغیرہ پر بندھی ہوئی پٹی اور پلاسٹر کے ساتھ خاص ہے، ٹوپی یا پگڑی پر مسح کرنا درست نہیں۔حدیث میں جہاں ''مسح علی العمامۃ'' کے الفاظ آئے ہیں،

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطھارۃ: ۱/ ۲۱۵، ۲۱۶

محدثین حضرات اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے سر ہی پر مسح فرمایا تھا، مگر راوی کو دور سے یوں دکھائی دیا کہ گویا آپ ﷺ نے پگڑی پر مسح فرمایا اور یا پگڑی سے مراد سر لے کر اس کو مجازی معنی پر محمول کیا ہے۔

مزید برآں یہ حدیث خبر واحد ہے، اس لیے یہ کتاب اللہ پر زیادت کے قابل نہیں کہ سر کی بجائے پگڑی پر مسح جائز ہو جائے، لہٰذا پگڑی پر مسح کے جواز کے لیے اس کو حجت بنانا درست نہیں۔

جہاں تک وضو میں ٹوپی اُتارنے کا مسئلہ ہے تو وضو میں چونکہ چوتھائی سر کا مسح فرض، جب کہ پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے، اس لیے مسح مسنون کی رعایت کرتے ہوئے ٹوپی وغیرہ اتاری جاتی ہے، تاہم اگر ٹوپی انگلیوں سے تھام کر ہاتھوں کے بقیہ حصہ، یعنی ہتھیلی سے پورے سر کا مسح کیا جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

والدلیل علی ذلك:

ولا یجوز المسح علی القلنسوة والعمامة.(۱)

ترجمہ:

ٹوپی اور پگڑی پر مسح جائز نہیں۔

وكذا في غاية البيان بعد أن ذكر تأويله بأن بلالا كان بعيدا، فمسح النبي ﷺ علىٰ رأسه ولم يضع العمامة عن رأسه، فظن بلال أنه عليه الصلوة والسلام مسح على العمامة، أو أراد بلال رضی اللہ عنہ المجاز إطلاقالإسم الحال على المحل.(۲)

ترجمہ:

اور ''غایۃ البیان'' میں اس کی یہ تاویل ذکر کی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ دور تھے، نبی کریم ﷺ نے پگڑی کو اپنے سر مبارک سے ایک طرف رکھے بغیر سر مبارک پر مسح کیا تو بلال رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کیا کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے پگڑی ہی پر مسح فرمایا اور یا یہ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مجازاً حال (پگڑی) سے محل (سر) مراد لیا ہے۔

❁❁❁

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الطهارة، باب في الوضوء: ۶/۱

(۲) البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین، قبل قول المصنف (والمسح علی الجبیرة وخرقة القرحة): ۳۲۰/۱

مہندی کے لیپ پر مسح

سوال نمبر(163):

بعض لوگ سر کے بالوں میں مہندی لگاتے ہیں، جس سے بال مہندی میں چھپ جاتے ہیں تو ایسی حالت میں مہندی کے اس لیپ پر مسح کرنا درست ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ وضو میں سر کے چوتھائی حصہ پر مسح کرنا فرض ہے، لہٰذا سر کے بالوں کے اوپر کوئی ایسا حائل موجود ہو جس کے نیچے بالوں کو تری نہ پہنچتی ہو تو مسح درست نہ ہوگا، چنانچہ اگر سر کے بالوں پر مہندی کا لیپ اس طرح کیا گیا ہو کہ مہندی کی تہہ کی وجہ سے تری بالوں کو نہیں پہنچتی تو اس صورت میں مسح درست نہیں ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مہندی کے لیپ پر مسح کرنے سے پانی کے اوصاف تبدیل ہو کر مطلق پانی کے حکم سے نکل جانے کا بھی قوی اندیشہ موجود ہے اور مہندی ملے پانی سے مسح درست نہیں ہوتا۔

والدلیل علیٰ ذلک:

وإن كان على رأسها خضاب، فمسحت على الخضاب إذا اختلطت البلّة بالخضاب وخرجت عن حكم الماء المطلق، لايجوز المسح، كذا في الخلاصة.(۱)

ترجمہ:

اور اگر اس کے سر پر خضاب لگی ہو اور وہ اُس خضاب پر مسح کرے تو جب پانی خضاب کے ساتھ مل کر مطلق پانی کے حکم سے نکل جائے تو مسح جائز نہیں ہوگا۔

---

(۱) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطهارة، فصل في فرائض الوضوء: ۶/۱

مصنوعی بالوں پر مسح

سوال نمبر(164):

اگر کسی کے سر کے سارے یا اکثر بال گر گئے ہوں اور وہ مصنوعی بال لگوائے تو وضو کرتے وقت ان بالوں پر مسح درست ہوگا یا نہیں؟ نیز غسل میں وہ کیا طریقہ اختیار کرے گا؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مصنوعی بالوں کے ہوتے ہوئے غسل اور مسح کا حکم جاننے سے پہلے ماہرین فن سے بال لگوانے کی کیفیت اور طریقوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ضروری ہے، چنانچہ ان کے کہنے کے مطابق بال لگوانے کے مختلف طریقے ہیں، اس لیے اس کے احکام بھی مختلف ہیں۔

مصنوعی بال لگوانے کے لیے پلاسٹک یا ربڑ کی ایک انتہائی باریک اور جالی دار، لیکن مضبوط ٹوپی نما تہہ ہوتی ہے جس کے کناروں پر فیتہ نما ربڑ کی ایک اور پٹی ہوتی ہے۔اس ٹوپی کو نیمرین کہتے ہیں جس پر بال لگوانے والے کی پسند کے مطابق بالوں کا سٹائل بنا دیا جاتا ہے پھر یہ دو طریقوں سے لگایا جاتا ہے: ایک یہ کہ نیمرین کی فیتہ نما پٹی پر ایلفی وغیرہ لگا کر سر کی کھال کے ساتھ کئی ماہ کے لیے مستقل طور پر چپکا دی جاتی ہے۔ بقول ماہرین کے عام طور تو نیمرین میں سے پانی چمڑے تک پہنچ جاتا ہے، لیکن نیمرین کے کناروں والی پٹی جو ایلفی وغیرہ سے چپکائی جاتی ہے، اس کے نیچے پانی نہیں جاتا، اس پر بال لگا دینے کے بعد نیمرین کے مسام بند ہو جاتے ہیں اور اس میں سختی پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے پانی نیمرین سے بھی بمشکل نیچے سرایت کرتا ہے اور جہاں ایلفی سے سر کے ساتھ جوڑ لگا ہوتا ہے، وہاں سے پانی کا نفوذ بالکل ناممکن ہو جاتا ہے، اس کو Fix سسٹم کہتے ہیں۔

دوسرا طریقہ Tap سسٹم کا ہوتا ہے یہ بھی نیمرین کا وہی خول ہوتا ہے، لیکن یہ مستقل طور پر سر کے ساتھ لگا نہیں رہتا، بلکہ خود ہی اس کو بآسانی لگایا اور اتارا جا سکتا ہے، اس کے اتارنے اور پہننے کے لیے ماہرین کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

تیسرا طریقہ سرجری کا ہوتا ہے، اس میں بال لگوانے والے کے سر کے باقی ماندہ بالوں میں سے کچھ بال نکال

کر خالی جگہ پر اگائے جاتے ہیں، اس کو Plantation کہتے ہیں۔خون کے طبعی توافق کے مطابق اس میں نمو(Growthing) بھی شروع ہوجاتی ہے۔ان کے اوپر مسح کرنے اور یا غسل میں پانی پہنچنے میں کوئی اشکال نہیں، البتہ اس کے علاوہ مصنوعی بالوں کے جن طریقوں کا تذکرہ ہوا، ان میں جو بال فکس لگائے جاتے ہیں چاہے پورے سر پر ہوں یا بعض حصہ پر، ایک بال کے برابر جگہ کے خشک رہ جانے سے غسل نہیں ہوگا۔

مسح میں تفصیل یہ ہے کہ بال اگر پورے سر یا سر کے اکثر حصہ پر لگائے گئے ہوں تو جب تک سر کے چوتھائی حصہ تک یقینی طور پر تری نہ پہنچ جائے مسح درست نہ ہوگا اور وضو ناقص رہے گا، چاہے بال مستقل لگائے گئے ہوں یا عارضی۔اور اگر سر کے بعض حصہ پر مصنوعی بال ہوں اور بعض حصہ پر قدرتی بال ہوں تو اگر قدرتی بال چوتھائی حصہ کے برابر باقی ہوں تو ان قدرتی بالوں پر مسح کرنے سے وضو درست رہے گا مصنوعی بالوں کے ہٹانے یا اس کے نیچے پانی پہنچانے کی ضرورت نہیں رہتی۔

والدلیل علیٰ ذلک:

ولو ألزقت المرأة رأسها بطيب، بحيث لايصل الماء إلىٰ أصول الشعر وجب عليها إزالته؛ ليصل المآء إلىٰ أصوله، كذافي السراج الوهاج.(۱)

ترجمہ:

اگر عورت اپنے بالوں کو کسی (ذی جرم) خوشبو کے ساتھ ایسے چپکائے کہ پانی بالوں کی جڑوں تک نہ پہنچے تو اس کو ہٹانا ضروری ہے، تاکہ اس کی جڑوں تک پانی پہنچ جائے۔اسی طرح السراج الوہاج میں ہے۔

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة، الباب الثاني في الغسل، الفصل الأول:۱/۱۳، ۱٤

فصل في سنن الوضوء ومستحباته وآدابه

(وضو کی سنتوں، مستحبات اور آداب کا بیان)

مصنوعی یا خول چڑھے ہوئے دانت کے ساتھ وضو یا غسل کا حکم

سوال نمبر (165):

دانت بھروانا کیسا ہے؟ کیا مصنوعی دانت لگوانا یا دانت پر خول چڑھانا جائز ہے؟ نیز مصنوعی دانت یا دانت کے خول کی وجہ سے وضو کرتے وقت اگر پانی نچلے حصے تک نہ پہنچتا ہو، تو کیا اس سے وضو یا غسل پر کوئی اثر ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نظام انہضام کی درستگی اور فعالیت کا دارومدار دانتوں پر ہے کہ یہ نظام انہضام کا اولین زینہ ہے۔ اس لیے ضرورت کے وقت دانتوں کا علاج کرنا یا مصنوعی دانت بنوانا ایک جائز معالجہ ہے، چنانچہ دانت بھروانے، ان پر خول چڑھانے یا مصنوعی دانت لگوانے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، جہاں تک ان کے ساتھ وضو اور غسل کا تعلق ہے، تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ:

دانت لگوانے کے مختلف طریقے ہیں، بعض دانت ایسے لگوائے جاتے ہیں جو فکس نہیں ہوتے، بآسانی نکالے اور پھر لگائے جاسکتے ہیں، ایسی صورت میں غسل کے وقت تو ان کا نکالنا ضروری ہے اگر غسل کے وقت نہیں نکالے گئے تو غسل نہیں ہوگا اور وضو میں چونکہ کلی کرنا فرض نہیں، اس لیے دانت نکالنا ضروری نہیں اور اگر دانت فکس لگائے گئے ہوں اور یا خول اس طرح چڑھایا گیا ہو کہ اس کا نکالنا باعث مشقت ہو تو پھر نکالنا ضروری نہیں، ان کے ہوتے ہوئے بھی غسل ہوجاتا ہے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

فمافي غسله حرج كداخل العين يسقط ومالاحرج فيه يبقى. (۱)

---

(۱) القاري، علي بن محمد سلطان، شرح النقاية، فرائض الغسل: ۳۵/۱، ایچ، ایم، سعید کمپنی، کراچی

ترجمہ:

(غسل میں اگرچہ مبالغہ مقصود ہے لیکن) اگر کسی عضو کے دھونے میں حرج اور تنگی ہو، جیسے: آنکھ کا اندرونی حصہ، تو غسل میں اس کا دھونا ساقط ہو جاتا ہے، البتہ جہاں حرج نہ ہو، اس کے دھونے کا حکم باقی رہے گا۔

❁❁❁

وضو کے اختتام سے قبل بعض اعضا کا خشک ہونا

سوال نمبر (166):

وضو کرتے وقت اگر پانی ختم ہو جائے یا کسی اور وجہ سے وضو کو درمیان ہی میں چھوڑنا پڑے، تو کیا دوبارہ وضو کرتے وقت ان دھلے ہوئے اعضا کو جو خشک ہو چکے ہیں، از سر نو دھونا ضروری ہے یا صرف باقی اعضا کے دھونے سے وضو مکمل ہو جائے گا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہ حنفی کی رو سے وضو اور غسل دونوں میں موالات (اعضا کا پے در پے دھونا) سنت ہے، فرض نہیں۔ لہٰذا اگر کسی عذر مثلاً: پانی ختم ہونے، زلزلہ آنے، آگ لگ جانے وغیرہ کی وجہ سے موالات قائم نہ رہ سکے اور بعض اعضا کو بعد میں دھونا پڑے تو وضو مکمل ہو جائے گا، البتہ بغیر عذر کے وضو کے درمیان کسی اور کام میں اس قدر مشغول ہونا کہ دھلے ہوئے اعضا خشک ہو جائیں، کراہت سے خالی نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

ویکره التفريق في الوضوء إذا كان بغير عذر، أما إذا كان بعذر بأن فرغ ماء الوضوء، فيذهب لطلب الماء، أو ما أشبه ذلك، فلا بأس بالتفريق على الصحيح، وهكذا إذا فرق في الغسل والتيمم، كذا في السراج الوهاج.(١)

ترجمہ:

وضو کے دوران اعضا کے دھونے میں بغیر عذر کے تسلسل قطع کرنا مکروہ ہے اور اگر کسی عذر کی وجہ سے ہو، مثلاً: پانی ختم

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الفصل الثاني في سنن الوضوء: ١/٨

ہوجائے، اور پانی کی طلب میں جائے یا اس طرح کی اور کوئی وجہ ہو تو صحیح یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس طرح غسل اور تیمم کے درمیان توقف کر دینے کا بھی یہی حکم ہے۔

❁❁❁

داڑھی کے خلال کا حکم اور اس کا طریقہ

سوال نمبر (167):

کیا وضو میں داڑھی کا خلال سنت ہے؟ اگر سنت ہے تو اس کا صحیح اور آسان طریقہ کون سا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

داڑھی اگر گھنی نہ ہو، بلکہ ہلکی اور خفیف ہو تو اس کا دھونا واجب ہے، البتہ داڑھی کے وہ بال جو گھنے ہوں اور اس کے نیچے کھال دکھائی نہ دیتی ہو، اس کا خلال کرنا سنت ہے۔ احادیث اور فقہ کی کتابوں میں اس کے دو طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہاتھ کا اندرونی حصہ (ہتھیلی) باہر کی طرف اور بیرونی حصہ (ہتھیلی کی پشت) متوضی کی طرف ہو اور انگلیوں کو ٹھوڑی کے نیچے سے اوپر کی طرف داڑھی میں داخل کرے۔ دوسرا طریقہ جو آسان بھی ہے اور راجح بھی ہے وہ یہ ہے کہ ہتھیلی متوضی کی طرف ہو اور اس کی پشت باہر کی طرف، اس طرح انگلیوں کو ٹھوڑی کے نیچے داڑھی میں داخل کر کے اوپر کی طرف لے جائے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

قوله :(وتخليل اللحية)هوتفريق شعرهامن أسفل إلى فوق. بحر.وهو سنة عندأبي يوسف رحمه الله، وأبو حنيفة ومحمدرحمهماالله تعالى يفضلانه. ورجح في المبسوط قول أبي يوسف رحمه الله كمافي البرهان ....والظاهرأن هذاكله في الكثة، أماالخفيفة: فيجب إيصال المآء إلى ماتحتها..........وقال في المنح : وكيفيته على وجه السنة أن يدخل أصابع اليدفي فروجهاالتي بين شعراتهامن أسفل إلى فوق، بحيث يكون كف اليد إلى الخارج، وظهرها إلى المتوضي أقول: لكن روىٰ أبوداؤد رحمه الله عن أنس رضي الله عنه: "كان النبي ﷺ إذا توضأ أخذ كفامن ماء تحت حنكه فخلل به لحيته وقال :"بهذاأمرني ربي ". والمتبادر منه إدخال اليدمن أسفل بحيث يكون كف اليدلداخل من جهة العنق، وظهرهاإلىٰ خارج، ليمكن إدخال

الماء المأخوذ في خلال الشعر...... والذي رأيته في الكفاية هكذا، و كيفيته:أن يخلل بعد التثليث من حيث الأسفل إلى فوق.(۱)

ترجمہ:

داڑھی کا خلال نیچے سے اوپر کی طرف اس کے بالوں کو (تر انگلیوں کے ساتھ) علیحدہ کرنا ہے۔امام ابو یوسفؒ کے ہاں سنت ہے، جب کہ امام ابو حنیفہ اور محمد رحمہما اللہ اس کو مستحب سمجھتے ہیں۔مبسوط میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ برھان میں ہے۔۔۔۔۔ظاہر یہ ہے کہ یہ (سنت اور مستحب ہونے کا حکم) گھنی داڑھی کے بارے میں ہے، جو داڑھی ہلکی ہو تو اس کے نیچے کھال تک پانی پہنچانا واجب ہے۔

منحۃ الخالق میں اس کا مسنون طریقہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ انگلیوں کو نیچے سے اوپر کی طرف داڑھی کے بالوں میں یوں داخل کیا جائے کہ ہاتھ کی ہتھیلی باہر اور اس کی پشت متوضی کی طرف ہو۔(علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ جو حدیث امام ابو داؤد بروایت انسؓ نقل کرتے ہیں ''کہ نبی کریم ﷺ جب وضو فرماتے، تو ایک چلو پانی لے کر ٹھوڑی کے نیچے سے داڑھی کا خلال فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ اس طرح کرنے کا میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے'' اس سے واضح طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ کف (ہتھیلی) کا باطن عنق (گلے) کی طرف ہو اور پشت باہر کی طرف ہو، تا کہ بالوں کے خلال کے لیے لیے گئے پانی کا اندر داخل ہونا ممکن ہو سکے اور اسی طرح کفایہ میں (بھی) ہے اور یہ خلال تین مرتبہ (چہرہ) دھونے کے بعد ہے۔

❀❀❀

وضو میں انگلیوں کے خلال کا حکم اور طریقہ

سوال نمبر(168):

وضو کے دوران انگلیوں کے خلال کا شرعاً کیا حکم ہے اور اس کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عام طور پر وضو کے دوران ہاتھ اور پیروں کی انگلیوں کا خلال کرنا سنت ہے کہ یہ ہاتھ، پاؤں کے دھونے کی

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، مطلب:في منافع السواك:۱/ ۲۳۸

تکمیل کا حصہ ہے، لیکن اگر ہاتھ یا پاؤں کی انگلیاں آپس میں اس طرح پیوست ہوں کہ خلال کے بغیر پانی پہنچنا مشکل ہو تو پھر خلال کا یہ حکم فرضیت کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

ہاتھوں کی انگلیوں کے خلال کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر آمنے سامنے ملائی جائیں، لیکن بہترین طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہتھیلی کا باطن بائیں ہتھیلی کی پشت اور بائیں ہتھیلی کا باطن دائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھ کر اوپر والے ہاتھ کی انگلیاں نیچے والے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دی جائیں اور پیروں کی انگلیوں میں خلال کرنے کی کیفیت یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھنگلی کے ذریعے دائیں پاؤں کی چھنگلی کے نیچے کی طرف سے شروع کرے اور بائیں پاؤں کی چھنگلی تک پہنچائے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

وتخليل الأصابع لقوله عليه الصلوة والسلام: "خللوا أصابعكم كي لاتتخللها نار جهنم"، ولأنه إكمال الفرض في محله.(١)

ترجمہ:

اور انگلیوں کا خلال کرنا سنت ہے، اس لیے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: "تم لوگ اپنی انگلیوں کا خلال کیا کرو، تاکہ ان کے درمیان جہنم کی آگ داخل نہ ہو" اور اس لیے (بھی) کہ یہ فرض کا اپنے محل میں تکمیل کا ذریعہ ہے۔

(وتخليل الأصابع) هو سنة مؤكدة اتفاقا......أصابع اليدين (بالتشبيك) نقله في البحر بصيغة قيل، وكيفيته كماقاله الرحمتي: إنه يجعل ظهر البطن لئلايكون أشبه باللعب ...(والرجلين بخنصر يده اليسرىٰ بادئا) أي وخاتما بخنصر رجله اليسرىٰ... (بخنصر رجله اليمنى، وهذا بعد دخول المآء خلالها، فلو منضمة فرض) لأنه حينئذ لايمكن إيصال المآء إلا به.(٢)

ترجمہ:

انگلیوں کے خلال کے سنت مؤکدہ ہونے پر (ائمہ کا) اتفاق ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیوں میں تشبیک کیا جائے (یعنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کرے)، البحر الرائق میں اس کو

---

(١) الهداية، كتاب الطهارات: ١/ ٢١، مكتبة رحمانية، لاهور

(٢) ردالمحتار علىٰ الدرالمختار، كتاب الطهارة: ١/ ٢٣٨، ٢٣٩

"قیل" کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، رحمتی نے اس کا طریقہ یہ بیان کیا ہے کہ: "(ایک ہاتھ کے) ظاہر کو دوسرے ہاتھ کی پشت کی طرف کر دیا جائے تا کہ لہو ولعب سے مشابہت نہ رہے"۔۔۔۔"پاؤں کا خلال یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھنگلی کے ساتھ دائیں پاؤں کی چھنگلی سے شروع کرے اور بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم کرے"۔

اور یہ (خلال کی سنت ہونے کا حکم) انگلیوں کے درمیان پانی پہنچانے کے بعد ہے۔ پس انگلیاں اگر کہیں آپس میں اس طرح ملی ہوئی ہوں (کہ صرف دھونے سے پانی اندر نہیں پہنچ پاتا) تو پھر خلال کرنا فرض ہے، اس لیے کہ ایسی صورت میں خلال کرنے سے ہی پانی پہنچتا ہے۔

❁❁❁

خواتین کے لیے مسواک

سوال نمبر (169) :

مردوں کی طرح خواتین کے لیے بھی مسواک کرنا سنت ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسواک مرد وزن دونوں کے لیے مسنون عمل ہے، لیکن مسواک میں مرد وزن کے استعمال کی کیفیت قدرے مختلف ہے، چنانچہ عورتوں کے لیے نرم مسواک کا استعمال مناسب ہے یا پھر علک (لیس دار گوند جو چبایا جاتا ہے) اور دنداسہ کا استعمال مسواک کا قائم مقام ہو سکتا ہے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

ذكر صاحب البحر والشرنبلالي وغيرهما:"أن العلك يقوم مقام السواك للمرأة؛ لكون المواظبة عليه تضعف أسنانها، فيستحب لها فعله"، وقال الطحطاوي في حواشي مراقي الفلاح:" من المعلوم أنه يحصل الثواب لهن إلا بالنية".(١)

---

(١) اللكهنوي، عبدالحي، السعاية:١/١١٨

ترجمہ:

صاحب بحر (علامہ ابن نجیم) اور علامہ شرنبلالیؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ: ’’عورت کے لیے علک، مسواک کے قائم مقام ہوسکتا ہے، کیونکہ پابندی کے ساتھ مسواک کرنا ان کے دانتوں (مسوڑھوں) کو کمزور کرتا ہے۔ پس ان کے لیے علک کا استعمال مستحب ہے‘‘ اور امام طحطاوی مراقی الفلاح کے حواشی میں فرماتے ہیں کہ: ’’معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو مسواک کا ثواب فقط نیت سے حاصل ہوتا ہے‘‘۔

❁❁❁

مسواک رکھنے کا طریقہ

سوال نمبر (170):

مسواک استعمال کرنے کے بعد جیب یا کسی دوسری جگہ میں رکھنا ہو تو کیسے رکھا جائے شرعاً کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسواک استعمال کرنے کے بعد جیب یا کسی دوسری جگہ طولاً رکھ دینا چاہیے، البتہ الٹا یا سیدھا رکھنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ طبی لحاظ سے مناسب یہ ہے کہ استعمال والی جانب کو نیچے کی طرف رکھا جائے تاکہ اس میں داخل شدہ پانی باہر کی طرف نکل جائے اور بدبو پیدا نہ ہو۔ نیز زمین میں موجود نوشادر کے اجزا سے مسواک میں لگے جراثیم بھی مرجائیں گے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

قوله: (ولا يضعه) أي لا يلقيه عرضا، بل ينصبه طولا. قوله: (وإلا فخطر الجنون) فإنه يروى عن سعيدبن جبيرؓ قال: من وضع سواكه با لأرض فجن من ذلك فلايلومنّ إلا نفسه. (۱)

ترجمہ:

(استعمال کے بعد) مسواک کو عرضاً نہ رکھے، بلکہ طولاً کسی چیز کے ساتھ کھڑا کردے، ورنہ جنون کا خطرہ رہے گا، کیونکہ حضرت سعید بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ جس نے مسواک کو زمین پر رکھ دیا اور اس کو جنون لاحق ہوا تو اپنے نفس

(۱) ردالمحتار علیٰ الدرالمختار، کتاب الطهارة، قبل مطلب في منافع السواك: ۱/ ۲۳۵

کے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔

❁❁❁

ناقابل استعمال مسواک کا حکم

سوال نمبر(171):

استعمال کرتے کرتے مسواک اگر بالکل چھوٹا سا رہ جائے یا ویسے پڑے رہنے سے ناقابل استعمال رہ جائے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسواک چونکہ سنت کے طور پر استعمال ہوتا ہے اسی نسبت کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمان کے دل میں اس کا احترام لازمی امر ہے۔یہی وجہ ہے کہ فقہاے کرام نے ایسے مسواک کے دفنانے کو مستحب لکھا ہے،لیکن نہ دفنانے کی صورت میں بھی کسی صاف اور محفوظ جگہ میں رکھنے سے گنہگار نہیں ہوگا۔

والدلیل علیٰ ذلک:

ودفنهامستحب لاواجب.(۱)

ترجمہ:

اوراس(مسواک) کا دفنانا مستحب ہے،واجب نہیں۔

❁❁❁

وضو کے دوران ناک میں انگلی داخل کرنا

سوال نمبر(172):

وضو کے دوران ناک میں صرف پانی چڑھانا کافی ہے یا انگلی داخل کرنا بھی ضروری ہے،اور ایسا نہ کرنے سے وضو پر کیا اثر پڑتا ہے؟

بیّنوا توجروا

(۱)الشیخ محمدالشربینی، الخطیب، مغني المحتاج، کتاب الطهارة، باب الوضوء:۱/۵۵، مطبع:دارالذخائر، قم ایران

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

وضو کے دوران منہ اور ناک میں تین مرتبہ پانی ڈالنااور اس میں مبالغہ کرنا سنت ہے۔ چنانچہ اس مبالغہ کو مدنظر رکھتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پانی کے ساتھ ساتھ ناک میں انگلی بھی داخل کی جائے تاکہ زیادہ صفائی ہوسکے اور رینٹ وغیرہ نکل آئے تو اس کو بھی صاف کرے، کیونکہ بائیں ہاتھ سے رینٹ صاف کرنا بھی وضو کے آداب میں شامل ہے، البتہ اس کے ترک سے وضو پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

والدلیل علیٰ ذلک:

ومن السنة أن يمضمض ثلاثا، ويستنشق ثلاثا......، والمبالغة فيهماسنة أيضا......، وفي بعض المواضع إذاتمضمض واستنشق، فليس عليه أن يدخل إصبعه في فمه وأنفه، وقال الزندوسي: والأولى أن يفعل ذلك. (١)

ترجمہ:

وضو کے دوران منہ اور ناک میں تین تین مرتبہ پانی ڈالنا سنت ہے اور ان میں مبالغہ کرنا بھی سنت ہے۔ بعض جگہ آیا ہے کہ منہ اور ناک میں پانی ڈالتے وقت منہ اور ناک میں انگلی ڈالنا ضروری نہیں، علامہ زندوسی فرماتے ہیں کہ: ”بہتر یہی ہے کہ ناک میں انگلی ڈالے“۔

❁❁❁

وضو کے اعضا دھونے میں بے ترتیبی

سوال نمبر(173):

ایک شخص اگر بھول کر پہلے کہنیوں سمیت ہاتھ دھوئے اور پھر منہ اور ناک میں پانی ڈال کر چہرہ دھولے تو کیا دوبارہ کہنیوں سمیت ہاتھ دھونا ضروری ہے ؟ اگر ضروری نہیں تو ترتیب کو درست کرنے کے لیے اس کا دوبارہ دھونا کیا باعث اجر ہے یا دوبارہ دھونا اسراف کے زمرے میں شمار ہوگا؟

بیّنوا تؤجروا

(١) عالم بن العلاء الأنصاري، الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الطهارة، نوع منه في بيان سنن الوضوء وآدابه: ١/ ٨٠، داراحياء التراث العربي، بيروت

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہ حنفی کی رو سے وضو کے اعضا دھونے میں ترتیب سنت ہے، اگر بھولنے کی وجہ سے ترتیب میں فرق آجائے، مثلاً: پہلے کہنیوں تک ہاتھ دھولے، پھر چہرہ دھولے تو بھی اس کا فریضہ ادا ہو جائے گا، دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ تین مرتبہ سے زیادہ دھونے کی صورت میں اسراف ہے، البتہ قصداً ترتیب چھوڑنے سے سنت کے ترک پر گنہگار ہوگا، لیکن وضو بہرحال ہو جاتا ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

قوله:(والترتيب المنصوص)...... وهو سنة مؤكدة عندنا على الصحيح ويكون مسيئا بتركه......
وقد روى البخاري أنه عليه الصلاة والسلام تيمم فبدأ بذراعيه قبل وجهه، فلما ثبت عدم الترتيب في التيمم ثبت في الوضوء؛ لأن الخلاف فيهما واحد.(۱)

ترجمہ:

منصوص ترتیب ہمارے نزدیک صحیح قول کے مطابق سنتِ مؤکدہ ہے اور اس کے چھوڑنے سے گنہگار ہوگا۔
امام بخاریؒ نے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے تیمم کیا تو چہرے سے پہلے ہاتھوں سے ابتدا کی۔ جب تیمم میں بے ترتیبی ثابت ہوئی تو وضو میں بھی ثابت ہو جائے گی، اس لیے کہ دونوں میں اختلاف ایک ہی ہے۔

سر کے چوتھائی حصہ کے مسح پر مواظبت کرنا

سوال (174):

بعض لوگ وضو کے دوران پورے سر کا مسح چھوڑ کر صرف چوتھائی سر کا مسح کرتے ہیں اور یہ ان کی مستقل عادت بن جاتی ہے۔ دورانِ وضو سر کے مسح میں چوتھائی حصے پر مسح کرنے کی عادت بنانے اور پورے سر پر مسح چھوڑنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

بینوا توجروا

---

(۱) ابن نجيم، زين الدين بن ابراهيم، البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/ ۵٤، دار الكتب العلمية، بيروت

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہ حنفی کی رو سے سر کے چوتھائی حصے پر مسح کرنا فرض ہے اور پورے سر کا مسح کرنا سنت۔اس لیے فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص بلا کسی عذر سر کے چوتھائی حصے پر مسح کرنے کو بطور عادت اپنائے تو اس صورت میں اگرچہ فرض کی ادائیگی ہوجاتی ہے، لیکن بغیر عذر کے ایسا کرنے سے سنت چھوڑنے کا گناہ ضرور ہوگا، اس لیے سنت پر عمل کرتے ہوئے پورے سر کا مسح کرنا چاہیے تاکہ ترکِ سنت پر مداومت نہ ہو۔

والدلیل علیٰ ذلک:

والمفروض في مسح الرأس مقدار الناصية، كذا في الهداية، والمختار في مقدار الناصية ربع الرأس، كذا في الاختيار شرح المختار. (۱)

ترجمہ:

سر کے مسح میں مقدار ناصیہ فرض ہے۔ ہدایہ میں بھی اسی طرح ہے، اور مقدار ناصیہ کے بارے میں مختار قول سر کا چوتھائی حصہ ہے۔ اختیار شرح المختار میں بھی اسی طرح ہے۔

وإن داوم علىٰ ترك استيعاب الرأس بغير عذر يأثم، كذا في القنية. (۲)

ترجمہ:

اور اگر کوئی بغیر کسی عذر کے پورے سر کا مسح ہمیشہ چھوڑ دے تو گناہ گار ہوگا۔ اسی طرح قنیہ میں ہے۔

❁❁❁❁❁

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة، الباب الأول في الوضوء، الفصل الثاني في سنن الوضوء: ۱/۵

(۲) الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة، الباب الأول في الوضوء، الفصل الثاني في سنن الوضوء: ۱/۷

فصل فی نواقض الوضوء

(وضو کے نواقض یعنی توڑنے والی چیزوں کا بیان)

مذی کے تسلسل کو روئی وغیرہ سے روکنا

سوال نمبر (175):

بیوی کے ساتھ بغیر جماع کے محض دل لگی اور بوس وکنار سے جو مذی نکل جاتی ہے، اس سے کپڑے اور بدن کے ناپاک ہونے کا خطرہ بھی ہے اور ہر وقت بے وضو ہونے کا ڈر بھی۔ اگر مذی کو نکلنے سے روکنے کے لیے کوئی کپڑا یا روئی وغیرہ رکھ دی جائے تو کیا اس کے ساتھ وضو برقرار رہ سکے گا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ سبیلین سے کوئی چیز نکلے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، چاہے وہ بول و براز ہو یا مذی اور ودی وغیرہ ہو، لیکن اگر کوئی شخص مذی یا ودی کے نکلنے اور بہنے کو کپڑے یا روئی وغیرہ سے روک کر وضو کرلے تو اس کا یہ وضو اس وقت تک برقرار رہے گا جب تک روئی اور کپڑے کے ظاہری سطح پر تری نہ دیکھ لے یا روئی اور کپڑا اٹھانے کے بعد اس پر تری نظر نہ آئے۔ اگر تری نظر آگئی تو اس وقت سے وضو ٹوٹنے کا حکم لگایا جائے گا۔ اس کے بعد نماز پڑھنا درست نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

رجل به سلس البول فجعل القطنة في ذكره، ومنعه من الخروج، وهو عالم أنه لولم يحبسه ظهر البول، فأخرج القطن وعليها بلة، فهو محدث عندساعة أخرج القطن، وعليه الفتویٰ.(١)

ترجمہ: ایک شخص جس کو سلس البول کا عارضہ لاحق ہو اور اس نے اپنی شرمگاہ میں روئی رکھ کر (قطرات کو) نکلنے سے روک دیا، جب کہ وہ جانتا ہے کہ اگر وہ اس کو نہ روکے تو پیشاب (کا کوئی قطرہ نکل کر) ظاہر ہو جائے گا۔ پس جب اس نے روئی نکال کر دیکھی تو اس پر تری (موجود) تھی تو یہ اس وقت سے بے وضو شمار ہوگا جس وقت سے روئی

(١)الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الثاني في بيان مايوجب الوضوء:١/ ٩٠

ہٹا کر نکال دی تھی اور اسی پر فتویٰ ہے۔

❁❁❁

چلتی گاڑی میں بیٹھے بیٹھے سونے سے وضو کا حکم

سوال نمبر (176):

گاڑی میں سفر کرتے ہوئے اگر کوئی اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے سو جائے اور اس کی مقعد اچھی طرح سیٹ پر ٹکی رہے تو اس سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں ؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

گاڑی میں بیٹھنے کی حالت میں اگر مقعد پوری طرح سیٹ کے ساتھ پیوست ہو اور سو جائے تو اس کی یہ نیند ناقضِ وضو نہیں، اگر چہ گہری نیند سویا ہو، خاص طور پر جب سڑک بھی ہموار ہو۔ لیکن اگر آگے یا پیچھے ٹیک لگائے اور اس کی مقعد سیٹ سے اُٹھ جائے تو اِس طرح سونے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

والدلیل علیٰ ذلک:

ولاینقض نوم القائم والقاعد، ولوفي السرج، أو المحمل، ولاالراكع ولاالساجد مطلقا إن كان في الصلوة، وإن كان خارجها فكذلك...... وإذا نام راكباعلىٰ دابة، والدابة عريان، فإن كان في حالة الصعود والاستواء لاينتقض وضوءه.(۱)

ترجمہ:

نہ کھڑے شخص کی نیند ناقضِ وضو ہے اور نہ بیٹھے شخص کی، اگر چہ وہ زین یا کجاوے پر کیوں نہ ہو، نہ رکوع کرنے والے کی اور نہ سجدہ کرنے والے کی نیند سے وضو ٹوٹتا ہے، چاہے وہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر، مطلقاً اس کی نیند ناقض وضو نہیں۔ اور جب سواری (کے جانور) پر سویا ہو، سواری ننگی پیٹھ ہو اور چڑھائی چڑھ رہی ہو یا ہموار زمین میں چل رہی ہو تو اس کی نیند (بھی) ناقض وضو نہیں۔

❁❁❁

(۱) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطهارة، باب في الوضوء، فصل في نواقض الوضوء: ۱/۱۲

گرمی دانے ٹوٹنے سے وضو کا حکم

سوال نمبر(177):

گرمی دانے (پت) کے توڑنے یا ٹوٹنے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ نیز پھوڑے پھنسی کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

پھوڑے پھنسی یا گرمی دانے (پت) کے ساتھ کپڑا لگنے، اس کو ملنے یا دبانے سے اگر پانی نکل آئے اور اپنی جگہ سے تجاوز کرے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ اگر خود بخود ٹوٹ جائے اور پانی/ پیپ وغیرہ اپنی جگہ سے تجاوز کر جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ایسے ہی کسی زخم سے خون یا پیپ اس طرح نکلے کہ وہ زخم سے متجاوز ہو کر بہنے لگے یا بار بار تھوڑی گندگی ظاہر ہو اور اس کو کپڑے سے صاف کرتا رہے، تو بار بار صاف کی گئی گندگی اگر بہنے کے قابل ہو تو بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے، البتہ اگر وہ بہنے کے قابل نہ ہو تو وضو قائم رہتا ہے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

وإن قشرت نفطة، وسال منهاماء أوصديد أوغيره إن سال عن رأس الجرح نقض، وإن لم يسل لاينقض. هذا إذاقشرها فخرج بنفسه، أماإذاعصرها، فخرج بعصره، لاينقض؛ لأنه مخرَج و ليس بخارج ...ذكر محمدؒ في الأصل: إذاخرج من الجرح دم قليل، فمسحه، ثم خرج أيضا، ومسحه، فإن كان الدم بحال لو ترك ماقدمسح منه سال، انتقض وضوءه، وإن كان لايسيل لاينتقض وضوءه.(۱)

ترجمہ: آبلہ اگر پھوڑ دیا جائے اور اس سے پانی یا پیپ وغیرہ نکل آئے، اگر یہ (پانی وغیرہ) زخم کی جگہ سے بہہ جائے، تو وضو ٹوٹ جائے گا، ورنہ نہیں۔ یہ حکم اس وقت ہے جب آبلہ پھوڑنے کے بعد اس سے مواد خود بخود نکل آئے چنانچہ اگر (مواد خود نہ نکلے بلکہ) اس کے نچوڑنے کی وجہ سے اس کا مواد نکل آئے تو وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ یہ نکالا گیا ہے، نکلا نہیں.....امام محمدؒ نے مبسوط میں ذکر کیا ہے کہ جب زخم سے تھوڑا خون نکل آئے اور اس کو پونچھ لے، پھر نکلے اور پھر پونچھ لے تو اس خون کو اس طرح اگر اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاتا اور نہ پونچھنے کے باوجود نہ بہتا تو وضو نہیں ٹوٹتا اور اگر بہنے کے قابل ہوتا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة، باب في الوضوء، فصل في نواقض الوضوء: ۱/۱۱

ودی کے قطرات کا تسلسل سے آنا

سوال نمبر(179):

پیشاب سے فارغ ہونے کے کچھ دیر بعد ودی کے جو قطرات وقفہ وقفہ سے آتے رہتے ہیں، تو کیا ان سے ہر دفعہ وضو کرنا ضروری ہے یا ایک دفعہ وضو کرنا کافی ہے۔؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ایک مرتبہ وضو کرنے کے بعد ودی کے قطرات اگر دوبارہ آجائیں تو ان سے پہلا وضو ٹوٹ جائے گا، دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے، البتہ اگر کسی ایک نماز کے کامل وقت میں قطرات ایسے تسلسل کے ساتھ جاری رہیں کہ فرض نماز پڑھنے کا وقت نہ ملے تو یہ معذور ہونے کی وجہ سے ہر نماز کے وقت کے لیے نیا وضو کر کے وقت کے اندر اُس سے فرض ونفل سب نمازیں پڑھ سکتا ہے۔اور جب تک ہر نماز کے وقت میں کم از کم ایک مرتبہ یہ عذر لاحق ہوتا رہے یہ معذور رہے گا۔

والدلیل علیٰ ذلک:

المستحاضة ومن به سلس البول أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو رعاف دائم أو جرح لا يرقا يتوضؤن لوقت كل صلوة ويصلون به في الوقت ما شاؤوا من فرض ونفل ويبطل بخروجه فقط... والمعذور من لا يمضي عليه وقت صلوة إلّا والذي ابتلي به يوجد فيه.(١)

ترجمہ:

مستحاضہ عورت اور وہ شخص جس کو سلسل البول (قطرے بہنے) کی بیماری ہو یا جس کو اسہال ہو یا غیر اختیاری ہوا خارج ہوتی ہو یا مسلسل ناک سے خون بہتا ہو یا ایسا زخم ہو جو مندمل نہ ہوتا ہو تو یہ لوگ ہر نماز کے وقت کے لیے وضو کریں گے، اور اسی وضو سے وقت کے اندر جتنا چاہے فرائض ونوافل پڑھ سکتے ہیں۔اور (یہ وضو) صرف وقت کے نکلنے سے باطل ہوتا ہے۔۔۔۔اور معذور وہ شخص ہے جس پر کسی فرض نماز کا وقت ایسی حال میں نہ گزرے کہ جس بیماری میں وہ مبتلا ہے وہ اُس میں نہ پائی جائے (یعنی ہر نماز کے وقت میں اسے حدث لاحق ہو رہا ہو۔)

❁❁❁

(١) ملتقى الأبحر متن مجمع الأنهر، كتاب الطهارة: ١/٥٧

وضو کے دوران دانتوں سے خون نکلنا

سوال نمبر (180):

میں جب بھی وضو کرتا ہوں، میرے دانتوں سے خون نکلتا ہے، خون بند ہونے کا انتظار کر کے جب دوبارہ وضو شروع کرتا ہوں تو پھر خون جاری ہو جاتا ہے۔کبھی کبھی تو تین چار مرتبہ ایسا ہوتا ہے۔جب بھی تھوکتا ہوں، اس میں اکثر خون ہوتا ہے،کبھی نماز کے دوران خون نکل جانے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ایسی حالت میں میرے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

وضو کرتے وقت منہ میں پانی ڈالنے یا مسواک کرنے سے اگر بار بار خون آنے کا خطرہ ہو تو کلی کیے بغیر وضو کر لینا چاہیے، اس لیے کہ وضو میں کلی اور مسواک کرنا سنت ہے جس کے رہ جانے کی صورت میں بھی وضو ہو جاتا ہے، البتہ اگر کسی ایک نماز کے پورے وقت میں خون مسلسل جاری رہے اور صرف فرض نماز پڑھنے کا وقت بھی نہ ملے تو ایسے شخص کو شرعاً معذور سمجھ کر ہر نماز کے وقت کے لیے نیا وضو کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

والدلیل علیٰ ذلک:

قوله:(وهما سنتان مؤكدتان) فلو تركهما أثم على الصحيح، سراج. قال في الحلية: لعله محمول علىٰ ماإذاجعل الترك عادة له من غير عذر.(۱)

ترجمہ:

مضمضہ اور استنشاق (کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا) دونوں سنت مؤکدہ ہیں اگر ان کو چھوڑ دیا تو صحیح قول کے مطابق گنہگار ہوگا۔حلیہ میں ہے کہ کراہت کا قول اس وقت ہو، جب کلی کے ترک کو بغیر عذر کے معمول بنالے۔

❁❁❁

---

(۱) ردالمحتار علیٰ الدرالمختار، کتاب الطھارۃ، مطلب: في منافع السواك: ۱/ ۲۳۶، ۲۳۷

وضوٹوٹ جانے کے باوجود نماز جاری رکھنا

سوال نمبر (181):

دوران نماز وضوٹوٹ جائے، لیکن شرم وحیا کی وجہ سے اسی حالت میں نماز پوری کردی جائے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نماز کے دوران اگر وضوٹوٹ جائے تو ایسی ہیئت اختیار کر کے نماز سے نکلے کہ لوگ بادی النظر میں یہ سمجھیں کہ شاید نکسیر پھوٹنے کی وجہ سے وضوٹوٹا ہے اور وضو کر کے واپس اپنی جگہ آکر نماز مکمل کرے، وضوٹوٹ جانے کے بعد ایسی حالت میں نماز پڑھنا سخت گناہ ہے۔قصداً عمداً بلا وجہ بے وضو نماز پڑھنا موجب کفر ہے، البتہ اگر شرم وحیا کی وجہ سے بے وضو نماز مکمل کرلی ہے تو اس سے کفر تو لازم نہیں آتا، لیکن اس گناہ سے توبہ کرے اور نماز کا اعادہ کرے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

وعن ابن عمرؓ قال:قال رسول الله ﷺ :"لاتقبل صلوة بغير طهور"قال صاحب المرقاة:ولو صلىٰ بغير طهارة متعمدا يكفر؛ ولأن ذلك يحرم لكل حال فيكون مستخفًا...... ولو صلى بغيرطهارة حياء أورياء، أو كسلا فهل يكون مستخفا أم لا؟ محل بحث، والأظهرفي المستحي أن لايكون مستخفا بخلاف الآخرين. (۱)

ترجمہ:

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:" بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی" صاحبِ مرقاۃ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ:"اگر عمداً بغیر طہارت کے نماز پڑھ لی تو کافر ہوجائے گا، کیونکہ بغیر طہارت کے نماز پڑھنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں، پس یہ نماز کو حقیر سمجھنے والا شمار ہوگا اور اگر کہیں حیا، ریا یا سستی کی وجہ سے بغیر طہارت کے نماز پڑھ لی تو کیا یہ استخفاف (حقیر جاننا) شمار ہوگا یا نہیں؟ یہ محل نظر ہے، ظاہر یہ ہے کہ حیا اور شرم کی وجہ سے اس طرح نماز پڑھنے والا تو مستخف نہیں ہوگا، لیکن ریا اور سستی کی وجہ سے ایسا کرنے والا حقیر سمجھنے والا شمار ہوگا"

(۱)القاري، علي بن سلطان محمد، مرقاة المفاتيح، كتاب الطهارة، باب مايوجب الوضوء، الفصل الاول، حديث رقم:(۳۰۱):۲/۳۱، المكتبة الحقانية، پشاور

نسوار اور سگریٹ کے استعمال سے وضو کا حکم

سوال نمبر (182):

نسوار کھانے اور سگریٹ پینے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نسوار اور سگریٹ دونوں تمباکو سے بنائے جاتے ہیں، تمباکو چونکہ پودوں (نباتات) کی ایک قسم ہے، اس لیے عام طور پر اس کے استعمال کو مباح سمجھا جاتا ہے اس میں اتنا نشہ نہیں ہوتا جس سے وضو ٹوٹ جائے، کیونکہ وضو ایسی نشہ آور چیز کے استعمال سے ٹوٹتا ہے جس سے انسان پر بے ہوشی طاری ہوجائے یا اس کے حواس کو اس طرح متاثر کردے کہ اس کی گفتگو اور دیگر افعال اور حرکات وسکنات میں توازن برقرار نہ رہے۔ نسوار اور سگریٹ میں حواس چونکہ اس قدر متاثر نہیں ہوتے، اس لیے ان کے استعمال سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ البتہ ان کا مسلسل استعمال اسراف اور مضر صحت ہونے سے خالی نہیں، اس لیے ان دونوں کے استعمال سے گریز کرنا چاہیے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

قوله:(وسكر)أي وينقضه سكر:وهو سرور يغلب على العقل بمباشرة بعض الأسباب الموجبة له، فيمتنع الإنسان عن العمل بموجب عقله من غير أن يزيله، ولذابقي أهلاً للخطاب......وقد اختلف في حده هنا ففي الخلاصة ... أن حده هو حدّه في وجوب الحد وهومن لايعرف الرجل من المرأة. وقال شمس الائمة الحلوانيؒ:هومن حصل في مشيته اختلال، وصححه في المجتبى وشرح الوقاية.(۱)

ترجمہ: اور نشہ بھی وضو کو توڑ دیتا ہے۔ نشہ ایک سرور ہے جو نشہ آور اشیا کے استعمال سے پیدا ہو کر عقل کو مغلوب کردیتا ہے، جس کی وجہ سے انسان عقل کے مقتضیٰ پر عمل نہیں کرسکتا، یہ عقل کو مکمل طور پر زائل نہیں کرتا، اس لیے بندہ خطابِ الٰہی کا اہل رہتا ہے۔ پھر اس کی حد میں علماء کا اختلاف ہے، خلاصہ وغیرہ کتابوں میں ہے کہ اس (ناقضِ وضو نشہ) کی حد وہی ہے جو وجوبِ حد کے لیے ہے۔ اور وہ یہ کہ جو مرد اور عورت میں تمیز نہ کرسکے۔ جب کہ شمس الائمہ حلوائیؒ فرماتے ہیں کہ: ''نشہ کی حد یہ ہے نشہ کرنے والے کی چال میں خلل آجائے، مجتبیٰ اور شرح الوقایہ میں اسی قول کو صحیح قرار

(۱) البحر الرائق، کتاب الطهارة، قوله:(وسكر):۱/۷۷

دیا گیا ہے۔"

❁❁❁

زخم کی پٹی پر خون کا ظاہر ہونا

سوال نمبر(183):

زخم پر پٹی باندھنے کے بعد اگر پٹی کے اوپر خون کے دھبے یا اثرات ظاہر ہو جائیں تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

پٹی کی مختلف اقسام ہیں۔اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر پٹی باریک ہو اور روئی کے بغیر زخم کے اوپر باندھ لی گئی ہو تو اس صورت میں خون کے دھبوں کے ظاہر ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ اگر وہ تری زخم کی جگہ سے سرایت کر جائے تو پھر وضو ٹوٹتا ہے اور اگر پٹی موٹی ہو یا پٹی باریک ہو، لیکن اس میں روئی وغیرہ اس طور پر رکھی گئی ہو جس سے خون بآسانی باہر نہ نکلتا ہو تو اس صورت میں خون اگر پٹی کے اوپر ظاہر ہو جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا، کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خون بہہ کر زخم کی جگہ سے تجاوز کر چکا ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

ولو كانت جراحة فربطها، فابتلّ ذلك الرباط، إن نفذ البلل إلى الخارج نقض الوضوء، وإلّا فلا.(۱)

ترجمہ:

اگر کسی نے زخم پر پٹی باندھی اور وہ پٹی تر ہو گئی، اگر تری باہر تک آ گئی تو وضو ٹوٹ جائے گا، ورنہ نہیں۔

❁❁❁

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة، الباب الخامس في المسح على الخفين، الفصل الثاني في نواقض المسح:۱/۳۶

زخم سے نکلے ہوئے خون کو پونچھنا

سوال نمبر(184):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کے زخم سے خون نکلے اور اس کو ہاتھ وغیرہ سے پونچھ لے، حالانکہ خون نے مذکورہ زخم سے تجاوز نہ کیا ہو تو ایسی صورت میں وضو کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر زخم سے خون نکل کر بہنے لگے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، تاہم اگر کسی شخص کے زخم سے خون ظاہر ہوا، اور اس نے پونچھ کر کے خون کو صاف کیا، پھر اس کے بعد خون ظاہر نہ ہوا اور یہ خون اتنی قلیل مقدار میں تھا کہ وہ بہنے والا نہ تھا، تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، لیکن اگر خون نکلتا رہا اور وہ اس کو مسلسل پونچھتا رہا تو دیکھا جائے کہ یہ خون اگر اتنی مقدار تک پہنچا ہو کہ خود بہنے کے قابل ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا، اور اگر بہنے کے بقدر نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

والدلیل علیٰ ذلک:

ذكر محمدؒ في الأصل إذا خرج من الجرح دم قليل فمسحه، ثم خرج أيضا ومسحه، فإن كان الدم بحال لوترك ماقد مسح منه سال انتقض وضوئه، وإن كان لايسيل لا ينتقض وضوئه، وكذلك إن ألقىٰ عليه رمادا، أو ترابا، ثم ظهرثانياً وتربه، ثم وثم، فهو كذلك يجمع كله. كذا في الذخيره. (١)

ترجمہ:

امام محمدؒ نے اصل میں ذکر کیا ہے کہ اگر کسی کے زخم سے تھوڑا سا خون نکلا اور اس کو پونچھا، پھر نکلا اور پونچھا تو اگر خون اتنا تھا کہ جو پونچھا ہے اگر اسے نہ پونچھتا تو وہ بہہ جاتا تو اس صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر اتنا تھا (کہ نہ پونچھتا تو نہ بہتا) تو وضو نہ ٹوٹے گا۔ اور یہی حکم اس صورت میں ہے جب زخم سے تھوڑا سا خون نکلا اور اس نے راکھ یا مٹی ڈال دی، خون پھر ظاہر ہوا تو اس نے پھر ایسا ہی کیا، ایسا کئی بار کیا تو اس صورت میں بھی یہی دیکھا جائے گا کہ اگر کل جمع ہوتا تو بہتا یا نہ بہتا۔ اسی طرح ذخیرہ میں ہے۔

❁❁❁

(١) الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة، الباب الأول في الوضوء، الفصل الخامس في نواقض الوضوء: ١/١١

مسواک یا کوئی چیز چبانے سے خون نظر آنا

سوال نمبر (185):

مسواک کرنے کے بعد اگر مسوڑے سے خون نکل آئے یا کوئی چیز چبا رہا ہو اور خون نکل آئے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ نیز قے میں خون آنے کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر کسی شخص کے بدن کے کسی بھی حصے سے خون نکل کر بہنے لگے تو اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے، تاہم جو شخص مسواک کر رہا ہو یا کوئی چیز چبا رہا ہو اور اس نے خون دیکھ لیا تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا جب تک کہ وہ خون بہنا شروع نہ کر دے۔ اگر خون بہنا شروع ہوا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ نیز اگر آدمی تھوڑا سا قے کرے اور اس میں خون آجائے تو چاہے خون سر سے آیا ہو یا پیٹ سے، جب تک اس میں سیلان نہ پایا جائے، وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور اگر خون کا لوتھڑا نہ ہو، بلکہ بہنے کی حالت میں ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا، البتہ اگر منہ بھر کے قے کر لے تو چاہے خون کی جمی ہوئی صورت ہو یا بہہ رہا ہو، بہر صورت وضو ٹوٹ جائے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

المتوضيء إذا عض شيئا فوجد فيه أثر الدم، أو استاك بسواك، فوجد فيه أثر الدم لاينتقض مالم يعرف السيلان،...... وإن قاء دما إن كان سائلا نزل من الرأس ينقض اتفاقا، وإن كان علقا لاينقض اتفاقا، وإن صعد من الجوف إن كان علقا لاينقض اتفاقا إلا أن يملأ الفم، وإن كان سائلا فعلىٰ قول أبي حنيفة ينقض وإن لم يكن ملأ الفم، كذا في شرح المنية .(۱)

ترجمہ:

باوضو شخص نے کسی چیز کو دانتوں سے چبایا اور اس میں خون کا اثر پایا، یا مسواک کیا اور اس میں خون کا اثر معلوم ہوا تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا جب تک کہ خون کا بہنا معلوم نہ ہو۔ اگر قے میں خون آیا تو اگر بہتا ہوا خون سر سے اترا ہے تو بالاتفاق وضو ٹوٹے گا اور اگر خون بستہ ہے تو بالاتفاق وضو نہیں ٹوٹتا۔ اگر معدے سے آیا ہے اور خون بستہ ہے تو

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب الأول في الوضوء، الفصل الخامس في نواقض الوضوء: ۱/۱۱

بالاتفاق وضو نہیں ٹوٹے گا، لیکن اگر منہ بھر کر ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا، اور اگر معدے سے آیا ہے اور خون بہتا ہوا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق وضو ٹوٹ جائے گا، اگرچہ منہ بھر کر نہ ہو۔

❁❁❁

وضو کے دوران ستر کھل جانے کا حکم

سوال نمبر(186):

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے ہاں عوام میں یہ مسئلہ مشہور ہے کہ اگر کوئی عورت کسی مرد کے سامنے وضو کرے تو یہ وضو نہیں ہوتا، کیونکہ اس کے اعضا مرد کے سامنے کھلے تھے۔ اسی طرح بعض اوقات مرد کے گھٹنے ظاہر ہو جائیں تو لوگ کہتے ہیں کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا۔ شریعت میں اس کی کیا حیثیت ہے؟ وضاحت کے ساتھ جواب مطلوب ہے۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر وضو کرتے وقت مرد یا عورت کا کسی کے سامنے جسم کا وہ حصہ ظاہر ہو جائے جس کا چھپانا عام حالات میں واجب ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ یہ وضو توڑنے والے اسباب میں سے کوئی سبب نہیں ہے۔ حضرت تھانویؒ اغلاط العوام میں لکھتے ہیں: ''یہ بھی مشہور ہے کہ کسی کا ستر کھلا ہوا نظر پڑنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، سو یہ محض غلط ہے''۔ تاہم ستر کا ظاہر کرنا حرام ہے، جس سے اجتناب ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

منها:مايخرج من السبيلين من البول، والغائط، والريح الخارجة من الدبر، والودي، والمذي، والمني، والدودة، والحصاة.(١)

ترجمہ:

جو چیز دونوں راستوں میں سے کسی ایک سے نکلے، جیسا کہ پیشاب، پاخانہ، ہوا جو پاخانہ کے مقام سے نکلے، ودی، مذی، منی، کیڑا اور پتھری، تو یہ وضو توڑنے والے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

(١) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطهارة، الباب الأول في الوضوء، الفصل الخامس في نواقض الوضوء: ٩/١

کھانسنے سے وضوٹوٹنا

سوال نمبر(187):

جب میں کھانستی ہوں تو پیشاب نکلتا ہے،اور یہ شکایت اکثر سردیوں میں رہتی ہے۔اب میرے لیے کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگرکوئی شخص ایسی بیماری میں مبتلا ہوکہ کسی فرض نماز کے وقت مسلسل عذرلاحق ہوتا ہے اور اِسے اتناوقت نہ ملے جس میں فرض نماز باوضوادا کرسکے تو یہ شرعی لحاظ سے معذور سمجھا جاتا ہے۔معذور کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ وہ ہرفرض نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد وضو کرے،اس وضو کے ساتھ فرض،نفل سب عبادات پڑھ سکتا ہے،تاہم خروجِ وقت کے بعد اس کا وضوٹوٹ جاتا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر کھانسی کا مرض ایسا ہوجس کی وجہ سے مریضہ ایک نماز کے وقت میں مسلسل باوضورہے تو معذور شمار ہوگی،ورنہ نہیں۔حالتِ عذر میں دخولِ وقت کے بعد وضوکرکے تمام فرائض اور نوافل ادا کرسکتی ہے،اور جب وقت خارج ہوجائے تو وضوٹوٹ جائے گا۔عذر کے احکام اس وقت تک ہوں گے جب تک ایک نماز کا پوراوقت اس حالت میں گزرجائے کہ اُس میں یہ عذر بالکل لاحق نہ ہو۔

والدّلیل علی ذلک:

لا یصیر معذورا حتیٰ یستوعبه العذر وقتا کاملا لیس فیه انقطاع بقدر الوضوء والصلوۃ وهذا شرط ثبوته وشرط دوام العذر وجوده في كل وقت بعد ذلك ولو مرة وشرط انقطاعه خروج صاحبه عن كونه معذورا خلو وقت كامل عنه. (۱)

ترجمہ: (بیمار) اُس وقت تک معذور متصور نہیں ہوگا جب تک اُس کا عذر ایک پورے وقت کو اس طرح نہ گھیر لے کہ اس میں وضو اور نماز کے بقدر وقفہ بھی نہ آئے۔یہ عذر کے ثبوت کے لیے شرط ہے اور پھر عذر کے دوام کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کے بعد (یہ عذر) ہر وقت میں کم از کم ایک مرتبہ پایا جاتا رہے۔اور پھر عذر کے ختم ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ ایک پوراوقت اِس عذر سے خالی گزرجائے۔

(۱) نورالا یضاح: ص ۵۱

ودی نکلنے کی صورت میں وضو کا حکم

سوال نمبر(188):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر عضو خاص میں انتشار ہو، مگر مکمل یقین نہ ہو کہ ودی نکلی ہوگی، کیا اس شک کی بنا پر عضو کا جائزہ لینا چاہیے کہ شاید نکل گئی ہو یا جب تک یقین نہ ہو تو وضو قائم رہے گا، اگر مکمل یقین نہ ہو اور شک بھی زیادہ ہو تو وضو دوبارہ کر لینا بہتر ہے یا اس وضو سے نماز پڑھنی چاہیے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ شریعت مطہرہ کی رُو سے جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، من جملہ ان میں سے مذی اور ودی کا نکلنا بھی ہے۔ مذی وہ سفید گاڑھا پانی ہے جو شہوت کے وقت نکلتا ہے۔ اور ودی وہ گاڑھا پانی ہے جو پیشاب کے بعد نکلتا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر عضو خاص میں انتشار ہو تو اس وقت مذی نکلنے کا امکان ہوتا ہے، ودی نکلنے کا نہیں، کیونکہ ودی پیشاب کے بعد نکلتا ہے، البتہ وضو ٹوٹنے کے لیے اس بات کا یقین ضروری ہے کہ مذی نکل آئی ہے، صرف شک ہونے پر وضو کی تجدید ضروری نہیں، البتہ شک کے ازالہ کے لیے اگر کوئی وضو کرے تو بہتر ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

قال:(ولیس في المذي والودي غسل وفیهما الوضوء) لقوله ﷺ: كل فحل يمذي وفيه الوضوء والودي الغليظ من البول يتعقب الرقيق منه خروجا، فيكون معتبرا به .(١)

ترجمہ:

مذی اور ودی میں غسل نہیں، ان دونوں میں وضو ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہر مرد سے مذی نکلتی ہے، اور اس میں وضو ہے۔ اور ودی درحقیقت گاڑھا پیشاب ہوتا ہے جو باریک پیشاب کے بعد نکلتا ہے، لہٰذا اس کا حکم پیشاب کا ہوگا۔

(١)الهداية، كتاب الطهارات، قبيل باب الماء الذي يجوز به الوضوء:١/٣٣

وضو کرنے کے بعد ٹوٹنے کا وہم ہونا

سوال نمبر (189):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی وضو کرتا ہے اور وضو مکمل کرنے کے بعد اسے وہم ہوتا ہے کہ میرا وضو ٹوٹ گیا یا یہ وہم ہوتا ہے کہ میرے کپڑوں پر پیشاب کے قطرے پڑ گئے ہیں، اس وجہ سے بار بار وضو کرنا پڑتا ہے۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق اگر کوئی شخص وہم کی بیماری میں مبتلا ہو، جیسے: کسی کو وضو کے بعد یہ وہم ہوتا ہے کہ میرا وضو ٹوٹ گیا یا یہ کہ میرے کپڑوں پر پیشاب کے قطرے پڑ گئے تو ایسے توہمات کی وجہ سے اس کے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑتا جب تک وضو توڑنے والا کوئی یقینی سبب موجود نہ ہو۔

صورتِ مسئولہ میں نہ ہی وضو توڑنے والا کوئی سبب موجود ہے اور نہ ہی حقیقی نجاست کہ جس سے کپڑوں کی نجاست کا حکم لگایا جائے، اس لیے نہ وضو ٹوٹے گا اور نہ ہی کپڑے ناپاک متصور ہوں گے۔

والدّلیل علی ذلک:

شك في بعض وضوئه أعادما شك فيه لوفي خلاله ولم يكن الشك عادة له، وإلا لا.(۱)

ترجمہ:

وضو کرنے والے کو کسی عضو کے ترک کا شک ہو جائے تو اگر یہ شک وضو کے درمیان میں ہوا ہو اور شک ہونا اس کی عادت نہ ہو تو اس عضو کو دوبارہ دھوئے اور اگر شک میں مبتلا ہونا اس کی عادت ہو تو اس پر اعادہ نہیں۔

❁❁❁

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، في آخر مطلب نوم الأنبياء غيرناقض:۱/۲۸۳

فصل فی متفرقات الوضوء

(وضو کے متفرق مسائل کا بیان)

آیت کریمہ کا بغیر وضو کے چھونا

سوال نمبر (190):

مصحف قرآنی کے علاوہ اگر کسی کتاب یا الگ ورقہ (کاغذ) پر کلام پاک کی چند آیات لکھی گئی ہوں، تو کیا اس کا بغیر وضو چھونا جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جس طرح قرآن مجید کو بے وضو ہونے کی حالت میں ہاتھ لگانا جائز نہیں، اسی طرح اگر مصحف کے علاوہ کسی کتاب یا کاغذ پر قرآن کی آیات لکھی ہوئی ہوں تو جہاں آیت لکھی ہے اس جگہ کو بھی بغیر وضو کے چھونا جائز نہیں، البتہ آیت کی لکھائی کو ہاتھ لگائے بغیر اس کتاب یا کاغذ کو چھونا اور اٹھانا جائز ہے، تاہم اگر پوری آیت نہ ہو تو اس کو بلا کراہت چھونے کی گنجائش ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

(و) یحرم (به) أي بالأكبر (وبالأصغر) مس مصحف: أي مافيه آية، كدرهم وجدار قال ابن عابدين: قوله:(مافيه آية)...... لكن لايحرم في غيرالمصحف إلا بالمكتوب:أي موضع الكتابة...... وقيد بالآية؛ لأنه لو كتب مادونها لايكره مسه.(۱)

ترجمہ:

حدث اکبر یا حدث اصغر میں مصحف (قرآن) کو چھونا حرام ہے، یعنی جس میں آیت لکھی گئی ہو، جیسے: درہم اور دیوار۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: ’’مصحف قرآنی کے علاوہ (اگر کسی دوسری چیز پر کوئی آیت لکھی گئی ہو، تو) صرف لکھائی کی جگہ کو چھونا ناجائز ہے اور آیت کی قید کا مطلب یہ ہے کہ اگر آیت سے کم لکھا گیا ہو تو اس کا چھونا مکروہ نہیں‘‘۔

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الطهارة:۱/۳۱۵

کاتب کا بغیر وضو کے قرآن یا کوئی آیت لکھنا

سوال نمبر(191):

کاتب کے لیے قرآن پاک بغیر وضو کے لکھنا کیسا ہے؟ اگر عام لکھائی کے دوران کہیں آیت آجائے تو اس کا بے وضو لکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مصحفِ قرآنی ہو یا کسی بھی جگہ لکھی ہوئی آیتِ کریمہ، اُس کو بغیر وضو کے چھونا جائز نہیں۔ جہاں تک بے وضو ہو کر قرآن یا آیت لکھنے کا مسئلہ ہے، تو اگر چہ بعض اقوال میں قلم کو درمیانی واسطہ قرار دے کر اس کو جائز قرار دیا گیا ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ قرآن پاک کی آیت بغیر وضو کے نہ لکھا جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولاتکتب الحائض القران، ولاالکتاب الذي في بعض سطوره آیة من القرآن وإن لم تقرء..... وقال القدوري: یجوز. قال في الفتح: وهو أقیس؛ لأنه ماس بالقلم وهو واسطة منفصلة، فکان کثوب منفصل إلاأن یمسه بیده.(۱)

ترجمہ: حائضہ عورت کے لیے نہ قرآن لکھنا جائز ہے اور نہ ایسی کوئی کتاب (عبارت) جس کا بعض سطروں میں آیت قرآنی ہو، اگر چہ اس کو نہ پڑھے..... صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ: ''جائز ہے''، فتح میں کہا ہے کہ یہی قول قیاس سے زیادہ موافق ہے، کیونکہ وہ قلم سے اس کو چھو رہا ہے اور قلم ایک الگ واسطہ ہے۔ پس اس کی مثال الگ اور جدا کپڑے کی ہے۔ الا یہ کہ ہاتھ سے بلا واسطہ چھوئے (تو یہ سب کے نزدیک جائز نہیں)۔

❁❁❁

حفظ کے طلبہ کا بار بار وضو کرنا

سوال نمبر(192):

حفظ کے طالب علم صبح سے شام تک تلاوت میں مشغول رہتے ہیں، اسباق کے پورے دورانیہ میں ان کا باوضو رہنا مشکل ہوتا ہے، کیا وضو ٹوٹ جانے کے بعد بار بار وضو کرنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا

(۱) ابن عابدین، محمدأمین، مجموعة رسائل ابن عابدین، الرسالة الرابعة: ۱/۱۱۳، سهیل اکیڈمي، لاهور

الجواب وباللہ التوفیق:

باوضو ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کرنا ایک مستحسن امر ہے، لیکن باوضو ہونا شرط نہیں اس لیے تلاوت کرتے وقت اگر قرآن پاک کو چھونے کی ضرورت نہ ہو تو وضو ٹوٹ جانے کے بعد ہر مرتبہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ اگر بالغ افراد کو قرآن اٹھانے یا کھول کر دیکھنے کی ضرورت ہو تو وضو کرنا ضروری ہے یا پھر کسی الگ کپڑے کے ذریعے قرآن مجید کو چھو سکتا ہے اور نابالغ بچے بے وضو قرآن کو چھو سکتے ہیں، تاہم مراہق کے لیے بطور عادت وضو کرنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

ويباح له قراءة القرآن، لماروي ان رسول الله ﷺ كان لايحجزه عن قراءة القرآن شيء إلا الجنابة. (١)

ترجمہ:

اور اس (بے وضو شخص) کو قرآن پڑھنے کی اجازت ہے، اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جنابت کے سوا کوئی چیز قرآن پاک پڑھنے سے نہیں روکتی تھی۔

قال في الدرالمختار: (ولا) يكره (مس صبيّ لمصحف ولوح) وفي ردالمحتار: أن الصبيّ غير مكلف، والظاهر أن المراد لا يكره لوليه أن يتركه يمس...... لابأس بأن يدفع البالغ المتطهر المصحف إلى الصبي...... قوله: (للضرورة) لأن في تكليف الصبيان، وأمرهم بالوضوء حرجًا بهم، وفي تأخيره إلى البلوغ تقليل حفظ القرآن. (٢)

ترجمہ:

صاحب درالمختار فرماتے ہیں کہ: ''نابالغ بچے کے لیے مصحف اور لوح قرآن کا چھونا مکروہ نہیں ہے'' ردالمحتار میں ہے کہ نابالغ بچہ مکلف نہیں ہے۔ اور ظاہراً اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ولی کے لیے مکروہ نہیں ہے کہ بچے کو قرآن چھونے دے...... اس میں کوئی حرج نہیں کہ بالغ باوضو شخص بچے کو قرآن دے دے...... مصنف کے قول (للضرورۃ) کا مطلب یہ ہے کہ نابالغ بچوں کو مکلف بنانے اور ان کو وضو کا حکم کرنے میں حرج ہے اور بلوغ تک تاخیر کرنے میں حفظ قرآن میں کمی واقع ہوگی۔

---

(١) بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في بيان ماينقض الوضوء، قبيل فصل في أحكام الغسل: ٢٦٦/١

(٢) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، مطلب: يطلق الدعاء على مايشمل الثناء: ٣١٦/١، ٣١٧

الجواب وباللہ التوفیق:

باوضو ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کرنا ایک مستحسن امر ہے، لیکن باوضو ہونا شرط نہیں اس لیے تلاوت کرتے وقت اگر قرآن پاک کو چھونے کی ضرورت نہ ہو تو وضو ٹوٹ جانے کے بعد ہر مرتبہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ اگر بالغ افراد کو قرآن اٹھانے یا کھول کر دیکھنے کی ضرورت ہو تو وضو کرنا ضروری ہے یا پھر کسی الگ کپڑے کے ذریعے قرآن مجید کو چھو سکتا ہے اور نابالغ بچے بے وضو قرآن کو چھو سکتے ہیں، تاہم مراہق کے لیے بطور عادت وضو کرنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

ويباح له قراءة القرآن، لماروي ان رسول الله ﷺ كان لايحجزه عن قراءة القرآن شيء إلا الجنابة.(١)

ترجمہ:

اور اس (بے وضو شخص) کو قرآن پڑھنے کی اجازت ہے، اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جنابت کے سوا کوئی چیز قرآن پاک پڑھنے سے نہیں روکتی تھی۔

قال في الدرالمختار:(ولا) يكره (مس صبيّ لمصحف ولوح) وفي ردالمحتار:أن الصبيّ غير مكلف، والظاهر أن المراد لا يكره لوليه أن يتركه يمس...... لابأس بأن يدفع البالغ المتطهر المصحف إلى الصبي...... قوله: (للضرورة) لأن في تكليف الصبيان، وأمرهم بالوضوء حرجًا بهم، وفي تأخيره إلى البلوغ تقليل حفظ القرآن.(٢)

ترجمہ:

صاحب درالمختار فرماتے ہیں کہ: ''نابالغ بچے کے لیے مصحف اور لوح قرآن کا چھونا مکروہ نہیں ہے'' ردالمحتار میں ہے کہ نابالغ بچہ مکلّف نہیں ہے۔ اور ظاہراً اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ولی کے لیے مکروہ نہیں ہے کہ بچے کو قرآن چھونے دے...... اس میں کوئی حرج نہیں کہ بالغ باوضو شخص بچے کو قرآن دے دے...... مصنف کے قول (للضرورۃ) کا مطلب یہ ہے کہ نابالغ بچوں کو مکلّف بنانے اور ان کو وضو کا حکم کرنے میں حرج ہے اور بلوغ تک تاخیر کرنے میں حفظ قرآن میں کمی واقع ہوگی۔

---

(١) بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في بيان ماينقض الوضوء، قبيل فصل في أحكام الغسل: ٢٦٦/١

(٢) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الطهارة، مطلب:يطلق الدعاء على مايشمل الثناء: ٣١٦/١، ٣١٧

باب الغسل والجنابة

(غسل اور جنابت کے احکام کا بیان)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

شریعتِ اسلامی میں نظافت وستھرائی کو خاص اہمیت حاصل ہے، اس لیے پورے جسم کی لازمی صفائی کے لیے بھی چند ایسے امور کو موجبِ غسل قرار دیا گیا جو عام طور پر لوگوں کو طبیعت کے موافق پیش آتے ہیں۔

قوتِ شہوانیہ کے پیدا ہونے اور اس پر عمل کرنے سے انسانی طبیعت وفطرت میں نفس وشیطان کی اطاعت اور ذکرِ الٰہی سے غفلت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، ساتھ ساتھ جسم میں انقباض، تنگی، کاہلی وکمزوری اور گھٹن سی محسوس ہوتی ہے، اس لیے شریعتِ مطہرہ نے طبیعت میں نشاط وسرور، بدن میں تحلیل شدہ قوتوں کی واپسی اور نفس میں بیداری اور روحانی میلان کی افزائش کے لیے غسل کو واجب قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ چند دیگر فوائد اور مصالح کے تحت بعض مواقع پر غسل کو سنت اور مستحب بھی قرار دیا گیا ہے۔(۱)

غسل کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

غسل (غین کے زبر اور پیش کے ساتھ) مصدر ہے، جس کے معنی دھونے اور نہانے کے ہیں اور غِسل (غین کے زیر کے ساتھ) اس پانی کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو دھویا جائے، تاہم فقہاءِ کرام نے غَسل اور غُسل میں فرق کیا ہے۔ ان کے ہاں پہلے لفظ کے معنی مطلقاً دھونے کے ہیں اور دوسرا لفظ اصطلاحی غُسل یعنی پورے بدن کے دھونے کو کہتے ہیں۔ جب کہ اصطلاحِ شریعت میں غسل کا معنی ہے:

"غسل البدن من جنابة و حيض و نفاس."

جنابت، حیض یا نفاس کی وجہ سے تمام بدن کو دھونا غسل کہلاتا ہے۔(۲)

غسل کی مشروعیت:

غسل کی مشروعیت قرآن وسنت ہر ایک سے ثابت ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا﴾

---

(۱) تھانوي، اشرف علي، احکامِ اسلام عقل کی نظرمیں، باب الغسل، ص:۳۸-۳۹، دارالإشاعت، کراچی

(۲) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل مايوجب الاغتسال، ص:۷۶

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ (البقرة:۲۲۲)

اور جب تک وہ (حیض سے) پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ۔

اور حدیث مبارک ہے:

"إذاجلس بين شعبها الاربع، ومس الختان الختان فقدوجب الغسل". (۱)

جب آدمی اپنی بیوی کے پاؤں اور رانوں کے مابین بیٹھ جائے اور ایک شرم گاہ دوسری شرم گاہ کو چھولے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

غسل کا حکم:

فقہائے کرام کے ہاں حکم کے اعتبار سے غسل چار قسم پر ہے: فرض، واجب، سنت اور مستحب۔ اس کے علاوہ بعض صورتوں میں خارجی اعتبارات، مثلاً: مقصد اور موقع کو دیکھتے ہوئے اباحت، کراہت اور حرمت کا قول بھی کیا جاسکتا ہے۔

(۱) فرض......: تین مواقع پر غسل کرنا فرض ہے: جنابت کے بعد اور حیض ونفاس کے ختم ہونے کے بعد۔

(۲) واجب......: میت کو غسل دینا واجب ہے۔ اسی طرح کافر شخص اگر جنابت کی حالت میں اسلام لائے تو اس پر بھی غسل کرنا واجب ہے۔

(۳) سنت......: نمازِ جمعہ، یوم عرفہ، عیدین اور احرام باندھنے کے لیے غسل کرنا سنت ہے۔

(۴) مستحب......: کافر شخص اگر غیر جنبی حالت میں مسلمان ہو جائے تو اس کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔ بعض مشائخ نے دخولِ مکہ، وقوفِ مزدلفہ اور دخولِ مدینہ منورہ کے لیے غسل کرنا بھی مستحب شمار کیا ہے۔ علامہ شرنبلالیؒ نے سولہ مواقع پر غسل کے استحباب کو ذکر کیا ہے۔ (۲)

غسل کے فرائض اور احکام:

غسل کا بنیادی رکن یہ ہے کہ جہاں تک بغیر حرج کے پانی پہنچانا ممکن ہو، وہاں تک پانی پہنچانا فرض ہے، لہٰذا

(۱) الصحيح للمسلم، كتاب الحيض، باب بيان أنّ الجماع كان في أول الاسلام......: ۱۵۶/۱

(۲) مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل يسنّ الاغتسال......ص: ۸۵-۸۷، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطهارة، الباب الثاني في الغسل، الفصل الثالث، واما انواع الغسل: ۱۶/۱، بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في احكام الغسل: ۲۷۲/۱

فقہائے کرام نے اسی قاعدے کو دیکھ کر تین اشیا کو فرض قرار دیا ہے:

(ا) جسم کے تمام ظاہری اعضا پر پانی بہانا (۲) کلی کرنا یعنی منہ میں پانی ڈالنا (۳) ناک میں پانی ڈالنا

نیز اسی قاعدے کو مدنظر رکھ کر غسل کے اہتمام کے لیے چند اور اشیا کو بھی ضروری اور فرض قرار دیا ہے، مثلاً: مرد اور عورت دونوں کے لیے شرم گاہ کے ظاہری حصہ کو دھونا، ناف اور مندمل ہوئے زخم کے سوراخ کو دھونا، انگوٹھی وغیرہ کو حرکت دینا، مرد کے لیے داڑھی، مونچھیں اور سر کے تمام بال دھونا اور جڑوں تک پانی پہنچانا، مردوں کے لیے مینڈھیاں کھولنا، البتہ اگر عورت مینڈھیاں کھولے بغیر بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچا سکے تو اس کے لیے مینڈھیاں کھولنا ضروری نہیں۔

غسل کے وجوب اور صحت کے لیے وہی شرائط ہیں جو وضو کے لیے ہیں، اسی طرح اس کا سبب اور حکم بھی تقریباً وہی ہے جو باب الوضو میں گزر چکا ہے۔(۱)

موجباتِ غسل:

فقہاء کرام کے ہاں درج ذیل صورتوں میں غسل کرنا فرض ہو جاتا ہے:

(۱) منی کا نکلنا......: کسی بھی مرد یا عورت سے بیداری یا نیند کی حالت میں (جماع کے بغیر) قوت اور شہوت کے ساتھ منی کا خارج ہو جانا موجبِ غسل ہے۔ قوت اور شہوت سے مراد یہ ہے کہ منی اپنے اصل مقام سے مذکورہ کیفیت کے ساتھ نکلے، اگرچہ کسی خارجی سبب کی بنا پر وہ شرم گاہ سے بلا شہوت وقوت نکلے۔ حنفیہ کے ہاں اسی پر فتویٰ ہے۔

(۲) شرم گاہوں کا مل جانا......: یعنی جنسی خواہش رکھنے والے زندہ مرد کی شرم گاہ کا کسی دوسرے زندہ انسان کی کسی بھی شرم گاہ میں داخل ہونے سے غسل واجب ہوتا ہے، چاہے انزال ہو جائے یا نہیں۔ مذکورہ صورت میں محض حشفہ داخل ہونے سے دونوں پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔

(۳) میت یا جانور کے ساتھ بدفعلی کرتے ہوئے انزال ہو جانے سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔

(۴) نیند سے بیدار ہونے کے بعد کپڑوں وغیرہ پر رقیق پانی کا پایا جانا (اس حال میں کہ اس کے منی ہونے میں شک ہو) امام ابوحنیفہؒ کے ہاں موجبِ غسل ہے، اگرچہ احتلام یعنی خواب یاد نہ ہو۔ فقہاء کرام کے ہاں نیند سے بیداری کے بعد کپڑوں پر تری پائی جانے کی بارہ صورتیں بنتی ہیں جن میں سے چھ صورتیں بالاتفاق موجب غسل ہیں، چار بالاتفاق

(۱) مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل مايوجب الاغتسال، ص:٧٦، وفصل لبيان فرائض الغسل، ص:٨١، ٨٢، الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب الثاني في الغسل، الفصل الاول في فرائضه: ١/١٣، ١٤، بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في احكام الغسل: ١/٢٦٧-٢٦٩

غیر موجب ہیں جب کہ دو میں طرفین وامام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے۔

(۵) جنابت لاحق ہونے کے بعد اگر جنبی شخص پیشاب کرنے سے پہلے غسل کرلے یا غسل کرکے سو جائے پھر غسل کرنے کے بعد بقیہ منی خارج ہوجائے تو طرفین کے ہاں دوبارہ غسل کرنا فرض ہوگا جب کہ امام ابو یوسف کے ہاں فرض نہیں، تاہم اگر مذکورہ غسل سے کوئی نماز پڑھی ہو تو اس کا لوٹانا بالاتفاق ضروری نہیں۔

(۶) بے ہوشی یا نشے سے افاقہ ہوجانے کے بعد اگر کپڑوں پر ایسی تری پائی جائے جس کے متعلق منی ہونے کا غالب گمان ہو تو بھی غسل واجب ہے۔

(۷) حیض ونفاس کا خون بند ہوجانے اور ان کی مدت ختم ہونے کے بعد بھی غسل واجب ہے۔

یاد رہے کہ مذکورہ اسباب اگر قبل از اسلام پائے جائیں تو اسلام لانے کے بعد بھی غسل فرض ہوگا۔(۱)

جن چیزوں سے غسل واجب نہیں ہوتا:

احتلام کے بغیر مذی، ودی، تری وغیرہ دیکھنا، کسی حائل یا موٹے کپڑے کی موجودگی میں شرم گاہوں کا ملاپ، انزال کے بغیر میت یا جانور سے بدفعلی اور حقنہ یعنی پچکاری جیسے افعال سے غسل واجب نہیں ہوتا۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر عورت اپنی شرم گاہ میں تلذذ کی نیت سے کوئی چیز (انگلی وغیرہ) داخل کرلے تو مختار قول کے مطابق اس سے غسل واجب ہوگا۔(۲)

ٹیسٹ ٹیوب سے غسل کے وجوب میں اختلاف:

شرم گاہوں کے ملاپ کے بغیر کسی اور ذریعے سے مرد کی منی کو عورت کے رحم تک پہنچانے سے غسل واجب نہیں ہوتا، البتہ حمل ظاہر ہوجائے تو غسل بھی فرض ہوجائے گا اور گزشتہ عرصے کی نمازیں بھی لوٹانی ہوں گی۔ قدیم فقہی ذخائر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حمل کے ظہور سے غسل واجب ہے، تاہم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں کہ مذکورہ طریقے (ٹیسٹ ٹیوب) کے ذریعے مادہ منویہ کو عورت کے رحم تک پہنچانا موجب غسل نہیں ہونا چاہیے، اگرچہ حمل ظاہر ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ

(۱) مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل مايوجب الاغتسال، ص:۷۶-۷۹، الفتاوی الهندية، كتاب الطهارة، الباب الثاني في الغسل، الفصل الثاني في المعاني الموجبة للغسل: ۱/۱۴-۱۶، الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة: ۱/۲۹۵-۳۰۲

(۲) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل عشرة اشياء لايغتسل منها، ص: ۸۰، ۸۱، الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة: ۱/۳۰۳-۳۰۶

نمازیں لوٹانا سخت دشواری اور حرج پر مشتمل ہے، کیوں کہ حمل ظاہر ہونے میں کئی ماہ بھی لگ سکتے ہیں حالانکہ نماز کے حق میں مذکورہ حرج حیض کے صرف تین دنوں میں بھی شرعاً مدفوع ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جدید تحقیق سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ استقرارِ حمل کے لیے عورت کا انزال ضروری نہیں، لہٰذا وجوبِ غسل کے اسباب (تواریٔ حشفہ، انزالِ منی وغیرہ) نہ پائے جانے کے باوجود غسل کو واجب قرار دینا شرعاً غیر مناسب اور موجبِ حرج ہے۔ (۱)

غسل کی سنتیں اور مسنون طریقہ:

غسل کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ شروع میں بسم اللہ پڑھے اور صفائی کے ساتھ ساتھ ثواب اور تقرب کی نیت بھی کرلے، پھر پانی کے برتن کو بائیں ہاتھ سے پکڑ کر دائیں ہاتھ پر پانی ڈالے اور دونوں ہاتھوں کو کلائیوں تک دھولے، اس کے بعد بائیں ہاتھ سے ظاہری نجاست اور شرم گاہ کو اچھی طرح دھولے، اس کے بعد وضو کرے، تاہم اگر غسل کی جگہ پانی جمع ہو رہا ہو تو پاؤں دھونا غسل کے آخر تک مؤخر کرلے، پھر تمام بدن پر تین مرتبہ پانی بہائے، پانی بہانے میں سر کو مقدم رکھے پھر دائیں کندھے اور پھر بائیں کندھے پر پانی بہائے، موالات کی رعایت رکھنا اور پہلی مرتبہ پانی بہاتے وقت بدن کو خوب ملنا بھی سنت ہے۔ (۲)

غسل کے آداب:

غسل کے اکثر آداب وہی ہیں جو وضو کے لیے ہیں تاہم غسل کے چند مخصوص آداب بھی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) غسل کے وقت قبلہ کی طرف رخ یا پشت کرنے سے احتراز کرنا

(۲) پانی میں اسراف اور بخل دونوں سے بچنا، اگرچہ نبی کریم ﷺ سے ایک صاع پانی استعمال کرنا ثابت ہے تاہم یہ مقدار لوگوں کے حالات اور مزاج کے اعتبار سے کم و بیش ہوسکتی ہے۔

(۳) غسل کے دوران باتیں نہ کرنا اور زبان سے دعائیں وغیرہ پڑھنے سے احتراز کرنا

(۴) ایسی جگہ غسل کرنا جہاں کسی کے دیکھنے کا خطرہ نہ ہو۔ (۳)

---

(۱) حوالہ جات سابقہ،، رحماني، خالدسيف الله، قاموس الفقه، ماده جنابت: ۳/ ۱۳۸، ۱۳۹

(۲) مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في سنن الغسل، ص: ۸۲، ۸۳، الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب الثاني في الغسل، الفصل الثاني في سنن الغسل: ۱/ ۱۴، ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، مطلب سنن الغسل: ۱/ ۲۹۱

(۳) مراقي الفلاح، فصل في آداب الاغتسال، ص: ۸۴، الفتاوى الهندية، حواله بالا، بدائع الصنائع، فصل في أحكام الغسل: ۱/ ۲۷۰، ۲۷۱

جنابت کی تعریف اور احکام:

جنابت لغت میں دور ہونے کو کہتے ہیں، یہ قرابۃ کی ضد ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں جنابت کا اطلاق شہوت کے ساتھ انزالِ منی، جماع اور تواریٔ حشفہ وغیرہ پر ہوتا ہے، چونکہ جنبی شخص نماز، مسجد، قرآن کی تلاوت اور طواف وغیرہ سے شرعاً دور ہوتا ہے اس لیے اس کو جنبی کہتا ہے۔ جنبی کا اطلاق ہر اس مرد یا عورت پر ہوتا ہے جس پر غسل واجب ہو۔ (۱)

جنابت سے متعلق احکام:

(۱) جنبی شخص کے لیے قرآن کریم کے نسخے یا ایسی چیز کو ہاتھ لگانا جائز نہیں جس پر قرآن یا اس کا کوئی حصہ لکھا گیا ہو، البتہ ایسے غلاف کے ساتھ اسے چھو سکتا ہے جو اس کے ساتھ پیوست نہ ہو۔ قرآن مجید یا اس کی کسی آیت کو لکھنا بھی ایسی حالت میں جائز نہیں، تاہم اگر کاغذ میں یا کسی اور چیز پر پڑی ہو اور لکھنے والا ہاتھ لگائے بغیر لکھتا رہے تو لکھنا جائز ہے لیکن مناسب پھر بھی نہیں۔

(۲) قرآن مجید کی تلاوت کرنا بھی جائز نہیں، حنفیہ میں سے امام طحاویؒ کے ہاں ایک آیت سے کم حصہ پڑھا جا سکتا ہے، تاہم عام علما پوری آیت اور بعض آیت میں کوئی فرق نہیں کرتے اور دونوں کو ناجائز کہتے ہیں۔ ہاں اگر تلاوت مقصود نہ ہو بلکہ دعا یا ذکر مقصود ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔

(۳) مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں، چاہے بیٹھنے اور رہنے کے لیے ہو یا محض عبور کرنے کے لیے، تاہم شدید احتیاج کی صورت میں تیمم کر کے داخل ہو سکتا ہے۔

(۴) جنابت کی حالت میں کوئی بھی نماز اور سجدۂ تلاوت جائز نہیں۔

(۵) بیت اللہ شریف کا طواف درست نہیں، اگر کر لیا تو دم واجب رہے گا۔

(۶) کتبِ تفسیر کا حکم بھی قرآن کی طرح ہے، البتہ کتبِ تفسیر کے علاوہ دوسری کتب کو چھونا حرام تو نہیں، لیکن مکروہ ضرور ہے۔

جنابت کی حالت میں مباح افعال:

جنابت کی حالت میں روزہ رکھنا جائز ہے، اسی طرح غسل کرنے سے پہلے کھانا، پینا اور بیوی کے ساتھ دوبارہ ہم بستری کرنا بھی جائز ہے، تاہم بہتر یہ ہے کہ درمیان میں وضو کر لے یا کم از کم منہ ہاتھ دھو لے۔ جنابت کی حالت میں ذکر و تسبیح اور دعائیں پڑھنا بھی جائز ہے۔ (۲)

---

(۱) الموسوعة الفقهية، مادة جنابة: ۱۶/ ۴۷، مجموع شرح المهذب، كتاب الطهارة، باب مايوجب الغسل: ۳/ ۹۵

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، : ۱/ ۳۸، ۳۹، بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في احكام الغسل: ۱/ ۲۸۰-۲۸۴، الدر المختار مع رد المحتار كتاب الطهارة: ۱/ ۳۱۳-۳۱۹، الاختيار لتعليل المختار، كتاب الطهارة: ۱/ ۱۳

فصل في موجبات الغسل

(غسل واجب کرنے والے اسباب کا بیان)

بوجھ اُٹھانے سے منی کا نکلنا

سوال نمبر (193):

منی کے قطرات بعض اوقات احتلام یا جماع کے بغیر کمزوری یا بوجھ اٹھانے کی وجہ سے نکل جاتے ہیں، اس سے غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

منی سے غسل اس وقت واجب ہوتا ہے جب وہ شہوت کے ساتھ نکلے، بغیر شہوت کے بوجہ کمزوری یا بوجھ اٹھانے سے منی کے جو قطرات نکلتے ہیں اس سے غسل واجب نہیں ہوتا، تاہم ناقض وضو اور نجس ضرور ہے، اس لیے ناپاکی دور کر کے صرف وضو کرے گا۔

والدّلیل علی ذلك:

والمني إذاخرج من غيرشهوة بأن حمل شيئا، فسبقه المني، أوسقط من مكان مرتفع يوجب الوضوء.(١)

ترجمہ:

منی اگر بغیر شہوت کے نکلے، مثلاً: کوئی بوجھ اٹھایا یا کسی اونچی جگہ سے گر گیا جس کی وجہ سے منی نکل گئی، تو اس سے (صرف) وضو واجب ہو جاتا ہے (نہ کہ غسل)۔

❁❁❁

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، فصل في نواقض الوضوء: ١/ ١٠

شک کی صورت میں غسل کا وجوب

سوال نمبر(194):

نیند سے بیداری کے وقت کوئی شخص اگر منی کی علامات دیکھ لے،لیکن اسے احتلام یاد نہ ہونے کی وجہ سے شک ہو تو اس پر غسل واجب ہے یا نہیں نیز اگر احتلام یاد ہو تو پھر شک کی صورت میں کیا حکم ہے ؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق :

نیند سے اٹھتے وقت بدن پر تری دیکھنے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر:

(۱) خواب یاد ہونے کے ساتھ منی یا مذی ہونے کا یقین ہو۔

(۲) خواب یاد نہ ہو،لیکن منی ہونے کا یقین ہو۔

(۳) منی اور ودی یا مذی، منی اور ودی یا منی اور مذی میں شک ہو، اور احتلام یاد ہو؛ تو ان صورتوں میں بالاتفاق غسل واجب ہے۔

اور اگر:

(۱) مذی یا ودی ہونے کا یقین ہو یا ان دونوں میں شک ہو،لیکن احتلام یاد نہ ہو۔

(۲) ودی ہونے کا یقین ہو اور خواب بھی یاد ہو تو ان صورتوں میں بالاتفاق غسل واجب نہیں ہے۔

لیکن اگر منی اور مذی یا منی اور ودی یا تینوں میں شک ہو،یعنی کسی ایک کا یقین نہ ہو اور احتلام بھی یاد نہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک غسل احتیاطاً واجب ہے، جب کہ بقول امام ابو یوسفؒ ان صورتوں میں غسل نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

وإن استیقظ الرجل، ووجد علیٰ فراشه، أوفخذه بللا، وهو یتذکر احتلاما إن تیقن أنه منيّ، أو تیقن أنه مذي، أو شك أنه منيّ، أو مذيّ، فعلیه الغسل. وإن تیقن أنه ودي لاغسل علیه. وإن رأیٰ بللا إلا أنه لم یتذکر الاحتلام، فإن تیقن أنه ودي لایجب الغسل، وإن تیقن أنه مني یجب الغسل، وإن تیقن أنه مذي لا یجب الغسل، وإن شك أنه منيّ أو مذي قال أبو یوسفؒ: لایجب الغسل حتیٰ یتیقن بالاحتلام و قالا یجب.(۱)

(۱) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الطهارة، باب في الغسل، الفصل الثالث في المعاني الموجبة للغسل:۱/ ۱۴، ۱۵

ترجمہ:

اگر کوئی شخص نیند سے بیدار ہوا اور اپنے بچھونے یا ران پر تری پائی اور اس کو احتلام یاد ہے تو اگر اسے یقین ہے کہ وہ منی ہے یا مذی ہے یا منی اور مذی میں شک ہے تو ان صورتوں میں اس پر غسل واجب ہے۔ اور اگر اسے یقین ہے کہ وہ ودی ہے تو اس پر غسل واجب نہیں اور اگر اس نے تری دیکھی مگر احتلام یاد نہیں تو اگر اسے یقین ہے کہ ودی ہے تو اس پر غسل واجب نہیں، اور اگر اسے یقین ہے کہ منی ہے تو اس پر غسل واجب ہے، اور اگر یقین ہے کہ مذی ہے تو اس پر غسل واجب نہیں اور اگر شک ہے کہ منی ہے یا مذی ہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جب تک احتلام یاد نہ ہو تو غسل واجب نہیں اور طرفین کے نزدیک اس پر غسل واجب ہے۔

❁❁❁

نیند سے بیداری کے بعد تری دیکھنے کا حکم

سوال نمبر(195):

ایک شخص ہے، جب وہ صبح کو اٹھتا ہے تو اپنے کپڑوں پر منی کے داغ پاتا ہے، جب کہ یہ شخص بیمار بھی نہیں ہے، اور اس کو منی نکلتے وقت کوئی شہوت محسوس نہیں ہوتی، اور نہ ہی اسے خواب یاد رہتا ہے، اسی طرح ایک شخص کو مستقل بیماری ہے، جب بھی نیند سے اٹھتا ہے، کپڑوں پر داغ دیکھتا ہے، اس صورت میں غسل کا کیا حکم ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو کر اپنے کپڑوں پر تری محسوس کرے اور اس کو احتلام بھی یاد ہو تو اسے اگر اس تری کے منی یا مذی ہونے کا یقین ہو یا ان دونوں میں شک ہو تو ان صورتوں میں غسل واجب ہے اور اگر ودی ہونے کا یقین ہو تو غسل واجب نہیں، تاہم احتلام یاد نہ ہونے کی صورت میں اگر اسے اس بات کا یقین ہو کہ یہ تری ودی ہے تو غسل واجب نہیں، اسی طرح اگر مذی کا یقین ہو، تب بھی غسل واجب نہیں، اور اگر منی کا یقین ہو تو غسل واجب ہے۔ اگر منی اور مذی میں شک ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس پر غسل واجب نہیں، جب کہ طرفین کے نزدیک اس پر غسل واجب ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

صورت مسئولہ کے پہلے جز میں غسل واجب ہے، کیونکہ منی کا یقین ہے اور دوسرے جز کے بارے میں تھوڑی تفصیل ہے، اگر منی ہو تو غسل واجب ہے، اگر ودی ہو تو دونوں صورتوں میں غسل واجب نہیں، چاہے خواب یاد ہو یا نہ

ہو اور اگر خواب یاد ہو اور مذی کا یقین ہو تو غسل واجب ہے، اور اگر خواب یاد نہ ہو تو غسل واجب نہیں، اگر مذی یا منی میں شک ہو تو غسل واجب ہے، چاہے خواب یاد ہو یا نہ ہو۔

والدّلیل علی ذلک:

وإن استيقظ الرجل ووجد على فراشه، أو فخذه بللا، وهو يتذكر احتلاماإن تيقن أنه مني، أو تيقن أنه مذي، أو شك أنه مني أومذي، فعليه الغسل. وإن تيقن أنه ودي لا غسل عليه۔(١)

ترجمہ: اگر کوئی شخص نیند سے بیدار ہوا اور اس نے اپنے بچھونے پر یا ران پر تری پائی اور صورت حال یہ ہے کہ اسے احتلام یاد ہے تو اگر اسے یقین ہے کہ وہ منی ہے یا یقین ہے کہ مذی ہے یا شک ہے کہ منی ہے یا مذی ہے تو (ان صورتوں میں) اس پر غسل واجب ہے، اور اگر اسے یقین ہے کہ ودی ہے تو اس پر غسل واجب نہیں۔

❁❁❁

غسلِ جنابت کے بعد منی کے قطرے کا خارج ہونا

سوال نمبر(196):

احتلام یا بیوی سے مجامعت کے بعد پیشاب کیے بغیر اگر غسل کیا جائے اور غسل کے بعد پیشاب کرتے وقت منی کے قطرے نکل آئیں تو دوبارہ غسل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جماع کے بعد پیشاب نہیں کیا اور غسل کرلیا، پھر منی کے قطرات نکل آئے تو دوبارہ غسل کرنا واجب ہے، البتہ اس دوران پڑھی گئی نماز کا اعادہ واجب نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

لواغتسل من الجنابة قبل أن يبول أوينام، وصلىٰ، ثم خرج بقية المني، فعليه أن يغتسل عندهما، خلافالأبي يوسف، ولكن لايعيدتلك الصلوة في قولهم جميعا.(٢)

ترجمہ: اگر پیشاب کرنے یا سونے سے پہلے جنابت سے غسل کرے اور نماز پڑھے، پھر بقیہ منی نکل آئے تو طرفین کے نزدیک اس پر دوبارہ غسل واجب ہے، امام ابو یوسف کے ہاں نہیں، لیکن پڑھی گئی نماز کا اعادہ سب کے نزدیک واجب نہیں۔

(١)، (٢) الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، باب في الغسل، فصل في المعاني الموجبة للغسل: ١/ ١٤، ١٥

فصل فی فرائض الغسل

(غسل کے فرائض کا بیان)

رحم میں ٹانکے لگنے سے غسل کا مسئلہ

سوال نمبر(197):

ایک عورت کا بڑے آپریشن سے بچہ پیدا ہوا ہے، ڈاکٹروں نے پانچ سال تک بچہ جننے کی صورت میں موت کا خدشہ ظاہر کر کے اس کے رحم میں ٹانکے لگادیے ہیں تاکہ شوہر کے جماع سے علوق نہ ہو۔ایک اور عورت نے اسے بتایا ہے کہ اگر یہ ٹانکے لگے رہیں گے تو غسل جنابت نہیں نکلے گا، تو کیا غسل کے واسطے یہ ٹانکے نکالنا ضروری ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ڈاکٹروں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ بڑے آپریشن کے بعد یہ ٹانکے رحم میں لگائے جاتے ہیں، رحم چونکہ جسم کا ایک اندرونی حصہ ہے، وہاں تک پانی پہنچانے کی ضرورت نہیں، اس لیے اِن ٹانکوں کے ہوتے ہوئے خاتون غسل کر کے جنابت سے نکل سکتی ہے، اِن کا کھولنا ضروری نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

واسم البدن يقع على الظاهر والباطن، إلامايتعذر إيصال المآء إليه، أويتعسر...ويدل عليه أنه في البدائع ذكرركن الغسل وهوإسالة المآء على جميع مايمكن إسالته عليه من البدن من غيرحرج.(۱)

ترجمہ:

اور بدن (جس کا دھونا غسل میں فرض ہے) ظاہر اور باطن دونوں پر مشتمل ہے، سوائے اس حصے کے جہاں تک پانی پہنچانا متعذر یا مشکل ہو...... بدائع الصنائع کی وہ عبارت اس پر دال ہے جس میں غسل کے رکن کا ذکر یوں فرمایا ہے کہ بدن کے اس حصے تک پانی پہنچانا ضروری ہے جہاں تک بغیر کسی حرج کے پانی پہنچانا ممکن ہے۔

❁❁❁

(۱) ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب الطهارة، مطلب في أبحاث الغسل:۱/ ۲۸٤

چھیدی گئی ناک اور کان کا دھونا

سوال نمبر (198):

خواتین مختلف قسم کے زیورات پہننے کے لیے ناک اور کان چھدواتی ہیں غسل کے دوران ان سوراخوں میں پانی پہنچانے کا کیا حکم ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ غسل میں بدن کے ہر اس حصہ تک پانی پہنچانا ضروری ہے جہاں تک بلا کسی حرج ومشقت کے پانی پہنچایا جاسکتا ہو، چنانچہ اگر کسی عورت نے کان یا ناک اس طرح چھیدا ہو کہ بوقت ضرورت غسل کے دوران اس میں پانی خود بخود داخل ہوسکتا ہے پھر تو مسئلہ بے غبار ہے، لیکن اگر اس میں پانی خود بخود داخل نہیں ہوسکتا تو احتیاط اس میں ہے کہ غسل کرتے وقت اس کو ہاتھ سے مل لیا جائے ورنہ صرف پانی ڈالنے سے بھی غسل ہوجائے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

(ولو لم یکن بثقب أذنه قرط، فدخل المآء فیه) أي الثقب (عندمروره أجزاه کسرة وأذن دخلهما المآء، وإلا) یدخل (أدخله) ولو بإصبعه، ولا یتکلف بخشب ونحوه، والمعتبر غلبة ظنه بالوصول.(۱)

ترجمہ:

اور اگر کان کے سوراخ میں بالی نہ ہو اور کان دھوتے وقت اس سوراخ میں پانی خود بخود داخل ہوجائے تو کافی ہے، جیسے: ناف اور کان کہ اس میں پانی خود بخود چلا جائے، ورنہ اگر پانی خود داخل نہ ہو تو اس میں پانی داخل کرے گا اگرچہ انگلی کے ساتھ ہو، لیکن لکڑی یا اس جیسی کسی دوسری چیز سے بہ تکلف داخل کرنے کی ضرورت نہیں۔ سوراخ میں پانی پہنچنے میں غلبہ ظن کا اعتبار ہے۔

(۱) الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار، کتاب الطهارة: ۱/ ۲۸۹

ناخن میں میل کچیل کے ہوتے ہوئے غسل کرنا

سوال نمبر (199):

جنابت کا غسل کرتے وقت ناخن اگر بڑے ہوں اوران میں میل کچیل جمع ہو تو ناخن کاٹنا ضروری ہے یا اس کے ساتھ غسل ہو جاتا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

بدن کے کسی بھی حصہ پر کوئی ایسی چیز لگی ہو جو پانی کے وصول سے مانع ہو تو اس صورت میں غسل مکمل نہیں ہوتا، چنانچہ پانی کے وصول سے مانع کوئی ایسی چیز اگر ناخن میں رہ جائے، جو بغیر کسی حرج (اور تکلیف) کے دور کی جاسکتی ہو تو اس کو دور کیے بغیر غسل نہیں ہوگا، البتہ میل کچیل جو ناخنوں میں جمع ہوتا ہے، یہ پانی پہنچنے سے مانع نہیں ہوتا نیز ہر وقت اس کو نکالتے رہنے میں حرج اور تکلیف کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کے ساتھ غسل مکمل ہو جاتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

وَالعجين في الظفر يمنع تمام الاغتسال، والوسخ، والدرن لايمنع. والقروي والمدني سواء، والتراب، والطين فى الظفر لايمنع. والصرام، والصباغ مافي ظفرهمايمنع تمام الاغتسال، وقيل: كل ذلك يجزيهم للحرج والضرورة، ومواضع الضرورة مستثناة عن قواعد الشرع.(۱)

ترجمہ:

ناخن میں گوندھا ہوا آٹا لگا ہو تو غسل مکمل نہ ہوگا اور میل کچیل غسل کی تکمیل میں مانع نہیں۔اس میں دیہاتی اور شہری برابر ہیں، ناخن میں لگی مٹی اور کیچڑ غسل کے لیے مانع نہیں، چمڑے کا کام کرنے والوں اور رنگریزوں کے ناخن میں جو کچھ لگا ہوتا ہے وہ غسل کے لیے مانع ہے اور کہا گیا ہے کہ حرج اور ضرورت کی وجہ سے اُن کے لیے اِن چیزوں کے ہوتے ہوئے بھی غسل ہو جاتا ہے، کیونکہ ضرورت کے مواقع شرعی قواعد سے مستثنٰی ہیں۔

❁❁❁

---

(۱) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطهارة، الباب الثاني في الغسل: ۱/ ۱۳

غسل میں مضمضہ اور استنشاق کی فرضیت

سوال نمبر(200):

کیا غسل میں مضمضہ اور استنشاق فرض ہے،ان کی فرضیت کی دلیل کیا ہے ؟

بينوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق :

قرآن پاک میں ارشاد ہے:﴿وَاِنۡ كُنۡتُمۡ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوۡا ﴾ ''اگر تم جنبی ہو تو غسل کرتے وقت خوب پاکی حاصل کرو''فاطهروا کے صیغہ میں مبالغہ ہے کہ پوری کوشش کے ساتھ بدن کے ہر حصے تک پانی پہنچاؤ، چنانچہ بدن کے جس حصے کو بھی بغیر کسی حرج اور تکلیف کے پانی پہنچانا ممکن ہو، وہاں تک پانی پہنچانا فرض ہے۔کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں چونکہ کوئی حرج نہیں،اس لیے مضمضہ اور استنشاق غسل میں فرض ہیں۔

والدّليل على ذلك:

وأما ركنه: فهو إسالة المآء على جميع مايمكن إسالته عليه من البدن من غير حرج مرة واحدة، حتىٰ لو بقيت لمعة لم يصبها الماء، لم يجز الغسل، وإن كانت يسرة لقوله تعالى:﴿ وإن كنتم جنبافاطّهروا﴾أي طهروا أبدانكم، واسم البدن يقع على الظاهر والباطن، فيجب تطهيرمايمكن تطهيره منه بلاحرج، ولهذاوجبت المضمضة والاستنشاق في الغسل؛لأن إيصال المآء إلىٰ داخل الفم والأنف ممكن بلاحرج. (۱)

ترجمہ:

غسل کا رکن (فرض) یہ ہے کہ بدن کے جس حصے پر بغیر کسی حرج کے پانی بہانا ممکن ہو،ایک مرتبہ اس پر پانی بہایا جائے، چنانچہ اگر بدن کا معمولی حصہ بھی تر ہونے سے رہ جائے،تو غسل درست نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وان كنتم جنبافاطّهروا ''یعنی اپنے جسموں کو خوب پاک کرو۔بدن کا اطلاق ظاہر اور باطن دونوں پر ہوتا ہے،اس لیے بدن کے جس حصے کو بلاحرج پاک کرنے ممکن ہو،اس کا پاک کرنا فرض ہے،اس لیے مضمضہ اور استنشاق غسل میں لازم قرار دیے گئے،کیونکہ منہ اور ناک کے داخلی حصے کو پانی پہنچانا بلاحرج ممکن ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في أحكام الغسل:۱/۲٦٧

غسل میں مضمضہ اور استنشاق بھول جانا

سوال نمبر (201):

ایک آدمی غسل سے فارغ ہو جائے، لیکن دورانِ غسل مضمضمہ اور استنشاق بھول جائے تو کیا یاد آنے پر دوبارہ غسل کرے گا یا فقط مضمضہ اور استنشاق کرے گا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

غسل میں تین چیزیں فرض ہیں (۱) تمام بدن کا دھونا (۲) منہ میں پانی ڈالنا (۳) ناک میں پانی ڈالنا۔ پھر مضمضہ اور استنشاق میں مبالغہ کرنا افضل ہے، لازم نہیں۔ اگر غسل کے دوران کسی سے مضمضہ اور استنشاق رہ جائے تو اس کا غسل تام نہیں اس لیے وہ جنابت سے نہیں نکل سکتا، تاوقتیکہ وہ مضمضہ اور استنشاق کر لے۔ ہاں اگر نیت کے بغیر کسی نہر وغیرہ میں نہانے سے ناک اور منہ میں پانی دخل ہو گیا یا خود یاد آ کر مضمضہ اور استنشاق کیا تو جنابت سے نکل جائے گا اور تمام ممنوعہ چیزیں اس کے لیے حلال ہو جائیں گی۔ چونکہ غسل کے اندر پے در پے ہونا شرط نہیں اور نہ مضمضہ اور استنشاق کے لیے نیت شرط ہے، اس لیے جب بھی منہ اور ناک میں پانی ڈالے گا تو غسل پورا ہو جائے گا، اور اعادہ کی ضرورت نہ ہوگی ہاں اگر مضمضہ اور استنشاق سے پہلے نمازیں ادا کر چکا ہو تو ان کا اعادہ لازمی اور ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

إن الغسل في الاصطلاح غسل البدن، واسم البدن يقع على الظاهر والباطن إلا مايتعذر إيصال الماء إليه أو يتعسر كما في البحر، فصار كل من المضمضة والاستنشاق جزأ من مفهومه فلاتوجد حقيقة الغسل الشرعية بدونهما...... قوله:(غسل كل فمه) عبر عن المضمضة والاستنشاق بالغسل لإفادة الاستيعاب.(۱)

ترجمہ: غسل اصطلاح میں تمام بدن دھونے کا نام ہے اور بدن کا اطلاق ظاہر اور باطن دونوں پر ہوتا ہے، سوائے بدن کے اُس حصہ کے جہاں تک پانی پہنچانا متعذر یا مشکل ہو، جیسا کہ بحر الرائق میں ہے۔ پس مضمضہ اور استنشاق دونوں بدن کے مفہوم میں داخل ہیں، لہٰذا غسلِ شرعی کی حقیقت بغیر مضمضہ اور استنشاق کے حاصل نہیں ہوتی۔ مصنفؒ کا قول: ''تمام منہ کا دھونا'' مضمضہ اور استنشاق سے تعبیر منہ دھونے سے کر دیا ہے تاکہ یہ استیعاب کا فائدہ دے سکے۔

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، مطلب في ابحاث الغسل:۱/۲۸٤

فصل فی سنن الغسل وآدابه

(غسل کی سنتوں اور آداب کا بیان)

مضمضہ اور استنشاق کے بعد غسل میں تاخیر

سوال نمبر (202):

جنابت کے دوران ناک اور منہ میں پانی ڈال دیا جائے، لیکن کسی اشد ضرورت کی بنا پر غسل کو مؤخر کرنا پڑے، یعنی سحری یا کسی دوسری وجہ سے تو کیا اس طرح کرنا درست ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ وضو کی طرح غسل میں بھی ترتیب وار اور بغیر کسی وقفہ کے مسلسل اعضا کا دھونا اور جسم کو پانی پہنچانا غسل کی سنتوں میں شامل ہے، فرض نہیں، چنانچہ اگر کسی وجہ سے مضمضہ اور استنشاق کے بعد تاخیر کرنا پڑے تو غسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ عادت بنا کر قصداً اس طرح کرنا ترکِ سنت کے زمرے میں شمار ہوگا، اس لیے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلك:

ویکره التفریق في الوضوء إذا كان بغیر عذر، أما إذا كان بعذر بأن فرغ مآء الوضوء، فیذهب لطلب الماء، وما أشبه ذلك، فلا بأس بالتفریق علی الصحیح، وهکذا إذا فرق في الغسل والتیمم..(١)

ترجمہ:

اعضائے وضو کے دھونے میں تفریق کرنا (یعنی دھونے میں اتنا وقفہ کرنا کہ دوسرے عضو کو دھوتے وقت پہلا عضو خشک ہو چکا ہو) بغیر عذر کے مکروہ ہے اگر تفریق کسی عذر کی وجہ سے ہو، مثلاً: پانی ختم ہو جائے اور پھر پانی کے لیے جائے یا اسی طرح کوئی اور وجہ ہو تو صحیح یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح غسل اور تیمم کے درمیان تفریق کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔

---

(١) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الطهارة، باب في الوضوء، فصل في سنن الوضوء: ١/٨

جماع کے بعد غسل میں تاخیر

سوال نمبر(203):

جماع کے فوراً بعد نہانا ضروری ہے یا صبح اٹھنے کے بعد غسل کرنے کی گنجائش ہے؟ نیز حیا کرنے والی خاتون کو افرادِ خانہ پر اگر مختلف آثار سے راز کھلنے کا خطرہ ہو تو عورت تیمم کر کے صبح کی نماز، وظائف اور دیگر گھریلو خدمات سرانجام دے سکتی ہے یا نہیں؟
بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جماع یا دیگر جن صورتوں میں غسل واجب ہو جاتا ہے ان میں فوری طور پر غسل ضروری نہیں، البتہ ہر وہ کام جو جنابت کی حالت میں ناجائز ہوتا ہے، مثلاً: نماز، طواف، دخولِ مسجد اور مسِ مصحف وغیرہ؛ ضرورت پڑنے پر ان کے لیے غسل واجب ہے، لہٰذا جماع کے فوراً بعد نہانا ضروری نہیں، بلکہ تاخیر سے بھی غسل درست ہے۔

گھر کے دوسرے افراد سے شرمانے کی وجہ سے غسل کو مؤخر کر کے تیمم کے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہیں، کیونکہ راز چھپانے کے لیے دیگر تدبیریں اختیار کی جا سکتی ہیں کہ مثلاً: تولیہ وغیرہ سے بال اچھی طرح خشک کر لے۔ یہ کوئی شرعی عذر نہیں، اس لیے اگر کسی خاتون نے اس طرح نمازیں پڑھی ہوں تو اُن کا اعادہ ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن عبداللہ بن عمرؓ أنه قال: ذکر عمر بن الخطابؓ لرسول اللہ ﷺ أنه تصیبه الجنابة من اللیل، فقال له رسول اللہ ﷺ: "توضأ واغسل ذکرك ثم نم.(۱)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ (ان کے والد) حضرت عمر بن الخطابؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے رات کو جنابت لاحق ہو جاتی ہے (تو کیا کروں؟)" رسول اللہ ﷺ نے آپؓ سے فرمایا کہ وضو کرو، شرم گاہ کو دھو لو اور پھر سو جاؤ۔

وفي المستصفی یعمل بقول أبي یوسف إذا کان في بیت إنسان واحتلم مثلا، ویستحي من أهل

(۱) صحیح البخاري، کتاب الغسل، باب الجنب یتوضأ ثم ینام: ۱/۴۳

البيت، أو يخاف أن يقع في قلبهم ريبة بأن طاف حول أهل بيتهم. وفي السراج الوهاج: والفتوىٰ على قول أبي يوسف في الضيف، وعلىٰ قولهما في غيره. (۱)

ترجمہ: مستصفیٰ میں ہے کہ امام ابویوسف کے قول پر عمل کیا جائے گا اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں (مہمان) ہے اور اس کو مثلاً احتلام ہوا اور وہ اہلِ خانہ سے شرماتا ہے یا اس بات کا خوف رکھتا ہے کہ کہیں اہلِ خانہ کو شک نہ ہو کہ ہمارے خاندان والوں کے گرد غلط نیت سے گھوما ہے۔ اور السراج الوھاج میں ہے کہ مہمان کی صورت میں تو فتویٰ امام ابویوسفؒ کے قول پر ہے (کہ ان وجوہات کی بناء پر تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے اور بعد از اں ان پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ بھی لازم نہیں) لیکن جب مہمان نہ ہو تو پھر فتویٰ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے قول پر ہے (کہ اس طرح تیمم کے ساتھ پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ ضروری ہے)۔

❁❁❁

مکرر ہم بستری کرنے کے درمیان غسل کا حکم

سوال نمبر(204):

کوئی شخص اپنی بیوی سے ایک مرتبہ ہم بستری کرے اور اس کے بعد غسل کی سہولت میسر نہ ہو، جب کہ ہم بستری کا دوبارہ ارادہ ہو تو کیا کرے اور اگر سہولت میسر ہو اور پھر بھی غسل نہ کرے تو کیا بغیر غسل کے دوبارہ ہم بستری کر سکتا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

واضح رہے کہ بیوی کے ساتھ ہم بستری کرنے کے لیے جنابت سے پاک ہونا ضروری نہیں، چنانچہ ایک مرتبہ ہم بستری کرنے کے بعد اگر دوبارہ ارادہ ہو تو درمیان میں غسل کرنا لازم نہیں البتہ اگر سہولت میسر ہو اور کوئی تکلیف نہ ہو تو دوبارہ ہمبستری سے پہلے غسل کرنا افضل اور مستحب ہے۔ غسل مشکل ہو تو صرف وضو ہی کر لے، لیکن وضو نہ کرنے میں بھی کوئی گناہ نہیں۔

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الطهارة، قوله: (وفرض عندمني ذي دفق......الخ): ۱/۱۰٤

والدّليل على ذلك:

قال في الدر المختار: ولا معاودة أهله قبل اغتساله إلا إذا احتلم لم يأت أهله، قال الحلبي: ظاهر الأحاديث إنما يفيد الندب لا نفي الجواز المفاد من كلامه. قال ابن عابدينؒ: قوله: (لم يأت أهله) أي ما لم يغتسل لئلا يشاركه الشيطان...... وقوله: (ظاهر الأحاديث الخ) يشعر بأنه وردت في الاحتلام أحاديث، والحال أنه لم نقف فيه على حديث واحد...... ونص عبارة الحلبي في الحلية بعد نقله جملة أحاديث: فيستفاد من هذه الأحاديث أن المعاودة من غير وضوء ولا غسل بين الجماعين أمر جائز، وأن الأفضل أن يتخللها الغسل أو الوضوء. (۱)

ترجمہ: اور مکروہ نہیں دوبارہ ملنا اپنے بیوی سے غسل کرنے سے پہلے الا یہ کہ جب اسے احتلام ہوجائے تو غسل کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے نہ ملے۔ امام حلبی فرماتے ہیں کہ احادیث کا ظاہر ندب (مستحب ہونے) کا فائدہ دیتا ہے نہ کہ عدم جواز کا، جو اس کے کلام سے مستفاد ہے۔

علامہ ابن عابدینؒ تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ احتلام کے بعد غسل سے پہلے اس لیے بیوی سے نہ ملے کہ کہیں (اثر سابقہ کی وجہ سے) شیطان اس کے ساتھ شریک نہ ہو...... اور اس کے قول کہ: "ظاهر الأحاديث ......" سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ احتلام کے مذکورہ حکم کے بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں، حالانکہ ہمیں ان میں سے کسی ایک حدیث کا بھی پتہ نہیں چل سکا...... اور حلیہ میں جملہ احادیث نقل کرنے کے بعد حلبی کی عبارت یہ ہے کہ: ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دومرتبہ جماع کے درمیان بغیر وضو اور غسل کے بیوی سے ملنا جائز ہے البتہ افضل یہ ہے کہ دومرتبہ جماع کے درمیان غسل یا وضو کرے۔

دورانِ غسل جسم کا ملنا

سوال نمبر (205):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے غسل کے دوران صرف سر پر پانی ڈالا اور بدن کو ملا نہیں، البتہ صرف کانوں کے سوراخوں میں انگلی پھیر دی اور مکمل کانوں کا اس طرح دھونا کہ پورے کان کو پانی پہنچے، بندہ

(۱) الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الطهارة، مطلب: يطلق الدعاء على ما يشمل الثناء: ۱/۳۱۸، ۳۱۹

کو پوری طرح یاد نہیں کیا۔اس طرح غسل ہو جاتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے غسل کے تین فرائض ہیں: منہ اور ناک میں پانی ڈالنا اور سارے بدن کا دھونا، لیکن غسل کے دوران جسم کا ملنا لازمی نہیں، البتہ افضل ہے۔شرعی اصطلاح میں اس کو دلک کہتے ہیں۔فقہاے کرام کے نزدیک دلک واجب نہیں ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر آپ نے واقعی غسل میں پورے بدن پر پانی ڈال کر کانوں کے سوراخوں میں انگلی پھیر دی ہو، تو آپ کا غسل مکمل ہو گیا ہے۔صرف شک وشبہ کی بنیاد پر وہم نہیں کرنا چاہئے کہ میرا غسل ہو گیا ہے یا نہیں۔کیونکہ شک پر احکامات مرتب نہیں ہوتے۔

والدّلیل علی ذلك:

(وفرض الغسل المضمضة، والاستنشاق، وغسل سائر البدن) ......ولا يجب الدلك إلا في رواية عن أبي يوسف. (۱)

ترجمہ: غسل کے فرائض تین ہیں: منہ میں پانی ڈالنا، ناک میں پانی ڈالنا، اور تمام بدن کا دھونا......اور دلک (بدن کا ملنا) واجب نہیں، مگر ایک روایت امام ابو یوسفؒ سے وجوب کی ہے۔

❁❁❁

وضو اور غسل میں پانی کی مقدار کے بارے میں تحقیق

سوال نمبر(206):

کیا فرماتے ہیں، علماے کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ وضو میں کتنا پانی استعمال کرنا سنت ہے اور اسی طرح غسل میں کتنا پانی استعمال کرنا سنت ہے؟ مسنون مقدار سے زیادہ استعمال کرنے کی صورت میں وضو کا کیا حکم ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

حضور پاک ﷺ کی عام عادت وضو میں پانی کے استعمال میں ایک مد (1.47 لیٹر) اور غسل میں ایک صاع (چار مد=5.88 لیٹر) مروی ہے، تاہم بعض احادیث میں اس سے کم مقدار بھی منقول ہے۔اسی اختلاف کو سامنے رکھ کر

(۱) فتح القدير، كتاب الطهارة، فصل في الغسل: ۱/ ۵۰

فقہائے کرام نے غسل اور وضو کے پانی کی مقدار میں کسی متعین مقدار کی تخصیص نہیں کی ہے، بلکہ لوگوں کے احوال اور طبائع کے اختلاف کی وجہ سے جتنی مقدار سے کفایت ہو، اس حد تک استعمال کی اجازت دی ہے۔ تاہم جتنی مقدار وضو اور غسل کے لیے کافی ہو، اس سے زیادہ پانی استعمال کرنا اسراف ہے، لہٰذا ہر آدمی کے لیے اسراف کی حد سے بچ کر بقدر کفایت پانی استعمال کرنا مرخص ہے۔

والدّليل على ذلك:

واعلم أنه نقل غير واحد الإجماع علىٰ عدم التقدير في ماء الوضوء والغسل بل هو بقدر الكفاية؛ لاختلاف طبائع الناس. وعن عائشةؓ: جرت السنة عن رسول الله ﷺ في الغسل من الجنابة صاع ثمانية أرطال، و في الوضوء رطلان، وهما مد، فالمد ربع الصاع. (۱)

ترجمہ: اور جان لو کہ کئی علما نے غسل اور وضو کے پانی کی مقدار کے عدم تعین پر اجماع نقل کیا ہے، بلکہ لوگوں کے طبائع کے اختلاف کی وجہ سے ان دونوں کا استعمال بقدر کفایت ہی ہے اور حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جنابت سے غسل فرماتے وقت ایک صاع (آٹھ رطل) استعمال فرماتے اور وضو میں دو رطل (ایک مد) کے بقدر استعمال فرماتے، مد صاع کا چوتھائی حصہ کہلاتا ہے۔

ثم هذا لتقدير الذي ذكره لهٰذا محمدؒ من الصاع، والمد في الغسل والوضوء ليس بتقدير لازم؛ بحيث لايجوز النقصان عنه أو الزيادة عليه، بل هو بيان مقدار أدنى الكفاية عادة، حتىٰ أن من أسبغ الوضوء، والغسل بدون ذلك أجزأه، وإن لم يكفه زاد عليه؛ لأن طبائع الناس وأحوالهم تختلف. (۲)

ترجمہ: پھر یہ صاع اور مد کی مقدار جو امام محمدؒ نے ذکر کی ہے، غسل اور وضو کرتے وقت یہ اس طرح ضروری نہیں کہ اس سے کم یا زیادہ پانی استعمال کرنے کی اجازت نہ ہو، بلکہ یہ صرف عام طور پر کافی ہونے والی مقدار کی وضاحت ہے۔ چنانچہ اگر کوئی اس سے کم پانی سے پورا پورا وضو یا غسل کرے تو اُس کے لیے جائز ہے، اور اگر کسی کے لیے یہ مقدار کافی نہ ہو تو وہ اس سے زیادہ پانی استعمال کرے، اس لیے کہ لوگوں کی طبیعتیں اور احوال مختلف ہوتے ہیں۔

---

(۱) الطحطاوي، سيد احمد، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في المكروهات: ص ٦٤

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في أحكام الغسل: ١/ ٢٧١

فصل فی متفرقات الغسل

(غسل کے متفرق مسائل کا بیان)

جنبی کا قرآن پاک کو دیکھنا اور سننا

سوال نمبر (207):

ایک شخص تلاوت کر رہا ہے، پاس بیٹھا ہوا جنبی شخص قرآن پاک کو دیکھتا ہے اور اس کی تلاوت بھی سنتا ہے، کیا جنبی کے لیے ایسا کرنا جائز ہے ؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

جس طرح بے وضو شخص کے لیے قرآن پاک کا چھونا جائز نہیں، اس طرح جنابت والے شخص کے لیے چھونے کے ساتھ ساتھ تلاوت کرنا بھی جائز نہیں، لیکن قرآن پاک کو چھوئے بغیر اس کی طرف دیکھنا اور سننا جائز ہے اس لیے کہ جنابت کا حکم ظاہری اعضا پر ہوتا ہے۔ سمع وبصر (سننے اور دیکھنے) کا تعلق چونکہ داخلی اعضا سے ہے، نہ کہ خارجی اعضا سے، یہی وجہ ہے کہ غسل کے دوران آنکھوں یا کانوں کے اندر پانی پہنچانا ضروری نہیں۔ اور جہاں تک منہ اور زبان کا تعلق ہے تو وہ چونکہ من وجہ خارجی اعضا ہیں، اس لیے جنابت میں تلاوت کرنا منع ہے اور غسل میں مضمضہ اور استنشاق فرض ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

(ولا یکرہ النظر إلیہ) أي القرآن (لجنب، وحائض، ونفساء)؛ لأن الجنابة لاتحل العین. (۱)

ترجمہ:

جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت کے لیے قرآن پاک کو دیکھنا مکروہ نہیں، کیونکہ جنابت آنکھوں میں حلول نہیں کرتی۔

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الطهارة: ۱/۳۱٦

جنابت کی حالت میں ناخن یا بال کاٹنا

سوال نمبر (208):

اگر کوئی شخص جنابت کی حالت میں ہو تو اُس کے لیے ناخن اور بال کاٹنے کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ اس کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جنابت ایسی نجاست ہے جو دکھائی تو نہیں دیتی لیکن بدن کے ہر ہر جز میں حلول کر جاتی ہے یہاں تک کہ بدن کا ہر بال اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا اور اس کی طہارت کا واحد ذریعہ غسل ہے، لہٰذا غسل کرنے سے قبل جو بال یا ناخن کاٹا جائے، وہ نجس ہو کر بدن سے علیحدہ ہو جاتا ہے جس کے لیے بعد ازاں طہارت کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی، اس لیے غسل سے قبل جنابت کی حالت میں بدن سے زائد بال کاٹنے یا ناخن تراشنے کو فقہائے کرام نے مکروہ لکھا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

حلق الشعر حالة الجنابة مکروه، و کذاقص الأظافیر.(۱)

ترجمہ:

جنابت کی حالت میں بال منڈوانا مکروہ ہے اور یہی حکم ناخن تراشنے کا بھی ہے۔

❁❁❁

مسجد میں احتلام ہونے کے بعد ٹھہرنا

سوال نمبر (209):

کسی شخص کو مسجد میں رات کے وقت احتلام ہو جائے اور اندھیرا ہونے کی وجہ سے مسجد سے نکلنے میں ڈر محسوس

---

(۱) الفتاویٰ الھندیة، کتاب الکراھیة، الباب التاسع عشر في الختان......وقلم الأظفار: ۳۵۸/۵

کرتا ہوتو اس دوران غسل میں تاخیر کرکے مسجد کے اندر حالت جنابت میں ٹھہرنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسجد کی تعظیم وتکریم اور آداب کی رعایت رکھنا ہر مسلمان کا دینی واخلاقی فریضہ ہے اور تعظیم میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر کسی مسجد میں قیام پذیر شخص کو احتلام ہوجائے تو فوراً مسجد سے نکل جائے، کیونکہ ایسی حالت میں مسجد میں رہنا اس کی تعظیم کے منافی ہے۔ تاہم اگر ایسی صورت میں مسجد سے نکلنے میں ڈر اور خوف محسوس ہوتا ہو تو اس عذر کی بنا پر اس خوف کے زائل ہونے تک مسجد میں رہنے کی گنجائش ہے۔ تاہم مسجد میں رہتے ہوئے وہ تیمم کرے، تاکہ کسی درجہ میں پاکی حاصل کرکے مسجد کے تقدس کا لحاظ رکھا جاسکے۔

والدّلیل علی ذلک:

وكذا الحكم إذا خاف الجنب، أو الحائض سبعاً، أو لصاً، أو برداً، فلابأس بالمقام فيه والأولىٰ أن يتيمم تعظيماً للمسجد.(١)

ترجمہ:

یہی حکم اس صورت میں ہے، جب جنبی یا حیض والی عورت کو درندے، چور یا سردی کا خوف ہو، اس کے لیے مسجد کے اندر ٹھہرنے میں کوئی حرج نہیں البتہ اچھی بات یہ ہے کہ مسجد کی تعظیم کی رعایت رکھنے کے لیے تیمم کرے۔

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع في أحكام الحيض......: ١/ ٣٨

باب التیمم

(تیمم کا بیان)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

اسلام ایک ایسا فطری دین ہے، جس میں کہیں کوئی ایسا حکم نہیں دیا گیا ہے جو انسان کے لیے ناقابل تحمل اور اس کی صلاحیت اور قوت سے زیادہ ہو۔ تیمم بھی اسی کی ایک نظیر ہے، چونکہ وضو اور غسل دونوں کے لیے پانی کا استعمال ناگزیر ہے، لیکن ممکن ہے کہ کہیں کسی آدمی کو پانی ہی نہ ملے یا وہ اس کے استعمال کرنے پر قدرت نہ رکھے، ایسی صورت میں شریعت نے مٹی سے تیمم کرنے کی گنجائش رکھی ہے۔

چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر چیز کو مٹی اور پانی سے پیدا کیا ہے اور انسان کی سرشت میں بھی یہی دو چیزیں رکھی ہیں جن سے اس کا نشو نما ہوتا ہے اور غذا مہیا ہوتی ہے اور ان دونوں کا انسانی طبیعت سے ایک خاص تعلق بھی ہے، اس لیے طہارت یعنی پاک ہونے کے لیے اور عبادات میں مدد لینے کے لیے بھی انہیں کو وضع فرمایا، پھر چونکہ مٹی ایک ایسی چیز ہے جو ہر جگہ انسان کو دستیاب ہو سکتی ہے اور اس کے استعمال میں عاجزی وانکساری بھی نسبتاً زیادہ ہے، اس لیے پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں اسی کو ذریعہ طہارت قرار دیا گیا۔(۱)

تیمم کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

تیمم کا لغوی معنیٰ ''قصد اور ارادہ'' کرنا ہے جب کہ شریعت کی اصطلاح میں ''پاکی کی نیت سے، پاک مٹی سے چہرے اور ہاتھوں کے مسح کرنے'' کو تیمم کہتے ہیں۔(۲)

تیمم کی مشروعیت:

سفر وحضر دونوں میں تیمم کی مشروعیت خود قرآن، حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ تیمم کے سلسلے میں قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً

(۱) احکامِ اسلام عقل کی نظر میں، حصہ اول، باب التیمم، ص: ۳۳ـ۳۵

(۲) مراقي الفلاح على صدر حاشية الطحطاوي، باب التيمم۔ص ۸۹، بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل وأما التيمم......: ۱/ ۳۰۹

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا﴾[النساء:۴۳]

ترجمہ: اگر تم بیماری یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت کر کے آیا ہو یا بیوی سے ہم بستری کی ہو، پھر تم کو پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے اس طرح تیمم کرو کہ اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو، بلاشبہ اللہ معاف کرنے والا اور درگزر کرنے والا ہے۔

اسی طرح تیمم اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی اور کو نہیں دی گئیں پھر ان میں سے تیمم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"وجعلت لی الأرض مسجداو طهورا"

''کہ زمین میرے لیے نماز پڑھنے کی جگہ اور پاکی کا ذریعہ بنادیا گیا ہے''۔

ایک اور حدیث میں ہے:

"الصعيد وضوء المسلم وإن لم يجد الماء عشر سنين".

''مٹی (تیمم) مسلمان کا وضو ہے، اگرچہ دس سال تک اس کو پانی نہ ملے''۔

اور اس کی مشروعیت پر تمام امت کا اجماع واتفاق بھی ہے۔(۱)

تیمم کے ارکان:

تیمم کے بنیادی ارکان ''زمین یا مٹی وغیرہ پر دومرتبہ ہاتھ مارنا اور اس سے مکمل چہرے اور کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں پر بالاستیعاب مسح کرنا ہیں''۔ مذکورہ ارکان سے تعبیر کرنے میں فقہائے کرام کی آراء میں کافی اختلاف ہے تاہم مقصد سب کا ایک ہی ہے۔(۲)

صحتِ تیمم کے لیے شرائط:

(۱) نیت:

چونکہ مٹی بذاتِ خود مطہر نہیں اس لیے اس کے ذریعے پاکی حاصل کرنے کے لیے نیت کی ضرورت ہے۔

(۱) البیهقي، أحمدبن حسين بن علي، السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الطهارة، جماع أبواب التيمم، باب التيمم بالصعيد الطيب، (رقم:۱۰۴۸): ۱/۳۶۳، ۳۶۴، دارالفكر، بيروت. بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل واماالتيمم: ۱/۳۰۴-۳۰۶، الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۳۹۰

(۲) بدائع الصنائع، فصل في بيان ركن التيمم ۱/۳۱۰، ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب التيمم ۱/۳۹۲

مٹی یا زمین پر ہاتھ مارتے وقت یا اعضا پر ہاتھ پھیرتے وقت نیت ضروری ہے۔ مذکورہ افعال کے بعد نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ نیت زبان سے ضروری نہیں بلکہ دل میں پختہ ارادہ کرنا ہی نیت ہے۔ پھر نیت صحیح ہونے کے لیے بھی تین چیزیں ضروری ہیں: (۱) اسلام (۲) تمیز یعنی عقل وفہم (۳) جس چیز کی نیت کر رہا ہے اس کا علم، یعنی تیمم کی حقیقت سے آگاہی۔

تیمم سے نماز پڑھنے کے لیے کس قسم کی نیت ضروری ہے؟

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر تیمم سے نماز پڑھنی ہو تو تین قسم کی نیتوں سے کیا گیا تیمم نماز کے لیے کافی ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(الف)...... مطلق طہارت کی نیت کی ہو، یعنی بے وضو یا جنبی ہونے کی حالت میں پاکی کی نیت سے تیمم کیا ہو۔ نیت میں یہ تعیین ضروری نہیں کہ یہ پاکی حدثِ اصغر سے ہے یا حدثِ اکبر سے، بلکہ محض پاکی کی نیت بھی کافی ہے۔

(ب)...... نماز پڑھنے کی نیت سے تیمم کیا ہو۔

(ج)...... عبادتِ مقصودہ (یعنی ایسی عبادت جو بذاتِ خود مقصود ہو اور طہارت کے بغیر نا جائز ہو) کی نیت کی ہو، مثلاً: نماز، سجدہ تلاوت یا نمازِ جنازہ کی نیت سے تیمم کیا ہو یا حالتِ جنابت اور حیض ونفاس کے بعد تلاوت کی نیت کی ہو۔

مذکورہ اصول کی روشنی میں درج ذیل افعال ادا کرنے کی نیت سے کیے گئے تیمم سے نماز پڑھنا جائز نہیں ہوگا۔ قرآن چھونا، قبروں کی زیارت یا مردوں کی تدفین کرنا، بے وضو ہونے کی حالت میں تلاوت کرنا (تلاوت اگرچہ عبادتِ مقصودہ ہے؛ مگر وضو کے بغیر زبانی تلاوت کرنا جائز ہے، اس لیے تیسری شرط مفقود ہوگئی) سلام یا اس کا جواب دینا، اذان واقامت یا خطبہ پڑھنا، اسلام لانا، تعلیم وتعلم اور سجدہ شکر ادا کرنا (سجدہ شکر امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے ہاں عبادتِ غیر مقصودہ ہے)۔

(۲) ایسا عذر جو تیمم کو مباح کر لے

یہ اعذار کئی قسم کے ہو سکتے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(الف)...... غالب گمان کے مطابق پاک صاف پانی سے کم از کم ایک شرعی میل کی بہ قدر دور ہونا، چاہے سفر میں ہو یا حالتِ اقامت میں اور چاہے صحرا میں ہو یا شہر میں ہو۔ شرعی میل کی موجودہ مقدار ۱۶۸۰ میٹر بنتی ہے۔ (۱)

(۱) حاشیہ الموسوعۃ الفقهية الكويتية، مادہ تیمم، ۲۵۵/۱۴، وزارة الأوقاف، کویت

(ب)......ایسے مرض میں مبتلا ہونا جس میں پانی کے استعمال سے مزید نقصان یا صحت یابی میں سستی اور طوالت کا قوی اندیشہ ہو۔

(ج)......ایسا مریض جس کو پانی نقصان تو نہیں پہنچا رہا، لیکن وہ خود پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو اور کوئی ایسا شخص بھی نہ ہو جو اس کو وضو کرا دے یا شخص تو موجود ہو، لیکن وہ اس مریض کے اہلِ طاعت (بیوی، اولاد اور غلام) میں سے نہ ہونے کی وجہ سے وضو کرانے سے انکار کر دے یا اتنی زیادہ اجرت مانگے جو مریض نہ دے سکے۔

(د)......اتنی سردی ہو کہ پانی کے استعمال سے عضو تلف ہونے یا مرض لگ جانے کا قوی اندیشہ ہو تو اس صورت میں غسل کے بدلے تیمم کرنا تو جائز ہے، مگر وضو کے بدلے تیمم کرنے کے متعلق اکثر حنفیہ کا قول عدم جواز کا ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

(ہ)...... پانی استعمال کرنے کی صورت میں کسی انسان یا درندے کا خوف ہو، یعنی اپنی جان، مال، امانت اور عزت وغیرہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔

(و)...... پانی موجود ہو، لیکن وضو یا غسل کے لیے استعمال کرنے کی صورت میں پیاس کا خوف ہو، یہ خوف چاہے اپنی جان کے لیے ہو یا قافلہ کے دوسرے ساتھیوں کے لیے یا کسی سواری اور کتے وغیرہ کے لیے ہی کیوں نہ ہو، بہر صورت عذر ہے۔

(ز)......اتنا پانی موجود ہو جو صرف پیاس بجھانے اور آٹا گوندھنے کے لیے کافی ہو تو تیمم کرے گا، البتہ شوربہ پکانے یا قہوہ بنانے یا غیر ضروری غذا تیار کرنے کے لیے پانی رکھ کر تیمم کرنا جائز نہیں۔

(ح)...... پانی پاس ہی ہو، مگر ڈول وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے نکالنا ممکن نہ ہو۔

(ط)......نمازِ جنازہ یا عیدین کی نماز کا فوت ہونا بھی عذر ہے، تاہم جن نمازوں کے لیے خلف اور متبادل موجود ہوں، ان کے لیے تیمم کرنا جائز نہیں۔

(۳) زمین کی جنس اور پاک چیز سے تیمم کرنا:

تیمم ایسی پاک چیز سے ہو جو زمین کے جنس سے ہو۔ زمین کے جنس سے ہر وہ چیز مراد ہے جو جلانے کی وجہ سے نہ تو پگھلے اور نہ راکھ بنے، لہٰذا لوہے، سونے، چاندی اور لکڑی وغیرہ سے تیمم کرنا جائز نہیں، تاہم اگر ان اشیا پر گرد وغبار پڑا ہو تو اس سے تیمم کرنا جائز ہے۔ مٹی، ریت، پتھر، کنکر، مٹی کی اینٹ اور چونے وغیرہ سے تیمم کرنا جائز ہے، اسی طرح پہاڑی نمک سے تیمم کرنا بھی جائز ہے۔

(۴)استیعاب:

تیمم کرتے وقت پورے چہرے اور کہنیوں سمیت تمام ہاتھوں پر بالاستیعاب مسح کرنا ضروری ہے۔تیمم میں پلکوں کا بالائی حصہ بھنویں، داڑھی کے بال، کان کا درمیانی حصہ، ناک کے دونوں سوراخوں کے درمیان کا ظاہری حصہ اور انگلیوں کا خلال بھی داخل ہے، اسی طرح انگوٹھی نکالنا بھی ضروری ہے۔

(۵)......تیمم میں مسح کرتے وقت مکمل ہاتھ یا اکثر ہاتھ، یعنی کم از کم تین انگلیوں کو استعمال کرنا ضروری ہے۔

(۶)......تیمم کے لیے دومرتبہ ہاتھ زمین یا مٹی پر مارنا بھی شرط ہے، البتہ اگر بدن پر اتنا گرد وغبار موجود ہو کہ وہ مسح کرنے کے لیے کافی ہو تو تیمم کی نیت کر کے اسے اچھی طرح مل لے۔

(۷)......تیمم کے دوران حیض، نفاس یا کوئی اور حدث جاری نہ ہو۔

(۸)......مسح میں رکاوٹ بننے والی چیزوں کا ہٹانا، مثلاً: موم اور چربی وغیرہ۔

تیمم کی سنتیں:

تیمم میں درج ذیل سنتیں ہیں:

شروع میں بسم اللہ پڑھنا، ہاتھوں کی پشت کا زمین پر مارنا، مبالغہ کرنے کے لیے ہاتھوں کو آگے پیچھے کرنا، زیادہ مٹی آنے کی صورت میں ہاتھوں کو جھاڑنا، انگلیوں کو کھلا رکھنا، دائیں طرف سے شروع کرنا، ترتیب کی رعایت رکھنا اور موالاۃ، یعنی تسلسل کے ساتھ تیمم کرنا سنت ہے۔(۲)

نواقض تیمم، یعنی تیمم کو توڑنے والی چیزیں:

(۱)جن چیزوں کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے انہیں سے تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

(۲)خصوصی طور پر تیمم کو توڑنے والی چیزوں میں سے پانی کا پایا جانا اور اس کو دیکھنا بھی ہے، بہ شرط یہ کہ پانی مل جانے کا علم ہو، اس کے استعمال پر قدرت بھی ہو اور پانی وضو یا غسل کے لیے کافی بھی ہو۔مذکورہ شرائط کی روشنی میں پانی کے دیکھنے سے تیمم تو ٹوٹ جائے گا تاہم اگر پانی کا دیکھنا نماز کے دوران ایسی حالت میں ہو کہ قعدہ اخیرہ تشہد کی بقدر پڑھ

(۱)مراقي الفلاح على صدر حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، باب التيمم ص:۸۹-۹۷، بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في بيان شرائط الركن:۱/۳۱۵-۳۲۴، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، باب التيمم:۱/۳۹۳-۴۰۰، الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب الرابع في التيمم، الفصل الاول في أمور لابد منها في التيمم:۱/۲۵-۲۹

(۲)الدر المختار مع رد المحتار، باب التيمم ۱/۳۹۳، ۳۹۴، الفتاوى الهندية، الفصل الثالث في المتفرقات:۱/۳۰

پیدا ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں تیمم کے ساتھ نماز بھی فاسد ہو جائے گی، مگر صاحبین کے ہاں اگرچہ تیمم ختم ہو جائے گا، لیکن قعدہ اخیرہ پڑھنے کے بعد نماز پوری ہوگئی ہے، اعادہ نماز کی کوئی ضرورت نہیں۔ فقہائے کرام کے ہاں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ اسی طرح نماز مکمل کر لینے کے بعد اگر پانی مل جائے تو اس صورت میں بھی تیمم کے ٹوٹنے سے پڑھی گئی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا یعنی اعادہ واجب نہیں ہوگا۔

(۳) جس عذر کی وجہ سے تیمم کیا تھا اس کے زائل ہو جانے سے تیمم بھی زائل ہوگا، جیسے: دشمن کے خوف، مرض اور ٹھنڈک وغیرہ کا زائل ہو جانا۔

جمہور فقہائے کرام کے ہاں ارتداد کی وجہ سے نہ تو وضو ٹوٹتا ہے اور نہ ہی تیمم ٹوٹتا ہے۔(۱)

تیمم سے متعلق چند بنیادی اصول اور مسائل:

(۱) چونکہ تیمم وضو اور غسل کا نائب ہے، اس وجہ سے مذکورہ رخصت میں حدثِ اصغر، جنابت یا حیض ونفاس کا کوئی فرق نہیں، عذرِ صحیح پائے جانے کے بعد ہر صورت میں تیمم کیا جا سکتا ہے۔(۲)

(۲) سفر کی جن صورتوں میں تیمم کا جواز ثابت ہے اس میں جائز وناجائز سفر (سفرِ معصیت) کا کوئی فرق نہیں۔ ہر دو صورتوں میں تیمم جائز ہے۔(۳)

(۳) حنفیہ کے ہاں تیمم وضو اور غسل کا بدلِ مطلق ہے، بدلِ ضروری نہیں، یعنی جس طرح وضو اور غسل سے حدث زائل ہو جاتا ہے اسی طرح تیمم سے بھی حدث زائل ہوگا۔ یہ الگ مسئلہ ہے کہ پانی مل جانے کے بعد یہ حدث دوبارہ لوٹ آئے گا، جب کہ امام شافعیؒ کے ہاں یہ بدلِ ضروری ہے یعنی اس سے حدث زائل نہیں ہوتا بلکہ حدث کے ہوتے ہوئے محض ضرورتاً جوازِ صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے، جس طرح استحاضہ کا حکم ہے۔

مذکورہ قاعدے کی روشنی میں حنفیہ کے ہاں چونکہ تیمم بدلِ مطلق ہے، اس لیے نماز کے وقت سے پہلے اور بعد میں بہر صورت تیمم جائز ہے، اسی طرح ایک تیمم سے کئی نمازیں اور نوافل وغیرہ پڑھی جا سکتی ہیں، جب کہ امام شافعیؒ کے ہاں ایسا کرنا

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل فصل في نواقض التيمم: ١/٣٤٧-٣٦١، الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب التيمم: ١/٤٢٥-٤٢٨، الفتاوى الهندية، الفصل الثاني في ماينقض التيمم: ١/٢٩، ٣٠، المعتصر الضروري على مختصر القدوري، كتاب الصلوة، باب الجماعة، ص: ٤٥

(٢) بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في مايتيمم منه: ١/٣٤١، وفصل وأما التيمم فالكلام فيه......: ١/٣٠٤-٣٠٩

(٣) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة المسافر: ٢/٦٠٤

جائز نہیں، بلکہ جواز ضرورت تک محدود رہے گا۔(۱)

(۴) مسافر شخص کو اگر پانی ملنے کی امید ہو تو وہ تیمم کو آخر وقت تک مؤخر کرلے اور اگر امید نہ ہو تو مستحب وقت میں تیمم کر کے نماز پڑھ لے تاہم یہ حکم استحبابی ہے، اگر امید کے باوجود (بشرطیکہ پانی ایک میل یا اس سے زیادہ دوری پر ہو) تیمم کر کے نماز پڑھ لے تو جمہور حنفیہ کے ہاں نماز جائز ہوگی۔(۲)

(۵) مسافر شخص کو اگر قریب میں پانی ملنے کا غالب گمان ہو یا کسی سے مناسب قیمت پر پانی خریدنے کی توقع ہو تو پانی طلب کرنا اس پر واجب ہے۔طلب کیے بغیر تیمم کرنا جائز نہیں۔(۳)

(۶) وضو اور غسل دونوں صورتوں میں اگر واجب اعضا کا نصف یا اس سے زیادہ زخمی ہو اور پانی سے نقصان پہنچ رہا ہو تو تیمم کرلے،البتہ اگر نصف سے کم زخمی ہو تو صحیح اعضا کو دھولے اور زخموں یا اس کے اوپر لگائی گئی پٹیوں پر مسح کرلے۔

(۷) پانی کے استعمال پر عدمِ قدرت میں اگر کسی بندے کا عمل دخل ہو تو تیمم کے ساتھ نماز پڑھنے کے بعد اس کا اعادہ واجب ہوگا، مثلاً: دشمن کے خوف یا قید و بند کی صورت میں تیمم سے پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ واجب ہوگا اور جہاں کہیں پانی پر عدمِ قدرت میں کسی بندے کا عمل دخل نہ ہو تو وہاں پر اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔(۴)

فاقد الطہورین کا مسئلہ:

اگر کسی شخص کو ایسی صورت حال پیش آجائے کہ اس کو نہ تو پانی میسر ہو اور نہ مٹی وغیرہ، یا میسر تو ہو، لیکن کسی مرض یا ہاتھ پاؤں کٹ جانے کی وجہ سے استعمال پر قدرت نہ ہو یا ایسی گندی جگہ قید ہو جائے جہاں پر پاک مٹی کا ملنا ناممکن ہو تو حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق وہ تشبیہ بالمصلین کرتے ہوئے پاکی کے بغیر نماز ادا کرلے اور اگر رکوع اور سجدہ کے لیے پاک یا خشک جگہ بھی میسر نہ ہو تو کھڑے ہو کر اشارے کے ساتھ نماز پڑھ لے۔

علامہ حصکفیؒ اور علامہ شامیؒ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ مقطوع الیدین والرجلین شخص چونکہ دائمی معذور ہے اس لیے وہ اسی حالت میں نماز ادا کرتا رہے اور صحیح قول کے مطابق اس پر اعادہ بھی نہیں جب کہ محبوس شخص یا عارضی بیمار شخص قرأت کے بغیر محض تشبیہ کرے گا اور بعد میں اس نماز کا اعادہ بھی کرے گا، اس لیے کہ اس کا عذر دائمی نہیں "ثم یعید کالصوم".(۵)

(۱)بدائع الصنائع، کتاب الطهارة، فصل في صفة التيمم:۱/۳۴۳، ۳۴۴ (۲)بدائع الصنائع، کتاب الطهارة، فصل في بيان وقت التيمم:۱/۳۴۱، ۳۴۲ (۳)مراقی الفلاح، کتاب الطهارة، باب التيمم، ص:۹۸، ۹۹، الهدایه مع فتح القدیر، کتاب الطهارة، باب التيمم:۱/۱۲۵ (٤)الفتاوی الهندية، کتاب الطهارة، الباب الرابع في التيمم، الفصل الاول:۱/۲۸ (۵)الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب التيمم:۱/۴۲۳ .

مسائل التیمم

چونا، پینٹ اور ڈسٹمبر والی دیواروں پر تیمم

سوال نمبر(210):

عام طور پر گھروں اور دفتروں کی دیواروں پر پینٹ اور ڈسٹمبر کیا ہوا ہوتا ہے، بعض دیواروں کو چونا دیا جاتا ہے ایسی تمام دیواروں پر تیمم کرنا جائز ہے یا کچھ فرق ہے؟ واضح جواب دیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

تیمم کے لیے فقہاے کرام کا یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیے کہ تیمم ان چیزوں پر درست ہے جو پاک ہونے کے ساتھ ساتھ زمین کی جنس سے بھی ہوں، اگر زمین کی جنس سے نہ ہوں تو ان پر گرد وغبار کی موجودگی ضروری ہے۔ زمین کی جنس سے ہونے کی پہچان یہ ہے کہ جلانے سے راکھ نہ بنے اور پگھلانے سے پگھلے نہیں۔ ان قواعد کی روشنی میں دیکھا جائے تو چونا، پینٹ اور ڈسٹمبر میں فرق ہے۔ چونا زمین کی جنس سے ہے جو جلانے سے راکھ نہیں بنتا اور نہ گرم کرنے سے پگھلتا ہے اس لیے چونا کیے گئے دیوار پر تیمم کرنا جائز ہے، لیکن پینٹ میں وارنش اور تیل کی مقدار غالب ہوتی ہے اور وہ ایسا مادہ ہے جو جنس الأرض سے نہیں اس لیے پینٹ شدہ دیوار پر اگر گرد وغبار نہ ہو تو اس پر تیمم درست نہیں۔ اسی طرح ڈسٹمبر میں پانی اور پٹرول کے علاوہ برائٹ جو ایک پتھریلا میٹریل ہے، زیادہ مقدار میں ہوتا ہے، لیکن وہ بھی چونکہ پٹرول کی آمیزش سے تیار کیا جاتا ہے، اس لیے احتیاط اس میں ہے کہ جس دیوار کو ڈسٹمبر دیا گیا ہو، اس پر تیمم نہ کیا جائے الا یہ کہ اس پر گرد وغبار موجود ہو۔

والدلیل علی ذلک:

ومنها الصعيد الطيب: يتيمم بطاهر من جنس الأرض، كذا في التبيين. كل مايحترق، فيصير رماداً كالحطب، والحشيش و نحوهما، أومابنطبع، ويلين كالحديد، والصفر، والنحاس، والزجاج، وعين الذهب والفضة، ونحوهما فليس من جنس الأرض.(١)

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، باب في التيمم، الفصل الأول:١/٢٦

ترجمہ: تیمم کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ پاک مٹی ہو، یعنی زمین کی جنس میں سے کسی پاک چیز پر تیمم کرے گا، جیسا کہ تبیین میں ہے۔ ہر وہ چیز جو جل کر راکھ ہو جاتی ہے، جیسے: لکڑی اور گھاس وغیرہ یا جو چیز جلانے سے اصل جاتی ہے اور نرم ہو جاتی ہے، جیسے: لوہا، پیتل، تانبا، شیشہ اور سونے چاندی کی ڈلی وغیرہ تو وہ زمین کی جنس سے نہیں (پس ان پر تیمم کرنا جائز نہیں)۔

ناپاک کپڑوں پر تیمم

سوال نمبر(211):

ناپاک کپڑوں پر تیمم کرنا درست ہے یا نہیں ؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ کپڑے چونکہ جنس الارض سے نہیں اس لیے کپڑوں پر تیمم کرنا جائز نہیں۔ البتہ اگر کپڑوں پر غبار پڑا ہو تو اُس سے تیمم کر سکتے ہیں۔

جہاں تک ناپاک کپڑے پر موجود گرد و غبار کا تعلق ہے تو اگر ناپاک کپڑے گیلے ہوں اور اُن پر گرد و غبار گر جائے تو اُس سے تیمم جائز نہیں اور اگر خشک ہونے کے بعد اُس پر گرد و غبار پڑ جائے تو اُس سے تیمم جائز ہے۔

والدلیل علی ذلک:

إذاتيمم بغبارالثوب النحس، لايحوز إلاإذاوقع التراب بعد ماجف الثوب، كذا في النهاية.(۱)

ترجمہ: ناپاک کپڑوں پر لگے گرد و غبار سے تیمم کرنا جائز نہیں الا یہ کہ جب مٹی کپڑوں پر خشک ہو جانے کے بعد پڑی ہو۔

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الطهارة، باب في التيمم، الفصل الأول:۱/۲۷

تیمم کے بعد وضوٹوٹ جائے

سوال نمبر(212):

جو شخص تیمم کرلے اور پھر اس کے بعد اس کا وضوٹوٹ جائے،تو ضرورت پڑنے پر دوبارہ تیمم کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ نیز جنابت کے لیے کیے گئے تیمم کے بعد وضوٹوٹ جانے سے جنابت دوبارہ لوٹ کر آتی ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب کسی شرعی عذر کی بناپر تیمم کیا جائے تو جب تک یہ عذر بحال رہے اور وضوتوڑنے والا کوئی دوسرا عارض پیش نہ آیا ہو تو تیمم بحال رہے گا،لیکن شرعی عذر ختم ہونے یا کسی ناقضِ وضو کے پیش آنے سے تیمم ختم ہوگا،چنانچہ ایسی صورت میں ضرورت پڑنے پر دوبارہ تیمم کرنا ضروری ہوگا۔

اور جنابت کے لیے کیے گئے تیمم کے بعد وضوتوڑنے والے کسی عارض کے پیش آنے سے تیمم تو ٹوٹ جاتا ہے،لیکن جنابت لوٹ کر نہیں آتی،یہاں تک کہ عذر بحال ہونے کے ساتھ ساتھ دوبارہ جنبی ہوجائے۔

والدلیل علی ذلک:

واعلم أنه إذا تيمم عن جنابة وأحدث حدثا ينقض الوضوء، فإن تيممه ينتقض باعتبار الحدث فتثبت أحكام الحدث لاأحكام الجنابة؛ فإنه محدث وليس بجنب.(۱)

ترجمہ:

تیمم کرنے والا جب جنابت سے تیمم کرلے اور اس کو وضوتوڑنے والا کوئی حدث لاحق ہوجائے تو اس کا تیمم حدث کے لحاظ سے ٹوٹ جائے گا،لہٰذا حدث اصغر کے احکام ثابت ہوں گے،نہ کہ جنابت یعنی حدث اکبر کے،کیونکہ یہ بے وضو ہے جنبی نہیں۔

❁❁❁

(۱)البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب التيمم، قوله:(بل ناقض الوضوء):۱/۲٦٦

وقت کی تنگی کی وجہ سے تیمم کرنا

سوال نمبر(213):

تھوڑے سے فاصلے پر پانی موجود ہو، لیکن اس کے حصول میں نماز کے وقت کے نکل جانے کا اندیشہ ہو تو تیمم کرے یا وضو کرکے قضا نماز پڑھے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

تیمم شرعی عذر کی بنا پر وضو کا قائم مقام ہے، بغیر کسی شرعی عذر کے پانی کی موجودگی کی صورت میں تیمم کرنا جائز نہیں، اگرچہ اس کے حاصل کرنے اور استعمال کرنے میں نماز کے وقت کے چلے جانے کا خطرہ ہو، لہٰذا اگر پانی موجود ہو اور بیماری کے بڑھنے یا شدت اختیار کرنے اور دشمن کا خوف وغیرہ اس کے استعمال سے مانع نہ ہو تو صرف وقت کے نکل جانے کے خطرہ سے تیمم کرنا جائز نہیں، بلکہ وضو کرے گا اور اگر نماز کا وقت نکل جائے تو قضا لازم ہوگی۔

والدلیل علی ذلك:

وکذا إذا خاف فوت الوقت لو توضأ، لم یتیمم، ویقضي مافاته ؛ لأن الفوات إلیٰ خلف، وهو القضاء.(١)

ترجمہ:

اسی طرح جب وضو کرنے سے وقت کے فوت ہونے کا ڈر ہو تو بھی تیمم نہیں کرے گا، بلکہ فوت شدہ نماز کی قضا کرے گا، اس لیے کہ فوت شدہ نماز کا بدل موجود ہے جو کہ قضا ہے۔

❁❁❁

نماز جمعہ کو پانے کے لیے تیمم کرنا

سوال نمبر(214):

ایک شخص جمعہ کے دن پوری تیاری کرکے نماز جمعہ کے لیے مسجد آئے، لیکن بدقسمتی سے خطبہ سننے کے بعد اس

(١) الهدایة، کتاب الطهارات، باب التیمم: ١/٥٣

کا وضو ٹوٹ جائے تو کیا وہ نماز جمعہ میں شرکت کے لیے تیمم کرسکتا ہے، جب کہ وضو کرنے سے یقینی طور پر وہ نماز جمعہ سے محروم ہورہا ہے۔

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جن عبادات کا متبادل نہیں اوران کے لیے وضو بھی ضروری ہے توان کے فوت ہونے کے ڈر سے تیمم کرنا جائز ہے، مثلاً: نماز جنازہ اور عیدین کی نمازیں، لیکن جن عبادات کا متبادل موجود ہے توان کے فوت ہونے کے ڈر سے تیمم درست نہیں۔

چنانچہ وقتی نمازیں اگرفوت ہوں تواس کا متبادل قضا نماز اور نماز جمعہ کے لیے ظہر کی نماز بطور متبادل موجود ہے، لہٰذا جمعہ کی نماز کو پانے کے لیے تیمم کرنا جائز نہیں، بلکہ وضو کرے اگر جمعہ کی نماز چلی گئی تو اس کی جگہ ظہر کی چار رکعت فرض پڑھ لے۔

والدلیل علی ذلک:

(ولایتیمم للجمعة وإن خاف الفوت لوتوضأ، فإن أدرك الجمعة صلاها، وإلاصلى الظهرأربعا)؛لأنهاتفوت إلىٰ خلف، وهوالظهر بخلاف العيد.(۱)

ترجمہ:

اورنماز جمعہ کے لیے تیمم جائز نہیں، اگر چہ اس کوخطرہ ہو کہ وضو کی وجہ سے جمعہ فوت ہوجائے گا۔چنانچہ اگر جمعہ پالیا تو پڑھ لے ورنہ ظہر کی چار رکعت پڑھ لے، اس لیے کہ نماز جمعہ اگرفوت ہوجائے تو اس کا بدل ظہر موجود ہے، بخلاف عید کی نماز کے (کہ اس کا خلف،یعنی بدل موجود نہیں)۔

❀❀❀

میلے کپڑوں پر تیمّم کرنا

سوال نمبر(215):

تین چار دن کے میلے کپڑوں پر تیمم کرنا کیسا ہے؟

بینوا توجروا

(۱)الهداية، كتاب الطهارات، باب التيمم: ۱/ ۵۲، ۵۳

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعاً تیمم ان چیزوں پر جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہوں اور پاک ہوں، خواہ ان پر گرد وغبار ہو یا نہ ہو، البتہ جو چیزیں زمین کی جنس سے نہ ہوں تو ان پر اتنا گرد وغبار کا ہونا ضروری ہے کہ ان کو جھاڑنے سے دھول اُٹھتی ہو۔ کپڑے چونکہ زمین کی جنس سے نہیں، اس لیے کپڑوں پر تیمم کرنا اس وقت درست ہوگا جب وہ پاک ہوں اور ان پر گرد وغبار بھی موجود ہو۔

والدلیل علی ذلك:

(وكذا يجوز)أي التيمم (بالغبار مع القدرة على الصعيد عندأبي حنيفة ومحمد رحمهمااللّٰه) بأن تنفض ثوبه، أولبده وارتفع فتيمم منه يجوز عندهما...لأن الغبار (تراب رقيق)ألاترىٰ أن من نفض ثوبه يتأذى جاره بالتراب.(۱)

ترجمہ: اور اسی طرح پاک مٹی پر قدرت کے باوجود صرف گرد وغبار پر تیمم کرنا طرفین کے نزدیک جائز ہے، یعنی جب کپڑے یا نمدے (کمبل) کو جھاڑنے سے دھول اٹھنے لگے تو اس سے تیمم کرنا ان کے نزدیک جائز ہے...اس لیے کہ گرد وغبار باریک مٹی ہی تو ہے، دیکھتے نہیں، جو کوئی اپنے کپڑوں کو جھاڑتا ہے تو اس سے قریب بیٹھے ہوئے شخص کو مٹی کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے۔

تیمم کے ساتھ پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ

سوال نمبر(216):

وہ نمازیں جو بوقتِ ضرورت دشمن کی خوف یا مرض بڑھنے کی وجہ سے تیمم کے ساتھ پڑھی گئی ہیں، بعد ازاں پانی کے استعمال پر قادر ہونے کی وجہ سے ان نمازوں کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں ؟

بیّنوا توجروا

(۱)بدرالدين أبومحمدمحمودبن أحمدالعيني، البنايةشرح الهداية، باب التيمم:۱/۵۱۳، مكتبة رشيدية، كوئٹه

الجواب وباللہ التوفیق:

پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہونا اگر کسی انسان کی دخل اندازی کی وجہ سے ہے، مثلاً: پانی کے استعمال پر قتل یا قید و بند کا خوف ہو یا کوئی دشمن کے نرغے میں ہو اور پانی کے موجود ہونے کے باوجود وہ استعمال پر قادر نہیں یا وہ دار الحرب میں قیدی ہے یا وقتی نماز کے فوت ہونے کے خوف سے تیمم کرکے نماز پڑھ لے تو ان صورتوں میں پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ کرنا ہوگا، لیکن جہاں پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہونے میں کسی بندہ کا دخل نہ ہو، بلکہ مریض کی ہلاکت یا مرض بڑھنے یا شدت اختیار کرنے کا اندیشہ ہو یا وقتی نماز اور جمعہ کی نماز نہ ہو، بلکہ عیدین یا جنازہ کی نماز ہو، جن کا بدل اور قضا نہیں ہے تو ان صورتوں میں تیمم کے ساتھ پڑھی گئی نمازوں کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

الأسير في دار الحرب إذا منعه الكافر عن الوضوء والصلوة، يتيمم ويصلي بالإيماء، ثم يعيد إذا خرج، وكذا الرجل إذا قال لغيره إن توضأت حبستك، أو قتلتك، فإنه يصلي بالتيمم، ثم يعيد ...والمحبوس في السجن يصلي بالتيمم، ويعيد بالوضوء؛ لأن العجز إنما تحقق بصنع العباد، وصنع العباد لا يؤثر في إسقاط حق الله.(۱)

ترجمہ:

کافر جب دار الحرب کے قیدی کو وضو اور نماز سے منع کرے تو وہ تیمم کرکے اشارہ کے ساتھ نماز پڑھے گا پھر رہائی کے بعد (وضو کرکے) اعادہ کرے گا، اسی طرح اگر ایک شخص دوسرے کو دھمکی دے کہ اگر تو نے وضو کیا تو میں تجھے جیل میں بند کردوں گا یا جان سے ماردوں گا تو وہ شخص تیمم کے ساتھ نماز پڑھے گا اور پھر اعادہ کرے گا...جیل کا قیدی (اگر پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو تو) تیمم کے ساتھ نماز پڑھے گا اور پھر بعد ازاں وضو کرکے نماز کا اعادہ کرے گا، کیونکہ ان صورتوں میں عجز انسانی دخل اندازی کی وجہ سے متحقق ہوا اور انسانی روک ٹوک حقوق اللہ کے اسقاط میں مؤثر نہیں۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الطهارة، باب التيمم، الفصل الأول: ۲۸/۱

تیمّم کے جواز کے لیے مرض اور شدتِ مرض کا پیمانہ

سوال نمبر (217):

مرض اور مرض کی شدت کی وجہ سے شریعت میں تیمم جائز ہے اس کی حد کیا ہے اور اسے جاننے کے لیے پیمانہ کیا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

تیمّم کے جواز کے لیے دیگر شرعی اعذار کے ساتھ ساتھ ایسی بیماری بھی ایک معتبر عذر ہے جس میں پانی کا استعمال مضر ہو، یعنی پانی کے استعمال سے بیماری بڑھتی ہو یا لمبی ہو جاتی ہو۔ جہاں تک اس مرض کی حد کا مسئلہ ہے تو وہ غلبۂ ظن، تجربہ یا کسی مسلمان، دیانت دار اور ماہر ڈاکٹر کے کہنے سے معلوم کی جا سکتی ہے۔

والدلیل علی ذلک:

ویعرف ذلك الخوف إما بغلبة الظن عن أمارة، أو تجربة، أو إخبار طبيب حاذق مسلم غير ظاهر الفسق. (۱)

ترجمہ:

مرض کے بڑھنے یا شدت اختیار کرنے کے خوف کا اندازہ یا تو علامت کی وجہ سے غلبۂ ظن سے ہوتا ہے یا تجربہ سے اور یا کسی ایسے ماہر مسلمان ڈاکٹر کے بتانے سے، جس کا فسق ظاہر نہ ہو۔ (یعنی ظاہر فاسق نہ ہو)

❁❁❁

شرم یا تہمت کی وجہ سے غسل کی بجائے تیمّم کرنا

سوال نمبر (218):

زید اپنے ماموں کے گھر مہمان تھا، ایک رات کہیں اس کو احتلام ہو گیا، شرم کی وجہ سے گھر کے اندر بھی غسل کا انتظام مشکل تھا اور باہر بھی باوجود تلاش کے غسل خانہ نہ مل سکا، چنانچہ تیمم کرکے نماز پڑھ لی، کیا زید کی یہ نماز درست

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الطهارة، باب التیمم، الفصل الأول: ۱/ ۲۸

ہے یااس کااعادہ ضروری ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

پانی پر قدرت نہ ہونے میں اگر بندوں کا دخل ہوتو اس صورت میں تیمم کے ساتھ نماز پڑھنا اگر چہ درست ہے لیکن بعدازاں اس کا اعادہ کرنا واجب ہے اور پانی پر عدمِ قدرت اگر سماوی اسباب کا نتیجہ ہے، تو تیمم کے درست ہونے کے ساتھ ساتھ ان نمازوں کا اعادہ بھی لازم نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں چونکہ شرم یا خوف ایک طبعی امر ہے اور من وجہ اس میں خود اس بندے کا بھی دخل ہے، لہٰذا اگر کہیں اس وجہ سے اپنی کوشش کے باوجود پانی میسر نہ آیا ہو اور تیمم کر کے نماز پڑھی گئی ہے تو اب اس کا اعادہ ضروری نہیں، لیکن اس تیمم سے مزید نمازیں نہ پڑھے، بلکہ غسل کر کے نماز پڑھنا شروع کرے۔

والدلیل علی ذلک:

قوله: (خاف ريبة) أي تهمة.قوله:(وبقول أبي يوسفؒ نأخذ)أي في الضيف ... وفي شرح الشيخ إسماعيل عن المنصورية قال الإمام قاضي خان:يؤخذ بقول أبي يوسفؒ في صلوٰت ماضية فلاتعاد، وفي مستقبله لايصلي مالم يغتسل.(١)

ترجمہ:

تہمت کا خوف ہو (اور غسل کی بجائے تیمم کر کے نماز پڑھ لے) تو مہمان کے حق میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی ہے (کہ اس پر اعادہ نہیں)...شرح شیخ اسماعیل میں منصوریہ کے حوالہ سے ہے کہ امام قاضی خان کہتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ کا قول گزشتہ نمازوں کے بارے میں ہوگا پس ان گزشتہ نمازوں کی قضا نہیں اور آئندہ کے لیے جب تک غسل نہ کرے، نماز نہ پڑھے۔

❁❁❁

(١) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطهارة، مطلب في تحرير الصاع والمدّ والرطل:١/٢٩٧

ستر کھل جانے کے ڈر سے تیمم اور اس سے پڑھی گئی نماز

سوال نمبر(219):

کسی شخص کو ایسے وقت میں غسل کی ضرورت پیش آئی کہ نماز کا وقت نکلنے کو ہے پانی موجود ہے، بلکہ نہر بہہ رہی ہے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ نہر کے کنارے بہت سارے لوگ موجود ہیں، ستر کھولے بغیر نہانا ناممکن ہے، کیا اس صورت میں تیمم کرنا جائز ہے؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ اس تیمم سے پڑھی گئی نماز کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر واقعی کسی کو ایسے وقت غسل کی ضرورت پیش آئی ہو اور ستر کھل جانے کے ڈر سے وہ پانی کے استعمال پر قادر نہیں، تو تیمم کی اجازت ہے، اس تیمم سے نماز پڑھ سکتا ہے تاہم بعد میں اس نماز کا اس کا اعادہ کرنا ہوگا۔

والدّليل على ذلك:

ولايخفیٰ أن تأخير الغسل لايقتضي عدم التيمم، فإن المبيح له وهو العجز عن المآء قد وجد، فافهم ......والأشبه الإعادة تفريعاعلیٰ ظاهرالمذهب في الممنوع من إزالة الحدث بصنع العبادإذا تيمم وصلیٰ.(۱)

ترجمہ:

اور یہ ظاہر ہے کہ تاخیرِ غسل کی اجازت تیمم کے عدمِ جواز کا تقاضا نہیں کرتی، کیونکہ تیمم کو مباح کرنے والی علت موجود ہے، جو عجز عن الماء ہے...اور جب انسانی دخل اندازی کی وجہ سے تیمم کر کے نماز پڑھی گئی ہو تو اس مسئلے میں ظاہر مذہب پر تفریع کر کے اعادہ کرنا زیادہ مناسب ہے۔

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، مطلب في أبحاث الغسل، قوله:(وينبغي لها):۱/۲۹۰

فالج زدہ شخص کے لیے پاکی حاصل کرنے کا حکم

سوال نمبر(220):

ایک آدمی فالج کا مریض ہے، وہ خود نہ تیمم کرسکتا ہے اور نہ اسے وضو کرنے پر قدرت ہے۔ اگر دوسرا آدمی اس کو تیمم کرائے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رو سے تیمم وضو اور غسل کا قائم مقام ہے، لیکن تیمم کے جواز کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ یہ شخص پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو، خواہ یہ عدمِ قدرت حقیقتاً ہو، جیسے: پانی کا موجود نہ ہونا، یا حکماً ہو، جیسے: کسی مریض کو کسی دیندار ماہر ڈاکٹر کے مشورہ یا تجربہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ پانی کے استعمال سے مرض شدت اختیار کرے گا یا مریض خود پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو اور دوسرا کوئی شخص وضو کرانے والا بھی نہ ملتا ہو تو ان صورتوں میں اس شخص کے لیے تیمم جائز رہے گا۔

صورتِ مسئولہ میں اگر فالج زدہ آدمی خود وضو پر قادر نہ ہو اور کوئی وضو کرانے والا بھی موجود نہ ہو یا پانی کا استعمال اس کے لیے مضر ہو تو ان صورتوں میں اس کے لیے تیمم کرانا جائز ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

أو کان لایجد من یوضئه ولایقدر بنفسه، فإن وجد خادما، أو مایستأجر به أجیرا، أو عنده من لواستعان به أعانه، فعلیٰ ظاهرالمذهب أنه لایتیمم؛لأنه قادر. (١)

ترجمہ:

یا اسے وضو کرانے والا کوئی نہ ملے اور وہ خود وضو کرنے پر قادر نہ ہو(تو تیمم کرے)اور اگر خادم ہو یا مزدور حاصل کرنے کے لیے اجرت موجود ہے یا اس کے پاس ایسا شخص موجود ہے کہ اگر اس سے مدد طلب کرے تو وہ اس کی مدد کرے، تو وہ ظاہر مذہب کے مطابق تیمم نہ کرے، کیوں کہ وہ پانی پر قادر ہے۔

(١) الفتاوی الهندیة، کتاب الطهارة، الباب الرابع في التیمم:١/٢٨

سردی کے خوف سے غسل کی بجائے تیمم کرنا

سوال نمبر(221):

ایک شخص کو جنابت لاحق ہوگئی، ساتھ پانی بھی ہے، لیکن سردی بہت زیادہ ہے اور یہ خطرہ ہے کہ اگر وہ غسل کرے گا تو بیمار ہو جائے گا، تو کیا اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ جو شخص عذر کی وجہ سے پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو تو شریعت نے اس کو تیمم کرنے کی اجازت دی ہے۔

صورتِ مسؤلہ کے مطابق اگر اس شخص کو غالب گمان ہو کہ اگر میں غسل کروں گا تو سخت سردی کی وجہ سے بیمار ہو جاؤں گا تو اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وكذا لو كان صحيحا خاف حدوث مرض ...... (بغلبة ظن)أي عن أمارة أو تجربة (أو قول حاذق مسلم)أي إخبار طبيب حاذق مسلم غير ظاهر الفسق. (١)

ترجمہ:

اور اسی طرح ایسا شخص جو صحیح ہو، لیکن پانی کے استعمال کرنے کی صورت میں بیماری لاحق ہونے کا اندیشہ ہو...غالب گمان کے مطابق، یعنی اس کو علامات سے پتہ چلتا ہو یا اپنے تجربہ سے یا کسی تجربہ کار مسلمان کے قول سے، یعنی کسی ماہر مسلمان طبیب اسے خبر دے جو کہ ظاہر الفسق نہ ہو۔

❁❁❁

(١) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الطهارة، باب التيمم: ٣٩٧/١

تکلیف کی وجہ سے وضو کی جگہ تیمم کرنا

سوال نمبر(222):

ایک شخص بڑھاپے کی وجہ سے وضو کرنے اور چارپائی سے اٹھنے میں تکلیف محسوس کررہا ہوتو کیا شریعت اس کو چارپائی پر بیٹھ کر تیمم کرنے کی اجازت دیتی ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ پاکی حاصل کرنے کے لیے وضو کرنا فرض ہے، بشرطِ عذر تیمم کی اجازت ہے، لیکن صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر اس بوڑھے شخص کو صرف اٹھنے، اور پھر وضو کے لیے بیٹھنے میں تھوڑی تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہو تو یہ تھوڑی تکلیف ایسا شرعی عذر نہیں کہ جس کی بنا پر تیمم کی گنجائش ہو۔اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیوی بچوں سے تعاون حاصل کرکے وضو کرلیا کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

إن وجد خادما:أي من تلزمه طاعته كعبده، وولده، وأجيره لايتيمم اتفاقا، وإن وجد غيره ممن لواستعان به أعانه ولوزوجته، فظاهر المذهب أنه لايتيمم أيضا بلاخلاف.(۱)

ترجمہ:

اگر مریض کو کوئی خادم ملے، یعنی کوئی ایسا شخص کہ اس کے ذمہ اس مریض کی اطاعت لازمی ہو، جیسا کہ اس کا غلام، بیٹا یا ملازم ہو، تو ایسی حالت میں مریض کے لیے بالاتفاق تیمم جائز نہیں ہے۔اور اگر ان کے علاوہ کوئی اور ایسا شخص ہو کہ اگر یہ مریض اس سے مدد طلب کرے تو وہ اس کی مدد کرے گا۔اگر چہ اس کی اپنی بیوی ہی کیوں نہ ہو تو اس صورت میں بھی ظاہر مذہب کے مطابق بغیر کسی اختلاف کے تیمم نہیں کرے گا۔

❀❀❀

(۱) رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۳۹۷

جو شخص تیمم پر قادر نہ ہو، اس کی پاکی کا حکم

سوال نمبر (223):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندہ معذور ہونے کی وجہ سے خود اٹھنے اور کھڑے ہونے سے قاصر ہے، جب تک کوئی دوسرا اٹھنے میں مدد نہ کرے۔ صبح کو باتھ روم جانے کے بعد بندہ وہاں قضاءِ حاجت سے فراغت کے بعد خود اٹھ نہیں سکتا اور اہلیہ گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی ہے، اس لیے اکثر اوقات فجر کی نماز قضا ہو جاتی ہے، تو کیا فجر کی نماز کے واسطے بندہ تیمم کر سکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت کریں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ اگر کوئی شخص وضو کرنے پر نہ خود قادر ہو اور نہ کوئی ایسا خادم یا معاون موجود ہو، جس کی مدد سے وضو کر سکے تو ایسی صورت میں عذر کی بنا پر تیمم کرنا جائز ہے، البتہ جس شخص کو خادم یا معاون میسر ہو اُسے تیمم کی اجازت نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں اہلیہ کا گھریلو کام کاج میں مصروف ہونا شرعی لحاظ سے کوئی معتبر عذر نہیں، کیونکہ گھر کے کام کاج میں تقدیم وتاخیر ممکن ہے، اِس لیے بیوی کے تعاون سے وضو کرنا ضروری ہے۔ گھریلو مصروفیت کی وجہ سے شوہر کے لیے تیمم پر اکتفا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

أو كان لايجد من يوضئه ولايقدربنفسه اتفاقا.وإن وجد خادما كعبده، وولده، وأجيره لايجزيه التيمم اتفاقا...... وإن وجدغيرخادمه من لواستعان به أعانه ولوزوجته فظاهرالمذهب أنه لايتيمم من غيرخلاف بين أبي حنيفة وصاحبيه. (۱)

ترجمہ: اور یا یہ مریض ایسا کوئی شخص نہ پاتا ہو جو اس کو وضو کروائے اور یہ خود وضو کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کے لیے بالاتفاق تیمم کرنا جائز ہے۔ اور اگر یہ مریض کسی خادم کو پائے، جیسا کہ اس کا اپنا غلام، بیٹا یا ملازم ہو تو پھر اس صورت میں بالاتفاق تیمم جائز نہیں...... اور اگر خادم کے علاوہ کوئی اور ایسا بندہ میسر ہو کہ جس سے اگر مدد طلب کرے تو وہ مدد کرے گا، خواہ اس کی بیوی ہی کیوں نہ ہو، تو ظاہر مذہب یہ ہے کہ وہ تیمم نہیں کرے گا۔ اِس میں امام صاحب اور صاحبین کا کوئی اختلاف نہیں۔

(۱) البحرا لرائق، كتاب الطهارة، باب التيمم، قوله:(أولمرض) :۱/ ۲٤٥

جنبی شخص صرف وضو پر قادر ہو تو کیا کرے

سوال نمبر(224):

ایک شخص کو جنابت لاحق ہو جائے اور وہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے غسل پر قادر نہ ہو، البتہ وضو کرنے سے کوئی عذر مانع نہیں، تو یہ شخص تیمم کرے یا وضو کرے۔ نیز تیمم کرنے کے بعد وضو ٹوٹ جائے تو کیا کرے ؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

اگر ایسے شخص کو جنابت لاحق ہو جائے جو کسی عذر شرعی کی وجہ سے غسل نہ کر سکتا ہو، مثلاً: مرض بڑھنے یا طول پکڑنے کا اندیشہ ہو یا پانی غسل کے لیے ناکافی ہو، تو ایسی صورت میں صرف وضو پر قدرت ہونے کے باوجود جنابت دور کرنے کے لیے صرف تیمم کافی ہے، وضو کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ جنابت دور کرنے کے بعد وضو توڑنے والا کوئی عارض لاحق ہو تو ضرورت پڑنے پر وضو کرنا لازمی ہے۔

والدلیل علی ذلک:

ولـو كـان مع الجنب مايكفي للوضوء يتيمم، ولايجب التوضؤ به إلاإذاكان مع الجنابة حدث يوجب الوضوء.(١)

ترجمہ:

اگر جنبی آدمی کے پاس اتنا پانی ہے جو صرف وضو کے لیے کافی ہے تو وہ تیمم کرے گا، وضو اس پر واجب نہیں، الا یہ کہ اس جنابت کے بعد (جس کے لیے تیمم کیا ہے) کوئی حدثِ اصغر پیش آ جائے جو وضو کو واجب کر دے۔

❁❁❁

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، باب في التيمم، فصل في المتفرقات:١/ ٣٠

باب المسح علی الخفین

(موزوں پر مسح کرنے کا بیان)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

وضو کے دوران پاؤں دھونے کی فرضیت، اگرچہ قرآن وحدیث اور اجماعِ امت سے ثابت ہے، لیکن ممکن ہے کہ اس پنج وقتہ عمل (عباداتِ مقصودہ) میں سردی، سفر یا کسی اور وجہ (مثلاً: وقت کی کمی، قافلہ کا چھوٹ جانا وغیرہ) سے پاؤں دھونا دشوار ہو جائے، اس لیے شریعتِ مطہرہ نے آسانی اور سہولت کی خاطر مخصوص وقت اور شرائط کے ساتھ اس بات کی اجازت دی ہے کہ موزے پہن کر اس پر مسح کر لیا جائے۔ رسول کریم ﷺ سے قولاً وفعلاً اس رخصت کی مشروعیت ثابت ہے۔ تیمم کی طرح موزوں پر مسح کی مشروعیت بھی امتِ محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ (۱)

لغوی اور اصطلاحی تحقیق:

مسح کا لغوی معنیٰ ''کسی شے پر ہاتھ پھیرنا'' یعنی "امرار الید علی الشیئ" ہے، جب کہ ''خف'' موزے کو کہتے ہیں، موزہ چمڑے وغیرہ سے بنی ہوئی وہ چیز ہے جو ٹخنوں سمیت پاؤں کو چھپا دے۔ ''خف'' خفۃ سے ماخوذ ہے بمعنی آسانی، چونکہ موزے پہننے کی وجہ سے پاؤں دھونے کے حکم میں آسانی آجاتی ہے، اس لیے لغوی معنی کا شرعی معنی کے ساتھ گہری مناسبت ہے۔

شریعت کی اصطلاح میں ''مسح علی الخفین''، مخصوص قسم کے موزوں پر، مخصوص وقت کے لیے تر ہاتھ پھیرنے کا نام ہے۔ "اصابة البلة لخف مخصوص في زمن مخصوص". (۲)

مشروعیت:

موزوں پر مسح کی مشروعیت خود نبی کریم ﷺ سے قولاً وفعلاً ثابت ہے اور اسی پر صحابہ کرامؓ کا قولی وعملی اجماع بھی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے اگرچہ ابتدا میں عدم جواز کا قول ثابت تھا، لیکن بعد میں اس سے جواز کے اقوال اور رجوع بھی ثابت

(۱) احکام اسلام عقل کی نظر میں، باب المسح علی الخفین، حصہ اول، ص:۴۳، ۴۴، مراقي الفلاح علیٰ صدر حاشیة الطحطاوي، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین، ص:۱۰۲، الموسوعة الفقهية، ماده مسح علی الخفین: ۲۶۲/۳۷

(۲) مراقي الفلاح، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین، ص:۱۰۱، الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین: ۴۳۶/۱

ہے۔اس کے جواز کی روایات صحابہؓ کی ایک جماعت سے ثابت ہوکر تواتر تک پہنچ گئی ہیں۔حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر بدری صحابہ کو مسح علی الخفین کے جواز پر پایا،اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ نے مسح علی الخفین اہل السنۃ والجماعۃ کی علامت قرار دی ہے اور فرمایا ہے کہ مسح علی الخفین کے بارے میں میرے پاس روشن چمکتے دن کی طرح روایات آئی ہیں لہٰذا اس سے انکار کرنا اکابر صحابہ پر انکار کرنے کے مترادف ہے،اسی وجہ سے امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں کے بارے میں کفر کا اندیشہ رکھتا ہوں جو مسح علی الخفین کے جواز سے منکر ہیں۔(۱)

مسح علی الخفین کی صفت:

اکثر فقہا اور اصولیین کے ہاں مسح علی الخفین رخصتِ ترفیہ ہے،رخصتِ اسقاط نہیں،یعنی یہ ایسی رخصت ہے جو محض آسانی اور سہولت کی خاطر جائز قرار دی گئی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عزیمت (یعنی موزے نکال کر پاؤں دھونے) پر عمل کرنے کی بھی گنجائش (بلکہ اولویت) موجود ہے۔

علامہ طحطاویؒ بحر سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ بعض صورتوں میں مسح علی الخفین وجوب کی شکل اختیار کر لیتا ہے،مثلاً:

(۱)وضو کا پانی اتنا کم ہو کہ پاؤں دھونے کے لیے کافی نہ ہو۔

(۲)وقت اتنا کم ہو کہ پاؤں دھونے کی وجہ سے نماز کا وقت یا وقوفِ عرفہ کا وقت فوت ہو رہا ہو۔(۲)

مسح علی الخفین کا سبب اور حکم:

دونوں پاؤں میں موزے پہن لینا مسح کا سبب ہے،جب کہ مدتِ مسح میں اس سے نماز وغیرہ کی ادائیگی کا صحیح ہونا اس کا دنیوی حکم ہے۔فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی جگہ لوگ مسح کے منکر ہوں تو وہاں پر مسح کرنا پاؤں دھونے سے افضل ہے،اسی طرح مذکورہ سنت پر عمل کرنے کی نیت سے بھی مسح کرنا افضل قرار دیا گیا ہے،تاہم عام حالات میں پاؤں دھونا زیادہ افضل ہے،اس لیے کہ اس میں مشقت زیادہ ہے۔(۳)

---

(۱)بدائع الصنائع، کتاب الطهارة، فصل في المسح على الخفين:۱/۱۲۳۔۱۳۰

(۲)حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، ص:۱۰۲، الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين:۱/۴۴۱۔۴۴۳

(۳) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، ص:۱۰۲

مسح علی الخفین کا رکن:

ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی سے تین انگلیوں کی بقدر موزوں کے بالائی حصہ پر مسح کرنا فرض ہے۔ تین انگلیاں ضروری نہیں بلکہ اگر ایک انگلی سے ہر مرتبہ نیا پانی لے کر موزے کے اوپر والے حصے پر الگ الگ جگہ مسح کر دے تو بھی کافی ہے، اسی طرح اگر انگلیوں کے بغیر برتن وغیرہ سے پانی ڈال دے یا گیلے کپڑے سے مذکورہ مقدار تر کر دے، تو بھی فرض ادا ہو جائے گا۔

اسی طرح یہ بھی فرض ہے کہ مسح پاؤں کے اگلے حصہ کے اوپر والے حصہ پر ہو، پاؤں کے نچلے حصے، اطراف یا ٹخنوں یا ایڑھی وغیرہ پر مسح کرنا کافی نہیں۔ مسح کرنے کے لیے نیا پانی لینا ضروری ہے، سر کے مسح سے بچے ہوئے پانی سے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں۔ (۱)

مسح علی الخفین کا جواز کون سی طہارت میں ہے؟

مسح علی الخفین کا جواز صرف وضو کی حالت میں ہے، جنابت، حیض اور نفاس سے پاکی کی صورت میں غسل کرتے وقت موزوں کو نکال کر پاؤں کو دھونا فرض ہے، اس لیے کہ مذکورہ رخصت، وضو میں تکرار اور تکثیر کو مد نظر رکھ کر دی گئی ہے، جب کہ جنابت وغیرہ میں تکرار اور تکثیر کا حرج نہیں۔ (۲)

مسح علی الخفین کی مدت:

موزوں پر مسح کی مدت مسافروں کے لیے تین شب و روز اور مقیم کے لیے ایک شب و روز ہے، یہی رائے شوافع اور حنابلہ کی بھی ہے۔ آپ ﷺ نے مسافروں کے لیے تین دن و رات اور مقیم کے لیے ایک دن و رات کی مدت مقرر فرمائی ہے، البتہ امام مالکؒ کے ہاں کوئی مدت مقرر نہیں ہے۔ (۳)

مدت کا اعتبار کب سے ہوگا؟

طہارت کی حالت میں موزے پہننے کے بعد جب پہلی دفعہ وضو ٹوٹ جائے گا تو اس وقت سے مدت شمار ہوگی۔ اگر کسی مقیم شخص نے مسح شروع کیا اور ایک دن رات ختم ہونے سے پہلے مسافر ہو گیا تو تین دن رات کی مدت

(۱) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، ص:۱۰۵

(۲) مراقي الفلاح ص:۱۰۲، الدر المختار على صدر ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين:۱/۴۴۷

(۳) جامع الترمذی، ابواب الطهارة، باب المسح على الخفين للمسافر والمقيم:۱/۲۷، بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في المسح على الخفين، ۱/۱۳۳-۱۳۶

مکمل کرے گا اور اگر مسافر ایک دن رات مسح کرنے کے بعد مقیم ہوا تو فوراً موزے اتار لے گا۔(۱)

مسح کے جواز اور عدم جواز کے اعتبار سے موزے، جرموق اور جرابوں کی قسمیں:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خفین یعنی موزوں پر مسح کی مشروعیت اور جواز احادیثِ قولیہ وفعلیہ کے تواتر اور اجماعِ صحابہؓ سے ثابت ہے تاہم کتبِ فقہیہ میں خفین کی چند دیگر اقسام کا بھی تذکرہ موجود ہے، اسی طرح جرموقین اور جرابوں کی بحث بھی ایسی ہے جو حکم کے اعتبار سے خفین سے کافی مختلف ہے، اس لیے خفین، جرموقین اور جوربین؛ ہر ایک کی الگ الگ تعریف، شرائط اور حکم کا تذکرہ پیشِ خدمت ہے:

(۱) خفین:

وہ موزہ جو پورے کا پورا چمڑے سے بنا ہوا ہو تو اس کو خف کہا جاتا ہے۔اس پر مسح کرنا بالاتفاق جائز ہے، تاہم اس کے جواز کے لیے شرائط آگے آرہی ہیں۔

(۲) مجلدین:

وہ موزہ جو سوت یا اون کا بنا ہوا ہو اور اس کے اوپر نیچے چمڑا لگا ہوا ہو تو اس کو جوربِ مجلد کہا جاتا ہے۔اس پر بھی مسح کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

(۳) منعلین:

وہ موزہ جو سوت یا اون کا بنا ہوا ہو اور صرف نیچے کی جانب چمڑا لگا ہوا ہو تو اس کو جوربِ منعل کہا جاتا ہے۔اس پر بھی مسح کرنا جائز ہے۔

(۴) جوربین ثخینین:

وہ جراب جو سوت یا اون کا بنا ہوا ہو اور دبیز یعنی موٹا ہو تو اس کو جوربِ ثخین کہا جاتا ہے، اس پر مسح کے بارے میں خود حنفیہ کے بھی دو قول ہیں۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر مسح کرنا جائز نہیں، جب کہ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک تین شرائط کے ساتھ جائز ہے:

(۱) جورب اتنا موٹا اور دبیز ہو کہ نیچے جلد نظر نہ آئے اور نہ ہی عام کپڑے کی طرح فوراً پانی کو جذب کرے۔

(۲) پیروں پر چپکا ہوا ہو۔

---

(۱) بدائع الصنائع حوالہ سابقہ: ۱/۱۳۶، ۱۳۷، مراقي الفلاح، کتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، ص: ۱۰۴

(۳) ایک فرسخ (تین میل) تک مسلسل چلنا اس میں ممکن ہو۔

امام ابوحنیفہؒ نے مرض الموت میں صاحبین کی اس رائے کی طرف رجوع فرما کر خود بھی ایسے موزوں پر مسح کیا تھا۔

(۵) جوربین رقیقین (لفافہ):

وہ جراب جو سوت یا اون وغیرہ کا بنا ہوا ہو، لیکن موٹا نہ ہو، جیسا کہ آج کل سردیوں کے موسم میں یا جوتوں اور موزوں کے نیچے استعمال ہوتے ہیں، ان پر مسح کرنا بالاتفاق ناجائز ہے۔اس حکم میں لفافہ بھی ہے، لفافہ وہ کپڑا ہے جو عام جرابوں کی طرح جوتوں یا موزوں کے نیچے استعمال ہوتا ہے۔ جراب اور لفافے میں صرف یہ فرق ہے کہ جراب باقاعدہ سلائی یا مشین کے ذریعے بنائے جاتے ہیں جب کہ لفافہ سلائی کے بغیر عام کپڑے کی شکل میں استعمال ہوتا ہے۔

(۶) نعلین:

نعل وہ ہے جو جوتے کی شکل میں ہو۔ جمہور فقہا و محدثین کے ہاں بالاتفاق نعل اور چپل پر مسح کرنا جائز نہیں۔

(۷) جرموقین یا موقین:

جرموق سے مراد وہ موزہ ہے جو سردی سے بچنے یا موزے کو گندگی یا خراب ہونے سے بچانے کے لیے موزے کے اوپر استعمال ہوتا ہے۔اس کو ہم ''خف علی الخف''یعنی موزے کے اوپر موزے یا دوہرے موزے (خف ذی طاقین) سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر جرموق موٹے کپڑے کے ایسے جراب کو کہتے ہیں جس کے اوپر نیچے چمڑے، یا چمڑے سے مشابہ کسی دوسری چیز کی پیوندکاری کردی گئی ہو۔

مذکورہ تعریفات اور تعبیرات سے معلوم ہوا کہ موجودہ دور میں چپل کے شکل میں جو چیزیں جرموقین کے نام سے استعمال ہورہی ہیں ان پر مسح کرنا مطلقاً ناجائز ہے چاہے انفرادی طور پر استعمال ہوں یا موزے کے اوپر حفاظت کے لیے مستعمل ہوں۔

جرموقین پر مسح کرنے کا حکم:

جرموقین اگر چمڑے کے ہوں اور موزے کے بغیر استعمال ہوں تو ان پر مسح کرنا جائز ہے، تاہم اگر جرموق موزوں کے اوپر استعمال ہوں تو پھر ان پر مسح کرنے کے لیے شرائط یہ ہیں۔

(۱) جرموق چمڑے کے بنے ہوئے ہوں یا اس کے اوپر نیچے چمڑا لگا دیا گیا ہو۔

(۲) جرموق ایسی حالت میں ہوں کہ اگر ان کو موزوں کے بغیر علیحدہ استعمال کیا جائے تو ان پر مسح کرنا جائز ہو۔

(۳) موزوں پر مسح کرنے سے پہلے ان کو پہن لیا جائے، اگر مسح کرنے کے بعد پہن لے تو پھر ان پر مسح کرنا جائز نہیں۔

(۴) حدث لاحق ہونے سے پہلے پہلے اس کو پہن لیا جائے، اگر حدث لاحق ہونے کے بعد جرموقین پہن لے تو ان پر مسح جائز نہیں ہوگا۔

نوٹ: "خف علی الخف" یعنی موزے کے اوپر موزے پہننے کے احکام بھی بالکل اسی طرح ہیں جو موزے کے اوپر جرموق پہننے کے ہیں۔(۱)

مسح علی الخفین کے جواز کے لیے شرائط:

(۱) موزے پاؤں دھونے کے بعد پہن لیے جائیں۔ اگر پاؤں پر زخم ہو تو پٹی پر مسح کرنا دھونے کے مترادف ہے۔ اگر وضو میں پاؤں دھونے کو دوسرے اعضا پر مقدم کرکے موزے پہن لیے تو ضروری ہے کہ کوئی ناقض وضو صورت پیش آنے سے پہلے وضو مکمل کرلے۔

(۲) موزے ٹخنوں کو چھپالے اس طور پر کہ ٹخنے نظر نہ آئیں۔

(۳) موزوں میں کم از کم ایک فرسخ (تین شرعی میل) کے بقدر چلنا ممکن ہو۔

(۴) موزہ بہت زیادہ پھٹا ہوا نہ ہو، فقہاء اس کو خرقِ کثیر سے تعبیر کرتے ہیں جس کی مقدار پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں کے برابر ہے۔

(۵) موزے کسی چیز سے باندھے بغیر پاؤں سے چپکے رہیں۔

(۶) پانی کو اندر جانے سے روکنے والے ہوں یعنی پانی جذب کرنے والے نہ ہوں۔

(۷) پاؤں کے اگلے حصے کی کم از کم اتنا حصہ موجود ہو جو ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی سے تین انگلیوں کے برابر ہو، اگر کسی شخص کے پاؤں کا اگلا حصہ بالکل نہ ہو تو اس کے لیے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں۔

(۸) مسح کرنے والا جنبی یا حیض ونفاس میں نہ ہو، اس لیے کہ موزوں پر مسح کرنا صرف حدثِ اصغر کی صورت میں جائز ہے۔

(۹) مسح موزوں کے ظاہری حصے پر ہو، باطن یعنی نچلے حصے پر مسح کرنا کافی نہیں، تاہم دونوں پر مسح کرنا مستحب

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطهارة، باب المسح على الخفين: ۱/۴۴۸۔۴۵۳، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطهارة، الباب الخامس في المسح على الخفين، الفصل الاول: ۱/۳۲، بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين: ۱/۱۴۱۔۱۴۴، الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة جرموق: ۱۵/۱۴۴

اور بہتر ہے۔(۱)

(۱۰) موزے خود پاک ہوں۔ یہ شرط تمام فقہا کے ہاں متفقہ ہے۔(۲)

مسح کرنے کا مسنون طریقہ:

مسح کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں دائیں پاؤں کی انگلیوں پر اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں پاؤں کی انگلیوں پر رکھی جائیں اور ٹخنوں کے اوپر تک ان کو کھینچا جائے، اسی طرح انگلیوں کو کھلا رکھنا بھی مسنون ہے، البتہ مسح میں تکرار مسنون نہیں۔(۳)

مسح کے نواقض:

(۱) جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان سے مسح بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

(۲) دونوں یا ایک موزہ اتار دیا جائے یا پاؤں کا اکثر حصہ نکل جائے تو اس سے بھی مسح ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی حکم میں موزے کا خرقِ کثیر یعنی تین انگلیوں سے زیادہ پھٹن بھی ہے۔

(۳) مدت گزر جائے تو بھی مسح ٹوٹ جاتا ہے۔

(۴) ایک پاؤں کے اکثر حصے تک پانی کا پہنچ جانا بھی مسح کو توڑ دیتا ہے۔

آخری تین صورتیں پیش آنے کے وقت اگر آدمی باوضو ہو تو اس پر صرف پاؤں دھونا فرض ہے، مکمل وضو کرنا فرض نہیں۔(۴)

چند بنیادی احکام:

(۱) موزوں کے علاوہ اشیا، مثلاً: پگڑی، دستانوں، ٹوپی اور برقع وغیرہ پر مسح کرنا جائز نہیں۔(۵)

(۲) مسح علی الخفین میں نیت شرط نہیں، بغیر نیت کے مفروضہ مقدار تک پانی پہنچ جانے سے بھی مسح ہو جاتا ہے۔(۶)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الطهارة، باب المسح على الخفين: ۱/۱۳۸-۱٤٦، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوی کتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، ص: ۱۰۳، ۱۰٤

(۲) الموسوعة الفقهية، مادة مسح على الخفين: ۳۷/۲٦٤

(۳) مراقي الفلاح حواله بالا، ص: ۱۰۵، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطهارة، الباب الخامس في المسح على الخفين، الفصل الاول: ۱/۳۳

(٤) مراقي الفلاح حواله بالا: ۱۰۵-۱۰۷، الفتاوىٰ الهندية حواله بالا، الفصل الثانی في نواقض المسح: ۱/۳٤، ۳۵

(۵) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، ص: ۱۰۷

(٦) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطهارة، الباب الخامس في المسح على الخفين، الفصل الاول: ۱/۳۳

جرموقین پرمسح

سوال نمبر(225):

جرموق پرمسح کرنا کیسا ہے؟اگرکسی نے موزوں کے اوپر جرموق پہن لیے ہوں توایسے جرموق پرمسح موزوں پرمسح کے حکم میں ہوگایانہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جرموق اوراس کے پہننے کی صورتیں مختلف ہیں،چنانچہ ان کے احکام بھی مختلف ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱):......جرموق اگرموزوں کے اوپر پہن لیے ہوں تواگر کھدرے کپڑے یااس کے مشابہ کسی اورموٹی چیز سے بنے ہوں،توان پرمسح جائزنہیں الا یہ کہ جرموق اتنے باریک ہوں کہ ان پرمسح کرنے سے پانی کااثرموزوں تک پہنچتا ہوں تو ان پرمسح کرناجائزہے۔

(۲):......اور جرموق اگر چمڑے یاچمڑے کی طرح کسی دوسری مضبوط چیز سے بنے ہوں توان پرمسح کرناجائزہے،لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ ان کوموزوں پرمسح کرنے سے پہلے یامسح کرنے کے بعدلیکن بے وضوہونے سے پہلے پہن لیاگیاہو،اوراگرموزوں پرمسح کرنے کے بعدوضوٹوٹ گیاہو،اوراب جرموقین پہن لیے گئے ہوں توان پرمسح کرناجائز نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

وإذالبس الجرموقين، وأراد أن يمسح عليهم فالمسئلة علىٰ وجهين :إماأن يلبسهماوحدهما، أو يلبسهمافوق الخفين، وكل مسئلة علىٰ وجهين :إماإن كان الجرموق من كرباس أوماأشبه الكرباس، أومن أديم، أومايشبه الأديم ......لايجوز المسح عليهما، وإن كان لبسهما فوق الخفين، فإن كان من كرباس أومايشبه الكرباس لايجوزالمسح عليهماكمالولبسهماعلى الانفراد، إلاأن يكونارقيقين يصل البلل إلىٰ ماتحتهما، وإن كانامن أديم أومايشبهه أجمعواأنه إذالبسهمابعدماأحدث قبل أن يمسح على الخفين، أوبعد ماأحدث ومسح على الخفين أنه لايجوز المسح عليهما، وإن لبسهما قبل أن يحدث جاز المسح عليهماعندنا، به ورد الأثرعن رسول الله ﷺ فقدروى المغيرة (بن شعبة) رضي الله عنه

انہ ﷺ انہ مسح علی الموق، وھو الجرموق.(۱)

ترجمہ:

اور جب جرموق پہن لے اور ان پر مسح کا ارادہ ہو، تو اس کی دوصورتیں ہیں یا تو صرف جرموق پہنے ہوں گے یا جرموق موزوں کے اوپر پہنے ہوں گے، ہر ایک مسئلہ کی دو دو صورتیں ہیں کہ اگر جرموق سوتی کپڑے یا اس کے مشابہ کسی دوسری چیز سے بنے ہوں یا کسی چمڑے یا اس جیسی دوسری مضبوط چیز سے...تو ایسے جرموق پر مسح کرنا جائز نہیں اور اگر جرموق، موزوں کے اوپر پہنے ہوں تو اگر یہ سوتی کپڑے یا اس کے مانند کسی دوسری چیز کے بنے ہوں تو ان پر مسح کرنا جائز نہیں جس طرح ایسی جرموق اکیلے پہننے کی صورت میں مسح کرنا جائز نہیں الا یہ کہ یہ اتنے باریک ہوں کہ ان پر مسح کرنے سے تری نیچے موزوں تک پہنچ جائے اور اگر جرموق چمڑے یا اس کے مشابہ کسی دوسری چیز کے بنے ہوں تو فقہا کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر ان جرموق کو بے وضو ہونے کے بعد موزوں پر مسح کرنے سے پہلے یا بے وضو ہونے کے بعد موزوں پر مسح کر کے پہن لیے ہوں، تو ان جرموقین پر مسح کرنا جائز نہیں اور اگر بے وضو ہونے سے پہلے پہن لیے ہوں تو ہمارے نزدیک ان پر مسح جائز ہے اور اسی کے بارے میں حضور ﷺ سے اثر مروی ہے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے موق پر مسح کیا۔ موق جرموق ہی ہے۔

جرابوں پر مسح

سوال نمبر(226):

جراب پر مسح کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا موزوں کے حکم میں ہو کر ان پر مسح کرنا درست رہے گا، اگر ان پر مسح درست نہیں، تو فقہائے کرام جہاں مطلق جوربین کا ذکر فرماتے ہیں، ان سے کیا مراد ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عام طور پر جو جراب استعمال ہوتے ہیں، وہ اکثر اون یا نائلون کے ہوا کرتے ہیں، ان میں وہ شرائط نہیں پائے جاتے جو فقہائے کرام نے جرابوں پر مسح کے جواز کے لیے ذکر کیے ہیں۔ وہ شرائط یہ ہیں کہ وہ سخت ہوں، سخت ہونے کی

(۱) الفتاویٰ التاتارخانیۃ، کتاب الطہارۃ، الفصل السادس فی المسح علی الخفین: ۱/ ۲۰۴

وجہ سے باندھنے کے بغیر پنڈلی پر قائم رہ سکیں، پانی کا اثر اندر نہ پہنچے اور ان میں جوتوں کے بغیر چلنا پھرنا ممکن ہو۔ عام مروجہ جرابوں کے علاوہ اگر کسی جراب میں یہ شرائط موجود ہوں تو اُس پر مسح جائز ہوگا۔ فقہاء اسے ثخینین کہتے ہیں۔

ثخینین کے علاوہ مجلدین (جس کے اوپر نیچے چمڑا لگا ہو) اور منعلین (جس کے صرف نیچے چمڑا لگا ہو) جرابوں پر بھی جائز ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک :

قولہ:(ولا یجوز المسح علی الجوربین عند أبي حنیفةؒ إلا أن یکونا مجلدین، او منعلین)؛لأنه لا یمکن المشي فیهما في العادة فأشبه اللفافة، وأما إذا کانا مجلدین، أو منعلین أمکن ذلك، فجاز المسح علیهما کالخفین.(۱)

ترجمہ:

اور امام ابوحنیفہؒ کے ہاں جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں، سوائے اس کے کہ جو مجلد ہوں (یعنی اون یا سوت سے بنائے گئے ہوں اور ان کے اوپر اور نیچے، ہر دو جانب چمڑا لگا ہوا ہو) یا منعل ہوں (یعنی اون یا سوت کے بنائے گئے ہوں اور صرف نیچے کی جانب میں چمڑا لگا ہوا ہو)، کیونکہ عادۃً جرابوں میں چلنا پھرنا ممکن نہیں ہوتا، تو ایسے جراب لفافہ کے مشابہہ ہیں (لفافہ وہ کپڑا ہے جو عام جرابوں کی طرح جوتوں یا موزوں کے نیچے استعمال ہوتا ہے) پس جب وہ مجلدین یا منعلین ہوں تو ان میں چلنا پھرنا ممکن ہوگا اور اس لیے ان پر موزوں کی طرح مسح کرنا جائز ہوگا۔

ویقال لغیر المتخذ من الجلد جورب، وهو الشراب ولا یقال للشراب: خف، إلا إذا تحققت فیه ثلاثة أمور:أحدها:أن یکون ثخینا، یمنع من وصول الماء إلیٰ ما تحته، ثانیهما:أن یثبت علی القدمین بنفسه من غیر رباط، ثالثها:أن لا یکون شفافا یریٰ ما تحته من القدمین...... فمتیٰ تحققت في الجورب هذه الشروط کان خفا. (۱)

---

(۱)أبو بکر بن علي بن محمد الزبیدي، الجوهرة النیرة، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین، مطلب في المسح علی الجوربین:۱/۸۱، ۸۲دار الکتب العلمیة، بیروت

(۱)عبدالرحمن بن محمد عوض الجزیري، کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة، کتاب الطهارة، شروط المسح علی الخف:۱/۱۲۶، وحیدي کتب خانه، پشاور

ترجمہ: اور جو چمڑے کے علاوہ کسی اور چیز سے بنائی گئی ہو اس کو جراب کہتے ہیں، یہ دراصل شراب (عربوں کی ایک خاص اصطلاح) ہے اور شراب کو موزہ نہیں کہا جاتا۔ سوائے اس کے کہ اُس میں تین باتیں پائی جائیں پہلی بات یہ کہ وہ ایسی سخت ہوں کہ پانی کے نیچے (اندر) جانے سے مانع ہوں، دوسری بات یہ کہ وہ بغیر باندھنے کے پاؤں پر ٹھہر سکیں، تیسری یہ کہ وہ اتنے باریک نہ ہوں کہ ان کے نیچے پاؤں نظر آتا ہو، پس جب کسی جراب میں یہ شرائط پائی جائیں، تو وہ موزے کے حکم میں ہوگا۔

❁❁❁

مسح کے بعد موزے نکالنا

سوال نمبر(227):

موزوں پر مسح کرنے کے بعد اس کو نکال دیا تو اب پاؤں دھوئے بغیر اس کو پہن لینا درست ہے یا نہیں؟ دوبارہ وضو ٹوٹنے پر ان کو نکال کر پاؤں دھونا ضروری ہے یا موزوں پر ہی مسح درست ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہ حنفی کی رُو سے مسح کے جملہ نواقض میں سے ایک موزوں کا نکل جانا بھی ہے، لہٰذا اگر ایک مرتبہ بے وضو ہو کر مسح کرنے کے بعد موزے اتار دیے جائیں تو مسح ٹوٹ جائے گا۔ اب پاؤں دھوئے بغیر موزے پہن کر ان پر مسح درست نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

(وینقض المسح کل شيء ینقض الوضوء)؛ لأنه بعض الوضوء (وینقضه أیضانزع الخف) .... لأن عندالنزع یسري الحدث السابق إلیٰ القدمین کأنه لم یغسلها. (۱)

ترجمہ:

ہر وہ چیز جو وضو کو توڑتی ہے، مسح کو بھی توڑتی ہے، کیونکہ یہ مسح وضو کا ایک حصہ ہے اور موزے کا نکل جانا بھی اس کو توڑ دیتا ہے، اس لیے کہ موزے کے نکلنے سے سابقہ حدث پاؤں میں سرایت کر جاتا ہے، گویا اسے دھویا ہی نہیں۔

---

(۱) الهدایة، کتاب الطهارات، باب المسح علی الخفین: ۱/ ۵۸

باب المسح علی الجبیرۃ

(پٹی وغیرہ پر مسح کرنے کا بیان)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

شریعتِ مطہرہ کے جملہ احکام میں آسانی اور سہولت کی رعایت رکھی گئی ہے اور کسی بھی سختی کی صورت میں لچک کا مظاہرہ کرتے ہوتے ہوئے بروقت متبادل اور قائم مقام کی طرف رجوع کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا اگر کسی شخص نے زخم، پھوڑے پھنسی، پھٹن، جلے ہوئے داغ یا ٹوٹی ہڈی وغیرہ پر پٹی باندھ لی ہو اور پانی کے استعمال سے اس کو ضرر پہنچتا ہو یا کھولنے سے زخم متاثر ہوتا ہو یا دوبارہ پٹی باندھنے میں مشکل پیش آرہی ہو کہ نہ تو خود باندھ سکتا ہو اور نہ کوئی دوسرا باندھنے والا میسر ہو؛ تو ان تمام صورتوں میں شریعت مطہرہ نے ﴿وما جعل علیکم في الدین من حرج﴾ (الحج:۷۸) پر عمل کرتے ہوئے وضو اور غسل دونوں میں پٹی پر مسح کرنے کو جائز قرار دیا ہے، بلکہ یہ بھی حکم دیا ہے کہ اگر پٹی پر مسح کرنا نقصان دہ ہو تو چھوڑنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔(۱)

جبیرہ کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

جبیرہ جبر سے ماخوذ ہے، جبر کے معنیٰ اصلاح اور تلافی کے ہیں۔ اصطلاحِ شریعت میں جبیرہ ایسی لکڑی کو کہتے ہیں جسے پتوں سے لپیٹ کر ٹوٹے ہوئے ہڈی پر باندھ دیا جائے۔ چونکہ مذکورہ لکڑی سے زخم یا کسر (ٹوٹے پن) کی اصلاح ہوتی ہے اس لیے نیک فالی کے طور پر اسے جبیرہ کہا جاتا ہے۔

فقہائے کرام کے ہاں احکامِ فقہیہ کے اعتبار سے جبیرہ کے مفہوم میں کافی توسع ہے، لہٰذا موجودہ دور میں مختلف کیمیکل سے بنے ہوئے پلاسٹر، کپڑے وغیرہ کی پٹیاں، مرہم، چمڑا، پلاسٹک اور ایسی دوائیاں جو پانی کو زخم تک پہنچانے سے روکنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں، اسی حکم میں داخل ہیں۔(۲)

مسح علی الجبیرہ کی مشروعیت:

پٹی پر مسح کرنے کا جواز احادیثِ مبارکہ، اجماعِ امت اور قیاس ہر ایک سے ثابت ہے۔

---

(۱) مراقی الفلاح، کتاب الطهارة، فصل في الجبيرة ونحوها، ص:۱۰۷، ۱۰۸

(۲) مراقي الفلاح حواله بالا، الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين: ۱/۴۶۸، ۴۷۱

جنگِ احد کے دن جب آپ ﷺ کا چہرۂ انور زخمی ہوگیا اور پٹی باندھی گئی تو آپ ﷺ پٹی پر ہی مسح فرمایا کرتے تھے احد ہی کے دن آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بھی پٹی پر مسح کرنے کا حکم فرمایا تھا۔علامہ مرغینانیؒ اور علامہ کاسانیؒ عقلی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شریعت نے موزوں پر مسح کی اجازت دی ہے اس لیے زخم کے اوپر لگائی گئی پٹیوں پر مسح بطریقۂ اولیٰ جائز ہوگا، کیوں کہ موزوں کے نکالنے میں جو تکلیف ہے، پٹیوں کے نکالنے میں اس سے بڑھ کر ہے۔(۱)

پٹی پر مسح کرنے کا حکم:

وضو یا غسل ہر ایک میں زخم کے اوپر لگائی گئی پٹی پر مسح کرنا صاحبین کے ہاں اس عضو کو دھونے کی طرح فرض ہے (فرض سے مراد فرضِ عملی ہے یعنی وجوب)، لہٰذا مسح چھوڑنے کی وجہ سے وضو یا غسل جائز ہی نہیں ہوگا۔حنفیہ کے ہاں فتویٰ اسی قول پر ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے بھی اسی قول کی طرف رجوع فرمالیا تھا۔(۲)

اگر مسح کرنا بھی نقصان دہ ہو تو!!

فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر پٹی پر مسح کرنا بھی نقصان دہ ہو تو یہ مسح بھی معاف ہوجائے گا۔علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:"ولا خلاف في أنه إذا كان المسح على الجبائر يضره أنه يسقط عنه المسح؛لأن الغسل يسقط بالعذر فالمسح أولىٰ".(۳)

پٹی پر مسح جائز ہونے کی شرطیں:

پٹی پر مسح جائز ہونے کے لیے فقہائے کرام کے ہاں درج ذیل شرائط ہیں:

(۱) شکستہ (یعنی ٹوٹا ہوا) عضو یا زخم کو دھونا مضر ہو یا دھونے میں تو ضرر نہ ہو لیکن پٹی کے نکالے جانے میں صحت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔یا فی الوقت تو پٹی کھولنے میں نقصان نہ ہو لیکن مسلسل کھلا رکھنا مضر ہو اور زخمی شخص کو خود یا کسی اور شخص کے ذریعے دوبارہ صحیح طریقے سے باندھنے پر قدرت نہ ہو یعنی انجام اور مستقبل کے اعتبار سے نقصان کا خطرہ ہو۔

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الطهارة، فصل في بيان ماينقض المسح:۱/۱۵۰.الهداية، کتاب الطهارات، باب المسح على الخفين:۱/۶۰

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، مطلب الفرق بين الفرض العملي والقطعي والواجب ۱/۴۶۸، ۴۶۹

(۳) بدائع الصنائع حواله بالا:۱/۱۵۲.الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، ۱/۴۷۰

(۲) شکستہ یا زخمی عضو اس قابل نہ ہو کہ بذاتِ خود اس پر مسح کیا جائے اور تر ہاتھ پھیرا جائے یعنی زخم کے اصل مقام پر مسح کرنے سے بھی ضرر کا اندیشہ ہو، اس لیے کہ اگر زخم کے مقام پر مسح کیا جاسکتا ہو تو پٹی پر مسح کرنے کے بجائے زخم کے اصل مقام پر مسح کرنا فرض ہوگا، اس لیے کہ جبیرہ پر مسح کرنا عذر کی وجہ سے تھا اور جب عضو خود مسح کے قابل ہوا تو عذر ہی نہ رہا۔

(۳) پٹی ضرورت سے زیادہ حصہ پر نہ ہو البتہ اگر زیادہ حصے پر اس طرح لگی ہو کہ اس کے کھولنے اور زخم کے قریبی حصوں کو دھونے سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں اس زائد حصے پر بھی مسح کیا جائے گا۔(۱)

پٹی کے کتنے حصے پر مسح ضروری ہے؟

حنفیہ کے اصح قول کے مطابق پٹی کے اکثر حصے پر ایک مرتبہ مسح کرنا کافی ہے، یعنی استیعاب اور تکرار ضروری نہیں، البتہ یہ یاد رہے کہ نصف یا اس سے کم حصے پر مسح کرنا کافی نہیں۔(۲)

نواقضِ مسح:

جو چیزیں غسل یا وضو کے لیے ناقض ہیں وہی جبیرہ کے لیے بھی ناقض ہیں، چنانچہ دوبارہ غسل اور وضو کے ساتھ پھر سے جبیرہ پر بھی مسح کیا جائے گا البتہ ایک خاص ناقض ''جبیرہ یعنی پٹی کا گر جانا'' ہے:۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ پٹی صحت یاب ہونے کے بعد گری ہوگی یا صحت یاب ہونے سے قبل، اگر صحت یاب ہونے سے قبل گری ہوئی ہو تو چاہے نماز کی حالت میں ہو یا باہر، مسح باقی رہے گا اور نماز بھی باقی رکھی جائے گی اور اگر صحت یاب ہونے کے بعد گری ہو تو اس صورت میں اگر نماز سے باہر ہو اور بے وضو ہو تو وضو کرتے وقت دوسرے اعضا کے ساتھ وہ جگہ بھی دھولے اور اگر نماز سے باہر تو ہو لیکن وضو کی حالت میں ہو تو صرف پٹی کی جگہ کو دھولے اور اگر نماز کی حالت میں پٹی گر جائے تو نماز فاسد ہوگئی اب وہ جگہ دھو کر دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی۔

حنفیہ کے ہاں پٹی پر مسح کرتے ہوئے جتنی بھی نمازیں پڑھی ہوں، صحت یاب ہونے کے بعد کسی کا بھی اعادہ ضروری نہیں بلکہ تمام نمازیں بلا اعادہ درست ہیں۔(۳)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الطهارة، فصل في بيان ماينقض المسح: ۱/۱۵۱، الدرالمختار، کتاب الطهارة، باب المسح على الخفين: ۱/۴۷۰، ۴۷۱

(۲) التاتارخانيه، کتاب الطهارة، الفصل السادس في المسح على الخفين، نوع آخر: ۱/۲۱۵، الدرالمختار مع ردالمحتار، حواله بالا: ۱/۴۷۲، ۴۷۳

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الطهارة، فصل في بيان ماينقض المسح: ۱/۱۵۶، ۱۵۷

موزوں اور پٹی پر مسح کرنے میں فرق:

فقہائے کرام نے مسح کی ان دونوں قسموں میں فرق بیان کرتے ہوئے کافی مفید اور جامع اصول بیان کیے ہیں۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے تو ان فرقوں کو سینتیس تک پہنچا دیا ہے، ان میں سے چندوہ فرق یہاں ذکر کیے جا رہے ہیں جو زیادہ اہم اور مفید سمجھے گئے۔

(۱) پٹی پر مسح کرنے کے لیے مدت متعین نہیں، موزوں کے لیے متعین ہے۔

(۲) پٹی پر مسح کرنا ضرورت کے وقت جائز ہے جب کہ موزوں پر بلا ضرورت بھی مسح کرنا مرخص ہے۔

(۳) پٹی اگر صحت یابی سے پہلے گر جائے تو مسح نہیں ٹوٹتا، موزہ کسی بھی صورت میں نکل جائے تو مسح ٹوٹ جائے گا۔

(۴) پٹی پر مسح کرنا غسلِ جنابت میں بھی جائز ہے جب کہ ایسی صورت میں موزوں پر مسح درست نہیں۔

(۵) پٹی پر اگر مسح کرنا بھی مضر ہو تو مسح کیے بغیر بھی طہارت مکمل ہے جب کہ موزوں پر مسح کیے بغیر طہارت ناقص ہے۔

(۶) پٹی باندھتے وقت پاک ہونا ضروری نہیں جب کہ موزے پہنتے وقت پاک ہونا ضروری ہے۔

(۷) پٹی جسم کے کسی بھی حصے پر ہو تو مسح جائز ہے جب کہ موزوں کا تعلق صرف پاؤں سے ہے۔

(۸) ایک پاؤں کو دھو کر دوسرے پاؤں کی پٹی پر مسح کرنا جائز ہے جب کہ موزے پہننے کی صورت میں ایسا کرنا جائز نہیں۔

(۹) ایک پٹی پر مسح کرنے کے بعد اگر اس پر دوسری پٹی باندھی جائے تو اوپر والی پٹی پر بھی مسح کرنا جائز ہے جب کہ موزے پر مسح کرنے کے بعد اس کے اوپر والے موزے پر مسح کرنا جائز نہیں۔

(۱۰) پٹی میں یہ شرط نہیں کہ اس میں پھٹن نہ ہو، پانی نیچے تک سرایت نہ کرے، اس میں چلنا ممکن ہو، موٹی ہو، چمڑے والی ہو، عضو کو چھپانے والی ہو، بہ ذاتِ خود عضو کے ساتھ ملی ہوئی ہو؛ جب کہ موزوں پر مسح جائز ہونے کے لیے یہ تمام اشیا شرط ہیں۔

(۱۱) وضو کی حالت میں اگر پٹی صحت یابی کے بعد گر جائے تو صرف پٹی کی جگہ کو دھویا جائے گا جب کہ ایک موزہ کھلنے سے دونوں پاؤں کا دھونا ضروری ہوگا۔(۱)

❁❁❁❁❁

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطھارۃ، باب المسح علی الخفین: ۱/۴۶۹-۴۷۴، ابن نجیم، زین الدین، الأشباہ والنظائر، ماافترق فیہ مسح الجبیرۃ ومسح الخف، ص: ۲۰۳، ایچ۔ ایم۔ سعید، کراچی

مسائل المسح علی الجبیرة

پلستر پر مسح

سوال نمبر(228):

کئی سال پہلے میرے ہاتھ کا آپریشن ہوا تھا زخم تو ٹھیک ہوگیا ہے، لیکن ہاتھ اور انگلیوں میں ٹیڑھاپن آگیا ہے جس پر ڈاکٹر نے پلستر باندھ دیا ہے، اب ٹیڑھاپن بتدریج ٹھیک ہورہا ہے، کیا میں اس پلاسٹر پر مسح کرسکتا ہوں یا نہیں؟ میرے لیے پانی کا استعمال مضر تو نہیں، لیکن پلستر ہٹانا نقصان دہ بھی ہے اور تکلیف دہ بھی۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ پٹی یا پلستر پر مسح کا جواز عذر کی بنا پر ہے، جس کے لیے فقہائے کرام نے شرائط بیان کی ہیں، ان شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ پٹی ہٹانے سے زخم یا اس عضو کے مزید بگڑنے کا اندیشہ ہو۔

انگلیوں کا ٹیڑھاپن دور کرنے یا ہڈیوں کے جوڑنے کے لیے پلستر اگر خاص مدت کے لیے چڑھایا گیا ہے اور اس سے پہلے اس کا ہٹانا نقصان دہ ہے، تو پھر پلستر پر مسح جائز ہے۔

والدلیل علی ذلک:

وأمّا شرائط جوازه: فهو أن يكون الغسل ممايضر بالعضو المنكسر والجرح والقرح، أو لا يضره الغسل، لكنه يخاف الضرر من جهة أخرىٰ بنزع الجبائر.(۱)

ترجمہ:

پٹی پر مسح کے جواز کی شرائط یہ ہیں کہ یا تو ٹوٹے ہوئے عضو، زخم اور پھوڑے کے لیے دھونا نقصان دہ ہو اور یا یہ کہ دھونا تو مضر نہ ہو، لیکن پٹی یا پلستر ہٹانے سے کسی اور وجہ سے ضرر کا اندیشہ ہو۔

❀❀❀

(۱) بدائع الصنائع، کتاب اطهارة، فصل في بيان ماينقض المسح: ۱/۱۵۱

زخم کی پٹی پرمسح اوراس کے گرنے یاکھولنے سے مسح کاحکم

سوال نمبر(229):

اگرکوئی شخص بدن کی کسی ایسی جگہ پر پٹی باندھ لے، جس کادھوناوضومیں فرض ہویااس کے علاوہ کسی دوسری جگہ پر پٹی باندھ دی گئی ہواورغسل کی ضرورت پڑھ جائے توایسے اعضاپرمسح کاکیاحکم ہے؟نیزاگرپٹی گرجائے یایہ شخص خودکھول دے یاپٹی تبدیل کرے،تومسح باقی رہےگایانہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کسی زخم یاپھوڑے پرپٹی باندھ کردھونے کی بجائے مسح کی اجازت درحقیقت حاجت اورضرورت پرمبنی ہے، چنانچہ اگرزخم ایساہوکہ پانی کے استعمال سے اس کوضررپہنچتاہویابارباپٹی کھولنے سے زخم متاثرہوتاہویادوبارہ پٹی باندھنے میں مشکل پیش آرہی ہوکہ نہ خودباندھ سکتاہونہ کوئی دوسراباندھنے والامیسرہو؛توایسی حالت میں پٹی کھول کردھونے کی بجائے پٹی پرمسح کرکے وضواورغسل کوپوراکیاجاسکتاہے،اسی طرح اگرضرورت کے مطابق پٹی زخم سے متجاوزہوتوبھی پوری پٹی یعنی غیرمتاثرہ جگہ پربھی مسح کرنے میں کوئی حرج نہیں اوراگرکہیں عذرنہ ہو،توپھربلاوجہ مسح کی اجازت نہیں۔

زخم ٹھیک نہ ہونے سے پہلے اگرپٹی گرگئی یاایک شخص نے پٹی تبدیل کرنے یازخم پردوائی لگانے کی غرض سے پٹی خودکھول دی یاکسی سے کھلوادی جب کہ پانی کااستعمال ابھی تک باعثِ تکلیف ہے،تواس سے مسح متاثرنہیں ہوتا، تاہم اگرکوئی اطمینان کے لیے دوسری پٹی یااس پٹی کے دوبارہ باندھنے کے بعدمسح کااعادہ کرے،توزیادہ بہترہے۔

والدلیل علی ذلک:

وإذا زادت الجبيرة على نفس الجراحة فإن ضره الحل والمسح مسح على الكل تبعا مع القرحة وإن لم يضراه غسل ما حولها ومسحها نفسها. وإن ضره المسح لا الحل يمسح على الخرقة التى على رأس الجرح ويغسل ما حولها تحت الخرقة الزائدة إذ الثابت بالضرورة يتقدر بقدرها ولم أر لهم ما إذا ضره الحل لا المسح لظهور أنه حينئذ يمسح على الكل. (۱)

(۱)ابن الهمام، كمال الدين محمدبن عبدالواحد، فتح القدير، باب المسح على الخفين:۱/۱٤۰،۱٤۱

ترجمہ: جب پٹی زخم سے زائد ہوتو اگر کھولنا اور زخم پر مسح کرمضر ہوتو زخم کے ساتھ تابع ہوکر سب پٹی پر مسح کرے۔ اور اگر یہ دونوں (کھولنا اور زخم پر مسح) مضر نہ ہوں تو (کھول کر) اردگرد جگہ کو دھولے اور زخم پر مسح کرے۔ اور اگر مسح مضر ہو کھولنا نہیں، تو زخم کے اوپر پٹی کا جو ٹکڑا ہے اُس پر مسح کرے اور باقی کو کھول کر اُس کے نیچے بدن کے حصے کو دھولے کیونکہ ضرورت کے تحت جو حکم ثابت ہوتا ہے وہ ضرورت کی حد تک محدود رہتا ہے۔ اور فقہا کی عبارات میں میں نے یہ صورت صراحتاً نہیں دیکھی کہ کہ جب کھولنا مضر ہو اور مسح مضر نہ ہو تو کیا کرے؟ کیونکہ اس کا جواب ظاہر ہے کہ سب پٹی پر مسح کرے گا۔

وفي الفتاویٰ التاتارخانیه :إذامسح علی الجبائر، ثم نزعها، ثم أعادها کان علیه أن یعید المسح علیها، وإن لم یعد أجزاه.(۱)

ترجمہ: جب ایک مرتبہ پٹی پر مسح کرے اور پھر کھول دے اور پھر اسے دوبارہ باندھ لے (یا تبدیل کرے) تو چاہیے کہ دوبارہ مسح کرے اور اگر اعادہ نہ کرے، تو بھی جائز ہے۔

مصنوعی اعضا پر مسح کرنا

سوال نمبر(230):

مصنوعی اعضا لگانے کا کیا حکم ہے؟ اگر کسی شخص کا ہاتھ یا پاؤں کٹ چکا ہو اور اس نے مصنوعی اعضا لگائے ہوں، تو اعضا پر مسح کرے گا یا ان کو دھوئے گا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

چونکہ ہاتھ، پاؤں کسی بھی زندہ انسان کی اشد ضرورت ہوا کرتے ہیں، دوسروں کے احتیاج سے بچنے یا اپنی سہولت کی خاطر اگر ہاتھ پاؤں یا دیگر ایسے اعضا لگائے گئے ہوں جو ضرورت کے تحت ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

جہاں تک ان اعضا کے دھونے یا ان پر مسح کا مسئلہ ہے تو اگر پیدائشی اور قدرتی انسانی اعضا مثلاً: ہاتھ اور پاؤں، کہنیوں اور ٹخنوں سمیت کٹ چکے ہوں تو وضو میں ان کے دھونے یا ان پر مسح کا حکم باقی نہیں رہتا۔ اگر ان کا کچھ حصہ باقی

(۱) الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الطهارة، الفصل السادس في المسح علی الخفین، نوع آخر قبل الفصل السابع:۱/۲۱۶

ہے یا کٹے ہوئے نہ ہوں، بلکہ مفلوج ہوں اور ان کے اوپر مصنوعی اعضا اس طریقے سے چڑھائے گئے ہوں کہ ان کے ہٹانے میں نقصان اور تکلیف ہو اور دھونا مضر ہو، تو جہاں تک پانی پہنچ سکتا ہو، ان کو دھویا جائے گا، ورنہ مسح کیا جائے گا اور ان مصنوعی اعضا کے ہٹانے میں کوئی حرج اور تکلیف نہ ہو تو مفلوج یا باقی ماندہ اعضا کو دھویا جائے گا۔

والدليل على ذلك:

ولوقطعت رجله من الكعب وبقي النصف من الكعب يفترض عليه غسل مابقي من الكعب، أوموضع القطع، وإن كان القطع فوق الكعب، أوفوق المرفق لم يجب غسل موضع القطع.(۱)

ترجمہ:

اگر کسی کا پاؤں ٹخنے سے کٹ چکا ہے اور ٹخنے میں سے آدھا حصہ باقی ہے، تو اس ٹخنے کے باقی حصے یا جہاں سے کٹ چکا ہے، اس کا دھونا فرض ہے اور اگر ٹخنے یا کہنی کے اوپر سے عضو کٹا ہوا ہو، تو پھر محلِ قطع کو بھی نہیں دھویا جائے گا۔

وفي ردالمختار:

قوله :(أوبرء موضعهاولم تسقط... فإن ضره)أي إزالتهاالشدّة لصوقها به ونحوه.(۲)

ترجمہ:

زخم کی جگہ ٹھیک ہوگئی ہو، لیکن پٹی نہ گری ہو تو (مسح باطل ہو جائے گا) لیکن اگر اُسے دور کرنا مضر ہو کیونکہ وہ سخت چمٹی ہوئی ہو، (تو پھر مسح باطل نہ ہوگا)

❁❁❁❁❁

---

(۱)الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الأول في الوضوء:۱/ ۷۰

(۲) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، مطلب في لفظ كل إذادخلت على منكر أو معرف:۱/ ۲۷۲

باب الحیض والنفاس والاستحاضۃ

(حیض، نفاس اور استحاضہ کے مسائل کا بیان)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

حیض ونفاس عورتوں کی مخصوص بیماریاں ہیں جو مخصوص عمر میں ایک خاص کیفیت کے ساتھ عورتوں کو عارض ہوتی ہیں۔ چونکہ ان بیماریوں کی وجہ سے عورتوں کو ناپاکی کے ساتھ ساتھ جسمانی طور پر بھی کچھ تغیرات ومشکلات اور طبیعت میں تیزی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لیے شریعتِ مطہرہ نے ایک طرف بہ وجہ ناپاکی نماز وروزہ اور پاک ومحترم چیزوں سے دور رکھتے ہوئے بطورِ احسان بعض عبادات ان سے معاف کردی تو دوسری طرف تقاضائے نظافت اور اصولِ صحت کی رعایت کرتے ہوئے جماع کو بھی منع فرمایا۔

زمانہ جاہلیت اور دوسرے مذاہب کے برعکس اسلام نے دورانِ حیض عورتوں کو اچھوت بنانے کی بجائے ان کے ساتھ ہم خوابی، ہم طعامی اور مباشرت کی مکمل اجازت دی ہے۔ خود نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں عملی طور پر کافی احکام ثابت ہیں جو اسلام میں عورتوں کے حقوق کی پاسداری کی کھلی دلیل ہے۔ (۱)

عورتوں کے لیے احکامِ حیض جاننے کا حکم اور فقہاے کرام کی آراء:

چونکہ حیض ونفاس عورتوں کی خفیہ بیماریاں شمار ہوتی ہیں جن سے کسی کو آگاہ کرنے میں شرم بھی محسوس ہوتی ہے اور ہر عورت کی عادت وحالت بھی کسی حد تک دوسری عورت سے مختلف ہوتی ہے، اس لیے فقہاے کرام نے اس کو "غوامض الابواب" یعنی فقہ کا وہ باب قرار دیا ہے جس کے اکثر مسائل خفیہ اور پوشیدہ ہیں۔ تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شریعت کے کافی سارے احکام، مثلاً: طہارت، صلوۃ، تلاوتِ قرآن، روزہ، اعتکاف، حج، طواف، مسِ مصحف، جماع، عدت اور استبراء وغیرہ پر اس کا اثر پڑتا ہے اس لیے فقہاے کرام نے عورت کے لیے ان بنیادی احکام کے علم کو واجب قرار دیا ہے اور والدین، شوہر یا ولی کو اس بات کا پابند بنادیا ہے کہ وہ بذاتِ خود یا کسی اور معتبر ذریعے سے ان کو مذکورہ احکام کی تعلیم دیں۔ (۲)

---

(۱) ملخص از قاموس الفقہ، مادہ حیض: ۳/۳۰۹

(۲) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطہارۃ، باب الحیض: ۱/۴۷۴، الموسوعۃ الفقہیۃ، مادہ حیض: ۱۸/۲۹۳

☆ حیض کالغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

حیض کالغوی معنیٰ سیلان اور بہاؤ ہے۔کہا جاتا ہے" حاض الوادی" وادی بہہ پڑی۔فقہ کی اصطلاح میں حیض کی تعریف یوں ہے:

"هو دم ينفضه رحم امرأة بالغة لاداء بها ولا حبل ولم تبلغ سن الإياس".

وہ خون جو ایسی بالغ عورت جس کو کوئی بیماری یا حمل لاحق نہ ہو اور وہ سنِ ایاس یعنی انتہائی کبرسنی کو نہ پہنچی ہو، کے رحم سے خارج ہو جائے۔

رحم کے علاوہ کسی اور عضو سے بہنے والا خون، چھوٹی بچی یا انتہائی بوڑھی عورت سے بہنے والا خون، حمل کے دوران بہنے والا خون اور کسی بیماری (استحاضہ یا ولادت) کی وجہ سے رحم سے بہنے والا خون حیض شمار نہیں ہوتا۔(۱)

باب الحیض سے متعلقہ اصطلاحات:

(۱) نفاس......: ولادت کے بعد رحم سے خارج ہونے والا خون نفاس کہلاتا ہے۔

(۲) استحاضہ......: غیر طبعی طور پر یعنی کسی بیماری یا کمزوری کی وجہ سے خارج ہونے والا خون استحاضہ کہلاتا ہے۔اسی طرح حیض و نفاس کی مدت سے پہلے یا بعد میں خارج ہونے والا خون بھی استحاضہ کہلاتا ہے۔

(۳) طہر......: طہر عورتوں کی اس حالت کا نام ہے جس میں ان کو حیض یا نفاس عارض نہ ہو۔

عربی زبان میں حیض کے لیے چند دیگر اصطلاحات بھی استعمال کی جاتی ہیں، مثلاً: طمث، ضحک، اکبار، اعصار، دراس، عراک، فراک، قرء اور نفاس (۲)۔

احکاماتِ حیض کی مشروعیت:

حیض سے متعلق بعض احکامات کی مشروعیت خود قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہے: ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ

(۱) مراقي الفلاح على حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص: ۱۱۰، ۱۱۱، البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/ ۳۳۰، ۳۳۱

(۲) هندية، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الاول والثاني والثالث: ۱/ ۳۶-۳۸، البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/ ۳۳۰، ابن عابدين، محمد أمين، مجموعه رسائل ابن عابدين، منهل الواردين...... في مسائل الحيض: ۱/ ۷۴-۷۵، سهيل اكيڈمي، لاهور

﴿...حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ......﴾(البقرۃ:۲۲۲)

اور تجھ سے پوچھتے ہیں حکم حیض کا، کہہ دے وہ گندگی ہے، سو تم الگ رہو عورتوں سے حیض کے وقت اور نزدیک نہ ہوان کے، جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں، پھر جب خوب پاک ہو جائیں تو جاؤان کے پاس جہاں سے حکم دیا تم کو اللہ نے۔

تاہم اکثر احکامات اُن احادیث سے ثابت ہیں جو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے مروی ہیں۔(۱)

حیض ونفاس کا اہلیت پر اثر:

اصولیین کے ہاں حیض ونفاس کا اہلیتِ وجوب یا اہلیتِ ادا کسی پر بھی کوئی اثر نہیں، اس لیے کہ یہ اشیا ذمہ، عقل، تمیز، صحتِ جسمانی اور قدرت کسی پر بھی اثر انداز نہیں ہوتے، لہٰذا عورت بدستور اہلیت کے اعتبار سے کامل شمار ہوگی تاہم حرج اور مشقت کو دور کرنے کے لیے بعض مخصوص احکام میں شریعت نے معافی اور آسانی کا معاملہ بھی کیا ہے، جس کا کمالِ اہلیت سے کوئی تضاد و تصادم نہیں۔(۲)

حیض کا رکن:

حنفیہ میں سے امام ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے ہاں رحم سے خون کا خارج ہونا اور فرجِ داخل سے فرجِ خارج تک ظاہر ہونا حیض کا رکن ہے، جب کہ امام محمدؒ کے ہاں فرجِ خارج تک ظاہر ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر عورت کو کرسف باندھے ہوئے حالت میں خون کا احساس ہو جائے اور ابھی تک اس نے خروج نہ کیا ہو تو بھی حائضہ شمار ہوگی، تاہم فتویٰ پہلے قول پر ہے، لہٰذا اگر احساس ہونے کے بعد خروج سے پہلے پہلے روزہ مکمل ہو گیا تو پہلے قول کے مطابق یہ روزہ مکمل ہے اور قضا کی ضرورت نہیں۔(۳)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ حیض کے خون میں سیلان اور تسلسل شرط نہیں، بلکہ مدتِ حیض کے اندر اندر بعض ایام میں خون نہ آئے اور ابتداء وانتہاء میں خون آ جائے تو ان درمیانی ایام کے احکام بھی حیض کے ہوں گے۔(۴)

---

(۱)الصحیح للبخاري، کتاب الحیض وبعد:۱/۴۳، ۴۴

(۲)أبوالبرکات، حافظ الدین النسفي، عبداللہ بن أحمد، کشف الاسرار، فصل والامور المعترضة علی الاھلیة نوعان: ۲/۵۰۷، ۵۰۸، دارالکتب العلمیة، بیروت

(۳)البحرالرائق، کتاب الطھارۃ، باب الحیض:۱/۳۳۲

(۴)ھندیة، کتاب الطھارۃ، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الاول في الحیض:۱/۳۶، مراقي الفلاح مع حاشیة الطحطاوي، باب الحیض والنفاس والاستحاضة، ص:۱۱۱

حیض کی شرائط:

عورت کے رحم سے خارج ہونے والا خون درج ذیل شرائط کی موجودگی میں حیض شمار ہوگا۔

(۱)......خون رحم سے جاری ہو، کسی اور جگہ سے نہیں۔ یادر ہے کہ حمل ٹھہر نے کے بعد رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے، لہٰذا اس دوران آنے والا خون استحاضہ شمار ہوگا۔

(۲)......خون کسی زخم یا بیماری کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ عورتوں کی مخصوص عادت اور خصوصیت کی بنا پر ہو۔ فقہاے کرام نے ولادت کو بھی بیماری میں شمار کر کے اس دوران بہنے والے خون کو حیض میں سے شمار نہیں کیا ہے، بلکہ اس کو مستقل نام یعنی نفاس سے موسوم کیا ہے۔

(۳)......خون عورت کے مخصوص عمر کے دوران آئے۔ حنفیہ کے ہاں حیض کی کم سے کم عمر نو سال ہے، جب کہ زیادہ سے زیادہ عمر (جس کو سنِ ایاس کہتے ہیں) مختار اور مفتیٰ بہ قول کے مطابق ۵۵ سال ہے، تاہم اس کا تعلق جغرافیائی حالات، موسم اور غذاؤں سے ہے اس لیے فقہاے کرام نے لکھا ہے کہ اس عمر کے بعد بھی اگر ''دمِ قوی'' آئے تو وہ حیض ہی ہے۔

(۴)......خون سرایت کر کے شرم گاہ کے خارجی حصے یعنی فرجِ خارج تک پہنچ جائے۔

(۵)......ایامِ حیض کے دوران خون گیلی (تر) حالت میں ان چھے رنگوں میں سے کسی بھی رنگ میں ہو تو حیض شمار ہوگا: سرخ، سیاہ، زرد، گدلا، سبز اور مٹیالا۔ یادر ہے کہ ان رنگوں کا اعتبار تر حالت میں ہوگا۔ خشک ہونے کے بعد اگر رنگ بدل جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

(۶)......خون آنا مخصوص مدت میں ہو۔ حنفیہ کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور تین رات (بہتر گھنٹے) ہے جب کہ زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے، لہٰذا تین دن سے کم یا دس دن سے زیادہ خون حیض نہیں، بلکہ استحاضہ شمار ہوگا۔

(۷)......خون مکمل طہر کے بعد آئے یعنی حیض کا خون آنے سے پہلے کم از کم پندرہ دن طہر کے گزرے ہوں تاہم یہ بات یادر ہے کہ طہر عورت کی اس حالت کا نام ہے جس میں حیض یا نفاس کا خون جاری نہ ہو لہٰذا اگر اس دوران استحاضہ کا خون آتا رہے تو یہ بھی حکماً طہر ہی شمار ہوگا۔(۱)

---

(۱)هندية، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الاول في الحيض: ۱/۳۶، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص: ۱۱۰، ۱۱۱، الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۴۷۵، ۴۷۶

نوٹ:

حیض ونفاس کے مشترک اورانفرادی احکام کا تذکرہ نفاس کی بحث میں آرہاہے۔حائضہ عورت کی مختلف حالتوں (مبتدءہ،معتادہ اور متحیرہ) اوران سے متعلقہ احکام کا تذکرہ استحاضہ کی ضمن میں آجائے گا۔

☆نفاس کا لغوی اوراصطلاحی معنیٰ:

نفاس کا لغوی معنی ہے "بچہ جننا"۔نافس،نفساءاور نافسہ بچہ جننے والی عورت کو کہتے ہیں،جب کہ نومولود (جنے ہوئے بچے) کو منفوس کہتے ہیں۔فقہ کی اصطلاح میں نفاس سے مرادفطری راستے سے نکلنے والا خون ہے جو بچے کی مکمل پیدائش یا اکثر حصہ باہر آجانے کے بعد آیا ہو،خواہ فطری طریقے پر بچے کی پیدائش ہوجائے یا کسی وجہ سے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے نکالنا پڑے۔

اسی طرح جنین (ناقص الخلقت بچہ،سقط) جس کے بعض اعضا جیسے:ہاتھ،پاؤں،ناخن یا انگلی،بال وغیرہ کی تخلیق ہوگئی ہو (عام طور پر یہ تخلیقی عمل ایک سو بیس دنوں کے بعد ہی وجود میں آتا ہے) تو ایسے جنین کے ساقط ہونے یا ساقط کرنے کے بعد جو خون آئے وہ بھی نفاس ہی تصور کیا جائے گا۔"هو الدم الخارج عقب الولادة او خروج اكثر الولد ولو سقطاً استبان بعض خلقه".

اگر بچے کا کم حصہ باہر آیا اور زیادہ حصہ اندر ہو (سر کی جانب سے نکل رہا ہو تو سینہ سمیت نکلنا اور پاؤں کی جانب سے نکل رہا ہو تو ناف سمیت نکلنا اکثر شمار ہوگا) اوراس وقت خون آیا تو یہ استحاضہ شمار ہوگا نہ کہ نفاس،اسی طرح اگر حمل پر ایک سو بیس دن نہیں گزرے ہوں اور اعضا ظاہر نہ ہوں تو ایسے حمل (جنین) کا سقوط یا اسقاط بھی نفاس شمار نہیں ہوگا۔(۱)

آپریشن کے ذریعے پیٹ کے راستے نکالے جانے والے بچے سے نفاس کا حکم:

اگر فطری راستے کے بغیر آپریشن وغیرہ کے ذریعے پیٹ کے راستے بچے کو نکالا گیا اوراس دوران پیٹ سے خون نکل گیا لیکن شرم گاہ سے کچھ بھی خون نہیں نکلا تو یہ عورت نافسہ شمار نہیں ہوگی،اگرچہ بچے پر ولادت کے تمام احکام جاری ہوں گے،البتہ اگر شرم گاہ سے بھی خون نکلتا رہے تو ایسی صورت میں خون نکلنے کی وجہ سے یہ عورت نافسہ شمار ہوگی۔

(۱)هندية، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الثاني في النفاس: ۱/۳۷، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص: ۱۱۱، ۱۱۲، الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۴۹۶، ۴۹۷، ۵۰۰

اگر بچے کی ولادت فطری راستے (شرم گاہ) سے ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق چاہے خون بہہ جائے یا نہیں، بہر صورت عورت پر غسل واجب رہے گا۔ اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے۔(۱)

توأمین یعنی جڑواں بچوں کی ولادت سے نفاس کا حکم:

اگر کسی عورت کے حمل میں دو بچے ہوں جو یکے بعد دیگرے پیدا ہوں، لیکن پیدائش میں چھ ماہ سے کم کا فاصلہ ہو تو شیخین (یعنی امام ابوحنیفہؒ و ابو یوسفؒ) کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق پہلے بچے کی پیدائش ہی سے آنے والا خون نفاس شمار ہوگا، لہٰذا اگر چالیس دن رات (اکثر مدتِ نفاس) کے اندر اندر دوسرا بچہ پیدا ہو جائے تو اس صورت میں دوسرے بچے کی ولادت سے آنے والا خون بھی نفاس شمار کیا جائے گا، تاہم اگر پہلے بچے کی ولادت کے بعد چالیس دن رات مکمل ہو گئے اور اس کے بعد دوسرا بچہ پیدا ہو گیا تو اب یہ دوسرا خون استحاضہ شمار ہوگا اس لیے کہ نفاس کی اکثر مدت یعنی چالیس دن کے بعد آنے والا خون استحاضہ ہوتا ہے۔

اگر ایک حمل میں دو سے زیادہ مثلاً تین بچے ہوں تو چھ ماہ کے فاصلے کا اعتبار دوسرے اور تیسرے بچے کی ولادت کے درمیان ہوگا لہٰذا اگر دوسرے اور تیسرے بچے کی ولادت کے درمیان کی مدت چھ ماہ سے کم ہو تو یہ ایک ہی حمل شمار ہوگا اگرچہ پہلے اور تیسرے بچے کی ولادت میں چھ ماہ سے زیادہ کا فاصلہ ہو۔ مذکورہ صورتوں میں وضع حمل کی تکمیل آخری بچے کی پیدائش پر ہوگی یعنی اگر حاملہ طلاق یا وفات کی عدت میں تھی تو دوسرے بچے کی پیدائش پر عدت مکمل ہوگی۔(۲)

نفاس کی مدت:

ائمہ اربعہ کے ہاں بالاتفاق نفاس کی کم سے کم کوئی بھی مدت مقرر نہیں، ایک لمحے میں بھی اگر خون مستقل طور پر رک جائے تو نفاس ختم ہو کر احکامات کی بجا آوری لازمی ہوگی، البتہ زیادہ سے زیادہ مدت میں حنفیہ کا قول چالیس دن کا ہے۔ مختلف احادیث سے اسی رائے کی تائید ہوتی ہے۔(۳)

---

(۱)هندية وحاشية الطحطاوي حواله سابقه

(۲)هندية، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الثاني في النفاس: ۱/۳۷، الهدايه مع فتح القدير، كتاب الطهارات، فصل في النفاس: ۱/۱۶۷، الدر المختار مع رد المحتار، باب الحيض: ۱/۴۹۹، ۵۰۰

(۳)الهدايه مع فتح القدير، كتاب الطهارات، فصل في النفاس: ۱/۱۶۵، ۱۶۶

نفاس میں مبتدۂ اور معتادہ کا حکم:

اگر عورت کو زندگی میں پہلی مرتبہ نفاس آگیا ہو (یعنی مبتدۂ ہو) تو چالیس دن تک جتنی بھی مدت اس کو خون آتا رہے وہ نافسہ شمار ہوگی، البتہ اکثر مدت یعنی چالیس دن رات گزرنے کے بعد مزید خون استحاضہ شمار ہوگا، لہٰذا اب غسل کر کے نماز روزہ شروع کر دے گی۔

اور اگر عورت کو اس سے پہلے بھی بچے کی ولادت اور نفاس کا موقع مل گیا ہو تو اس کا نفاس عادت کے مطابق ہوگا، تاہم اگر ایام عادت پورے ہونے کے بعد بھی خون جاری رہے تو وہ چالیس دن پورے ہونے تک توقف کرے گی، اگر چالیس دن مکمل ہونے سے پہلے پہلے خون بند ہو گیا تو یہ پورا خون نفاس شمار ہوگا اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی عادت تبدیل ہوگئی، چنانچہ ان ایام کی نمازیں واجب نہ ہوں گی اور اگر چالیس دن کے بعد بھی خون جاری رہے تو ایامِ عادت سے زیادہ تمام ایام کے خون کو استحاضہ قرار دیا جائے گا اور ایامِ عادت کے بعد جتنی نمازیں اس نے چھوڑ دی ہیں ان سب کی قضا لازم ہوگی، البتہ قضا کرنے کا گناہ نہ ہوگا۔

مدتِ نفاس کے دوران خون رک جانے یا مکمل طہر پائے جانے کا حکم:

مدتِ نفاس کے دوران مسلسل خون آنا ضروری نہیں بلکہ خون منقطع ہونے کے بعد اگر چالیس دن مکمل ہونے سے پہلے پھر آنا شروع ہو جائے تو درمیان میں جتنی بھی مدت ہو (اگر چہ ایک مکمل طہر یعنی پندرہ دن ہی کیوں نہ ہو) وہ نفاس شمار ہوگا۔ مدتِ نفاس کے دوران طہرِ متخلل (کامل ہو یا ناقص) کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔(۱)

حیض ونفاس کے احکام:

حیض ونفاس کے بعض احکام باہم مشترک ہیں جب کہ بعض صرف حیض کے ساتھ خاص ہیں اور بعض میں دونوں کے مابین فرق ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی تفصیل پیش کی جا رہی ہے۔

حیض ونفاس کے مشترک احکام:

(۱) حیض ونفاس کا خون آتے ہی عورت سے نماز ساقط ہو جاتی ہے، اگر چہ وقت کا کافی حصہ باقی ہو۔ پھر ایام حیض ونفاس

(۱) هندية، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الثاني في النفاس: ۱/ ۳۷، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/ ۴۹۸، ۴۹۹)

کے دوران چھوڑی جانے والی نمازوں کی قضا بھی سہولت اور آسانی کی خاطر عورتوں سے ساقط کر دی گئی ہے، اسی طرح حیض ونفاس کے دوران آیتِ سجدہ سننے سے سجدہ تلاوت بھی واجب نہیں ہوتی۔

بعض فقہائے حنفیہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ حائضہ عورت نماز کے وقت وضو کر کے مصلیٰ بیٹھ کر نماز کے وقت کے بقدر تسبیح وتہلیل کرتی رہے لیکن امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ احادیثِ مبارکہ اور جمہور سلف وخلف سے اس خاص کیفیت کا کوئی ثبوت نہیں اگرچہ تسبیح وتہلیل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔(۱)

(۲) حیض ونفاس کی حالت میں روزہ رکھنا حرام ہے، تاہم بعد میں ان روزوں کی قضا واجب ہوگی۔

(۳) حالتِ حیض ونفاس میں بیت اللہ شریف کا طواف کرنا بھی جائز نہیں، اگرچہ نفلی ہی کیوں نہ ہو۔

(۴) حالتِ حیض ونفاس میں مسجد کے اندر ٹھہرنا یا اس پر گزرنا بھی جائز نہیں، تاہم اگر پانی صرف مسجد میں ہو یا کسی درندے وغیرہ کا خوف ہو تو تیمم کر کے مسجد میں داخل ہو، البتہ عیدگاہ اور قبرستان جانے میں کوئی حرج نہیں۔

(۵) حیض کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت حرام ہے پھر اس حکم میں پوری آیت یا آیت سے کم مقدار برابر ہے، البتہ اگر تلاوت مقصود نہ ہو بلکہ ذکر واذکار یا دعا مقصود ہو تو ایک آیت سے کم پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ احناف کے ہاں معلمات کے لیے حالتِ حیض میں بھی قرآن کا ہجے کرنا اور الفاظ کو کاٹ کاٹ کر ادا کرنا درست ہے۔ اسی طرح چھوئے بغیر مصحفِ قرآن کو دیکھنا، تلفظ کیے بغیر دل ہی دل میں قرآن مجید پڑھنا، دعائے قنوت پڑھنا اور آذان کا جواب دینا بھی جائز ہے۔

(۶) قرآن مجید کا چھونا بھی جائز نہیں۔ حنفیہ کے ہاں اگر غلاف قرآن مجید کے ساتھ پیوستہ ہو تو قرآن کے حکم میں ہے۔ ایسی تختی یا سکے جن پر قرآن کی ایک مکمل آیت درج ہو تو بھی چھونا جائز نہیں، اسی طرح قرآن کریم کی آیت تحریر کرنا بھی جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے ہاں قرآنِ کریم کے ترجمہ کو بھی چھونا مکروہ ہے۔

(۷) حیض ونفاس میں جماع کرنا حرام اور سخت گناہ ہے۔ حنفیہ کے ہاں ایسے شخص پر صرف توبہ واستغفار واجب ہے تاہم فقہائے کرام نے ایسی صورت میں ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرنے کو مستحب کہا ہے۔ ناف سے گھٹنوں تک کا حصہ چھوڑ کر بقیہ جسم سے لذت اندوز ہونا درست ہے۔ امام محمدؒ کے ہاں اگرچہ ناف اور گھٹنوں کے درمیانی حصے سے جماع کے علاوہ کسی اور طریقے سے بھی فائدہ لینا جائز ہے لیکن شیخین کا مذکورہ موضع سے فائدہ نہ اٹھانے کا قول زیادہ احتیاط پر مبنی ہے۔

---

(۱) المجموع شرح المهذب، كتاب الحيض، فرع: ۲۸۰/۳

(۸) حیض ونفاس کا خون بند ہونے کے بعد غسل کرنا واجب ہو جاتا ہے، اگر حیض ونفاس پوری مدت (دس دن، چالیس دن) تک جاری رہے تو خون بند ہونے کے ساتھ ہی عورت سے جماع جائز ہو جاتی ہے اور اگر اس مدت سے پہلے خون بند ہو جائے تو تین صورتوں میں جماع کرنا جائز ہے۔

(الف)...... غسل کرلے۔ (ب)...... کسی عذر کی وجہ سے تیمم کرلے اور اس تیمم پر کوئی نماز (اگر چہ نفل ہو) پڑھ لے۔

(ج)...... یا غسل اور تیمم کیے بغیر ہی ایک نماز کا مکمل وقت گزر جائے یعنی اتنا وقت جس میں غسل کر کے تحریمہ ادا کیا جا سکتا ہو۔(۱)

حیض ونفاس کے استحبابی احکام:

حائضہ اور نافسہ عورت کو حیض ونفاس سے فراغت کے بعد خاص طور پر صفائی ستھرائی کی ہدایت دی گئی ہے فرمایا گیا کہ چوٹی کھول کر سر دھوئیں، غسل کے بعد کنگھی کریں، بدن میں خوشبو ملیں اور خصوصی طور پر شرم گاہ کے آس پاس خوشبو کا استعمال کریں۔(۲)

حیض کے انفرادی احکام:

بعض احکام ایسے ہیں جو صرف حیض کے ساتھ خاص ہیں۔ وہ احکام یہ ہیں:

(۱) تیسرا حیض مکمل ہوتے ہی عدت گزر جاتی ہے۔

(۲) باندی کے رحم کا استبرا ایک حیض کے ساتھ ہوتا ہے۔

(۳) حیض آتے ہی لڑکی بالغ ہو جاتی ہے۔

(۴) طلاقِ سنت کے لیے ضروری ہے کہ دو طلاقوں کے درمیان ایک حیض کا فاصلہ ہو۔

(۵) جن کفارات میں مسلسل روزے رکھنا ضروری ہے اگر ان کے درمیان حیض آجائے تو باوجود اس انقطاع کے یہ روزے مسلسل سمجھے جائیں گے۔(۳)

---

(۱) ھندیة، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع فی احكام الحيض والنفاس والاستحاضة: ۱/۳۸، ۳۹، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص: ۱۱۳، ۱۱۷

(۲) الصحيح للبخاري، كتاب الحيض، باب نقض المرأة شعرها عند غسل المحيض، باب الطيب للمرأة عند غسلها من المحيض وباب غسل المحيض: ۱/۴۵

(۳) ھندية، كتاب الطهارة، الباب السادس، الفصل الرابع...... وأما الأحكام المختصة بالحيض: ۱/۳۹

حیض ونفاس کے مابین فرق:

حیض ونفاس کے اکثر احکام ایک جیسے ہیں، تاہم علامہ حصکفیؒ نے حیض ونفاس کے مابین سات فرق بیان کیے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) حیض کی کم از کم مدت مقرر ہے، نفاس کی کم سے کم مدت مقرر نہیں۔

(۲) حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے جب کہ نفاس کی چالیس دن ہے۔

(۳) حیض بالغ ہونے کی علامت ہے جب کہ نفاس بالغ ہونے کی دلیل نہیں بلکہ حاملہ ہونا بھی بلوغ کی دلیل کے طور پر کافی ہے۔

(۴) حیض استبراءِ رحم کی دلیل ہے لیکن نفاس بعض اوقات (توأمین یعنی جڑواں بچوں کی صورت میں) استبراے رحم کے لیے کافی نہیں ہوتا۔

(۵) عدت حیض کے ذریعے گزاری جاتی ہے نہ کہ نفاس کے ذریعے

(۶) جن کفارات میں مسلسل دو ماہ روزے رکھنے ہوتے ہیں اگر ان کے درمیان نفاس آجائے تو تسلسل ختم ہوکر دوبارہ روزے رکھنا ضروری ہوتا ہے، جب کہ حیض درمیان میں آنے کی وجہ سے تسلسل باقی سمجھا جائے گا۔

(۷) دو طلاقوں کے درمیان ایک مکمل حیض آجائے تو دوسری طلاق، طلاقِ سنت کہلاتی ہے۔ نفاس کے ذریعے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔(۱)

☆استحاضہ کی تعریف:

حیض ونفاس کے علاوہ جو خون عورت کی شرم گاہ سے آئے اسے استحاضہ کہتے ہیں۔ حنفیہ کے ہاں حیض کی اقل مدت (تین دن) سے کم اور اکثر مدت (دس دن) سے زیادہ اور نفاس کی اکثر مدت (چالیس دن) سے زیادہ جو خون آئے وہ استحاضہ شمار ہوگا۔ اسی طرح نو سال سے کم عمر میں یا سنِ ایاس (پچپن سال) تک پہنچنے کے بعد شرم گاہ سے آنے والا خون بھی استحاضہ شمار ہوتا ہے۔ حمل کے دوران یا بچے کی ولادت سے کچھ پہلے جو خون آئے وہ بھی استحاضہ ہے، اسی طرح حیض ونفاس کی عادت سے زائد وہ خون بھی استحاضہ ہے جو عادت کے ساتھ ساتھ اکثر مدت سے بھی متجاوز ہوجائے۔(۲)

---

(۱) رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الطهارة، باب الحيض:١/٤٩٦

(٢) هندية، كتاب الطهارة، الباب السادس، الفصل الثالث في الاستحاضة:١/٣٧-٤٠، الدر المختار، باب الحيض:١/٤٧٧

حیض اور استحاضہ کے خون میں فرق:

(۱) حیض مخصوص عمر یعنی نو سال سے لے کر پچپن سال تک عورت کو پیش آتا ہے جب کہ استحاضہ کے لیے عمر کی کوئی حد نہیں۔

(۲) حیض عام طور پر مخصوص عادت کے ساتھ آتی ہے جب کہ استحاضہ کے لیے عادت کا ہونا ضروری نہیں۔

(۳) حیض عورت کی صحت کی علامت ہوتی ہے جب کہ استحاضہ کسی بیماری یا کمزوری کی علامت ہوتی ہے۔

(۴) حیض کا خون سیاہ مائل گاڑھا ہوتا ہے اور اس کی بو کریہہ ہوتی ہے جب کہ استحاضہ کا خون سرخی مائل اور رقیق ہوتا ہے اور اس کی بدبو حیض کے خون جیسی نہیں ہوتی۔(۱)

مستحاضہ کی مختلف قسمیں:

مستحاضہ عورت کی تین قسمیں ہیں۔ مبتدأۃ، معتادہ اور متحیرہ۔

(۱) مبتدأۃ ......: یہ وہ عورت ہے جسے زندگی میں پہلی مرتبہ حیض شروع ہوا اور پھر استمرار دم ہو گیا یعنی مسلسل خون بہنا شروع ہو گیا۔

(۲) معتادہ......: یہ وہ عورت ہے جس کا خون ایک مرتبہ حیض اور کامل طہر پیش آنے کے بعد جاری ہو گیا ہو یعنی ایک مرتبہ انضباط کے ساتھ حیض آنے کے بعد استمرار دم ہو گیا ہو۔

(۳) متحیرہ......: یہ وہ عورت ہے جو معتادہ تھی، پھر استمرار دم ہو گیا، لیکن وہ اپنی عادتِ سابقہ بھول گئی۔ متحیرہ کو ناسیہ، ضالّہ، مضلّہ اور بھی کہتے ہیں۔

پھر متحیرہ عورت کی بھی تین قسمیں ہیں:

(الف)......متحیرہ بالعدد یعنی وہ عورت جسے ایامِ حیض کی تعداد یاد نہ رہے کہ وہ مثلاً: پانچ دن ہے یا سات دن یا زیادہ یا کم، تاہم اس کو یہ یاد ہو کہ اس کا حیض مہینے میں ایک بار آتا ہے۔

(ب)......متحیرہ بالوقت وہ عورت ہے جس کو یہ تو یاد ہو کہ اس کا حیض مثلاً تین یا چار دن آتا رہا، لیکن اسے وقتِ حیض یاد نہ ہو کہ وہ مہینے کا اول تھا یا نصف یا آخر تھا۔

(ج)......متحیرہ بہما یعنی وہ عورت جو بہ یک وقت عدد اور وقت دونوں بھول گئی ہو۔(۲)

اب ان میں سے ہر ایک کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

---

(۱) الموسوعة الفقهية، ماده استحاضة:۳/۱۹۸

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، باب الحيض ومطلب في مسائل المتحيرة:۱/۴۷۷-۴۷۹

مبتدأہ کے احکام:

اگر مبتدأہ عورت کو تین دن یا اس سے زیادہ خون آئے اور وہ دس دن سے تجاوز نہ کرے بلکہ ایک کامل طہر یعنی کم از کم پندرہ دن تک رکا رہے تو یہ مدت اس کے لیے عادت بن جائے گی اور طہر سے قبل یہ تمام خون حیض شمار ہوگا، تاہم اگر درمیان میں طہر کامل (پندرہ دن) آئے بغیر استمرارِ دم یعنی مسلسل خون بہنا جاری رہا تو ایسی صورت میں یہ مبتدأہ عورت اکثر مدتِ حیض یعنی دس دن گزرنے تک خون کو حیض شمار کرے گی اور اس عرصہ میں نماز روزہ چھوڑ دے گی اور اکثر مدت کے بعد غسل کر کے نماز روزہ شروع کر دے گی، پھر آئندہ بیس دن اس کے لیے طہر ہوگا جس کے بعد دوبارہ دس دن ایامِ حیض ہوں گے۔

اگر استمرارِ دم کی یہی صورت نفاس میں بھی رہی تو چالیس دن نفاس کے ہوں گے، پھر بیس دن طہر کے ہوں گے اور اس کے بعد دس دن حیض کے شمار ہوں گے۔ یہ اس لیے کہ حنفیہؒ کے ہاں نفاس کے فوراً بعد حیض آنا ناممکن ہے۔(۱)

معتادہ کے احکام:

یہ بات ذہن نشین رہے کہ عادت بننے کے لیے ایک مرتبہ حیض اور طہر پیش آجانا ہی کافی ہے، اسی طرح انتقالِ عادت کے لیے بھی ایک ہی مرتبہ گزشتہ عادت سے مخالفت کافی ہے، تکرار ضروری نہیں۔ یہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔(۲)

معتادہ کا حکم حنفیہ کے ہاں یہ ہے کہ اگر ایامِ عادت پورے ہونے کے بعد بھی خون جاری رہے تو وہ دس دن پورے ہونے تک توقف کرے گی، دس دن سے پہلے پہلے خون بند ہوگیا تو یہ پورا خون حیض شمار ہوگا اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی عادت بدل گئی، چنانچہ ان ایام کی نماز واجب نہ ہوگی اور اگر دس دن کے بعد بھی خون جاری رہے تو یہ عورت اپنی عادت کے موافق اپنے حیض اور طہر کو شمار کرتی رہے اور ایامِ عادت کے بعد جتنی نمازیں اس نے چھوڑی ہیں، ان سب کی قضا لازم ہوگی۔

مذکورہ حکم یعنی معتادہ عورت کا اپنے حیض و طہر کو پیمانہ بنانا تب درست ہوگا، جب اس کی عام عادت میں طہر چھ

(۱) ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب في مسائل المتحيرة: ۱/۴۷۸، مجموعه رسائل ابن عابدين، منهل الواردين ......في مسائل الحيض: ۱/۹٤

(۲) هندية، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع في احكام الحيض والنفاس و الاستحاضة: ۱/۳۹، مجموعه رسائل ابن عابدين، منهل الواردين ......في مسائل الحيض: ۱/۷۹

ماہ سے کم ہو۔ اگر اس کا طہر چھ ماہ سے زیادہ ہو تو اس صورت میں حنفیہ کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق عورت پر آسانی کی خاطر اس کو دو ماہ تک محدود رکھا گیا ہے۔(۱)

متحیرہ کے احکام:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک متحیرہ اگر ممیزہ ہو یعنی خون کے رنگوں کو دیکھ کر پہچان سکتی ہو کہ کون سا خون حیض کا ہے اور کون سا استحاضہ کا تو وہ اپنی شناخت پر اعتماد کر کے جتنے دن حیض کا رنگ محسوس کرے گی، اتنے ہی ایام کو حیض سمجھے گی اور باقی کو استحاضہ، تاہم حنفیہ کے ہاں تمیز بالالوان کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ صرف عادت کا اعتبار ہے۔اس لیے کہ حنفیہ کے ہاں خالص سفید رنگ کے علاوہ بقیہ تمام رنگ حیض کے ہو سکتے ہیں۔

حنفیہ کے ہاں متحیرہ کا حکم یہ ہے کہ وہ تحری کرے یعنی سوچ وبچار سے کام لے، اگر اسی طرح اسے اپنے ایامِ عادت یاد آجائیں یا کسی جانب ظنِ غالب قائم ہو جائے تو اس کے مطابق معتادہ کی طرح عمل کرے اور اگر کسی جانب ظنِ غالب قائم نہ ہو بلکہ شک باقی ہو تو ان کے احکام یہ ہیں۔

متحیرہ بالعدد کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے حیض کی ابتدا کی تاریخ سے تین دن تک نماز روزہ چھوڑے گی کیونکہ ان ایام میں یقین ہے کہ یہ ایامِ حیض ہیں۔ اس کے بعد سات دن ہر نماز کے لیے غسل کرے گی کیونکہ اب ہر دن اور ہر وقت یہ احتمال ہے کہ اس وقت حیض منقطع ہو رہا ہے۔اس کے بعد حیض کی اگلی تاریخ تک وضوء لکل صلوۃ یعنی ہر نماز کے لیے الگ وضو کرے گی کیونکہ وہ ان ایام میں یقینی طور پر طاہرہ ہے۔

متحیرہ بالزمان کا حکم یہ ہے کہ وہ ہر مہینہ کی ابتدا (ابتدا شہر سے وہ دن مراد ہے جس سے خون مستمر ہوا ہے) میں اپنے ایام عادت پورے ہونے تک وضوء لکل صلوۃ کرے گی ، مثلاً اس کے ایام عادت پانچ دن تھے تو مہینہ کی پہلی تاریخ سے پانچویں دن تک وضو لکل صلوۃ کرے گی کیونکہ اسے طاہرہ یا حائضہ ہونے میں شک ہے، اس کے بعد پچیس دن غسل لکل صلوۃ یعنی ہر نماز کے لیے غسل کرے گی، کیونکہ ان میں ہر دن خروج من الحیض کا احتمال ہے۔

اور متحیرہ بالعدد والزمان کا حکم یہ ہے کہ ہر مہینہ کے پہلے تین دن وضو لکل صلوۃ کرے گی اور باقی ستائیس دن غسل لکل صلوۃ کرے گی کیونکہ ان تمام دنوں میں خروج من الحیض کا احتمال ہے۔

فقہاے کرام فرماتے ہیں کہ متحیرہ مستحاضہ صرف فرائض اور واجبات پوری کرتی رہے۔ نفلی، روزہ یا سنن

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطهارة، باب الحيض ومطلب في مسائل المتحيرة: ۱/۴۷۶-۴۷۹

غیر مؤکدہ اور دوسرے نوافل و مستحبات سے پرہیز کرے۔ اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت، مسِ مصحف، دخول فی المسجد اور نفلی طواف بھی نہ کرے۔ متحیرہ عورت اگرچہ رمضان کے تمام روزے رکھے گی تاہم بعد میں ان میں سے بیس روزوں کی قضا بھی لائے گی۔ اسی طرح طوافِ رکن بھی ادا کرے گی، لیکن حیض کا احتمال موجود ہونے کی وجہ سے دس دن بعد اس کا اعادہ کرے گی۔(۱)

نوٹ:

مستحاضہ کے احکام فقہ کے مشکل ترین ابحاث میں سے ہے، اسی وجہ سے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے حیض و نفاس کے ایام کی تعداد اور وقت کو خصوصی طور پر یاد رکھا کریں۔ مستحاضہ کے احکام کی تفصیل مطولات میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مستحاضہ کے احکام:

استحاضہ کا خون جاری نکسیر یا جاری پیشاب کی طرح ہے، لہٰذا حیض کی طرح اس سے احکام میں تبدیلی نہیں ہوگی، بلکہ

(۱) حالتِ استحاضہ میں نماز ادا کی جائے گی، چاہے فرائض ہوں یا نوافل۔

(۲) حالتِ استحاضہ میں روزہ رکھنا بھی درست ہے، فرض بھی اور نفل بھی۔

(۳) حالتِ استحاضہ میں شوہر کے لیے جماع کرنے کی بھی اجازت ہے۔

(۴) استحاضہ کی حالت میں قرآن مجید چھونا، تلاوت کرنا اور طواف کرنا بھی جائز ہے۔

(۵) اگر خون کی اس قدر کثرت ہو کہ خون کپڑے سے دھونے کے بعد نماز پڑھنے سے پہلے دوبارہ لگ جاتا ہو تو بغیر دھوئے ہوئے اس کپڑے میں نماز ادا کی جاسکتی ہے تاہم اگر دھونا اس قدر کارآمد ہو کہ اس کی بدولت نماز پاکی کی حالت میں پڑھی جاسکتی ہو تو دھونا فرض ہے۔ ایسی صورت میں خون آلود کپڑے میں نماز جائز نہیں ہوگی۔

(۶) فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ مستحاضہ اور معذورین بقدرِ امکان خروجِ نجاست میں کمی کرنے کے لیے ذرائع تلاش کریں تاکہ نجاست سے بدن یا کپڑا زیادہ متاثر نہ ہو، تاہم یہ حکم استحبابی ہے۔ باکرہ کے لیے حیض کے دنوں میں اور ثیبہ کے لیے ہر وقت شرم گاہ پر کرسف باندھنے کو فقہائے کرام نے مستحب کہا ہے۔(۲)

---

(۱) البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب الحيض:۱/۳۶۲-۳۶۴، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص:۱۱۳، ردالمحتار على الدرالمختار، باب الحيض، مبحث في مسائل المتحيرة۱/۴۷۸-۴۸۱

(۲) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب لوافتیٰ مفت بشيء من هذه الاقوال:۱/۴۸۳

(۷) مستحاضہ کے لیے خونِ استحاضہ سے استنجاء ضروری نہیں، البتہ پیشاب یا پاخانہ سے استنجاء ضروری ہوگا یعنی عذر کے علاوہ نجاست سے پاکی حاصل کرنا ضروری ہے۔

(۸) مستحاضہ عورت اور معذور کا وضو اسی عذر کے علاوہ دوسرے نواقض سے ٹوٹ جاتا ہے، اسی طرح فرض نماز کا وقت ختم ہونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔(۱)

طہر کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

طہر کا لغوی معنی ہے ''النقاء من الدنس والنجس''یعنی میل کچیل اور نجاستوں سے صفائی، جب کہ اصطلاحِ فقہ میں طہر عورت کی اس حالت اور وقت کا نام ہے جس میں وہ حیض ونفاس کے خون سے پاک ہو، اگر چہ یہ پاکی حکماً ہو یعنی استحاضہ کا خون آتا ہو۔"زمان نقاء المرأۃ من دم الحیض والنفاس"۔

طہر کی قسمیں:

طہر کی دو قسمیں ہیں: طہرِ کامل (طہر صحیح) اور طہرِ ناقص (طہر فاسد)

(۱) طہرِ کامل یا صحیح:

طہرِ کامل عورت کی اس حالت کا نام ہے جس میں اس کو کم از کم پندرہ دن تک حیض ونفاس کا خون نہ آئے اور نہ ہی اس کے اول، وسط یا آخر میں استحاضہ کا خون ہو اور یہ دو حیضوں یا حیض ونفاس کے درمیان واقع ہو۔

(۲) طہرِ ناقص:

اوپر ذکر کردہ قیودات میں سے کوئی بھی قید فوت ہو جائے تو طہرِ ناقص بن جاتا ہے، مثلاً پندرہ دن سے کم طہر، طہرِ ناقص ہے۔اسی طرح استحاضہ کے خون سے خلط ملط ہونے والا طہر بھی طہرِ فاسد ہے اور دو استحاضوں یا استحاضہ اور نفاس یا استحاضہ اور حیض کے درمیان واقع ہونے والا طہر بھی طہرِ ناقص ہے۔(۲)

---

(۱) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص:۱۱۸۔۱۲۰، الدرالمختار مع ردالمحتار، باب الحيض، مطلب في احكام المعذور:۱/۵۰۴۔۵۰۸، هندية، كتاب الطهارة، الباب السادس ......، الفصل الرابع، ودم الاستحاضة، وممايتصل بذلك احكام المعذور:۱/۳۹۔41

(۲) مجموعه رسائل ابن عابدين، منهل الواردين ......في مسائل الحيض:۱/۷۵، الموسوعة الفقهية، مادة طهر:۲۹/۱۱۸

طہر کی اقل اور اکثر مدت:

حنفیہ کے ہاں طہر کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے یعنی دوحیضوں یا حیض اور نفاس کے درمیان کم از کم پندرہ دن کا وقفہ ضروری ہے، جب کہ اکثر مدت سے متعلق فقہاے کرام کا اتفاق ہے کہ اس کے لیے کوئی حد مقرر نہیں، لہٰذا اگر کسی لڑکی کو ابتداے بلوغ ہی سے بالکل حیض نہ آیا ہو (چاہے بالکل نہ آیا ہو یا صرف ایک یا دو دن تک خون آنے کے بعد پھر ہمیشہ کے لیے منقطع ہو گیا ہو) تو ایسی عورت کے لیے نماز، روزہ، جماع وغیرہ سب کچھ جائز ہیں البتہ عدت ۔ ے کے لیے یہ مہینوں کا اعتبار کرے گی۔

اور جس عورت کو ایک مرتبہ مکمل حیض (تین دن یا اس سے زیادہ) آیا ہو پھر عمر بھر کے لیے منقطع ہو گیا ہو تو اس کے بقیہ احکام تو بالکل اسی طرح ہیں البتہ عدت گزارنے کے لیے اسے حیض کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اگر سن ایاس (۵۵ سال) تک حیض نہ آئے تو پھر سن ایاس شروع ہونے کے بعد مہینوں کے ذریعے عدت گزار لے۔

طہر کی اکثر مدت مقرر کرنے کی صورتیں:

فقہاے کرام کے ہاں بعض صورتوں میں ضرورتاً طہر کے لیے اکثر مدت مقرر کی جاتی ہے، مثلاً:

(الف) اگر کسی عورت کو ابتداے بلوغ ہی سے خون آنا مستمر ہو جائے اور مکمل طور پر جاری رہے تو اس صورت میں اس مبتدۂ عورت کے لیے عادت مقرر کرنا ضروری ہے، لہٰذا فقہاے کرام کے ہاں اس عورت کے لیے دس روز حیض کے قرار دیئے جائیں گے اور باقی بیس دن طہر کے ہوں گے۔

(ب) معتادہ عورت (جس کو حیض اور نفاس کی عادت معلوم ہو) تمام احکام میں استمرارِ دم کے وقت اپنے عادت کے مطابق حیض اور طہر کا فیصلہ کرے گی، تاہم یہ تب ہے جب اس کی عادت میں طہر چھ ماہ سے کم ہو۔ اگر اس کی عادت طہر میں چھ ماہ سے زیادہ ہو تو اس کے بارے میں حنفیہ کے بہت سے اقوال ہیں، مثلاً: محمد بن ابراہیم المیدانیؒ کے ہاں ایک ساعت کم چھ ماہ، علامہ ابوعصمہ کے ہاں عادت کے موافق حکم ہوگا، اگرچہ طہر کی مقدار ایک یا دو سال ہی کیوں نہ ہو، تاہم علامہ حاکم شہیدؒ کے مفتیٰ بہ قول، جس کو علامہ حصکفیؒ، شامیؒ، صاحبِ عنایہ، کفایہ اور فتح القدیر نے عورت اور مفتی ہر ایک کی آسانی کے لیے اختیار کیا ہے وہ دو ماہ کا ہے، لہٰذا معتادہ عورت کا یہ حکم تمام مسائل میں جاری ہوگا۔

(ج) متحیرہ عورت کے لیے صرف عدت گزارنے کی خاطر طہر میں تحدید کر دی گئی ہے۔ اس کی تحدید میں بھی وہی اقوال

ہیں، تاہم فتویٰ یہاں پر بھی علامہ حاکم شہیدؒ کے قول پر دیا گیا ہے۔(۱)

طہر کی علامت:

حنفیہ کے ہاں حیض سے فراغت اور طہر کے آغاز کی علامت دو چیزیں ہیں۔ان میں سے ایک بھی پایا جائے تو طہر متحقق ہوجاتا ہے۔

(۱) خون کا بند ہوجانا، اس طور پر کہ کسی بھی رنگ کے خون کی آمد بند ہوجائے۔

(۲) خالص سفید پانی کا شرم گاہ سے خارج ہوجانا، اس کی تائید حضرت عائشہؓ کی روایت سے ہوتی ہے جس کو امام بخاری نے نقل کیا ہے۔(۲)

مدت نفاس کے دوران طہرِ متخلل کا حکم:

طہرِ متخلل سے مراد وہ طہر ہے جس کے دونوں جانب خون ہو، چاہے حیض کا ہو یا نفاس کا ہو۔اگر دونوں جانبوں کا خون نفاس کا ہو یعنی مدتِ نفاس (چالیس دن) کے دوران طہر پیش آیا ہو تو ایسی صورت میں چاہے طہر کامل (۱۵ دن یا اس سے زیادہ) ہو یا ناقص؛ بہر صورت غیر معتبر ہے اور دونوں جانبوں کا خون طہر کی مدت سمیت ملا کر نفاس شمار کیا جائے گا۔یہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔(۳)

مدت حیض کے دوران طہر متخلل کا حکم:

اگر طہر کے دونوں جانب نفاس کا خون نہ ہو بلکہ حیض یا استحاضہ کا خون ہو تو ایسی صورت میں کچھ احکام اتفاقی ہیں اور کچھ اختلافی، اتفاقی احکام یہ ہیں:

(۱) اگر طہر متخلل کامل ہو یعنی ۱۵ دن یا اس سے زیادہ ہو تو ایسا طہر بالاتفاق دونوں جانب کے خون میں فاصل بن جائے گا اور ہر جانب کے خون کا حکم علیحدہ ہوجائے گا، لہٰذا اگر ہر جانب کے خون کی مدت تین دن یا اس سے زائد ہو تو ہر ایک کو الگ الگ حیض بنادیا جائے گا۔

---

(۱) الدرالمختارمع ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الحيض ومبحث في مسائل المتحيرة:۱/۴۷۷۔۴۷۹، هدايه مع فتح القديروالعناية والكفاية، كتاب الطهارات، باب الحيض والاستحاضة:۱/۱۵۵۔۱۵۷، مجموعه رسائل ابن عابدين، منهل الواردين ......في مسائل الحيض:۱/۹۴

(۲) الصحيح للبخاري، كتاب الحيض، باب اقبال الحيض وادباره:۱/۴۶، الموسوعة الفقهية، مادة حيض:۱۸/۳۱۰

(۳) ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الحيض، تتمه:۱/۴۸۴

(۲) حیض کی اکثر مدت یعنی دس دن کے اندر اندر دو خونوں کے درمیان آنے والا طہر بالاتفاق غیر معتبر اور غیر فاصل ہے۔ یہ طہر جانبین کے خون کے ساتھ ملا کر حیض شمار کیا جائے گا۔(۱)

ان دو احکام کے علاوہ بقیہ صورتوں میں شدید اختلاف ہے۔ اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ سے ان کے تلامذہ نے چھ اقوال نقل کیے ہیں، تاہم اکثر فقہائے کرام (صاحب ہدایہ، ابن ہمامؒ، علامہ شامیؒ، عالمگیری اور اکثر متاخرین) نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو آسانی اور سہولت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اختیار کیا ہے۔ یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا آخری قول بھی ہے، لہٰذا صرف اسی قول پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ طہرِ ناقص یعنی ۱۵ دن سے کم طہر اگر دو طرف کے خون کے مابین واقع ہو جائے تو یہ مطلقاً غیر فاصل اور غیر معتبر ہوگا، خواہ یہ طہر دس دن سے یا جانبین کے خون سے زائد ہی کیوں نہ ہو۔ اس قول کی بنا پر حیض کی ابتدا اور انتہا دونوں طہر سے ہو سکتی ہے، مثلاً: ایک عورت کی عادت یہ ہے کہ اس کو ہر ماہ کی یکم تاریخ سے دس تاریخ تک خون آتا ہے، پھر اس نے عادت سے پہلے ایک روز خون دیکھا اور دس روز پاک رہی، پھر ایک روز خون دیکھا تو اس کی عادت کے مطابق دس روز حیض کے قرار دیئے جائیں گے، لہٰذا دونوں خون کے درمیان کا عشرہ، جس میں بالکل خون نہیں دیکھا ہے، وہ حیض ہے اور عادت سے پہلے روز کا خون اور دس دن کے بعد جو خون ہے، وہ استحاضہ ہے۔ مزید تفصیل اور اقوال کے لیے مراجع کا سہارا لیا جا سکتا ہے۔(۲)

---

(۱) ھندیة، کتاب الطھارة، الباب السادس، الفصل الاول في الحیض :۱/۳۶، ردالمحتار علی الدرالمختار، باب الحیض :۱/۴۸۳

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الطھارة، باب الحیض :۱/۴۸۳، ۴۸۴، ھندیة حواله بالا :۱/۳۶، ۳۷، ھدایه مع فتح القدیر، کتاب الطھارات، باب الحیض والاستحاضة:۱/۱۵۲، ۱۵۳، تاج الشریعة، عبیداللّٰه بن مسعود، شرح الوقایة، کتاب الطھارة، باب الحیض، مسألة الطھر المتخلل:۱۲۲-۱۲۵، مکتبة إمدادیة، ملتان، سکروڈھوي، جمیل احمد، اشرف الھدایه، کتاب الطھارات، باب الحیض والاستحاضة، :۱/۲۵۵، ۲۵۶

فصل في أحكام الحيض

(حیض کے احکام کا بیان)

حائضہ کی عادت کا بدل جانا

سوال نمبر(231):

کسی عورت کی عادت یہ تھی کہ پچیس تاریخ کو خون آنا شروع ہو جاتا اور پانچ دن جاری رہتا، اب کسی دوائی کی وجہ سے اس کی ماہواری متاثر ہو چکی ہے، کبھی پندرہ دن، کبھی دس دن اور کبھی سات دن ماہواری ہوتی ہے، اب عورت کب سے پاک شمار ہوگی اور شوہر کے لیے صحبت کب جائز ہوگی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کسی عورت کی عادت پہلے سے مقرر ہے تو بعدازیں اگر کہیں دس دن سے زائد خون آئے تو عادت سے زائد خون استحاضہ شمار ہوتا ہے، ہاں یہ بات مدنظر رہے کہ آخری مرتبہ جو دس دن سے کم خون آیا ہے، وہی عادت شمار ہوگی، چنانچہ دوائی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اگر عادت تبدیل ہوتی رہتی ہے تو جب بھی دس دن سے کم میں خون بند ہو جائے، تو وہ سب دِن حیض شمار ہوگا اور جب دس دن سے تجاوز کر جائے تو جو آخری مرتبہ دس یا دس دن سے کم میں خون بند ہوا ہو، وہی اس کی عادت شمار ہو کر اس سے زائد استحاضہ شمار ہوگا چنانچہ ایسی صورت میں شوہر کے لیے گزشتہ ماہ کی عادت پوری ہونے تک صحبت مکروہ ہے، البتہ عورت غسل کر کے نماز پڑھتی رہے اور رمضان ہو تو روزہ رکھے۔

والدليل علیٰ ذلك:

ولو انقطع مادون عادتها يكره قربانها، وإن اغتسلت حتى يمضى عادتها و عليها أن تصلي وتصوم للاحتياط هكذافي التبيين. (۱)

ترجمہ: اگر عادت سے کم دنوں میں خون رُک گیا تو عادت گزرنے تک عورت کے ساتھ جماع کرنا مکروہ ہے، اگرچہ وہ غسل کر لے، البتہ عورت احتیاطاً نماز پڑھے گی اور روزے بھی رکھے گی۔

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة، الباب السادس، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس: ۳۹/۱

ولوزاد الدم علیٰ عشرة أيام ولها عادة معروفة دونها، ردت إلىٰ أيام عادتها، والذي زاد استحاضة.(١)

ترجمہ:

اگر خون دس دن سے زائد ہو جائے اور اس عورت کا معروف عادت اس سے کم کا ہو، تو اس صورت میں عورت اپنے ایامِ عادت تک لوٹ جائے گی (یعنی وہ دن حیض شمار ہوگا) اور جو زائد خون ہے، وہ استحاضہ شمار ہوگا۔

❁❁❁

حیض بند کرانا

سوال نمبر(232):

اگر ایک عورت حیض کے بند کرانے کے لیے علاج معالجہ کرے اور عادت کے مقررہ ایام میں خون نہ آئے، تو کیا ان ایام میں وہ نماز پڑھے گی یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت کی اصطلاح میں حیض اس خون کا نام ہے، جو ہر ماہ تین دن سے دس دن تک آتا ہو، بالفاظ دیگر وہ ماہوار خون جو کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن جاری رہتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی عورت نے دوائی کے ذریعے حیض کا خون بند کیا ہے اور اس کو کم از کم تین دن خون نہیں آیا تو صرف ایامِ عادت کے آنے سے حیض کا حکم نہیں لگایا جائے گا، بلکہ وہ ان ایام (عادت) میں بھی پاک شمار ہو کر نماز، روزہ کی پابند رہے گی۔

والدّلیل علی ذلک:

يجب أن يعلم بأن حكم الحيض والنفاس والاستحاضة لايثبت إلابخروج الدم وظهوره، وهذاهو ظاهرمذهب أصحابنارحمهم الله، وعليه عامة مشائخنا.(٢)

---

(١) الهداية، كتاب الطهارات، باب الحيض والاستحاضة: ١/٦٥

(٢) الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل التاسع في الحيض، نوع آخرفي بيان أنه متىٰ يثبت حكم الحيض...الخ: ١/٢٤٧

ترجمہ:

یہ جاننا ضروری ہے کہ حیض، نفاس اور استحاضہ کا حکم خون کے نکلنے اور ظاہر ہونے کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔ یہی ہمارے ائمہ اور عام مشائخ کا مذہب ہے۔

❁❁❁

حیض کی ابتدا کی تعیین

سوال نمبر(233):

عام طور پر حیض کے اثرات کو دیکھ کر اگر روئی رکھ دی جائے یا کوئی کپڑا باندھ دیا جائے اور زیادہ دیر تک اس پر کوئی دھبہ وغیرہ ظاہر نہ ہو تو انتظار کے ان لمحات کو پاکی شمار کیا جائے گا یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

عورتوں کی عام عادت کے مطابق صرف اثرات سے حیض کا حکم اس وقت تک نہیں لگایا جاسکتا، جب خون فرجِ خارج میں ظاہر نہ ہو جائے، لہٰذا اگر اثرات کو محسوس کر کے کپڑا رکھ دیا جائے تو جب تک کپڑے پر داغ و دھبہ نہ لگے، حیض شمار نہ ہوگا۔ انتظار کے ان لمحات میں عورت پاک شمار ہوگی لہٰذا اگر کوئی نماز چھوڑی ہے تو اس کی قضا لازم ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

قوله:(وركنه بروز الدم من الرحم) أي ظهوره منه إلىٰ خارج فرج الداخل، فلو نزل إلىٰ الفرج الداخل، فليس بحيض في ظاهر الرواية، وبه يفتىٰ.(١)

ترجمہ:

حیض کا رُکن 'خون کا رحم سے باہر نکلنا' ہے یعنی فرج داخل سے باہر اس کا ظاہر ہونا، پس اگر صرف فرجِ داخل میں خون اُتر آیا ہو تو ظاہر الروایہ کے مطابق یہ حیض نہیں ہوگا۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

❁❁❁

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الحيض:١/٤٧٥

حیض کی ابتدااور انتہا کے وقت نماز کا حکم

سوال نمبر(234):

ایک عورت کی عادت یہ ہے کہ حیض کا خون اُسے رات دس بجے آنا شروع ہوتا ہے اور پانچ دن بعد تقریباً ساڑھے دس بجے بند ہوجاتا ہے، لیکن اکثر اوقات عشا کی یہ نماز رہ جاتی ہے، بعد میں ان نمازوں کے قضا کا کیا حکم ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ حیض کا حکم خون دیکھنے (ظاہر ہونے) اور بند ہونے پر مرتب ہوتا ہے، اب جس وقت خون ظاہر ہونا شروع ہوجائے، اس وقت کی نماز کی قضا نہیں، چاہے پاکی کی حالت میں کافی وقت گزرا ہو اور اگر کسی نماز کے آخری وقت میں خون بند ہوجائے تو حیض کا حکم ختم ہوکر اس وقت کی نماز کی قضا لازم رہے گی۔

صورت مسئولہ میں اگر رات دس بجے خون آنا شروع ہوتا ہے تو اس عشا کی نماز کی قضا نہیں اور جب رات ساڑھے دس بجے بند ہوجاتا ہے تو غسل کر کے طلوع فجر سے پہلے پہلے عشا کی نماز ادا کرنا ضروری ہے، ورنہ اس کی قضا لازم رہے گی۔

والدّلیل علی ذلک:

وإذاحاضت المرأة في آخر الوقت، أو صارت نفساء، وهووقت لو كانت طاهرة يمكنهاأن تصلي فيه أو لايمكنهاذلك يسقط عنهافرض الوقت......وإذاطهرت ويبقى من الوقت مقدارمايسع فيه التحريمة ......عليهاصلوة ذلك الوقت عندنا.(۱)

ترجمہ:

جب نماز کے آخری وقت میں ایک عورت کا حیض یا نفاس شروع ہوجائے تو اُس وقت میں اگر یہ پاک ہوتی تو خواہ نماز پڑھ سکتی تھی یا نہیں (دونوں صورتوں میں) اس وقت کا فرض اس سے ساقط ہوگا۔۔۔۔۔اور جب ایسے وقت میں پاک ہوئی کہ صرف تحریمہ (اللہ اکبر) پڑھنے کی بقدر وقت باقی تھا تو ہمارے نزدیک اس پر اس وقت کی قضا لازم ہے۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل التاسع في الحيض، نوع آخرفي الأحكام التي تتعلق بالحيض: ۱/ ۲۵۱

حیض کی عادت بدل جانے پر طویل مدت کا گزرنا

سوال نمبر(235):

ایک عورت کی عادت سات دن مقرر تھی، لیکن چھبیس سال کے طویل عرصہ سے اس کو مسلسل دس دن سے زیادہ خون آتا رہتا ہے، اب حیض اور استحاضہ کی تعیین کیسے ہوگی، عادت ہی کو اعتبار دیا جائے گا یا دس دن حیض اور بقیہ استحاضہ ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

حیض ونفاس کے حوالے سے جن عورتوں کی عادت مقرر ہوتی ہے، شریعت میں اسی کو اعتبار دیا جاتا ہے، تاہم عادت کے ثبوت کے لیے کم از کم ایک حیض یا طہرِ کامل کا ہونا ضروری ہے، چنانچہ عادت اگر حیض میں دس یا دس دن سے کم اور نفاس میں چالیس یا چالیس سے کم ایام میں خون بند ہو جائے تو یہ نئی عادت شمار ہوگی، لیکن جب بھی مقررہ عادت کے بعد خون حیض میں دس دن اور نفاس میں چالیس دِن سے تجاوز کر لے تو سابقہ عادت کے علاوہ سب ایام استحاضہ شمار ہوگا۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں واقعی اگر عادت پہلے سات ایام تھی اور کئی دفعہ سے اس کو یقین ہو گیا ہو اور بعد ازاں دس دن سے زائد خون آتا رہتا ہے تو سابقہ عادت ہی کو اعتبار دے کر سات دن سے زائد تمام کا تمام استحاضہ شمار ہوگا، اگرچہ ایک طویل عرصے سے اس طرح ہو رہا ہو۔

والدّلیل علی ذلک:

أما المعتادة، فما زاد علیٰ عادتها، ویجاوز العشرة في الحیض والأربعین في النفاس، یکون استحاضة.(۱)

ترجمہ:

وہ عورت جس کی عادت مقرر ہو، اور اُس کا خون حیض میں دس اور نفاس میں چالیس دن سے متجاوز ہو جائے، تو عادت سے زائد خون استحاضہ شمار ہوگا۔

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطہارۃ، باب الحیض: ۱/ ٤٧٧

حیض کی حالت میں جماع

سوال نمبر(236):

کیا حیض کی حالت میں جماع ممنوع ہے اگر شہوت کا غلبہ ہو تو اس کو پورا کرنے کے لیے بیوی سے اختلاط کی حدود کیا ہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

حیض کی حالت میں جماع کرنا بنص قرآنی حرام ہے کہ اس میں ضرر اور تکلیف بھی ہے اور گندگی بھی، چنانچہ حیض کے دوران جان بوجھ کر جماع کا ارتکاب کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ دورانِ حیض ناف سے لے کر گھٹنوں تک حائضہ عورت سے بلا حائل استمتاع ناجائز ہے، اس حصہ کے علاوہ عورت کے ساتھ بلا حائل بھی اختلاط اور بدن سے استمتاع جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولا یأتیہا زوجہا لقولہ تعالی:﴿ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ﴾(۱)

ترجمہ:

اور اس کے پاس شوہر نہ آئے، اس ارشاد باری تعالی کی وجہ سے کہ: قربت مت اختیار کرو حیض والیوں سے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔

(وقربان ماتحت الإزار) أي ویمنع الحیض قربان زوجها ماتحت إزارها......وقد علم من عباراتهم أنه یجوز الاستمتاع بالسرة ومافوقها، وبالرکبة وماتحتها. (۲)

ترجمہ:

اور حیض کے دوران بیوی کے ساتھ تہہ بند کے نیچے قربت (ملنا) ناجائز ہے......فقہا کی عبارات سے معلوم ہوا کہ ناف اور ناف سے اوپر، اسی طرح گھٹنے اور گھٹنے سے نیچے بدن سے فائدہ حاصل کرنا یعنی شہوت پوری کرنا جائز ہے۔

❀❀❀

(۱) الهدایة، کتاب الطهارات، باب الحیض والاستحاضة:۱/۶۲

(۲) البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب الحیض:۱/۳۴۲، ۳۴۴، ۳۴۵

نفل نماز کے دوران حیض آنا

سوال نمبر (237):

اگر ایک عورت نفل نماز پڑھ رہی ہے اور اسی دوران اس کو حیض آنا شروع ہو جائے تو کیا ان پڑھی گئی رکعتوں کی قضا اس کے ذمہ لازم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق :

فقہی قواعد کی رُو سے جب کوئی نفلی عبادت شروع کی جائے تو اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے، اس لیے اگر نفلی نماز مکمل کرنے سے پہلے توڑ دی جائے تو اس کی قضا لازم ہے۔

صورتِ مسئولہ میں یہ عورت اگر دوگانہ نماز پڑھ رہی ہو یا چہارگانہ نماز کی پہلی دو رکعتوں میں اسے حیض آجائے تو صرف دو رکعت کی قضا لازم ہے اور اگر چہارگانہ نماز کی تیسری رکعت میں یا اس کے بعد حیض آجائے، تب بھی ان آخری دو رکعت کی قضا لازم ہے، کیونکہ نوافل میں ہر دو رکعت الگ نماز شمار ہوتی ہے، اس لیے اگر قعدہ کر کے دو رکعت پڑھنے کے بعد تیسری یا چوتھی رکعت میں حیض آجائے تو پہلی دو رکعت مکمل شمار ہوں گی اور بقیہ دو رکعتوں کی قضا کرنا ہوگی۔

والدّلیل علی ذلک:

ولو شرعت تطوعا فیهما فحاضت، قضتهما.(۱)

ترجمہ:

اور اگر نفلی نماز یا روزہ شروع کرے اور اسی دوران حیض آجائے، تو دونوں کی قضا لائے گی۔

(وإن صلىٰ أربعا وقرء في الأولیین، وقعد، ثم أفسد الأخریین قضىٰ ركعتین) لأن الشفع الأول قد تم، والقیام إلى الثالثة بمنزلة التحریمة المبتدأة، فیكون ملزما. هذا إذا أفسد الأخریین بعد الشروع فیهما.(۲)

---

(۱) الدر المختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الحیض: ۱/۴۸۵

(۲) الهدایة، کتاب الصلوة، باب في النوافل: ۱/۱۵۴، ۱۵۵

ترجمہ:

اور اگر چار رکعت نفل پڑھتے ہوئے پہلی دو رکعتوں میں قراءت کی اور بیٹھ گیا، پھر آخری دو رکعتوں کو فاسد کر دیا، تو صرف دو رکعتوں کی قضا لائے گا، کیونکہ شفع اول (یعنی پہلی دو رکعتیں) مکمل ہو چکا ہے، اور تیسری رکعت کے لیے اٹھنا بہ منزلہ از سرِ نو تحریمہ کے ہے، پس یہ قیام ان بقیہ دو رکعتوں کو لازم کرنے والا ہے، ہاں یہ اس وقت ہے جب ان آخری دو رکعتوں کو شروع کرنے کے بعد ان کو فاسد کر دیا گیا ہو۔

❁❁❁

طوافِ زیارت سے قبل حیض آنا

سوال نمبر(238):

ایک عورت کو حج کے دوران طوافِ زیارت سے قبل حیض آنا شروع ہوا، اب وہ وقت کی کمی کی وجہ سے پاکی کا انتظار بھی نہیں کر سکتی، کیونکہ (PIA) قوانین کی وجہ سے وہ مقررہ وقت سے زائد نہیں ٹھہر سکتی، اب اس عورت کے لیے کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب کسی عورت کو حج کے دوران طوافِ زیارت سے قبل حیض آنا شروع ہو جائے تو وہ پاک ہونے تک طواف مؤخر کرے گی۔ تاہم اگر وہ انتظار کیے بغیر حیض کی حالت میں طواف کرلے تو اس پر اعادہ لازم ہوگا۔ اعادہ نہ کرنے کی صورت میں اس پر بدنہ (یعنی گائے یا اونٹ) لازم ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اس عورت کے لیے مذکورہ عذر کی بنا پر اگر وہاں ٹھہرنا ممکن نہ ہو تو حیض کی حالت میں طواف کر کے بدنہ یعنی بڑا جانور ذبح کر کے اس کی تلافی کر دے۔

والدّلیل علی ذلک:

نقل بعض المحشين عن منسك ابن أمير حاج : لو همّ الركب على القفول ولم تطهر فاستفتت هل تطوف أم لا؟ قالوا: يقال لها لايحل لك دخول المسجد، وإن دخلت وطفت أثمت

وصح طوافك وعليك ذبح بدنة، وهذه مسألة كثيرة الوقوع يتحير فيها النساء .(۱)

ترجمہ:

بعض محشین نے منسک بن امیر الحاج سے نقل کیا ہے کہ اگر قافلہ واپسی کا عزم کرلے اور (کوئی عورت حائضہ ہو، طواف زیارت نہ کیا ہوا ور وہ) ابھی تک حیض سے پاک نہ ہوئی ہو، اور فتوی طلب کرے کہ وہ (حالتِ حیض میں) طواف کرسکتی ہے یا نہیں؟ تو فقہا نے کہا ہے کہ اُس سے کہا جائے گا کہ مسجد میں داخلہ تمہارے لیے جائز نہیں، لیکن اگر تم داخل ہوگئی اور طوافِ زیارت کرلیا تو تم گناہ گار ہوگی، طواف درست ہوجائے گا اور تم پر بدنہ ذبح کرنا واجب ہوگا۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو کثرت سے پیش آتا ہے اور خواتین اِس میں پریشان ہوتی ہیں۔

❁❁❁

ماہواری میں تبدیلی کا معیار

سوال نمبر (239):

ایک عورت کی عرصہ دراز سے ایک ہی معمول کے مطابق چھ دن ماہواری کی عادت مقرر تھی، بعدازیں عادت سے ہٹ کر کئی مرتبہ بے ترتیب کبھی چھ دن، کبھی سات دن اور کبھی آٹھ دن خون آتا رہا، اب عادت کا اعتبار کس طرح ہوگا، نیز ان حالات میں نماز روزے کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

جب کسی عورت کا خون تین دن سے زائد اور دس دن سے کم میں بند ہوجائے تو یہ سارے ایام حیض کے شمار ہوں گے، چاہے پہلے سے عادت مقرر ہو یا نہ ہو۔ البتہ اگر دس دِن سے تجاوز کرے تو پھر اپنی سابقہ عادت کی طرف لوٹ آئے گی یعنی سابقہ عادت کے مطابق ایام حیض کے اور باقی استحاضہ کے شمار ہوں گے۔

صورتِ مسئولہ میں بھی خون چونکہ دس دن کے اندر گردش کررہا ہے، اس لیے ہر مرتبہ کل ایام، حیض ہی کے شمار ہوں گے اور عادت کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دوسرے مہینے کا انتظار کیا جائے گا، اگر دوسری مرتبہ بھی پہلے کی طرح خون دیکھا تو سب حیض ہوگا اور اس دوسری مرتبہ بھی اگر گزشتہ مہینے سے پیوست مہینے کی بقدر خون

(۱) ردالمحتار على الدّرالمختار، كتاب الحج، مطلب في طواف الزيارة: ۵۳۹/۳

دیکھ لیا تو درمیانی مہینے کی زیادتی استحاضہ شمار ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر دس دن سے کم ہو تو ہر مرتبہ کل حیض شمار ہوگا، کیونکہ ان کے نزدیک عادت ایک مرتبہ سے بدل جاتی ہے اور فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔

والدّليل على ذلك:

والعادة تنتقل عندأبي يوسفؒ بأحد أمور ثلاثة: بعدم رؤية مكانهامرة، وبطهرصحيح صالح لنصب العادة يخالف الأول مرة، ودم صالح مخالف مرة. وعندهمابتكرر هذه الأمور مرتين على الولاء.(۱)

وقال:وفي الخلاصة والكافي أن الفتوىٰ علىٰ قول أبي يوسفؒ.(۲)

ترجمہ:

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تین چیزوں سے عادت بدل جاتی ہے: ایک ہی مرتبہ حیض کو اپنے ایام (عادت) سے مخالف دیکھنا، طہرِ صحیح کا ایک مرتبہ پہلے سے مخالف دیکھنا جو عادت کی تقرری کے لیے صالح ہو اور ایک مرتبہ کسی خون صالح (جو استحاضہ اور استمرار نہ ہو) کا پہلے خون کے مخالف دیکھنا۔ اور طرفین کے نزدیک ان چیزوں کو پے در پے دو مرتبہ دیکھنے سے عادت بدل جاتی ہے۔۔۔(صاحب کتاب علامہ ابن نجیم المصریؒ) خلاصہ اور کافی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔

❁❁❁❁❁

(۱)البحرالرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض، تحت قوله:(ولوزادالدم على أكثرالحيض):۱/۳۷۲

(۲)أيضاً:۱/۳٦۹

فصل فی أحکام النفاس

(نفاس کے احکام کا بیان)

جڑواں بچے جننے والی خاتون کی عدت ونفاس

سوال نمبر(240):

جس عورت کے دو بچے دس دن کے وقفہ سے پیدا ہو جائیں تو اِس عورت کا نفاس پہلے بچے کی ولادت سے شمار ہوگا یا دوسرے بچے کی ولادت سے؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ عدت کا حکم کیا ہوگا؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ جس عورت کے دو بچوں کی ولادت کے درمیان چھ ماہ سے کم مدت کا وقفہ ہو تو اس عورت کا نفاس پہلے بچے کی پیدائش سے شمار ہوتا ہے اور اس کی عدتِ طلاق یا عدتِ وفات دوسرے بچے کے جننے سے پوری ہو جاتی ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اس عورت کا نفاس پہلے بچے کی ولادت سے شمار ہوگا اور عدت دوسرے بچے کی پیدائش سے ختم ہوگی۔

والدّلیل علی ذلک:

(والنفاس لأم توأمين من الأول)هما ولدان بينهما دون نصف حول، و كذا الثلاثة ولو بين الأول والثالث أكثر منه في الأصح، (و)انقضاء (العدة من الاخير وفاتا) لتعلقه بالفراغ.(۱)

ترجمہ:

اور جڑواں بچوں کی ماں کا نفاس پہلا بچہ جننے سے شمار ہوگا۔ توأمین کہتے ہیں اُن دو بچوں کو کہ جن کی پیدائش کے مابین چھ مہینوں سے کم وقفہ ہو۔ اسی طرح تین بچوں کے پیدائش کا معاملہ بھی ہے کہ اس میں بھی پہلے بچے کی پیدائش سے اس عورت کا نفاس شمار کیا جائے گا، اگر چہ اس پہلے اور تیسرے بچہ کی پیدائش کا درمیانی وقفہ مدت نفاس سے بڑھ کر ہو صحیح قول کے مطابق، اور عدتِ طلاق یا عدتِ وفات آخری بچے کی پیدائش پر پوری ہو جائے گی، کیونکہ عدت کا تعلق رحم کے خالی ہونے کے ساتھ ہے۔

---

(۱) الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار، کتاب الطھارۃ، باب الحیض: ۱/ ۴۹۹، ۵۰۰

اسقاطِ حمل کے بعد خون کا جاری ہونا

سوال نمبر(241):

اگر ایک عورت کسی عذر کی بنا پر حمل ساقط کروے اور حمل کا اسقاط ہو جانے کے بعد خون آنا شروع ہو جائے تو یہ خون حیض شمار ہوگا یا نفاس؟ بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

حمل خود بخود ساقط ہو جائے یا اسے ساقط کر دیا جائے، اگر ساقط شدہ حمل کے اعضا ہاتھ، پاؤں، کان اور ناک وغیرہ ظاہر ہو چکے ہوں تو اس کے بعد آنے والا خون نفاس شمار ہوگا اور اگر اعضا ظاہر نہ ہو چکے ہوں تو پھر اگر یہ خون تین دن جاری رہے یا اس سے تجاوز کر جائے اور اس خون آنے سے پہلے طہر کامل جو کہ پندرہ دن ہے گزر گیا ہو تو یہ خون حیض شمار ہوگا اور اگر یہ خون تین دن سے کم جاری رہے یا اس سے پہلے پندرہ دن طہر کے نہ گزرے ہوں تو دونوں صورتوں میں یہ عورت مستحاضہ شمار ہوگی، چنانچہ ان ایام کی نماز اور روزہ اس کے ذمہ لازم ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

وَسِقطٌ مُثَلَّثُ السِّینِ: أی مَسقُوطٌ ظَهَرَ بَعضُ خَلقِهِ کَیَدٍ أو رِجلٍ أو أُصبُعٍ أو ظُفُرٍ أو شَعرٍ وَلَا یَستَبِینُ خَلقُهُ إلَّا بَعدَ مِائَةٍ وَعِشرِینَ یَومًا وَلَدٌ حُکمًا فَتَصِیرُ المَرأَةُ بِهِ نُفَسَاءَ وَالأَمَةُ أُمَّ وَلَدٍ وَیَحنَثُ بِهِ فِی تَعلِیقِهِ وَتَنقَضِی بِهِ العِدَّةُ فَإِن لَم یَظهَر لَهُ شَیءٌ فَلَیسَ بِشَیءٍ وَالمَرئِیُّ حَیضٌ إن دَامَ ثَلَاثًا وَتَقَدَّمَهُ طُهرٌ تَامٌّ وَإِلَّا استِحَاضَةٌ. (۱)

ترجمہ: سُقط (ناتمام بچہ) سین کے تینوں حرکتوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ اس سے مراد وہ گرایا گیا ناتمام بچہ ہے جس کے بعض اعضا ظاہر ہوئے ہوں، جیسے ہاتھ یا پاؤں یا انگلیاں یا ناخن یا بال وغیرہ، اور خلقت ایک سو بیس (۱۲۰) دن کے بعد کھل کر واضح ہو جاتی ہے، یہ بھی بچے کے حکم میں ہے۔ لہٰذا اس کی وجہ سے عورت نفاس والی ہو جاتی ہے، اور باندی ام ولد بن جاتی ہے اور (بچے کی ولادت کے ساتھ قسم یا شرط) معلق کرنے والا اس کے ذریعے حانث ہو جاتا ہے، اور اس کے ساتھ عدت بھی گزر جاتی ہے، اور اگر اس کا کوئی بھی حصہ ظاہر نہ ہوا ہو تو یہ کوئی چیز نہیں اور اگر اس سے پہلے پورا طہر (پندرہ دن) گزر چکے ہوں تو اس کے بعد نظر آنے والا خون اگر تین دن تک جاری رہے تو حیض ہوگا۔ ورنہ

---

(۱) الدر المختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الطہارۃ، باب الحیض: ۱/ ۵۰۰، ۵۰۱

اگر اس سے پہلے پورا طہر نہ گزرا ہو یا خون تین دن سے کم ہو تو استحاضہ ہے۔

نفاس کی مدت

سوال نمبر (242):

کیا یہ بات درست ہے کہ بچے کی ولادت کے بعد ماں پورے چالیس دن تک ناپاک رہتی ہے، اگر چالیس دن سے پہلے خون بند ہو جائے، تب بھی یہ نماز وغیرہ نہیں پڑھے گی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق :

جس عورت کا بچہ پیدا ہو جائے، اُس کے نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے، ضروری نہیں کہ خواہ مخواہ چالیس دن ہو، چنانچہ چالیس دن سے کم مدت میں اگر خون بند ہو جائے تو یہ پاک سمجھی جائے گی اور نماز پڑھے گی۔

والدّلیل علی ذلک:

وأقل النفاس لاحد له، وأكثره أربعون يوما، والزائد عليه استحاضة.(١)

ترجمہ: نفاس کی کم مدت کی کوئی تعیین نہیں اور اکثر مدت چالیس دن ہے، چالیس دن سے زیادہ خون استحاضہ شمار ہوگا۔

❁❁❁

نفاس کے خون میں انقطاع

سوال نمبر (243):

ایک عورت کو پچیس دن نفاس کا خون آتا رہا اور اس کے بعد خون منقطع ہو کر تیرہ دن تک پاک رہی، ٹھیک تیرہ دن بعد پھر خون جاری ہوا اور آٹھ دن بعد بند ہو گیا، اب حیض و نفاس کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

---

(١) الهداية، كتاب الطهارات، فصل في النفاس: ١/٦٧

الجواب وباللہ التوفیق:

نفاس کی مدت زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہے، ان چالیس ایام کے دوران جوخون دیکھا جائے، وہ سب نفاس شمار ہوگا اور انقطاع کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، چنانچہ نفاس کا خون اگر پچیس دن جاری رہا، پھر بند ہوکر چالیس دن پورا ہونے سے پہلے پہلے دوبارہ شروع ہوکر چالیس دن سے تجاوز کر گیا تو اس انقطاع کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر عورت معتادہ ہے، تو سابقہ عادت کے مطابق مقررہ ایام نفاس شمار ہوں گے اور بقیہ استحاضہ اور اگر معتادہ نہیں، تو پھر چالیس دن نفاس اور اس سے زائد استحاضہ شمار ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

الطهر المتخلل فيه لايفصل طال الطهر أوقصر، حتىٰ لورأت ساعة دماوأربعين إلاساعتين طهرا، ثم ساعة دماكان الأربعون كله نفاسا. وعندهما إن لم يكن الطهر خمسة عشريوما، فكذلك وإن كان خمسة عشر يوما فصاعدا يكون الأول نفاسا والثاني حيضاإن أمكن وإلاكان استحاضة.(١)

ترجمہ:

نفاس میں پاکی کا دوخونوں کے درمیان واقع ہونا دونوں خونوں کو جدا نہیں کرتا (یعنی پاکی سے پہلے اور بعد دونوں نفاس ہی شمار ہوگا)، خواہ یہ پاکی طویل ہو یا مختصر۔ یہاں تک کہ اگر ایک عورت (بچے کی ولادت کے بعد) ایک لمحہ کے لیے خون دیکھے اور پھر دو لمحے کم چالیس دن مسلسل پاکی دیکھے اور پھر ایک لمحہ خون دیکھے تو پورے چالیس دن نفاس کے شمار ہوں گے، البتہ صاحبین کے نزدیک یہ پاکی (انقطاع) اگر پندرہ دن سے کم ہو تو یہی حکم ہے اور پندرہ یا پندرہ دن سے زائد انقطاع آجائے تو پہلی مرتبہ نظر آنے والا خون نفاس ہوگا، جب کہ دوسری مرتبہ اگر ممکن ہو تو حیض ورنہ استحاضہ ہوگا۔

(١)البحرالرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض، تحت قوله:(ولاحدلأقله):١/ ٣٨٠

فصل فی أحکام الاستحاضة

(استحاضہ کے احکام کا بیان)

نفاس کی اکثر مدت گزرنے کے چار پانچ دن بعد خون آنا

سوال نمبر (244):

اگر کسی عورت کو چالیس دن تک نفاس کا خون رہے۔ پھر چار پانچ دن بعد دوبارہ خون آجائے، تو یہ خون استحاضہ ہوگا یا حیض؟ اور اس کی نماز، روزے کا کیا حکم ہوگا؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ شرعی نقطہ نظر سے طہر کی کم از کم مدت پندرہ دن ہے، لہٰذا اگر کسی عورت کو حیض یا نفاختم ہونے کے بعد پندرہ دن سے پہلے دوبارہ خون آیا تو یہ استحاضہ شمار ہوگا۔

صورت مسئولہ میں جب نفاس چالیس دِن پر ختم ہوا اور اس کے چار پانچ روز بعد خون ظاہر ہوا تو یہ استحاضہ کا خون ہے۔اس میں عورت نماز اور دیگر عبادات استحاضہ کے حکم کے مطابق ادا کرے گی۔

والدّلیل علی ذلك:

(وأقل الطهر) بین الحیضتین، أو النفاس والحیض (خمسة عشر یوما) ولیالیها إجماعا. (۱)

ترجمہ:

دو حیضوں یا نفاس اور حیض کے درمیان طہر کی کم سے کم مقدار بالاجماع پندرہ دن اور پندرہ راتیں ہیں۔

---

(۱) الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الحیض: ۱/ ۴۷۷

مسلسل خون آنے سے ایام حیض اور ایامِ طہر کی تعیین

سوال نمبر(245):

ایک عورت کو کئی مہینوں سے مسلسل خون آرہا ہے جب کہ اس سے پہلے اس عورت کی عادت مہینے میں آٹھ روز خون آنے کی تھی، اب موجودہ حالت میں پاکی اور ناپاکی کی تعیین کیسے ہوگی؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

حیض ونفاس کے حوالے سے جن عورتوں کو کئی مرتبہ ایک خاص عادت کے مطابق خون آتا ہے اور بعد میں خون مسلسل جاری رہے تو اس کو مستحاضہ معتادہ کہتے ہیں۔ معتادہ کا حکم یہ ہے کہ مقررہ عادت کے مطابق جتنے دن پاکی کے ہیں وہ پاک شمار ہوں گے اور جتنے دن ناپاکی کے ہیں وہ حیض شمار ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں عادت کے آٹھ ایام حیض، جب کہ بقیہ استحاضہ شمار ہوگا۔ چنانچہ عادت کے علاوہ دیگر ایام میں ہر نماز کے وقت داخل ہونے پر نیا وضو کر کے اُس سے فرض ونفل نمازیں ادا کرے گی۔

والدّلیل علی ذلک:

أماالمعتادة، فمازادعلیٰ عادتها، ویجاوز العشرة في الحیض والأربعین في النفاس یکون استحاضة.(۱)

ترجمہ:

وہ عورت جس کی عادت مقرر ہو، اور اُس کا خون حیض میں دس اور نفاس میں چالیس دن سے متجاوز ہو جائے، تو عادت سے زائد خون استحاضہ شمار ہوگا۔

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطهارة، باب الحیض: ۱/ ٤٧٧

پندرہ دن کے اندر دوبارہ خون آنا

سوال نمبر(246):

ایک عورت کو بیماری سے پاک ہوکر غسل کرنے کے بعد اگر بارھویں یا تیرھویں دن پھر خون آجائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ دوحیضوں کے درمیان پاکی کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے یعنی پندرہ دن گزرنے سے پہلے خون کا دوبارہ آنا حیض شمار نہ ہوگا، غسل کرنے کے بعد بارھویں، تیرھویں دن کا خون استحاضہ شمار ہوگا، لہٰذا نماز اور روزہ وغیرہ ترک نہیں کرسکتی۔

والدّلیل علی ذلك:

ولو رأت الدم بعد أكثر الحيض، والنفاس في أقل مدة الطهر، فما رأت بعد الأكثر إن كانت مبتدأة، وبعد العادة إن كانت معتادة استحاضة. (۱)

ترجمہ:

اور اگر حیض اور نفاس کی اکثر مدت کے بعد طہر کی کم سے کم مدت کے اندر اندر خون دیکھ لے تو عورت اگر مبتدأہ ہو تو (حیض اور نفاس کی) اکثر مدت (جو بالترتیب دس اور چالیس دن ہیں) کے بعد اور اگر معتادہ ہو تو عادت کے بعد والے ایام استحاضہ کے شمار ہوں گے۔

❁❁❁

متحیرہ بالعدد کا حکم

سوال نمبر(247):

ایک عورت ہے، اس کو ہر مہینہ کی ابتدا میں کچھ دن خون آتا تھا، لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ اب اس کو مسلسل خون

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، فصل في الاستحاضة: ۱/ ۳۷

آنا شروع ہوگیا اور عادت بھی بھول گئی کہ کتنے دن اس کے خون کے ہیں اور کتنے دن پاکی کے۔ایسی صورت میں اب وہ روزہ نماز کس طرح ادا کرے گی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

وہ عورت جس کی ماہواری کے ایام معلوم ومتعین تھے، پھراس کو استمرارِدم یعنی مسلسل خون آنا شروع ہوگیا اور وہ اپنی گزشتہ عادت بھول گئی ہو تو شریعت کی اصطلاح میں ایسی عورت کو متحیرہ کہتے ہیں۔اگر ایسی عورت کو حیض کے ایام کی تعداد یاد نہ رہے تو وہ متحیرہ بالعدد کہلاتی ہے۔اس کا حکم یہ ہے کہ وہ خون شروع ہونے کی تاریخ سے تین دن تک نماز روزہ چھوڑے گی، کیونکہ ان ایام میں حیض یقینی ہے،اس کے بعد سات دن ہر نماز کے لیے غسل کرے گی، کیونکہ اب ہر لمحہ میں یہ احتمال ہے کہ حیض ختم ہورہا ہے اور اس کے بعد عام مستحاضہ کی طرح حیض کی اگلی تاریخ تک ہر نماز کے لیے وضو کرے گی، کیونکہ ان ایام میں وہ یقینی طور پر پاک ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

إذانسیت عدد أیامھابعدما انقطع الدم عنھا أشھر واستمرّ، وعلمت أن حیضھا في کل شھرمرة، فإنھاتدع الصلوة ثلاثة أیام من أول الاستمرارلتیقنھا بالحیض فیھا، ثم تغسل سبعة أیام لکل صلوة لتردد حالھابین الحیض والطھر، والخروج من الحیض، ثم تتوضأ عشرین یومالوقت کل صلوة لتیقنھا فیھا بالطھر. (۱)

ترجمہ:

جب ایک عورت کا خون کئی ماہ بند ہونے کے بعد مسلسل جاری ہوجائے اور وہ اپنے ایامِ عادت کی گنتی بھول جائے، البتہ یہ جانتی ہو کہ اس کا حیض ہر مہینے ہوا کرتا تھا، تو وہ استمرارِ خون کی اول تاریخ سے تین دن تک نماز روزہ چھوڑے گی، کیونکہ ان ایام میں حیض یقینی ہے پھر سات دن تک ہر نماز کے لیے غسل کرے گی، کیونکہ اب اس کی حالت حیض، طہر اور خروج من الحیض میں متردد ہے، پھر بیس دن ہر نماز کے لیے وضو کرے گی کہ ان ایام میں طہر یقینی ہے۔

❁❁❁

(۱) البحرالرائق، کتاب الطھارة، باب الحیض، تحت قولہ:(ولاحدّلأکثرہ إلاعندنصب العادة): ۱/ ۳٦۲

حاملہ عورت کو خون آنے سے نماز وروزہ کا حکم

سوال نمبر(248):

ایک حاملہ خاتون کو مسلسل خون آتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ ایک نماز بھی خون آئے بغیر نہیں پڑھ سکتی۔ایسی حالت میں اس خاتون کے روزے اور نماز کا کیا حکم ہوگا؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

دورانِ حمل عورت کو جو خون آئے وہ استحاضہ شمار ہوتا ہے، اور استحاضہ کی حالت میں نماز، روزہ وغیرہ احکام ساقط نہیں ہوتے، اس لیے مستحاضہ عورت نماز ادا کرے گی اور روزہ بھی رکھے گی، تاہم حصولِ طہارت کے سلسلے میں وہ معذورین کے حکم میں ہے، لہٰذا ہر وقت کی نماز کے لیے الگ الگ وضو کرے گی، پھر اُس وضو سے فرض ونفل ہر قسم کی عبادات ادا کرسکتی ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

قوله: (ودم الحامل استحاضة) لانسدادِ فم الرّحم بالولد فلایخرج منه دمٌ، ثم یخرج بخروجِ الولد للانفتاحِ به.(۱)

ترجمہ: اورحاملہ عورت کا خون استحاضہ ہے کیونکہ (دورانِ حمل) بچے کی وجہ سے رحم کا منہ بندر ہتا ہے، اس لیے اُس سے خون نہیں نکلتا، پھر بچے کے نکلنے سے رحم کا منہ کھلنے کی وجہ سے خون نکل آتا ہے۔

(ودم استحاضة) حکمه (کرعاف دائم) وقتا کاملا (لایمنع صوما، وصلوة) ولو نفلا (وجماعا).(۲)

ترجمہ: اوراستحاضہ کے خون کا حکم دائمی نکسیر کی طرح ہے جو نماز کے پورے وقت میں جاری ہو، لہٰذا استحاضہ کا خون نہ روزہ کے لیے مانع ہے اور نہ نماز کے لیے، چاہے نفل کیوں نہ ہو اور نہ جماع کے لیے مانع ہے۔

❁❁❁

(۱) البحرالرائق، کتاب الطهارة، أحکام النّفاس: ۱/۳۷٦

(۲) الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الحیض: ۱/٤٩٥

فصل فی متفرقات الحیض والنفاس والاستحاضة

(حیض، نفاس اوراستحاضہ کے متفرق احکام کا بیان)

حیض اورنفاس کے دوران تلاوت

سوال نمبر(249):

ایک لڑکی قرآن حفظ کرتی ہے، ہرماہ نودن حیض کی وجہ سے روزمرہ اسباق میں ناغہ ہوجاتا ہے اورمنزل بھول جانے کا بھی خطرہ ہے،توان ایام کے دوران دیکھ کریا دیکھے بغیر وہ قرآن پاک کی تلاوت کرسکتی ہے یانہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق :

حائضہ اورنفاس والی عورت خواہ قران پاک یادکررہی ہویاعام معمول کے مطابق تلاوت کرتی ہو، بہرحال اس کے لیے بہ قصد تلاوت قرآن کریم پڑھنا جائزنہیں، نہ پوری آیت پڑھ سکتی ہے نہ کم۔حفظ کرنے والی عورت کوچاہیے کہ وہ زبان ہلائے بغیردل میں اپنی گردان جاری رکھے یاپوری آیت نہ پڑھے بلکہ کلمات جداجدا کرکے پڑھتی رہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ومنها:حرمة قرأة القرآن.لاتقرء الحائض والنفساء والجنب شيئامن القرآن. والآية ومادونهاسواء في التحريم على الأصح إلاأن لايقصد بمادون الآية القراءة مثل أن يقول الحمدللّٰه يريد الشكر أوبسم اللّٰهعند الأكل، أوغيره، فإنه لابأس به.(۱)

ترجمہ:

حیض کے احکام میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں قرآن کاپڑھنا حرام ہے، چنانچہ حائضہ نفاس والی عورت اورجنبی شخص قرآنِ پاک کاتھوڑاحصہ بھی نہ پڑھے۔اصح قول کے مطابق حرام ہونے میں پوری آیت یاآیت سے کم دونوں برابر ہے،الایہ کہ آیت کے کسی حصہ کے پڑھنے سے تلاوت کاقصدنہ ہو(بلکہ دعاوغیرہ کاارادہ ہو) مثلاً:شکر کے طور پرالحمدللہ کہے یاکھانے کے لیے بسم اللہ کہے،تو کچھ مضائقہ نہیں۔

---

(۱)الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب السادس ...... الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس:۱/۳۸

دورانِ حیض قرآنِ پاک کی تعلیم دینا

سوال نمبر(250):

ایک عورت قرآنِ پاک کا باقاعدہ درس دیتی ہے، حیض کے دوران دوسرا کوئی متبادل انتظام بھی مشکل ہے، جب کہ دوسری طرف بچوں کے اسباق متاثر ہونے کا قوی امکان ہے۔ایسے حالات میں قرآن پاک کی تدریس کی کیا صورت اختیار کی جائے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قرآن کریم کی تلاوت کے لیے حیض ونفاس اور جنابت سے پاک ہونا ضروری ہے، اِس لیے جو عورت حیض کے ایام گزار رہی ہو، اُسے قرآن کی تلاوت کرنے کی اجازت نہیں، خواہ تعلیم ہی کی نیت سے کیوں نہ ہو، البتہ معلّمہ اور حافظہ کے لیے اتنی گنجائش ہے کہ اگر حالتِ حیض میں بچوں کی تعلیم کا کوئی متبادل انتظام نہ ہوسکے اور تعلیمی سلسلہ منقطع کرنے سے نقصان کا اندیشہ ہو تو حائضہ عورت تقطیع کرے یعنی پوری آیت پڑھنے کی بجائے ایک ایک کلمہ پڑھے اور پڑھائے، اِسی طرح کلمات پڑھنے کی بجائے صرف ہجے کر کے پڑھانا بھی جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وإذاحاضت المرأة المعلمة، فينبغي لها أن تعلم الصبيان كلمة كلمة وتقطع بين الكلمتين، ولا يكره لهاالتهجي بالقرآن.(١)

ترجمہ:

جب معلّمہ کا حیض شروع ہوجائے، تو اس کو چاہیے کہ (قرانِ پاک) کلمہ کلمہ کر کے بچوں کو پڑھائے اور ہر دوکلموں کو جدا جدا کر کے پڑھائے، نیز ہجے کر کے قرآن پاک کا پڑھنا پڑھانا بھی مکروہ نہیں۔

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب السادس ......، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس: ١/ ٣٨

حیض ونفاس کی حالت میں مسنون دعائیں اور وظائف پڑھنا

سوال نمبر(251):

کیا حائضہ عورت دعائیں اور اوراد و وظائف پڑھ سکتی ہے یا نہیں۔خاص کر نفاس والی عورت اگر مثلاً : تمیں پینتیس دن ذکرالٰہی سے بالکل غافل رہے تو آئندہ بھی اعمال متاثر ہونے کا خدشہ ہے۔لہٰذا ان حالات میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق :

تلاوت قرآن پاک کے علاوہ ادعیہ ماثورہ اور دیگر اوراد و وظائف کا پڑھنا حالتِ حیض اور نفاس دونوں میں جائز ہے، بلکہ وہ آیاتِ قرآنیہ جو دعا کے مضمون پر مشتمل ہوں، دعا کی نیت سے ان کا پڑھنا بھی جائز ہے۔ چنانچہ حیض یا نفاس کے ایام میں چاہیے کہ تلاوتِ قرآن کے علاوہ دیگر وظائف اور اصلاح کے لیے تعلیم وتربیت کا انتظام کیا جائے، تاکہ اعمال سے بیگانگی پیدا نہ ہو۔

والدّلیل علی ذلک:

ویستحب للحائض إذادخل وقت الصلوة أن تتوضأ، وتحلس عند مسجد بیتها تسبح وتهلل قدر مایمکنهاأداء الصلوة لو کانت طاهرة......ویجوز للجنب، والحائض الدعوات، وجواب الأذان، ونحو ذلك.(۱)

ترجمہ:

حائضہ کے لیے مستحب ہے کہ جب نماز کا وقت داخل ہو جائے تو وضو کرے اور اپنے گھر میں مصلیٰ (نماز پڑھنے کی جگہ) پر جائے اور سبحان اللہ اور لاالہ الااللہ اتنی دیر پڑھتی رہے، جتنی دیر میں پاکی کی حالت میں نماز کی ادائیگی ممکن ہوتی ہے......جنبی شخص اور حائضہ کے لیے دعائیں پڑھنا، اذان کا جواب دینا اور اسی قسم کے دوسرے کام اعمال جائز ہیں۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الطهارة، الباب السادس، الفصل الرابع في أحکام الحیض والنفاس: ۱/ ۳۸

حالتِ حیض میں فضائلِ اعمال کی تعلیم

سوال نمبر(252):

کوئی عورت حیض کی حالت میں فضائلِ اعمال کی تعلیم کر سکتی ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

حیض کے دوران قرآنِ پاک کو ہاتھ لگانا اور اس کی تلاوت کرنا جائز نہیں۔قرآن پاک کے علاوہ دیگر اسلامی کتب کا مطالعہ اور تعلیم وتعلّم جائز ہے لیکن ان کو بھی بلا حائل ہاتھ لگانا مکروہ لکھا گیا ہے۔فضائل اعمال میں چونکہ آیات کریمہ اور احادیث شریفہ کی کثیر تعداد موجود ہے اس لیے مناسب یہ ہے کہ اِسے بھی جنابت یا حیض کی حالت میں بلا حائل نہ چھوا جائے۔

والدّلیل علی ذلك:

ویکرہ مس کتب التفسیر، والفقه، والسنن؛ لأنها لاتخلو عن آیات القرآن، وھذا التعلیل یمنع مس شروح النحو أیضا.(۱)

ترجمہ:

تفسیر،فقہ اور احادیث کی کتابوں کو(بلا حائل) چھونا مکروہ ہے،کیونکہ یہ تمام کتب آیاتِ قرآنیہ سے خالی نہیں ہوا کرتیں اور اِس علت کی وجہ سے علم النحو کی شروحات کو چھونا بھی منع ہے۔

❁❁❁

رُطوباتِ فرج کی مختلف قسمیں

سوال نمبر(253):

حیض کے علاوہ عورتوں کو جو رطوبات آتی رہتی ہیں،ان کی پاکی وناپاکی کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

(۱)فتح القدیر، باب الحیض والاستحاضة:۱/۱۵۰

الجواب وباللہ التوفیق:

رُطوباتِ فرج کے تین مواضع ہیں، ہرایک جگہ سے رطوبت آنے کا حکم مختلف ہے۔ایک جگہ فرج خارج ہے، جس کا غسل میں دھونا لازم ہے اور عام طور پر اس کو دھویا بھی جاتا ہے، اس جگہ کی رطوبت درحقیقت پسینہ ہے وہ بالاتفاق پاک ہے اور ناقض وضو نہیں۔دوسری جگہ فرج داخل کا باطن ہے، جو رحم کہلاتا ہے، اس کی رطوبت بالاتفاق ناپاک اور ناقضِ وضو ہے۔تیسری جگہ خود فرجِ داخل یعنی فرجِ خارج سے تھوڑا سا آگے اور رحم سے خارج کی طرف، اس کی رطوبت کے حکم میں اختلاف ہے، تاہم احتیاط اس کے نجس اور ناقض وضو ہونے میں ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

أما رطوبة الفرج فيكون مفرعا على قولهما بنجاستها، أما عنده فهي طاهرة كسائر رطوبات البدن. وفي ردالمحتار:قوله:(رطوبة الفرج)أي الداخل...... وأمارطوبة الفرج الخارج، فطاهر اتفاقا.وفي منهاج الإمام للنوويؒ: رطوبة الفرج ليست بنجسة في الأصح. قال ابن حجرؒ في شرحه:وهي ماء أبيض متردد بين المذي والعرق يخرج من باطن الفرج...... ومن وراء باطن الفرج، فإنه نجس قطعا ككل خارج من الباطن كالمآء الخارج مع الولد، أوقبيله.(١)

ترجمہ:

فرج کی رطوبت صاحبین کے قول کے مطابق نجس ہے، جب کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بدن کے دیگر رطوبات کی طرح پاک ہے۔علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فرجِ داخل کی رطوبت ہے(جو کہ مختلف فیہ ہے) کیونکہ فرج خارج کی رطوبت بالاتفاق پاک ہے۔امام نوویؒ کے منہاج میں ہے کہ صحیح قول کے مطابق فرج کی رطوبت ناپاک نہیں، علامہ ابن حجرؒ اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ رطوبت وہ سفید پانی ہے، جو مذی اور پسینے کے درمیان متردد ہے یہ فرج کے باطن سے نکلتی ہے۔۔۔۔اور فرجِ داخل کے آگے یعنی رحم کی رطوبت، وہ قطعی طور پر نجس ہے جیسا کہ باطن سے نکلنے والی ہر چیز نجس ہوتی ہے، مثال کے طور پر زچگی کے وقت یا اس سے تھوڑی دیر پہلے نکلنے والا پانی۔

❁❁❁

(١) الدرالمختارعلى صدرردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس:١/٥١٥

حیض ونفاس کی حالت میں ناخن کاٹنا

سوال نمبر(254):

حیض ونفاس کی حالت میں ناخن کاٹنا کیسا ہے؟ اگر اس میں میل کچیل جمع ہو جائے تو ضرورت یعنی طبعی کراہت کی وجہ سے کاٹنے کی گنجائش نکل سکتی ہے یا نہیں، نیز جو عورت نفاس کی حالت میں ہو جو کئی ہفتوں تک باقی رہتا ہے اُس کے لیے کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

حدثِ اکبر میں ناپاکی تمام بدن میں سرایت کر جاتی ہے، جس کی وجہ سے بدن کا کوئی حصہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، چنانچہ اسی وجہ سے جنابت، حیض ونفاس کی حالت میں ناخن یا جسم کے کسی حصہ سے بال کاٹنا فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق مکروہ ہے، تاکہ ناپاکی کی حالت میں کوئی حصہ جسم سے جدا نہ ہو۔ ہاں اگر ناخن اتنے بڑھ گئے ہوں کہ نہ کاٹنے سے مشکل اور تنگی پیش آتی ہو مثلاً: ان میں میل کچیل ہو، جو میل جول کے دوران دوسروں کے لیے باعثِ نفرت ہو یا کام کرنے اور کپڑے دھونے میں زخمی ہونے کا اندیشہ ہو، تو ایسی صورت میں حیض ونفاس والی عورت کے لیے ناخن کاٹنے کی گنجائش ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وحلق الشعر حالة الجنابة مكروه، وكذا قص الأظافير.(۱)

ترجمہ:

جنابت کی حالت میں بال مونڈنا مکروہ ہے اور اس طرح ناخن کاٹنا بھی مکروہ ہے۔

الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة......يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام.(۲)

---

(۱)الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان......وقلم الأظفار:٥/٣٥٨

(۲)ابن نجيم، الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، الضرر يزال:ص٤٣، ايچ ايم سعيد، كراچي

ترجمہ:

ضرورتیں ممنوع چیزوں کو بھی جائز بنا دیتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اضطراری حالت میں مردار کھانا جائز ہے۔۔۔۔کسی عام ضرر کو دفع کرنے کی خاطر ایک خاص اور شخصی ضرر کو برداشت کیا جائے گا۔

❁❁❁

حیض اور نفاس کی حالت میں غسل

سوال نمبر(255):

نفاس کے دوران صفائی کے لیے غسل کرنا جائز ہے یا نہیں، خصوصاً جب کہ نفاس کی عادت بھی طویل ہو۔نیز اگر حیض کی عادت بھی مثلاً پانچ دن یا اس سے زیادہ ہو، تو غسل کرنے کا کیا حکم ہے، جب کہ گرمی بھی خوب زور کی ہو اور صفائی کی بھی ضرورت ہو؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ حیض اور نفاس سے پاک ہو کر غسل تب واجب ہوتا ہے جب عادت کے موافق خون بند ہو جائے یا اکثر مدت سے تجاوز کر جائے، لیکن ظاہری صفائی، پاکیزگی اور صحت کے لیے جب بھی ضرورت پڑے، نہانا چاہیے، طبی حوالے سے بھی اِسے مفید سمجھا جاتا ہے۔خاص کر نفاس کی صورت میں اگر کئی ہفتوں تک نہایا نہ جائے، ناخن نہ کاٹے جائیں، صفائی نہ کی جائے، تو اپنی صحت کی خرابی کے ساتھ دیگر اہل خانہ کے لیے بھی تکلیف اور نفرت کا سبب بنے گا، حالانکہ شریعت نے جنبی، حائضہ اور نفسا کو الگ تھلگ رکھنے کی بجائے دیگر عام افراد کی طرح ان کے ساتھ عام اختلاط کی اجازت دی ہے، مثلاً: ان کا جھوٹا پینا، ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا، ان کا آٹا گوندھنا وغیرہ سب جائز ہیں، لہٰذا حائضہ ہو یا نفاس والی عورت، پاکیزگی اور صفائی کے لیے خون بند ہونے سے پہلے بھی ان کے لیے وقتاً فوقتاً نہانا جائز ہے، اگر طبی طور پر نقصان دہ نہ ہو۔

والدّليل على ذلك:

قولـه: (وإذاأرادت أن تحرم فتتوضأ والغسل أفضل) قدتقدم دليله في الغسل

وهو للنظافة لا للطهارة فيستحب في حق الحائض أو النفساء والصبي.(١)

ترجمہ:

اور نبی کریم ﷺ کا یہ قول کہ "جب تو احرام باندھنا چاہے تو وضو کرلو، اور غسل کرنا زیادہ افضل ہے"۔اس کی دلیل پہلے غسل کی بحث میں گزر چکی ہے۔اور یہ (احرام کے لئے) غسل کرنا نظافت اور صفائی کے لیے ہے نہ کہ طہارت (کسی ناپاکی کو دور کرنے) کے لیے، اسی وجہ سے یہ غسل کرنا حیض ونفاس والی عورت اور بچے کے حق میں بھی مستحب ہے۔

غسل الحائض رأسها أثناء الحيض لابأس به. وأما قولهم لا يجوز فلا صحة له، بل لها أن تغسل رأسها وجسدها.(٢)

ترجمہ:

حائضہ کے لیے حیض کے دوران سر کے دھونے میں کوئی حرج نہیں اور عدم جواز کا قول صحیح نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے اپنے سر اور بدن کا دھونا جائز ہے۔

❁❁❁❁❁

(١)البحر الرائق، كتاب الحج، باب الاحرام:٢/٥٦٠، ٥٦١

(١)جماعة من علماء العرب، الفتاوى المرأة المسلمة، غسل الحائض رأسها أثناء الحيض:ص٣٦٧، دارالفكر، بيروت

باب المعذور

(معذور کے احکام کا بیان)

تعارف اور احکام میں سہولت کی حکمت:

جسم کا اعتدال سے تجاوز کر جانا مرض کہلاتا ہے۔مرض بھی ان اسباب اور اعذار میں سے ایک ہے جو احکاماتِ شرعیہ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔شریعتِ اسلامی کا ایک خاص امتیاز فطرتِ انسانی سے ہم آہنگی اور مطابقت ہے۔اسی بنا پر شریعت میں اعذار اور انسانی مجبوریوں کی بڑی رعایت رکھی گئی ہے اور اہم سے اہم حکم میں بھی عذر کی بنا پر تخفیف اور آسانی کا معاملہ کیا گیا ہے۔

معذور کی تعریف:

عام مفہوم کے اعتبار سے عذر وہ چیز ہے جس کے ہوتے ہوئے ضرر و مشقت کے بغیر مطلوبہ حکم کی انجام دہی دشوار ہو جائے۔(۱)

فقہاے کرام کے ہاں کتاب الطہارۃ میں عذر سے مراد کسی شخص کو عارض ہونے والی وہ حالت ہے جس کی وجہ سے وہ اس قابل نہ رہے کہ ایک نماز کا مکمل وقت پاکی کی حالت میں گزار سکے، یعنی اس کے جسم کے کسی بھی حصے سے نجاست خارج ہوتی رہے اور وہ اس کو قابو کرنے پر قدرت نہ رکھے۔(۲)

عذر کی قسمیں اور چند فقہی اصطلاحات کی تشریح:

(۱) استحاضہ......: حیض و نفاس کے علاوہ جو خون عورت کی شرم گاہ سے آئے، وہ استحاضہ کہلاتا ہے۔

(۲) سلس البول......: چھوٹے پیشاب کے قطرات کا تسلسل کے ساتھ جاری ہونا سلسل البول کہلاتا ہے، چاہے مثانہ کی کمزوری کی وجہ سے ہو، سردی کی وجہ سے ہو یا کسی اور بیماری کی وجہ سے ہو۔

(۳) استطلاق البطن......: پیٹ کا جاری ہونا یعنی پیچھے والی شرم گاہ سے گاہے گاہے گندگی کا خارج ہونا استطلاق البطن کہلاتا ہے۔

(۴) انفلات الریح......: ڈھیلے پن یا کسی بیماری کی وجہ سے ہوا کا بے اختیار خارج ہونا انفلات الریح کہلاتا ہے۔

(۵) رمد یا عمش......: آنکھوں میں تکلیف (آشوبِ چشم) کی وجہ سے آنکھوں سے خون یا پیپ وغیرہ کا خارج

---

(۱) کتاب التعریفات للجرجانی، مادہ عذر، مادہ نمبر ۹۶۰، ص:۱۰۶

(۲) الموسوعۃ الفقہیۃ، مادہ عذر: ۳۰/۲۰

ہونا رمد یا عمش کہلاتا ہے۔

(۶) الرعاف الدائم......: دائمی نکسیر یعنی ناک سے مسلسل خون بہنا رعافِ دائم کہلاتا ہے۔

(۷) الجرح الذی لا یرقأ......: وہ زخم جس سے مسلسل خون بہہ رہا ہو۔

فقہائے کرام کے ہاں یہی اصطلاحات معذور کے لیے اِستعمال ہوتی ہیں۔ موجودہ دور کی کوئی بھی نئی صورت انہی اصطلاحات کی نئی شکل متصور ہوگی، جس کا نام اگرچہ مختلف ہوسکتا ہے تاہم حکم کے اعتبار سے وہ نئی صورت ان صورتوں کے ساتھ برابر ہوگی۔(۱)

عذر کے ثبوت کی شرائط: درج ذیل شرائط کی موجودگی میں مذکورہ اشیا پر عذر کا حکم مرتب ہوگا:

(۱) کسی بھی ذریعے سے خروجِ حدث یا نجاست کو بند کرنے پر قدرت نہ ہو، لہٰذا اگر کوئی شخص بیٹھ کر یا اشارہ کے ساتھ خروجِ نجاست کے بغیر نماز ادا کرسکتا ہو تو اس پر بیٹھ کر یا اشارے کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہوگا، کھڑے ہوکر یا رکوع سجدہ کرتے ہوئے نجاست یا حدث کے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہیں۔

(۲) عذر ایک نماز کے مکمل وقت کو اتنا گھیر لے کہ وضو کرنے اور فرض نماز پڑھنے کے بقدر وقت نہ مل سکے، صرف وضو کرنے یا صرف نماز پڑھنے کا وقت مل جانا کافی نہیں۔

(۳) عذر ثابت ہونے کے بعد اس کے باقی رہنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر نماز کے وقت میں کم از کم ایک مرتبہ پھر یہی عذر پیش آتا رہے، لہٰذا اگر عذر کے بغیر ایک نماز کا مکمل وقت گزر جائے تو عذر ختم ہو جائے گا۔(۲)

معذور کے احکامات: نکسیر، خون یا پیشاب وغیرہ کے جاری ہونے کے بعد معذور کے لیے ضروری ہے کہ وہ نماز کے آخری وقت تک انتظار کر کے نماز کو مؤخر کرے۔ اگر عذر ختم ہوگیا تو وضو کر کے نماز پڑھ لے ورنہ وقت نکلنے سے پہلے پہلے عذر کے ساتھ ہی وضو کر کے نماز پڑھ لے، اس کے بعد دوسری نماز کے وقت میں اگر ایک مرتبہ بھی یہی عذر پیش آیا تو گزشتہ نماز بھی صحیح ہے اور اب بھی معذور شمار ہوگا اور اگر یہ وقت مکمل طور پر بغیر عذر کے گزر گیا تو گزشتہ نماز کا اعادہ کرلے اس لیے کہ یہ عذر درحقیقت عذر نہیں تھا ورنہ کم از کم ایک نماز کا مکمل وقت گھیر لیتا۔ معذور اور استحاضہ کے بقیہ احکامات ایک جیسے ہیں۔

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب في احکام المعذور: ۱/ ۵۰۴، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص: ۱۱۸، ۱۱۹

(۲) ردالمحتار على الدرالمختار حواله بالا: ۱/ ۵۰۴، ۵۰۵، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، حواله بالا: ۱۱۹، ۱۲۰

معذور من الریح کا بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال نمبر (256):

مریض طہارت کے حوالہ سے معذور کب شمار ہوگا؟ ایک شخص جس کی ہوا (پھسکی) بے اختیار خارج ہوتی ہے، اس کا روکنا اس کے اختیار میں نہیں الا یہ کہ وہ مضبوطی سے بیٹھ جائے، تب کسی حد تک اسے کنٹرول کر سکتا ہے تو کیا وضو کو برقرار رکھنے کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے یا ایسے شخص کو شرعاً معذور سمجھ کر وقتی نماز کے لیے ایک مرتبہ وضو کو کافی سمجھا جائے اور مزید ہوا نکلنے کا اعتبار نہ کیا جائے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے معذور بننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس عذر کی وجہ سے کسی فرض نماز کا کامل وقت اس طرح گزر جائے کہ اس میں وہ باوضو رہ کر نماز نہ پڑھ سکے، چنانچہ اگر کسی شخص پر کسی بھی فرض نماز کا مکمل وقت حالتِ عذر میں گزر جائے اور اس میں نماز پڑھنے کی فرصت نہ ملے تو شرعاً ایسا شخص معذور سمجھا جائے گا اور اس فوت شدہ نماز کی قضا اس پر لازم ہوگی۔ اب بقائے عذر کے لیے بعد کے اوقات میں اگر اس کو ایک بار بھی یہ عذر پیش آیا تو بھی وہ معذور کے حکم میں ہوگا، ہاں اگر ایک فرض نماز کا پورا وقت بغیر عذر کے گذر گیا تو اب یہ معذور نہیں رہے گا، چنانچہ شرعاً معذور شخص ہر نماز کے لیے وقت شروع ہونے کے بعد نئے وضو کے ساتھ فرض ہو یا نفل، جملہ عبادات ادا کر سکتا ہے، البتہ فرض نماز کا وقت ختم ہونے کے ساتھ اس کا وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔

اس تفصیل کی روشنی میں اگر کوئی شخص خروجِ ریح کو کسی طرح بھی کنٹرول کر کے باوضو رہتے ہوئے نماز پر قدرت رکھتا ہو، تو وہ شرعاً معذور نہیں سمجھا جائے گا، لہٰذا اگر بیٹھ کر باوضو رہتے ہوئے نماز پوری کی جا سکتی ہو، تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور اگر سجدہ کے لیے جانے سے بھی بے وضو ہونے کا خطرہ ہو، تو بیٹھ کر اشارہ سے سجدہ کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

ومتیٰ قدر المعذور علی ردالسیلان برباط، أو حشو، أو کان لو جلس لایسیل ولو قام سال وجب ردہ، وخرج بردّہ عن أن یکون صاحب عذر، ویجب أن یصلي جالسا بإیماء إن سال بالمیلان؛

لأن ترك السجود أهون من الصلوة مع الحدث. (۱)

ترجمہ: معذور جب کسی پٹی یا گدی کے ذریعے سیلان کو روکنے پر قادر ہو یا اگر بیٹھے تو نجاست نہ بہے اور کھڑا ہو تو بہے، تو اس کو روکے رکھنا واجب ہے اور عذر کو روکنے کی استطاعت رکھ کر یہ معذور کے حکم سے نکل جائے گا۔ پھر اگر سجدہ کے لیے جھکنے سے نجاست بہتی ہو تو بیٹھ کر اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے، اس لیے کہ بے وضو ہونے کی حالت میں نماز پڑھنے سے یہ ہلکا ہے کہ سجدہ ترک کردے۔

❁❁❁

معذور کے وضو کا دائرہ کار

سوال نمبر (257):

کوئی معذور شخص اگر نمازِ عید کے لیے وضو کرے، تو کیا اس وضو کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ سکتا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ معذور شخص ہر فرض نماز کے لیے نیا وضو کرے گا، چنانچہ معذور اگر کسی غیر فرض نماز کے وقت میں وضو کرے اور پھر فرض نماز کا وقت داخل ہو جائے تو امام ابو یوسف اور امام زفر رحمہما اللہ کے نزدیک دخولِ وقت سے وضو ٹوٹتا ہے، اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا مسلک یہ ہے کہ خروجِ وقت کے ساتھ وضو ٹوٹتا ہے۔ فقہِ حنفی کی معتبر کتب میں دوسرے قول کو راجح قرار دیا گیا ہے، چنانچہ کوئی معذور شخص اگر طلوعِ شمس کے بعد وضو کرے اور اس کے ساتھ نمازِ عید یا نفل وغیرہ پڑھ لے تو اس وضو کے ساتھ ظہر کا وقت ختم ہونے تک نمازِ ظہر اور دیگر عبادات ادا کرنا درست ہے، کیونکہ اس کا وضو ظہر کا وقت ختم ہونے تک برقرار رہے گا۔

والدّلیل علی ذلك:

(المستحاضة ومن به سلس البول، والرعاف الدائم، والجرح الذي لايرقأ يتوضئون لوقت كل صلوة، فيصلون بذلك الوضوء في الوقت ماشآءوا من الفرائض والنوافل......فإن توضؤوا حين تطلع الشمس أجزأهم حتىٰ يذهب وقت الظهر......والمراد بالوقت وقت المفروضة،

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور: ۱/۵۰۸

حتی لو توضأ المعذور لصلوۃ العید له أن یصلي الظهر به عندهما وهو الصحیح. (۱)

ترجمہ:

مستحاضہ، سلس البول کا مریض، نکسیر کا مریض اور وہ زخم جس کا خون بند نہ ہوتا ہو، ہر نماز کے لیے وضو کرے گا اور وقت کے اندر اس وضو کے ساتھ فرائض ونوافل میں سے جو چاہے پڑھ سکتا ہے۔۔۔۔چنانچہ اگر طلوع آفتاب کے وقت وضو کرے تو ظہر کا وقت ختم ہونے تک یہ اس کے لیے کافی ہے.....(خروج وقت میں) وقت سے مراد فرض نماز کا وقت ہے پس اگر ایک معذور نماز عید کے لیے وضو کرے، تو اس وضو پر اس کے لیے طرفین کے نزدیک ظہر کی نماز پڑھنا جائز ہے اور یہی صحیح ہے۔

❁❁❁

معذور شخص کا عرفات اور مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین کے لیے ایک وضو

سوال نمبر(258):

معذور شخص میدان عرفات اور مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین یعنی ظہر وعصر اور مغرب وعشا ایک ایک وضو سے پڑھ سکتا ہے یا ایک وقت میں دونوں نمازوں کے لیے الگ الگ وضو کرنا ضروری ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ معذور شخص کا وضو ایک فرض نماز کے مکمل وقت کے لیے ہوتا ہے، چنانچہ معذور اگر کسی فرض نماز کے وقت کے اندر وضو کر لے تو اس وقت میں وہ وقتی فرض نماز کے علاوہ دیگر قضا، واجب اور نفل نمازیں بھی پڑھ سکتا ہے۔

حج کے دوران وقوف عرفہ اور مزدلفہ کے موقع پر ظہر وعصر اور مغرب وعشا کی نمازیں چونکہ بیک وقت جمع تقدیم اور جمع تاخیر کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں، اس لیے معذور شخص کے لیے وقوف عرفہ اور مزدلفہ میں بیک وقت دو نمازیں ایک وضو کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔

---

(۱) الهدایة، کتاب الطهارات، باب الحیض والاستحاضة: ۱/ ۶۵، ۶۶

والدلیل علی ذلک:

ثـم يصلي به أي بالوضوء فيه أي : في الوقت قوله: (فرضا) أي :أيّ فرض كان،نهر. أي فرض الوقت، أوغيره من الفوائت. (١)

ترجمہ:

پھر اس وضو کے ساتھ اسی وقت میں ہر فرض پڑھ سکتا ہے، چاہے وہ فرض نماز وقتی ہو یا اس کے علاوہ دیگر قضا نمازیں ہوں۔

يصلون به فرضاً ونفلاً، ويبطل بخروجه فقط.(٢)

ترجمہ:

(شرعاً معذور افراد) اسی وضو کے ساتھ (اس فرض وقت کے اندر) فرض اور نفل نمازیں پڑھیں گے اور صرف اس وقت کے نکلنے سے یہ وضو باطل ہوگا۔

❁❁❁

معذور کا نماز کے دوران بدن اور کپڑوں کا پلید ہونا

سوال نمبر(259):

ایک عورت کا آپریشن ہوا ہے اور اس کے پاخانہ کی انتڑی ناف کی طرف سے نکالی گئی ہے، اس سے بلا اختیار پاخانہ خارج ہو کر نیچے تھیلی (Drainage Bag) میں جمع ہوتا رہتا ہے، بعض اوقات نماز کے دوران بھی یہ گندگی خارج ہوتی رہتی ہے، نیز پیشاب کے وقت بدن اور کپڑے بھی گندے ہو جاتے ہیں، ہر نماز کے وقت اس کی صفائی مشکل بھی ہوتی ہے اور آپریشن کے لیے نقصان دہ بھی۔ ان حالات میں نماز کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

---

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور:١/٥٠٥

(٢) ابي البركات، عبدالله بن أحمد بن محمود، كنز الدقائق على صدر البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض:١/٣٧٥، دارالكتب العلمية، بيروت

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

نماز کی صحت اورادائیگی کے لیے بدن اور کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے، البتہ معذور کے لیے شریعت میں گنجائش ہے۔صورت مسئولہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مریضہ کی حالت ایسی ہو کہ گندگی والی تھیلی اس کے ساتھ لگی ہو اوراس میں گندگی آرہی ہو،لیکن اتناوقت ملتا ہو کہ اس میں تھیلی ہٹا کرنماز پڑھ سکے تو جب تک اس کو ہٹا کر صفائی کو یقینی نہ بنایا جائے، نماز پڑھنا درست نہیں اوراگر پاخانہ مسلسل تھیلی میں آتا رہے لیکن تھیلی ہٹا کر صفائی کرنا مشکل ہو تو مریض معذور سمجھا جائے گا۔

اگر صفائی ممکن ہو،توبدن دھونا اور کپڑے تبدیل کرنا ضروری ہے اوراگر یہ ممکن نہ ہو یعنی گندگی باربارآتی رہتی ہے اوردرمیان میں اتناوقفہ نہیں ہوتا،جس میں وہ فرض نماز ادا کرسکے یا بار بار دھونے سے مریض کوتکلیف ہو یا آپریشن والی جگہ کونقصان پہنچتا ہوتواس کومعذور سمجھ کرایسی حالت میں نماز پڑھنا جائز ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

مريض مجروح تحته ثياب نجسة، إن كان بحال لايبسط تحته شيء إلاتنجس من ساعته له أن يصلي علىٰ حاله، وكذالولم يتنجس الثاني إلاأنه يزداد مرضه له أن يصلي فيه......والظاهرأن المرادبقوله: من ساعته، أن يتنجس نجاسة مانعة قبل الفراغ من الصلوة.(۱)

ترجمہ:

کسی زخمی مریض کے نیچے ناپاک کپڑا بچھا ہوا اگر مریض کی حالت یہ ہو کہ جیسے ہی اُس کے نیچے کوئی چیز بچھادی جائے وہ اسی وقت فوراً ناپاک ہوجاتی ہے،تو اس کے لیے اسی حال میں نماز پڑھنا جائز ہے،اسی طرح اگر دوسرا کپڑا پلید تو نہ ہوتا ہو،لیکن پہلا کپڑا ہٹانے سے مرض بڑھتا ہوتو اسی پلید کپڑے کے ساتھ نماز پڑھ لے۔۔۔۔بظاہر فوراً ناپاک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہونے سے قبل مقدارِ درہم سے زائد نجس ہوجاتا ہو۔

❁❁❁

(۱) ردالمحتارعلی الدرالمختار، کتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور:۱/۵۰۷

32

مسلسل قطرات نکلنے والے مریض کی نماز اور کپڑوں کا حکم

سوال نمبر (260):

ڈیڑھ ماہ سے ایک شخص کو پیشاب کے قطرے آتے رہتے ہیں۔ پیشاب کے بعد کافی وقت تک ٹائلٹ پیپر استعمال کرتا ہے، لیکن جب اٹھتا ہے تو تھوڑی دیر بعد پھر قطرے آتے ہیں، اس طرح نماز کے دوران رکوع، سجدہ اور سجدہ سے اٹھتے وقت بھی قطرے محسوس کرتا ہے، شریعت کی روشنی میں اس کی طہارت کیسے حاصل ہوگی؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر کسی شخص کو قطرے نکلنے کی بیماری ہو اور یہ ایسی صورت اختیار کرلے کہ کسی ایک نماز کے پورے وقت میں اس کے لیے اتنا وقت پاک حالت میں نہ مل سکے، جس میں وہ وضو کر کے فرض نماز ادا کر سکے تو شریعت کی اصطلاح میں یہ شخص معذور شمار ہوگا۔ ایسا شخص ہر نماز کے وقت کے لیے نیا وضو کر کے اس وقت کی تمام عبادات فرض ہوں یا نفل ادا کرسکتا ہے۔ البتہ نماز کا وقت گزرنے پر اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور یہ اُس وقت تک معذور شمار ہوگا جب تک اِسے ہر نماز کے وقت میں کم از کم ایک مرتبہ یہ عذر لاحق ہوتا رہے۔

علاوہ ازیں اگر اس معذور شخص کے کپڑوں کی صفائی ممکن ہو یعنی کپڑے دھونے یا تبدیل کرنے کے بعد نماز کے دورانیہ میں پاک رہ سکتے ہوں تو کپڑے دھولے یا تبدیل کرے اور اگر ایسا کرنا ناممکن ہو یعنی نماز کے دوران پھر نجس ہونے کا خدشہ ہو تو ان کے ساتھ بھی نماز ہو جاتی ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

(وصاحب عذر من به سلس البول) لايمكنه إمساكه، (أو استطلاق بطن، أو انفلات ريح، أو استحاضة) أو بعينه رمد، أو عمش، أو غرب وكذا كلّ مايخرج بوجع ولو من أُذن و ثدي، وسرة (إن استوعب عذره تمام وقت صلوة مفروضة) بأن لايجد في جميع وقتها زمنا يتوضا ويصلي فيه خاليا عن الحدث (ولو حكما) لأن الانقطاع اليسير ملحق بالعدم (وهذا شرط) العذر (في حق الابتداء، وفي) حق (البقاء كفى وجوده في جزء من الوقت) ولو مرة (وفي) حق الزوال بشرط (استيعاب الانقطاع) تمام الوقت (حقيقة) لأنه الانقطاع الكامل.

(وحكمه الوضوء) لاغسل ثوبه، ونحوه (لكل فرض ثم يصلي فيه فرضاً، ونفلاً......فإذاخرج الوقت بطل)أي ظهرحدثه السابق.(١)

ترجمہ: معذور وہ ہے جس کو پیشاب کی روانگی کا ایسا عارضہ لاحق ہو کہ وہ اسے روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا اس کا پیٹ جاری ہو یا بے اختیار ہوا نکلنے کی بیماری ہو یا استحاضہ ہو یا اس کو آشوبِ چشم کی بیماری ہو یا آنکھ چندھیا جاتی ہو یا آنسو مسلسل بہہ رہے ہوں اور اس طرح ہر وہ چیز جو درد کے ساتھ نکل جائے اگرچہ وہ کان، پستان اور ناف سے ہو۔ اگر یہ عذر اس کا فرض نماز کے وقت میں مسلسل اس طرح جاری رہے کہ پورے وقت میں وہ اتنا وقت ناپاکی سے خالی نہ پائے، جس میں وہ وضو کرکے نماز پڑھ لے اور یہ ابتداً معذور ہونے کی شرط ہے اور بقا کے لیے نماز کے وقت کے کسی حصہ میں بھی اس حدث کا موجود ہونا کافی ہے اگرچہ ایک مرتبہ ہی کیوں نہ ہو اور اس بیماری کا حکم زائل ہونے کے لیے پورے وقت میں اس کا انقطاع ضروری ہے کہ یہی انقطاع کامل ہے۔ حکم اس (معذور) کا یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے لیے وضو کرکے اس میں فرائض ونوافل (میں سے جو چاہے) سب پڑھ لے اس پر کپڑے وغیرہ دھونا لازم نہیں۔ پس جب نماز کا وقت نکل جائے تو حدثِ سابق ظاہر ہو کر اس کا وضو باطل ہوگا۔

❁❁❁

معذور شخص کا وضو اور تیمم

سوال نمبر(261):

میرے پاؤں کے پٹھوں کا آپریشن ہوا ہے۔ ڈاکٹر کا مشورہ ہے کہ دو ماہ تک چارپائی سے بالکل نہیں اٹھنا، ورنہ آپریشن کامیاب نہ ہوگا، چنانچہ وضو کرنے کے لیے بھی اٹھنے بیٹھنے اور حرکت کرنے سے دل کتراتا ہے، جب کہ پاؤں دھونے سے تو نقصان کا خطرہ یقینی ہے، ایسی صورت حال میں میرے بھائی مجھے وضو کرا سکتے ہیں یا پھر مجھے تیمم کی اجازت ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر معذور شخص کے لیے پانی کا استعمال مضر نہ ہو، لیکن وہ خود وضو کرنے پر قادر نہیں تو ایسی صورت میں کوئی معاون یا خادم اس کو وضو کرائے گا، معاون یا خادم کی موجودگی میں اس کے لیے تیمم جائز نہیں، ہاں اگر کوئی معاون یا خادم

(١) الدرالمختار علىٰ صدرردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الحيض:١/٥٠٤ـ٥٠٦

میسر نہ ہو، تو پھر پانی کی موجودگی کے باوجود بھی ایسے مریض کے لیے تیمم کرنا جائز ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر آپ کے لیے خود وضو کرنا مضر ہو تو بھائی یا کسی اور معاون سے وضو کروا کر نماز پڑھ لیا کریں، معاون میسر ہونے کی صورت میں تیمم جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

أو كان لايجد من يوضئه ولا يقدر بنفسه، فإن وجد خادما، أو مايستأجر به أجيرا، أو عنده من لواستعان به أعانه، فعلىٰ ظاهر المذهب أنه لايتيمم؛لأنه قادر. (۱)

ترجمہ:

یا اسے وضو کرانے والا کوئی نہ ملے اور وہ خود وضو کرنے پر قادر نہ ہو (تو تیمم کرے) اور اگر خادم ہو یا مزدور حاصل کرنے کے لیے اجرت موجود ہے یا اس کے پاس ایسا شخص موجود ہے کہ اگر اس سے مدد طلب کرے تو وہ اس کی مدد کرے، تو وہ ظاہر مذہب کے مطابق تیمم نہ کرے، کیوں کہ وہ پانی پر قادر ہے۔

❁❁❁

معذور کی امامت کا حکم

سوال نمبر (262):

جس شخص کو خروجِ ریح یا سلسل البول کی بیماری ہو، وہ امامت کی ذمہ داری نبھا سکتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہی قواعد کی رُو سے امامت کے لیے یہ شرط ہے کہ امام مقتدی سے اقویٰ واعلیٰ ہو۔ اس لحاظ سے شرعی معذور (یعنی جس کو سلس البول یا خروج ریح وغیرہ کی بیماری ہو) کی امامت تندرست اور صحت مند مقتدیوں کے لیے درست نہیں، البتہ اگر معذور شخص وضو کر کے نماز پڑھانے سے فراغت تک کسی حدث کا شکار نہ ہو تو صحت مند آدمی کی

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب الرابع في التيمم: ۱/ ۲۸

نماز اس کی اقتدا میں بلا کراہت درست ہوگی۔

والدّلیل علی ذلک:

(ولاطاهر بمعذور) هذا (إن قارن الوضوء الحدث، أوطرء عليه) بعده (وصح لو توضأ على الانقطاع وصلى كذلك). (١)

ترجمہ:

اور پاک شخص کی اقتدا معذور کے پیچھے درست نہیں، یہ اُس وقت جب اس کا یہ حدث (ناپاکی) وضو کرتے وقت یا اس کے بعد لاحق ہو۔ چنانچہ اگر حدث منقطع تھا اور وضو کیا پھر اسی طرح (حدث لاحق ہونے سے پہلے پہلے) نماز پڑھی تو درست ہو جائے گی۔

۞۞۞

سلسل البول یعنی پیشاب کے قطرات نکلنے کا حکم

سوال نمبر (263):

مجھے بچپن سے پیشاب کے بعد قطرے آنے کی شکایت ہے۔ جب پیشاب کر لیتا ہوں تو ڈیڑھ دو گھنٹے تک پیشاب کے قطرے آتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد قطرے آنا کم ہو جاتے ہیں، پھر میں وضو کر کے نماز پڑھنے لگتا ہوں، لیکن اگر نماز کے دوران قطرے آ جائیں تو مجھے نماز توڑ کر دوبارہ وضو کرنا ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مذکورہ سوال سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سائل مستقل طور پر سلسل البول کا مریض نہیں، بلکہ جب وہ پیشاب کرتا ہے تو قطرات آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ پیشاب کرنے سے پہلے قطرے نکلنے کا عذر نہیں ہوتا۔ ایسا شخص اگر وقت داخل ہونے سے پہلے پیشاب کر لے، اور قطرات آنا شروع ہو جائیں اور یہ قطرات آخر وقت تک جاری رہیں تو آخر وقت تک انتظار کرتا رہے، جب اتنا وقت باقی رہے کہ وہ اس میں وضو کر کے فرض نماز پڑھ سکے تو نماز پڑھ لے۔

---

(١) الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ٣٢٣/٢

اور اگر نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد پیشاب کیا ہو اور پھر اس کے قطرات نہ رکتے ہوں تو وہ آخر وقت تک انتظار کرے گا۔ اگر قطرے رُک جائیں تو ٹھیک ہے، وضو کر کے نماز پڑھے، ورنہ اگر قطرے نہیں رُک رہے تو اسی حالت میں وضو کر کے نماز پڑھے، پھر اگر دوسری نماز کے پورے وقت میں بھی قطرات جاری رہے تو پہلی نماز کا اعادہ نہیں اور اگر دوسری نماز کا وقت ختم ہونے سے قبل قطرے رُک جائیں تو پہلی نماز کا اعادہ واجب ہے۔

ایسے شخص کو چاہیے کہ نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد پیشاب کرنے سے پہلے پہلے وضو کر کے نماز پڑھ لیا کرے۔ اگر پیشاب زور سے آرہا ہو، پھر بھی نماز مقدم کرنا بہتر ہے کیونکہ کراہت کے ساتھ نماز پڑھنا قضا کرنے سے بہتر ہے۔

والدّليل على ذلك:

شرط ثبوت العذر ابتداء أن يستوعب استمراره وقت الصلوة كاملا وهو الأظهر كالانقطاع لايثبت مالم يستوعب الوقت كله، حتىٰ لوسال دمها في بعض وقت صلوة فتوضأت وصلت، ثم خرج الوقت ودخل وقت الصلوٰة أخرىٰ وانقطع دمها فيه أعادت تلك الصلوة لعدم الاستيعاب، وإن لم ينقطع في وقت الصلوة الثانية حتىٰ خرج، لانعيد هالوجوداستيعاب الوقت، وشرط بقائه أن لايمضي عليه وقت فرض إلا والحدث الذي ابتلى به يوجد فيه......المستحاضة ومن به سلسل البول، أواستطلاق البطن، أوانفلات الريح، أورعاف دائم، أوجرح لايرقأ يتوضؤن لوقت كل صلوٰة ويصلون بذلك الوضوء في الوقت ماشاء وا من الفرائض والنوافل.(۱)

ترجمہ

پہلی مرتبہ عذر ثابت ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ عذر ایک نماز کے پورے وقت تک مسلسل باقی رہے۔ یہی حکم زیادہ ظاہر ہے، اسی طرح عذر کا ختم ہونا بھی تب ثابت ہوگا، جب وہ عذر ایک نماز کے پورے وقت تک نہ رہے، حتیٰ کہ بنا بر قاعدہ مذکورہ اگر کسی نماز کے بعض وقت میں کسی عورت کا خون بہنے لگے اور اس نے معذور کی طرح وضو کیا اور نماز پڑھی، پھر اس نماز کا وقت ختم ہوا اور دوسری نماز کا وقت داخل ہو گیا اور اس کا خون بہنا بند ہو گیا تو وہ عورت سابقہ وقت کی اس نماز کو لوٹائے گی، اس لیے کہ وہ عذر نماز کے پورے وقت میں نہیں پایا گیا اور اگر مذکورہ صورت میں وہ عذر

(۱) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطهارة، الباب السادس......، الفصل الرابع في أحكام الحيض......: ۱/ ٤١

دوسری نماز کے وقت میں بھی ختم نہ ہوا، حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت بھی ختم ہو جائے تو وہ عورت سابقہ وقت کی اس نماز کو نہیں لوٹائے گی اس لیے کہ نماز کے پورے وقت میں عذر پایا گیا ہے اور عذر باقی رہنے کی شرط یہ ہے کہ اس معذور پر کسی فرض نماز کا پورا وقت ایسا نہ گذرتا ہو جس میں وہ حدث نہ پایا جاتا ہو جس میں وہ مبتلا ہے۔

مستحاضہ عورت اور جس شخص کو سلسل البول کی بیماری ہو یا جس کو دست آتے رہتے ہوں یا جو ریح نہ روک سکتا ہو یا جس کی نکسیر جاری رہتی ہو یا جس کا زخم ایسا ہو کہ وہ بہتا رہتا ہو تو وہ ہر نماز کے وقت کے لیے وضو کرے اور اس وضو سے فرض اور نفل میں سے جو چاہے پڑھے۔

ولو ضاق الوقت بحيث لو اشتغل بالوضوء يفوته يصلي؛ لأن الأداء مع الكراهة أولىٰ من القضاء.(۱)

ترجمہ:

اور اگر وقت اتنا تنگ ہو کہ اگر وہ نئے وضو میں مشغول ہو تو نماز کا وقت جاتا رہے گا تو اسی حالت میں نماز پڑھ لے، اس لیے کہ کراہت کے ساتھ نماز پڑھنا بالکل قضا کر دینے سے اولیٰ ہے۔

❁❁❁

لیکوریا کی مریضہ کا حکم

سوال نمبر (264):

طویل عرصہ سے لیکوریا میں مبتلا ہوں۔ ہر وقت سفید پانی بہتا رہتا ہے۔ ایک نماز بھی باوضو نہیں پڑھ سکتی۔ کیا میں ایک ایک یا دو دو گھنٹے ایک وضو سے عبادت کر سکتی ہوں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے معذور شخص کے لیے وضو کا حکم یہ ہے کہ جب فرض نماز کا وقت داخل ہو جائے تو وضو بنائے اس وضو سے وقت کے اندر اندر وہ فرض و نفل نمازیں پڑھ سکتا ہے، اور جب وقت ختم ہو جائے تو اس کا وضو بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اگلے وقت کے لیے نیا وضو کرنا ضروری ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں آپ فرض نماز کا وقت داخل ہونے پر وضو کر کے فرض و نفل اور جو بھی نماز ادا کرنا چاہیں

(۲) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلوة، الباب السابع في مايفسد الصلوة و مايكره: ۱/ ۱۰۷

وقت ختم ہونے تک ادا کرسکتی ہیں اور جب وقت ختم ہوجائے تو آپ کا وضو بھی ختم ہوجائے گا اور اگلے وقت کے لیے پھر نیا وضو بنانا ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

المستحاضة ومن به سلس البول أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو رعاف دائم أو جرح لا يرقا يتوضؤن لوقت كل صلوة ويصلون به في الوقت ما شاؤوا من فرض ونفل ويبطل بخروجه فقط... والمعذور من لا يمضي عليه وقت صلوة إلّا والذي ابتلي به يوجد فيه.(۱)

ترجمہ:

مستحاضہ عورت اور وہ شخص جس کو سلسل البول (قطرے بہنے) کی بیماری ہو یا جس کو اسہال ہو یا غیر اختیاری ہوا خارج ہوتی ہو یا مسلسل ناک سے خون بہتا ہو یا ایسا زخم ہو جو مندمل نہ ہوتا ہو تو یہ لوگ ہر نماز کے وقت کے لیے وضو کریں گے، اور اسی وضو سے وقت کے اندر جتنا چاہے فرائض ونوافل پڑھ سکتے ہیں۔ اور (یہ وضو) صرف وقت کے نکلنے سے باطل ہوتا ہے۔۔۔۔ اور معذور وہ شخص ہے جس پر کسی فرض نماز کا وقت ایسے حال میں نہ گزرے کہ جس بیماری میں وہ مبتلا ہے وہ اُس میں نہ پائی جائے (یعنی ہر نماز کے وقت میں اسے حدث لاحق ہو رہا ہو۔)

(۱) ملتقی الأبحر متن مجمع الأنهر، كتاب الطهارة: ۱/۵۷

مصادر ومراجع

نمبرشمار	نام کتاب	نام مصنف	ناشر
		الف	
۱	إرشاد السّاري إلی مناسك الملاعلي القاري	حسين بن محمدسعيد عبدالغني المكي	دار الكتب العلمية بيروت
۲	أحكام القرآن	ظفرأحمد العثماني (۱۳۹٤هـ)	إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی
۳	أحكام القرآن	أبو بكر أحمد بن علي الرازي الجصاص الحنفي (۳۷۰هـ)	سهيل اكيڈمی لاهور
٤	إسلامی تهذیب وتمدن اردو ترجمه "التشبه في الإسلام"	قارى محمد طيب قاسمي (۱٤۰۳هـ)	إداره إسلاميات لاهور
٥	إعلاء السنن	ظفرأحمد العثماني (۱۳۹٤هـ)	دارالكتب العلمية بيروت
٦	إعلام الموقّعين	ابن القيم الجوزية (۷٥۱هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
۷	الإتقان في علوم القرآن	جلال الدين السيوطي (۹۱۱هـ)	سهيل اكيڈمی لاهور
۸	الاختيارلتعليل المختار	أبوالفضل عبد الله الموصلي (٦۸۳هـ)	دارالمعرفة بيروت لبنان
۹	الاستصناع	سعودبن مسعد الثبيتي	دارابن حزم بيروت
۱۰	الاعتصام	أبوإسحاق إبراهيم الشاطبي (۷۹۰هـ)	مكتبه رشيديه پشاور
۱۱	الأشباه والنظائر	زين الدين بن إبراهيم ابن نجيم (۹۷۰هـ)	ايچ ايم سعيد كراچي
۱۲	البحر الرائق	ابن نجيم (۹۷۰هـ)	دارالكتب العلمية بيروت

١٣	البداية والنهاية	إسماعيل ابن كثير (٧٧٤هـ)	دارالفكر بيروت
١٤	الترغيب والترهيب	زكي الدين عبدالعظيم بن عبدالقوي المنذري (٦٥٦هـ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
١٥	التشريع الجنائي الإسلامي	عبدالقادر عودة	مؤسسة الرسالة بيروت
١٦	التعليق الصّبيح	محمد إدريس الكاندهلوي (١٣٩٤هـ)	المكتبة العثمانية لاهور
١٧	التعليق الميسر على حاشية الروض الأزهر في شرح الفقه الاكبر	الشيخ الوهبي سليمان الغاوجي	دار البشائر الإسلامية بيروت
١٨	التفسيرالكبير	فخر الدين الرازي (٦٠٦هـ)	دارإحياء التراث العربي لبنان
١٩	التلخيص الحبير	ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)	المكتبة الا ثرية شيخو بوره
٢٠	الجامع لأحكام القرآن للقرطبي	محمد القرطبي (٦٧١هـ)	دارإحياء التراث العربي لبنان
٢١	الجوهرة النيرة	أبوبكربن علي بن محمدالزبيدي (٨٠٠هـ)	دارالكتب العلمية لبنان
٢٢	الحيلة الناجزة	أشرف علي التهانوي (١٣٦٢هـ)	دارالإشاعت كراچي
٢٣	الدّرالمختار مع ردالمحتار	محمد بن علي الحصكفي (١٠٨٨هـ)	مكتبه إمداديه ملتان
٢٤	الدّرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر	ملا علي بن سلطان القاري (١٠١٤هـ)	دار احياء التراث العربي بيروت لبنان
٢٥	الزهد الكبيرللبيهقي	أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي (٤٥٨هـ)	دارالجنان بيروت لبنان
٢٦	الشريفية شرح السراجية	السيدالشريف علي الجرجاني (٨١٦هـ)	المكتبة الحقانية بشاور
٢٧	السنن الكبرى للنسائي	أحمد النسائي (٣٠٣هـ)	مؤسسة الرسالة بيروت لبنان

۲۸	السنن الکبریٰ للبیهقي	أبوبکر أحمد بن الحسین البیهقي (۴۵۸هـ)	دارالفکر بیروت لبنان
۲۹	السّراجي فی المیراث	محمدبن عبدالرشید السجاوندیؒ (۶۰۰هـ)	المیزان لاهور
۳۰	السّعایة	محمد عبدالحي اللکهنوي (۱۳۰۴هـ)	سهیل اکیڈمی لاهور
۳۱	الشمائل المحمدیة للترمذي	محمد بن عیسی الترمذي (۲۷۹هـ)	دار الکتب العلمیة بیروت لبنان
۳۲	العرف الشذي	أنورشاه الکشمیري (۱۳۵۲هـ)	دار إحیاء التراث العربي بیروت
۳۳	العقائد الإسلامیة	سید سابق (۱۴۲۰هـ)	دار الکتاب العربي
۳۴	العقیدة في الله	عمرسلیمان الأشقر (۱۴۳۳هـ)	مکتبة الفلاح الکویت
۳۵	العنایة علی هامش فتح القدیر	أکمل الدین محمدبن محمد البابرتي (۷۸۶هـ)	المکتبة الحقانیة پشاور
۳۶	الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی الهندیة	محمد بن شهاب الکردي (۸۲۷هـ)	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، دارالکتب العلمیة بیروت
۳۷	الفتاوی الخانیة علی هامش الفتاوی الهندیة	فخرالدین حسن بن منصور الأوزجندي (۵۹۲هـ)	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۳۸	الفتاوی الکاملیة في الحوادث الطرابلسیة	محمد کامل بن مصطفی الطرابلسي (۱۳۱۵هـ)	المکتبة الحقانیة پشاور
۳۹	الفتاوی الهندیة (العالمگیریة)	شیخ نظام وجماعة من علماء الهند	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۴۰	الفتاویٰ التاتارخانیة	عالم بن العلاء الدهلوي (۷۸۶هـ)	دارإحیاء التراث العربي بیروت
۴۱	الفقه الحنفي وأدلته	أسعد محمد سعید الصاغرجي	دارالکلم الطیب بیروت لبنان

٤٢	الفقه الإسلامي وأدلته	د.وهبة الزحيلي (١٤٣٦هـ)	دار إحسان دمشق
٤٣	القاموس الجديد	وحيد الزمان قاسمي كيرانوي (١٤١٥هـ)	إداره إسلاميات لاهور كراچی
٤٤	الكفاية على هامش فتح القدير	جلال الدين الخوارزمي (٧٦٩هـ)	مكتبه حقانيه پشاور
٤٥	المبسوط للسرخسي	شمس الأئمة السرخسي (٤٨٣هـ)	دارالكتب العلمية بيروت
٤٦	المبسوط للشيباني	محمد بن الحسن الشيباني (١٨٩هـ)	دارالمعارف النعمانية لاهور
٤٧	المجموع شرح المهذب	محي الدين أبوزكريا يحيىٰ بن شرف النووي (٦٧٦هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٤٨	المحيط البرهاني في الفقه النعماني	محمودبن أحمدبن عبدالعزيز عمربن مازة البخاري (٦١٦هـ)	المكتبة الغفارية كوئٹه
٤٩	المختصرللقدوري	أبوالحسين أحمد القدوري (٤٢٨هـ)	الميزان لاهور
٥٠	المدخل	محمدبن محمد العبدري المالكي المعروف بابن الحاج (٧٢٧هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٥١	المسامرة على المسايرة	كمال الدين محمد بن محمد ابن أبي الشريف (٩٠٦هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٥٢	المستدرك على الصحيحين	أبوعبدالله محمدبن عبدالله الحاكم النيسابوري (٤٠٥هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٥٣	المسلك المتقسط في المسلك المتوسط على هامش إرشادالساري	الملا علي بن سلطان القاري (١٠١٤هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
٥٤	المصنف لابن أبي شيبة	الإمام أبوبكر عبد الله بن محمد ابن أبي شيبة (٢٣٥هـ)	إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی، طيب إكادمي ملتان

٥٥	المعجم الأوسط	الحافظ سليمان الطبراني(٣٦٠هـ)	مكتبة المعارف الرياض
٥٦	المعجم الكبيرللطبراني	الحافظ أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني (٣٦٠هـ)	شركة معمل و مطبعة الزهراء الحديثة المحدودة عراق
٥٧	المغني على الشرح الكبير	للإمامين موفق الدين(٦٢٠هـ) و شمس الدين ابني قدامة(٦٨٣هـ)	المكتبة التجارية المكةالمكرمة
	المفهم شرح صحيح مسلم	أحمد بن عمر بن إبراهيم القرطبي (٦٥٦هـ)	دارابن كثيردمشق، دارالكلم الطيب بيروت لبنان
٥٩	المنجد في اللغة والأعلام	جماعة علماء المستشرقين	دار المشرق بيروت لبنان
٦٠	الموافقات في أصول الأحكام	أبو إسحاق إبراهيم بن موسى اللخمي الشاطبي (٧٩٠هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
٦١	الموسوعة الفقهية الكويتية	وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية الكويت	طباعة ذات السلاسل الكويت
٦٢	الموضوعات الكبرىٰ	ملاعلي بن سلطان القاري (١٠١٤هـ)	مكتبه دارالسلام پشاور
٦٣	النبراس شرح شرح العقائد	عبد العزيز فرهاروي (١٢٣٩هـ)	المكتبة الحقانية ملتان
٦٤	النتف في الفتاوىٰ	علي بن الحسين السغدي (٤٦١هـ)	مؤسسة الرسالة بيروت دار الفرقان عمان
٦٥	النّهر الفائق	عمر بن إبراهيم بن نجيم (١٠٠٥هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه
٦٦	الوجيز	عبد الكريم زيدان (١٤٣٥هـ)	فاران اكيڈمی لاهور
٦٧	الوسيط في شرح القانون المدني	عبدالرزاق السنهوري (١٣٩١هـ)	دارإحياء التراث العربي، بيروت
٦٨	الهداية	برهان الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر المرغيناني (٥٩٣هـ)	مكتبه رحمانيه لاهور

٦٩	اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة	جلال الدين عبد الرحمن السيوطي (٩١١هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٧٠	الأحكام السلطانية	علي بن محمد الماوردي (٤٥٠هـ)	نفیس اکیڈمی کراچی
٧١	كفاية الأخيار في حل غاية الاختصار	تقي الدين أبوبكر بن محمد الحصيني (٨٣٩هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
٧٢	الإتقان في علوم القرآن	جلال الدين عبدالرحمن السيوطي (٩١١هـ)	سہیل اکیڈمی لاہور
٧٣	الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف	علاؤالدين علي بن سليمان المرداوي (٨٨٥هـ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
٧٤	إمدادالفتاویٰ	أشرف علي التهانوي (١٣٦٢هـ)	مکتبہ دارالعلوم کراچی
٧٥	أوجز المسالك	محمدزكريا الكاندهلوي (١٣٠٢هـ)	مکتبہ إمدادیہ ملتان
٧٦	اوزان شرعیہ	مفتي محمد شفيع (١٣٩٦هـ)	إدارة المعارف کراچی
٧٧	آكام المرجان في أحكام الجان	بدر الدين أبوعبد الله محمد بن عبد الله الشبلي (٧٦٩هـ)	کارخانہ تجارت کتب کراچی
٧٨	أشرف التوضيح	نذير أحمد (١٤٢٥هـ)	مكتبة العارفي فيصل آباد

ب

٧٩	بدائع الصّنائع في ترتيب الشّرائع	علاء الدين أبوبكربن مسعود الكاساني (٥٨٧هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٨٠	بداية المجتهد ونهاية المقتصد	ابن رشد محمدبن أحمد القرطبي (٥٩٥هـ)	مكتبة نزار مصطفىٰ الباز مكة المكرمة
٨١	بذل المجهود في حل أبي داؤد	خليل أحمد السهارنفوري (١٣٤٦هـ)	دار اللوىٰ للنشر و التوزيع الرياض

ت

٨٢	تاريخ التشريع الإسلامي	منّاع القطان (١٤٢٠هـ)	مؤسسة الرسالة بيروت لبنان
٨٣	تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام	إبراهيم بن علي ابن فرحون المالكي (٧٩٩هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٨٤	تبيين الحقائق في شرح كنزالدّقائق	فخرالدين عثمان بن علي الزيلعي (٧٤٣هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
٨٥	تحفة الفقهآء	علاء الدين السمر قندي (٥٧٥هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
٨٦	تفسير المظهري	محمد ثناء الله پانی پتی (١٢٢٥هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه پاکستان
٨٧	تفسيرالقرآن الكريم	عمادالدين إسماعيل بن كثير (٧٧٤هـ)	مكتبه إمداديه مكة المكرمة
٨٨	تفسير أبي السعود	أبو السعود محمد بن محمد (٩٨٢هـ)	دار إحياء التراث العربي بيروت
٨٩	تقرير ترمذي	محمد تقي العثماني	ميمن إسلامك پبلشرز كراچي
٩٠	تقريرات الرافعي	محمدرشيد بن عبداللطيف البيساري الرافعي(١٣٢٣هـ)	مكتبه إمداديه ملتان
٩١	تقليد كى شرعى حيثيت	محمد تقي العثماني	ميمن إسلامك پبلشرز كراچي
٩٢	تكملة البحرالرائق	محمدبن حسين بن علي الطوري (١١٣٨هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٩٣	قرة عيون الأخيار تكملة ردالمحتار	محمدعلاء الدين بن محمدأمين ابن عابدين (١٣٠٦هـ)	مكتبه إمداديه ملتان
٩٤	تكملة عمدة الرعاية على شرح الوقاية	مولانا فتح محمد التائب (١٣٢٧هـ)	مكتبه رحمانية اقراء سنٹر غزنى سٹريٹ اردو بازار لاهور

٩٥	تكملة فتح الملهم	محمدتقي العثماني	مكتبه دارالعلوم كراچی
٩٦	تنوير الأبصار مع الدرالمختار	محمد بن عبدالله بن أحمد التمرتاشي (١٠٠٤هـ)	مكتبه إمداديه ملتان

ج، ح، خ، د

٩٧	جامع البيان المعروف تفسيرالطبري	أبوجعفر محمدبن جرير الطبري (٣١٠هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
٩٨	جامع الترمذي	أبوعيسىٰ محمدبن عيسى الترمذي (٢٧٩هـ)	الميزان، لاهور
٩٩	جامع الرموز	شمس الدين محمد القهستاني (٩٥٣هـ)	ايچ۔ ايم۔ سعيد كراچی
١٠٠	جواهرالفقه	مفتي محمد شفيع (١٣٩٦هـ)	مكتبه دارالعلوم كراچی
١٠١	حاشية الشلبي على تبين الحقائق	شهاب الدين أحمد بن يونس الشلبي (١٠١٠هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
١٠٢	حاشية الموسوعة الفقهية الكويتية	وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية	طباعة ذات السلاسل الكويت
١٠٣	حاشية الهداية	محمد عبد الحيّ اللكهنوي (١٣٠٤هـ)	مكتبه رحمانيه لاهور
١٠٤	حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح	أحمد بن محمد الطحطاوي الحنفي (١٢٣١هـ)	المكتبةالعربية كوئٹه
١٠٥	حاشية على البناية في شرح الهداية	ناصرالإسلام محمد عمر رامفوري (١٢٩٥هـ)	مكتبة رشيديه كوئٹه
١٠٦	حجة الله البالغة	شاه ولي الله أحمد الدهلوي (١١٧٦هـ)	المكتبة السلفيةلاهور

۱۰۷	خلاصه التحقيق في حكم التقليد والتلفيق	عبد الغني النابلسي (۱۱٤۳هـ)	مكتبة الحقيقة استنبول، تركيا
۱۰۸	خلاصة الفتاوى	طاهربن أحمد البخاري (٥٤۲هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه
۱۰۹	درر الحكام شرح مجلة الأحكام	علي حيدر (۱۲٥٤هـ)	المكتبة العربية كوئٹه

ر، س، ش

۱۱۰	رحمة الأمة في اختلاف الأئمة	أبو عبد الله محمد بن عبد الرحمن قاضي صفد (۷۸۰هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
۱۱۱	ردّالمحتار على الدّرالمختار	محمدأمين ابن عابدين (۱۲٥۲هـ)	مكتبه امداديه ملتان
۱۱۲	روح المعاني	شهاب الدين محمود الآلوسي البغدادي (۱۲۷۰هـ)	دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان
۱۱۳	سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد	شمس الدين محمد بن يوسف الشامي (۹٤۲هـ)	دار الكتب العلمية بيروت، لبنان
۱۱٤	سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة	محمد ناصرالدين الألباني (۱٤۲۰هـ)	المكتب الإسلامي بيروت
۱۱٥	سنن الدارمي	عبدالله بن عبد الرحمن الدارمي (۲٥٥هـ)	قديمی كتب خانه كراچی
۱۱٦	سنن النسائي	أبو عبد الرحمن أحمدبن شعيب الخراساني النسائي (۳۰۳هـ)	مكتبه رحمانيه اردو بازار لاهور
۱۱۷	سنن أبي داؤد	سليمان بن الأشعث السجستاني (۲۷٥هـ)	ايج ايم سعيد كراچی
۱۱۸	سنن الدارقطني	علي بن عمر الدار قطني (۳۸٥هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان

۱۱۹	شرح السّنة	الحسين بن مسعود البغوي (۵۱۰هـ)	المكتب الإسلامي بيروت، لبنان
۱۲۰	شرح العقائد النّسفية	مسعود بن عمر التفتازاني (۷۹۳هـ)	مکتبہ حقانیہ پشاور
۱۲۱	شرح العقيدة الطحاوية	ابن أبي العزّ الحنفي (۷۹۲هـ)	قدیمی کتب خانہ کراچی
۱۲۲	شرح المجلّة	سليم رستم باز اللبناني (۱۳۳۸هـ)	المكتبة الحبيبية كوئٹه
۱۲۳	شرح المجلة	خالد الأتاسي (۱۳۲۶هـ)	المكتبة الحقانية پشاور
۱۲٤	شرح النقاية	علي بن محمد سلطان القاري (۱۰۱٤هـ)	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۱۲۵	شرح الوقاية	عبيدا لله بن مسعود (۷٤۷هـ)	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۱۲٦	شرح صحيح البخاري لابن بطال	أبو الحسن علي بن خلف بن عبد الملك (٤٤۹هـ)	مكتبة الرشد الرياض
۱۲۷	شرح عقود رسم المفتي لابن عابدين	محمد أمين الشهير بابن عابدين (۱۲٤۳هـ)	مكتبة البشرى كراچي
۱۲۸	شرح مسلم للنووي	يحيى بن شرف النووي (٦۷٦هـ)	مكتبه دارالفكر بيروت لبنان
۱۲۹	شرح معاني الآثار	أحمد بن محمد الطحاوي (۳۲۱هـ)	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۱۳۰	شعب الإيمان للبيهقي	أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي (٤۵۸هـ)	دارالكتب العلميه بيروت لبنان

ص، ع، غ

۱۳۱	صحيح ابن حبان	محمد بن حبان (۳۵٤هـ)	مكتبة دارالفكر بيروت لبنان

۱۳۲	صحيح البخاري	محمدبن إسماعيل البخاري (۲۵٦هـ)	قدیمی کتب خانہ کراچی
۱۳۳	صحيح مسلم	مسلم بن الحجاج القشيري (۲٦۱هـ)	قدیمی کتب خانہ کراچی
۱۳٤	عقد الجيد في أحكام الاجتهاد والتقليد	شاه ولي الله الدهلوي (۱۱۷٦هـ)	دار الفتح الشارقه
۱۳۵	علوم الحديث	عبيدالله أسعدي	مجلس نشريات إسلام كراچي
۱۳٦	علوم القرآن	محمد تقي عثماني	مكتبه دارالعلوم كراچي
۱۳۷	عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية	محمد عبد الحي اللكهنوي (۱۳۰٤هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه
۱۳۸	عمدة القاري شرح صحيح البخاري	العلامة بدرالدين العيني (۸۵۵هـ)	دار إحياء التّرا ث العربي بيروت لبنان
۱۳۹	عون المعبود شرح سنن أبي داؤد	محمدشمس الحق عظيم آبادي (۱۳۲۹هـ)	دارالفكربيروت، لبنان
۱٤۰	غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر	أحمدبن محمد الحموي (۱۰۹۸هـ)	إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچي
۱٤۱	غنية الناسك في بغية المناسك	محمد حسن شاه المهاجر المكي (۱۳٤٦هـ)	مكتبة ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي
۱٤۲	غنيةالمستملي المعروف بالحلبي الكبيري	إبراهيم الحلبي (۹۵٦هـ)	مكتبه نعمانيه كوئٹه

ف

۱٤۳	فتاویٰ ابن تيميه	تقي الدين ابن تيميه (۷۲۸هـ)	تحت إشراف الرئاسة العامة لشئون الحرمين الشريفين
۱٤٤	فتاویٰ المرأة المسلمة	جماعة من علماء العرب	دارالفكر بيروت لبنان

١٤٥	فتاویٰ خیریة علیٰ هامش تنقیح الفتاویٰ الحامدیة	خیر الدین الرملی (١٨١٠هـ)	مکتبه حقانیه پشاور پاکستان
١٤٦	فتاویٰ رشیدیه	رشید أحمد گنگوهي (١٣٢٣هـ)	موتمر المصنفین اکوڑہ خٹک
١٤٧	فتح الباري	أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)	دارالفکر بیروت، لبنان
١٤٨	فتح الغفار شرح المنار	زین الدین بن إبراهیم ابن نجیم (٩٧٠هـ)	مکتبه اسلامیه ، کوئٹه
١٤٩	فتح القدیر الجامع بین فني الروایة والدرایة من علم التفسیر	محمد بن علي بن محمد الشوکاني (١٢٥٠هـ)	دار الفکر بیروت لبنان
١٥٠	فتح القدیر	ابن الهمام کمال الدین محمدبن عبدالواحد (٨٦١هـ)	مکتبه حقانیه پشاور پاکستان
١٥١	فتح الملهم شرح صحیح مسلم	شبیرأحمد العثماني (١٣٦٩هـ)	مکتبه دارالعلوم کراچي
١٥٢	فقه السنة	السید السابق (١٤٢٠هـ)	دار ابن کثیر دمشق لبنان
١٥٣	فیض الباري علی صحیح البخاري	محمد أنورشاه الکشمیري (١٣٥٢هـ)	مکتبه حقانیه پشاور
١٥٤	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	محمد عبد الرؤوف المناوي (١٠٣١هـ)	دارالکتب العلمیة بیروت، لبنان

ق ، ک

١٥٥	قاموس الفقه	خالد سیف الله رحماني	زم زم پبلشرز کراچي
١٥٦	کتاب التعریفات	سید شریف الجرجاني (٨١٦هـ)	دارالمنار للطباعة والنشر
١٥٧	کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة	عبدالرحمن بن محمدعوض الجزیري (١٣٦٠هـ)	وحیدي کتب خانه پشاور
١٥٨	کتاب الأموال	أبو عبید قاسم بن سلام (٢٢٤هـ)	دارالکتب العلمیة بیروت

۱۵۹	كشاف القناع عن متن الإقناع	منصور بن يونس البهوتي (١٠٥١هـ)	دار الكتب العلميه بيروت
١٦٠	كشف الأسرار	أبوالبركات عبدالله بن أحمد حافظ الدين النسفي (٧١٠هـ)	دارالكتب العلمية بيروت
١٦١	كفايت المفتي	مفتى كفايت الله دهلوئ (١٣٥٢هـ)	دارالاشاعت کراچی
١٦٢	كنزالدقائق	أبوالبركات عبدالله بن أحمد حافظ الدين النسفي (٧١٠هـ)	ایج ایم سعید کمپنی کراچی
١٦٣	كنزالعمال	علاء الدين المتقي الهندي (٩٧٥هـ)	اداره تاليفات اشرفيه ملتان پاکستان

ل،م

١٦٤	لسان الحكام	إبراهيم بن محمد، المعروف بابن الشحنة الحلبي (٨٨٢هـ)	البابي الحلبي القاهرة
١٦٥	لسان العرب	محمد بن منظور الافريقي (٧١١هـ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
١٦٦	ماهنامه العصرپشاور	مفتى غلام الرحمن	جامعه عثمانيه پشاور
١٦٧	مجلة الأحكام العدلية	لجنة العلماء المحققين	میر محمد کتب خانه کراچی
١٦٨	مجمع الأنهرشرح ملتقى الأبحر	عبدالله بن محمد بن سليمان دامادأفندي (١٠٧٨هـ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
١٦٩	مجمع الزوائد	نور الدين علي بن أبي بكرالهيثمي (٨٠٧هـ)	دار الكتب العلمية بيروت
١٧٠	مجموعه قوانين اسلامى	ڈاکٹرتنزيل الرحمن	اداره تحقيقات اسلامى اسلام آباد
١٧١	مجموعة رسائل ابن عابدين	محمدأمين ابن عابدين (١٢٤٣هـ)	سهيل اكيڈمي لاهور

١٧٢	مجموعة رسائل اللكهنوي	عبدالحي اللكهنوي (١٣٠٤هـ)	إدارة القران كراچی
١٧٣	مرقاة المفاتيح	ملا علي بن سلطان القاري (١٠١٤هـ)	المكتبة الحقانية پشاور
١٧٤	مسند الإمام أحمد	أحمد بن حنبل (٢٤١هـ)	دار إحياء التراث العربي بيروت
١٧٥	مسند أبي عوانة	أبو عوانه يعقوب بن إسحاق الأسفرائيني (٣١٦هـ)	دار المعرفة بيروت
١٧٦	مسند أبي يعلى الموصلي	أحمدبن علي الموصلي(٣٠٧هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
١٧٧	مشكوة المصابيح	محمدبن عبدالله الخطيب التبريزي (٧٣٧هـ)	المكتبة الحقانيه بشاور
١٧٨	مصنف عبدالرزاق	أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني(٢١١هـ)	إدارة القران والعلوم الاسلاميه كراچی
١٧٩	معارف السنن	محمديوسف البنوري (١٣٩٧هـ)	ايج۔ ایم ۔سعید کراچی
١٨٠	معجم لغة الفقهاء	محمد رواس قلعه جی (١٤٣٥هـ)	دارالنفائس بيروت
١٨١	معين الحكام	علاء الدين علي بن خليل الطرابلسي (٨٤٤هـ)	مكتبة القدس كوئته
١٨٢	مغني المحتاج	محمدبن أحمد الخطيب الشربيني(٩٧٧هـ)	دارالذخائرللمطبوعات قم إيران
١٨٣	مفردات غريب القرآن	الحسين بن محمد الراغب الأصفهاني (٥٠٢هـ)	دارالقلم دمشق
١٨٤	منحةالخالق على البحرالرائق	محمدأمين ابن عابدين (١٢٤٣هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
١٨٥	منهاج السنن شرح جامع السنن	المفتي محمد فريد(١٤٣٢هـ)	مكتبه حقانيه پشاور

۱۸۶	موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان	نور الدین علي بن أبي بکر الهیثمي (۸۰۷هـ)	المطبعة السلفية و مكتبتها بيروت
۱۸۷	موسوعة الفقه الإسلامي المعاصر	عبد الحليم عويس (۱٤۳۳هـ)	دار الوفاء منصورة
۱۸۸	موطا الإمام مالك	مالك بن انس (۱۷۹هـ)	الميزان لاهور
۱۸۹	نفع المفتي والسائل	عبد الحي اللكهنوي (۱۳۰٤هـ)	ايچ ايم سعيد كمپنى كراچي

ن

۱۹۰	نور الأنوار	ملاأحمدجيون (۱۱۳۰هـ)	مير محمد كتب خانه كراچي
۱۹۱	نيل الأوطار	محمدبن علي بن محمد الشوكاني (۱۲۵۰هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان